ابوالقاسم رفیق دلاوری

ائمۂ تلبیس

ایوان کتب • الہ آباد

ائمۂ تلبیس

ابو القاسم رفیقؔ دلاوری

ناشر

ایوان کمپنی ۶۰ نخاس کہنہ الٰہ آباد

نام کتاب .. .. .. ائمۂ تلبیس

مولف .. .. .. ابو القاسم رفیقؔ دلاوری

صفحات ۴۵۵

ناشر .. .. .. ایوان کمپنی ۶۰ نخاس کہنہ، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

طابع .. .. .. تاج آفسٹ، الہ آباد

اہتمام .. .. .. عیاض احمد

نگراں .. .. .. امان اللہ

تعداد ۱۰۰۰

سن اشاعت .. .. ۱۹۸۴ء مطابق ۱۴۰۴ھ

قیمت .. .. .. =/۴۰ روپے

معزز قارئین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ابوالقاسم رفیق دلاوری کی تالیف "ائمہ تلبیس" پیش خدمت ہے۔
یہ کتاب نصف صدی قبل 'دارالتصنیف لاہور' نے شائع کی تھی کمیاب
بلکہ نایاب کتاب تھی۔ اب ایوان کمپنی الہ آباد نے بعد نظر ثانی، تحسین و
جدید اضافوں کے ساتھ شائع کی ہے۔

جس زمانہ میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اس وقت قادیانی مذہب'
کی افتراق انگیز برق اسلامیان ہند پر گری اور جانے کتنے ایمانوں
کو بھسم کرتی ہوئی بین الاقوامی سطح تک پہونچ گئی تھی۔ آج قادیانیت
کا مذہبی وجود اپنے سیاسی خدوخال سمیت آشکار ہوگیا ہے۔ جس
سے اسلام مصئون اور مسلمان محفوظ ہوگئے ہیں۔

معاندین نے "اسلامی تخریبات" کا سلسلہ شب و روز کا معمول بنالیا ہے۔
فتنے اور آزمائشیں مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہیں۔ اہل ایمان
کے لئے یہ ایک کسوٹی ہے، کسی مسلمان کو ہراساں ہونے کی
ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان فتنوں
کی نشاندہی بروقت ہوتی رہے۔

آج "فتنہ عجم" نے پھر سر ابھارا ہے۔ اس فتنہ کی "مذہبی قیادت" کے مظاہر اسلام کی وحدت اور مرکزیت کیلئے کس قدر مہلک اور مضر ہیں۔ اہل بصیرت کے لئے اس کا اندازہ اب کچھ دشوار نہیں رہ گیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک جماعت اپنی تائید اور حمایت سے سادہ دل مسلمانوں کو اس فتنہ میں مبتلا کر دینا چاہتی ہے۔ ان ہی افراد کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ع "کار ملاّ فی سبیل اللہ فساد"

جن افراد کے تذکروں سے یہ کتاب مرصع ہے وہ نابغہ عصر تھے۔ نبوت، امامت، مہدویت اور مسیحیت کے جھوٹے دعوے کر کے ملت حنیفی میں جو جو رخنہ اندازیاں کی ہیں ان کے اعمال نامے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ "امام شناسی" اور "تحقیقات اسلامی" کے لیے ان مدعیان کے بارے میں جملہ معلومات امت مسلمہ کے لئے بیحد ضروری ہیں۔

بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ مسلمانوں میں امن وسلامتی کی فضا قائم رہے اور وہ تمام فتنوں سے محفوظ رہ کر اسلام کے سچے شیدائی بن سکیں تاکہ دنیا میں امن و امان قائم رہے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

خادم: عیاض احمد

منتظم: ایوان کمپنی الہ آباد

فہرست مندرجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ
سیدنا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ○

اما بعد مدت سے یہ خیال راقم الحروف کے دل و دماغ میں موجزن تھا کہ ایک ایسی جامع تاریخ مرتب کی جائے جس میں ان تمام مشاہیر کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہوں جنھوں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت سے لیکر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعووں کو اپنی دکان آرائی اور زرطلبی کا وسیلہ بنایا اور مذہبی فضا کو مکدر کر کے عالم اسلام میں ہلچل ڈالے رکھی۔ گو یہ کام بہت دشوار اور محنت طلب تھا۔ مگر میں نے اپنی علمی بےبضاعتی کے باوجود متوکلاً علی اللہ اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور آج یہ تاریخ قوم کے سامنے پیش کر کے توفیق الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ملت حنیفی کی سب سے بڑی مصیبت ائمہ ضلال کا وجود ہے۔ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے وابستگان اسوۂ محمدی کو دوسرے مفاسد و فتن کی اطلاع دے دی ہے۔ اسی طرح ان کے کذب و زور سے بھی بڑے شد و مد سے متنبہ فرما دیا تھا:۔

انما اخاف علیٰ امتی الائمۃ المضلین	مجھے گمراہ کرنے والے اماموں سے شدید خطرہ ہے۔
وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی (رواہ مسلم عن ثوبانؓ)	میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ آج تک ایسے مشہور مدعیان نبوت کتنے گذرے ہیں جو تقدس مآبی کی عبا پہن کر لوگوں کو زندقہ و دہریت کی تعلیم دیتے رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرے نزدیک جن کا نام تھا عالم تک پہونچا اور ان کے فتنہ نے عالمگیر حیثیت اختیار کی یہ مشکل بیس اکیس تک پہونچتی ہے۔ دجال اعور کے ظہور سے پہلے عالم اسلام کو ابھی مزید آٹھ دس شہرۂ آفاق مفتریوں سے سابقہ پڑنا ہے۔ حافظ حقیقی ہمیں ان کے شر سے بچائے اور ہر مسلمان کو استقامت علی الایمان کی توفیق بخشے۔ آمین

مفتریوں کے علامات و خصائص

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "اور لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و خوبی کے متعلق استفسار کیا کرتے تھے لیکن میں شر و فتنہ کی نسبت دریافت کیا کرتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم جاہلیت کے دور میں بڑے زیاں کار تھے، اللہ نے ہمیں نعمت اسلام سے سرفراز فرمایا۔ لیکن اس خیر و برکت کے بعد کوئی فتنہ تو رونما نہ ہوگا؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک ہوگا" میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس فتنہ کے بعد کوئی بھلائی عرصہ ظہور میں آئے گی؟ فرمایا: "ہاں۔ لیکن اس میں کدورت ہوگی" میں نے پوچھا کہ وہ کدورت کس قسم کی ہوگی؟ فرمایا: "ایسے لوگ ظاہر ہونگے جو میری راہ ہدایت سے منحرف ہو کر اپنا علیحدہ طریقہ اختیار کریں گے۔ جو شخص اُن کی بات پر عمل پیرا ہوگا اسے جہنم داخل کرکے چھوڑیں گے" میں نے کہا یا رسول اللہ! ان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا "وہ ہماری ہی قوم میں سے ہونگے۔ ان کا ظاہر تو علم و تقویٰ سے آراستہ ہوگا مگر باطن ایمان و ہدایت سے خالی ہوگا۔ وہ ہماری ہی زبانوں کے ساتھ کلام کریں گے۔ میں نے گذارش کی یا رسول اللہ! تو پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا "اے حذیفہ! جب ایسا وقت آجائے تو مسلمانوں کی جماعت کا التزامی طور پر شریک حال رہنا اور مسلمانوں کے امام و خلیفہ کی انحراف ورزی نہ کرنا" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر ایسا وقت ہو کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور ان کا کوئی امام بھی نہ ہو تو پھر کیا کرنا ہوگا؟ فرمایا اگر ایسی حالت رونما ہو تو گمراہ فرقوں سے الگ رہنا۔ اگرچہ تمہیں درختوں کے پتے اور جڑیں چبا کر گذر اوقات کرنا پڑے۔ یہاں تک کہ اس حال میں تیری موت ہو جائے (بخاری و مسلم)

اس کتاب میں ائمہ تلبیس کے زمرہ میں بعض ایسے لوگ بھی آگئے ہیں جو انجام کار اپنے جھوٹے دعووں سے تائب ہو گئے تھے اور بعض مہدویت کے مدعی ہوئے ہیں۔ دعوئ مہدویت کفر نہیں ہے۔ اس بنا پر محمد بن تومرت، محمد احمد سوڈانی اور اس قسم کے دوسرے مہدیوں اور ان کے پیرووں کو دائرہ اسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ کسی نے ضروریات دین میں سے کسی عقیدہ کا انکار نہ کیا ہو۔ چونکہ یہ لوگ اہل سنت و جماعت کے اجماعی مسلک سے علیحدہ ہو گئے، اس لئے ان کے بدعتی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ سید محمد جونپوری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان کا دعوئ مہدویت محض غلبۂ حال کے باعث تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے بھی خارج نہیں ہوئے۔

ضروری التماس

"ائمہ تلبیس" میں بمقتضائے ضرورت کہیں کہیں مذاہب باطلہ کا بطلان بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ان کے خلاف محاذ جنگ قائم کی جائے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ فرقۂ اہل سنت و جماعت کے پیرو بدعتی فرقوں سے کنارہ کش رہ کر سلف صالح اور اخیار امت کی صراط مستقیم کے پابند رہیں۔

میں نے اپنی ناچیز استعداد کے مطابق کوشش کی ہے کہ واقعات کو ان کے صحیح رنگ میں پیش کروں۔ تاہم میرا گمان ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ اس لئے اہل نظر سے ملتمس ہوں کہ جو اغلاط دیکھیں از راہ عنایت مطلع کر دیں۔ تاکہ اگر اشاعت ثانی کی نوبت آئے تو ان کی اصلاح ہو جائے۔

لاہور
۴ر جنوری ۱۹۳۷ء

خاکسار: ابوالقاسم رفیق دلاوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صافؔ ابن صیاد مدنی

خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ تر انہی کی مرضی اور صواب دید پر موقوف رہتا تھا۔ چونکہ یہ مدعیانِ غیب دانی مرجع انام اور قبلۂ حاجات بنے ہوئے تھے۔ آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی آسمانی تعلیمات کا نور مبین افق عالم پر لمعہ افگن ہوا۔ کہانت و نجوم کے ان دکانداروں میں صافؔ نام ایک یہودی بھی تھا۔ جو ناموسِ الٰہی کے آخری ایام سعادت میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا۔ اور اسلامی حلقوں میں ابن صیاد کی کنیت سے مشہور ہے۔

ابن صیاد سحر و کہانت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ گو نبوت کا مدعی تھا لیکن کسی روایت سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچا کہ وہ کسی دن دوسرے خانہ ساز نبیوں کی طرح باقاعدہ بے ہمتائی و یکتائی کی مسند غرور پر بیٹھا ہو اور کسی نے اس کے دعوائے نبوت کی تصدیق کر کے اس کی متابعت کی ہو۔ ابن صیاد بعد میں بظاہر مسلمان ہو گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلام شائبۂ نفاق سے پاک نہ تھا جس کے بہت سے دلائل و شواہد پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعض دوسرے یہودی کی طرح صرف عرب کے ساتھ مخصوص مانتا تھا۔ اور تصدیق رسالت کے باوجود خود بھی مدعیٔ نبوت تھا حالانکہ کوئی شخص جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دعوائے نبوت کر کے دائرۂ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیاد کے سامنے دجال کا ذکر آیا۔ میں نے اس سے ازراہِ مذاق کہا "تیرا برا ہو کیا تو دجال ہونا پسند کرتا ہے؟" کہنے لگا کہ اگر وہ تمام قدرت جو دجال کو دی جائے گی۔ مجھے عطا کی جائے تو میں دجال

بننا ناپسند نہ کروں"۔ (صحیح مسلم) ابن صیاد کا یہ جواب اس کے دلی خیالات وعقائد کا صحیح آئینہ ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کے دل پر شیفتگی و اسلام وایمان کے نقش کہاں تک مرتسم تھے؟

ایک مرتبہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی رگ غیرت اس دعوائے نبوت پر جنبش میں آگئی انھوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس کی گردن ماردوں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ابن صیاد وہی دجال منتظر ہے تو تم اس پر کسی طرح قابو نہ پاسکو گے (کیونکہ وہ لامحالہ قرب قیامت تک زندہ رہ کر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا) اور اگر ابن صیاد دجال معہود نہیں تو اس کے قتل کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ (بخاری ومسلم) منع قتل کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود ان دنوں ذمی تھے اور ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ ان سے کسی حال میں تعرض نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ "شرح السنۃ" کی روایت میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں کہ اگر ابن صیاد دجال موعود نہیں تو تمھیں کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک ذمی کو قتل کرو"۔ (مشکوٰۃ)

روایات صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیسی طاقتیں خورد سالی سے ہی ان کے باطن میں اپنی طاغوتی کذب آفرینیاں القا کر رہی تھیں اور وہ حد بلوغ سے قبل ہی اظہار نبوت کر رہا تھا چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے۔ ابن صیاد عالم طفلی میں قلعہ بنی مغالہ کے اندر جو یہود کا ایک قبیلہ تھا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی طرف راجع کر کے فرمایا کیا تو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں؟ ابن صیاد نے کہا میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ امیوں کے (یعنی عرب والوں کے جو اکثر ناخواندہ تھے) نبی ہیں۔ پھر ابن صیاد نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ "کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں؟" آپ نے فرمایا کہ "میں تو اللہ جل وعلا اور اس کے تمام (سچے) نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں لیکن یہ تو بتا کہ تو جو نبوت کا دعوے دار ہے تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ "میرے پاس ایک صادق آتا ہے اور ایک کاذب۔"

غالباً اس کا منشا یہ تھا کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور ایک شیطان یہ دونوں اس کے دل پر امور غیبیہ القا کر جاتے ہوں گے۔ ابن صیاد کے خود اپنے بیان سے اس کے دعوئے نبوت کا بطلان ثابت ہو گیا کیونکہ انبیاء کرام کی خبریں ابلیسی اکاذیب سے قطعاً مبرا ہوتی ہیں۔ بخلاف کاہنوں کے کہ ان کی بعض اطلاعیں سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تجھ پر صدق اور کذب مختلط ہو گیا ہے"۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ پر اس کا بطلان ظاہر کرنے کے لئے علیٰ رؤس الاشہاد اس کا امتحان کرنا چاہا۔ چنانچہ فرمایا "اچھا میں ایک کلمہ اپنے دل میں سوچتا ہوں بتاؤ کہ وہ کون سا کلمہ ہے؟" جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت جس کے پانچ کلمے ہیں اپنے ذہن میں ملحوظ رکھی یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (جس دن کہ آسمان پر بیّن دھواں ظاہر ہوگا) ابن صیاد نے کہا وہ دھواں ہے۔ ابن صیاد پانچ الفاظ کے کلام میں سے صرف ایک لفظ بتا سکا۔ جب حضورؐ نے دیکھا کہ اس کا حال عام کاہنوں کا سا ہے جو القائے شیطانی کی بدولت بعض امور غیبیہ معلوم کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ "تو اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہیں مار سکتا اور نہ اس درجے سے تجاوز کر سکتا ہے جو کاہنوں کو حاصل ہے اور جب تو دوسروں کے دلی خطرات کو پوری طرح نہیں بتا سکتا تو نبوت کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے"۔

ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن صیاد کا رفیق سفر تھا اثنا گفتگو میں مجھ سے کہنے لگا کیا پیغمبر علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجال کافر ہوگا۔ اور میں مسلمان ہوں؟ اور کیا سردار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجال مکے اور مدینے میں داخل نہ ہوگا لیکن میں مدینے میں پیدا ہوا اور وہیں سے آ کر مکہ معظمہ جا رہا ہوں؟ (مسلم) حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ابن صیاد واقعۂ حرّہ میں جب کہ یزید کا لشکر اہلِ مدینہ پر غالب آیا مفقود ہو گیا۔ بظاہر یہ روایت اس بیان کے منافی ہے جس میں مذکور ہے کہ وہ مدینے میں مرا اور اس پر نماز پڑھی گئی۔ اگر اس روایت کا مفہوم عام اور موت کو بھی شامل ہے تو کچھ منافات نہیں کیونکہ دونوں کا ماحصل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعہ حرّہ میں مرا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

اسود عنسی

اسود کا اصل نام عَیْہلہ بن کعب بن عوف عنسی تھا۔ لیکن سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ عنس قبیلۂ مذحج کی ایک شاخ تھی۔ علاقۂ یمن کے ایک موضع میں جس کا نام کہف خار ہے پیدا ہوا اور وہیں نشوونما پایا۔ شعبدہ گری اور کہانت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اسود کی ذات میں شیریں کلامی اور تحمل و بردباری کا جوہر بدرجۂ اتم ودیعت تھا۔ اس لئے عامۃ الناس جلد اس کی کمندِ خدع میں پھنس جاتے تھے۔ اس کے لقب میں اختلاف ہے بعض نے اسے ذوالخمار یعنی اوڑھنی والا لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت چادر اوڑھے اور عمامہ باندھے رہتا تھا۔ اور بعض نے اس کا لقب ذوالحمار بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک سدھا ہوا گدھا تھا۔ جب اس کی طرف مخاطب ہو کر کہتا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر تو وہ فوراً سربسجود ہو جاتا۔ جب بیٹھنے کو کہتا تو جھٹ بیٹھ جاتا۔ اور جب کھڑا ہونے کا حکم دیتا تو وہ نیم قد اور بعض اشاروں پر سرو قد کھڑا ہو جاتا تھا۔ جب اہل نجران نے اسود کے ادعائے نبوت کی خبر سُنی تو اسے بغرض امتحان اپنے ہاں مدعو کیا۔ یہ لوگ اس کی چکنی چپڑی باتوں پر فریفتہ ہو گئے۔ اور جب اس نے گدھے کی نشست و برخاست سے اپنا "اعجازی کرشمہ" بھی دکھا دیا تو انھوں نے نقدِ ایمان نذر کر کے اس کی پیروی اختیار کر لی۔ اسی طرح قبیلہ مذحج نے بھی اسود کی نئی تحریک کو سمعاً و طاعۃً قبول کر لیا۔

اسود نے دعوائے نبوت کے بعد تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ سب سے پہلے نجران پر چڑھ دوڑا۔ اور عمرؓو بن حزم اور خالدؓ بن سعید بن عاص کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا۔ اسی طرح اسود کا وزیر قیس بن عبد یغوث مرادی بھی جس کے ہاتھ میں اسودی لشکر کی قیادت تھی۔ فروہ بن مسیک پر چڑھ آیا جو مراد پر عامل تھے اور انہیں منہزم کر کے وہاں پر قابض ہو گیا۔ نجران سے فارغ ہو کر اسود نے صنعا کا رُخ کیا۔ یہاں شہرؓ بن باذان نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہو کر جرعہ شہادت پی لیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی بے سروسامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صنعا سے روانہ ہوئے اور مآرب میں ابو موسیٰ کی طرف ہو کر گذرے ابو موسیٰ نے دیکھا کہ حفظ و دفاع کا کوئی سامان نہیں ناچار وہ بھی حضرت معاذ بن

جبلؓ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے۔ حضرت معاذؓ تو سکون میں ٹھہرے اور ابو موسیٰ کاسک کو چلے گئے۔ اسی طرح طاہر بن ابو ہالہ جبل صنعاء میں جا پناہ گزین ہوئے اور وہ لوگ جو قبیلۂ مذحج میں سے اسلام پر قائم رہے انھوں نے فروہ کے پاس جائے پناہ لی۔ اس وقت اسود کی اقبال کا یہ عالم تھا۔ کہ فتح وظفر ہر وقت حکم کی منتظر تھی۔ غرض یمن کا سارا ملک اسود کے حیطۂ اقتدار میں چلا گیا اور وہ شرقاً غرباً صحرائے حضر موت سے طائف تک اور شمال میں بحرین سے احسا تک اور جنوب میں عدن تک کا مالک ہو گیا۔ ان واقعات سے اکثر اہل یمن میں اسلام کے صراط صدق وصواب سے منحرف ہو کر اسود کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ اب عمروؓ بن حزم اور خالدؓ بن سعید مدینہ منورہ پہونچے اور تمام دل خراش واقعات حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک پہونچائے۔

جب یمن کے سارے علاقے اسود کے علم اقبال کے سایہ میں آچکے تو اس عمرو بن معدیکرب کو اپنا نائب مقرر کیا یہ وہی شخص ہے جو پہلے خالد بن سعید بن عاص کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔ لیکن پھر مرتد ہو کر اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور خالدؓ بن سعید کے مقابلہ سے بھاگ کر اسود کے ظلِّ عاطفت میں جائے پناہ لی تھی۔ اب حضر موت کے مسلمانوں کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں اسود ان پر بھی فوج کشی نہ کرے اس لئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لے کر استمالتِ قلوب کے لئے قبیلۂ سکون میں نکاح کر لیا۔ جس سے قبیلہ کے لوگ ان سے عطوفت اور محبت کا برتاؤ برتنے لگے۔

اسود یمن کا بلا شرکت غیرے مالک بن کر کوس اَنَا وَلَا غَیْرِیْ بجا رہا تھا۔ لیکن حکومت پر فائز ہونے کے بعد اس میں وہ پہلی سی تواضع ومنکسر المزاجی باقی نہ رہی تھی۔ غرور وانانیت نے حلم وخاکساری کی جگہ لے لی تھی۔ اور ہر وقت فرعونیت کا تاج پہنے یکتائی اور بے ہمتائی کے نشہ میں سرشار تھا۔ اسود مسلمانوں کی طرف سے ہنوز کھٹکا ہوا تھا اور ارباب ایمان بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے کہ اس اثناء میں عامر بن شہر، ذی زود، ذوالکلاع اور ذی ظلیم کی طرف سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ ہم تمھاری مدد کے لئے ہر طرح سے حاضر ہیں۔ بات یہ تھی کہ سید خلق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اس مضمون کے فرمان بھیجے تھے کہ وہ اسود کے خلاف

حرب آزما ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے صنعار کے مسلمانوں کو جہاد کی تحریک کی تھی۔ اسی طرح فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو بھی شریک جہاد ہونے کو لکھا تھا اور نجران والوں نے تعمیل ارشاد کا تہیہ کر کے صنعار والوں کو اپنے عزائم کی اطلاع دیدی تھی۔ یہاں سے فیروز اور جشنس نے اطراف واکناف کے ان تمام مسلمانوں کو جنھوں نے اسود کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کی تحریک کی تھی یہ جواب دیا کہ جب تک ہم یہاں کا کام مستحکم نہ کریں۔ اس وقت تک تم لوگ کوئی اقدام عمل نہ کرنا۔ جب اسود کو ان سب باتوں کی اطلاع ہوئی تو اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہو گیا۔ اسود نے ایک قاصد بھیج کر قیس کو بارادۂ قتل اپنے پاس بلایا۔ قیس مذحج اور ہمدان کے دس مسلح جوان لے کر اسود کے پاس گیا۔ اسود کو ان دس محافظوں کی موجودگی میں یہ جرات نہ ہوئی کہ قیس کو قتل کرے کہنے لگا۔ قیس! میں نے تجھ سے سچ سچ نہیں کہہ دیا کہ تو میرے قتل کی سازش میں شریک ہے؟ مگر تو ہر مرتبہ جھوٹ بول کر اپنی جان بچاتا ہے چنانچہ میرے مؤکل نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ "میں قیس کے ہاتھ قطع کر دوں ورنہ وہ ضرور میری گردن مار دے گا۔" قیس نے کہا قطعاً غلط ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں اور حضور کے مؤکل کو بھی سچا پیامبر یقین کرتا ہوں لیکن وحی میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے اس لئے سازباز کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ آپ بدگمانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔ میں ہر طرح سے حضور کا غلام اور چاکر ہوں اور حضور کے ہر حکم کی تعمیل کو باعثِ سعادت یقین کرتا ہوں اور اگر آپ میری طرف نظرِ ترحم سے نہ دیکھیں گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا۔" یہ باتیں سُن کر اسود کا خیال بدل گیا اور قیس کو جانے کی اجازت دی۔ قیس وہاں سے نکل کر اپنے مسلمان دوستوں سے ملا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ بس اپنا کام پورا کر دو۔ اسود محل سرائے سے اٹھ کر باہر آیا۔ تمام لوگ اس کی تعظیم کے لئے سرو قد اٹھ کھڑے ہوئے۔ قصر کے باہر قریباً سو گائیں اور اونٹ بندھے تھے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہاں تینوں مسلمان بھی موجود تھے۔ فیروز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ فیروز! کیا وہ بات جو تیری نسبت مجھے بتائی گئی ہے غلط ہے؟ اور پھر تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں۔" فیروز نے کہا حضور والا! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حضور کی حرم

محترم میری عم زاد بہن ہے۔ اور ہم اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ حضور نے ہمیں سسرالی قرابت سے مشرف فرمایا۔ اگر حضرت اعلیٰ منصب نبوت پر فائز نہ ہوتے تو ہم کسی بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنی قسمت حضور کے ہاتھ میں فروخت نہ کرتے۔ حضور کی اطاعت میں ہمیں ہر طرح دین و دنیا کی فلاح نصیب ہے"۔ اسود نے عتاب آمیز نگاہوں سے فیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں سب کچھ جانتا ہوں اس لئے عزم صمیم کر چکا ہوں کہ کل کے روز فیروز اور اس کے رفقاء کو ضرور موت کے گھاٹ اتروا دوں گا۔"

اسی رات فیروز اور اس کے ساتھی نقب لگا کر محل کے اندر گھس گئے۔ جب فیروز دروازہ کے قریب پہونچا تو اس نے بڑے زور سے خراٹوں کی آواز سنی۔ اور بوالعجبی دیکھو کہ جیسے ہی فیروز دروازہ میں جا کر کھڑا ہوا اس کے موکل نے اسود کو اٹھا کر بٹھا دیا۔ اب اسود اپنے شیطان کی طرف سے یوں گویا ہوا کہ فیروز! تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے جو یہاں آیا ہے؟ فیروز کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت لوٹتا اور موقع کو ہاتھ سے دیتا ہوں تو وہ اور اس کے ساتھی بھی مارے جائیں گے اس لئے پھرتی کر کے اسود سے لپٹ گیا۔ فیروز بلند بالا اور قوی الجثہ جوان تھا۔ اس نے اسود کی منڈی پکڑ کر اس طرح زور سے مروڑی جس طرح دھوبی کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیتا ہے اور معاً اس کی گردن توڑ ڈالی۔ مرنے کے بعد اسود کے منھ سے بدستور خرخر کی آواز آرہی ہے۔ جشنس نے بڑھ کر پیش قبض سے اس کا سر تن سے الگ کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اسود کے مارے جانے کی باقاعدہ منادی کی گئی۔ جشنس دیلمی نے اذان کہنی شروع کی جس میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے بعد یہ الفاظ بھی تھے۔ اَشْهَدُ اَنَّ عَيْهَلَهُ كَذَّاب اس ندا کے بعد مسلمانوں نے اسود کا سر کفار کی طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اسود کے پیرووں اور محافظوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا اور مسلمان بچوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں ستر اسودی کافروں کو پکڑ کر بند کر دیا۔ آخر اعداء مرعوب ہو گئے۔ انطفائے فتنہ کے بعد کفار نے اپنے آدمیوں کا جائزہ لیا تو ستر آدمی مفقود پائے چنانچہ مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان کے آدمی رہا کر دئے جائیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ تم ہمارا لوٹا ہوا مال واپس کر دو اور ہمارے

بچوں کو لاؤ تو ہم تمہارے آدمی چھوڑ دیں گے چنانچہ باہم مبادلہ کر لیا گیا۔
جب وہاں مسلمانوں کا قرار واقعی تسلط ہو گیا تو اسودی لوگ صنعا اور نجران کے درمیان صحرانوردی اور بادیہ پیمائی کی نذر ہوئے۔ اس طرح صنعا و نجران اہلِ ارتداد کے خار وجود سے پاک ہو گیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عُمّال اپنے اپنے علاقوں میں بحال کیے گئے۔ صنعا کی عمارت کے متعلق تھوڑی دیر تک کچھ مناقشہ جاری رہا۔ لیکن آخر کار سب نے حضرت معاذ بن جبل رضی کی حکومت پر اتفاق کر لیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔
اس قضیہ سے فارغ ہو کر ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس وقت تک آفتابِ رسالت سمائے ہدایت پر برابر لمعہ افگن تھا۔ اور حضور صلعم کو یہ تمام واقعہ بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا۔ مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصباح صحابہ رضی سے فرمایا کہ آج رات اسود مارا گیا۔ صحابہ رضی نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے۔ جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ چند روز کے بعد جب قاصد اسود کے مارے جانے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول میں پہونچا تو سرور کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام اس وقت رحمت الٰہی کے آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی کو اپنے عہد حکومت میں سب سے پہلی جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدۂ جانفزا تھا۔ امیر المومنین نے اس نامہ کے جواب میں اہل یمن کو ایک مکتوب لکھا جس میں اسود کی ہلاکت پر بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔
اسود مدعیٔ نبوت تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کوئی آسمانی کلام بھی اپنے دام افتادوں کے سامنے پیش کرتا۔ اس نے قرآن پاک کی نقل کرتے ہوئے کچھ عبارتیں لکھ رکھی تھیں جنھیں اس کے پیرو براہین مقدس کی مماثل خیال کرتے تھے۔ مثلاً لکھا تھا:۔ وَالْمَائِسَاتِ مَیْساً وَالدَّارِسَاتِ دَرْساً یَخْبِجُوْنَ جَمْعاً وَفُرَادٰی عَلٰی قِلَاصٍ بِیْضٍ وَصُفْرٍ۔ [1]

---

[1] "الدعاۃ" ناقلاً عن یاقوت الحموی وعیون التواریخ ۱۲

یاد رہے کہ اسود کا فتنہ تین چار مہینے سے زیادہ عرصہ جاری نہیں رہا۔[1]

طلیحہ اسدی

طلیحہ بن خویلد اسدی قبیلہ بنو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواح خیبر میں آباد تھا۔ اس شخص نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعوائے نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی دن میں ہزارہا لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مسجع کیا۔ اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع سجود کو حذف کر دیا۔ رکوع و سجود کے متعلق کہا کرتا تھا۔ کہ خدائے بے نیاز مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے۔ اور وہ تمھاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے معبود برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا کافی ہے دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت سی باتیں اختراع کی تھیں۔ کہا کرتا تھا کہ جبریل امین ہر وقت میری مصاحبت میں رہتے ہیں۔ اور وزیر کی حیثیت سے تمام امور مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

طلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یا برادر زادہ کو جس کا نام حبال یا جبال تھا دنیا کے ہادیٔ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حبال بارگاہ نبوی صلعم میں پہونچا اور صورت بیان کر کے حضرت سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر "ایمان" لانے کی دعوت دی۔ حبال نے اپنے اثبات دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین) آتا ہے۔ آپ نے فرمایا "تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے"۔ حبال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا۔ "واہ صاحب! آپ کیا کہتے ہیں کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے"؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا۔ "خدا تمھیں ہلاک کرے اور تمھارا خاتمہ بہ خیر نہ ہو"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حبال حالت ارتداد ہی میں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا۔

---

[1] ابن اثیر ۱۲۔

اور دنیا سے نامراد گیا۔

حیال کی مراجعت کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضرار بن ازور رضہ کو اپنے ان عمال اور قبائل کے پاس تحریک جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا۔ جو طلیحہ سے قریب واقع تھے۔ ضرار رضہ نے علی ابن واسد، سنان بن ابو سنان اور قبیلۂ قضاعہ اور قبیلۂ بنو ورتا، وغیرہ کے پاس پہونچ کر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہونچایا۔ انھوں نے اس ارشاد کو لبیک کہا۔ اور حضرت ضرار رضہ کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکر اسلام واردات کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ادھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ دل دادگانِ توحید و جاں نثارانِ رسالت شیر غران کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے پیروانِ طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے نرغہ کو روکنے کی بہتیری کوشش کی لیکن شجاعانِ اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآنہ ہوسکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آیا۔ لیکن ضرار رضہ ہنوز مدینہ منورہ نہیں پہونچے تھے کہ حضرت مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہو کر عالم عقبیٰ کے دارالخلد کو تشریف لے گئے۔

جب آفتابِ رسالت رحمتِ الٰہی کے شفق میں غروب ہوا تو اسلامیوں پر رنج و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس واقعہ ہائلہ کے ماتم میں خونابہ فشانی نہ کر رہی ہوں۔ اس وقت نہ صرف عالم ارضی نیر ہدایت کی ضیا بخشیوں سے محروم رہ گیا بلکہ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قومی نظام اور سیاسی اقتدار بھی زیر و زبر ہونے لگا۔ یہ وقت صحابہ کرام رضہ کے لئے ابتلاء و آزمائش کا ایک نیا دور تھا۔ جونہی وصال نبوی کی خبر اکناف ملک میں پھیلی اکثر قبائل عرب کا زورق ایمان متلاطم ہوا اور منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کی جرأت ہوئی گویا حضور کا وصال لوگوں کے لئے ایک مقیاس الایمان تھا جو ان کے کفر و ایمان کی صحیح کیفیت بتا رہا تھا اس وقت نہ صرف منافقوں کو اپنا کفر برملا ظاہر کرنے کا حوصلہ ہو گیا بلکہ عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی ہر طرح فساد و سرکشی پر آمادہ نظر آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت کا فقدان، مسلمانوں کی قلت تعداد اور اعدار کی کثرت وغیرہ وہ اسباب تھے جنھوں نے بقول ابن اثیر مسلمانوں کا وہی حال کر دیا جو

بارش کی شب ظلام میں بکریوں کا ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کی کشتیٔ خاطر اس عام شورش اور ہمہ گیر بغاوت کو دیکھ دیکھ کر گرداب تفکر میں ڈگمگا رہی تھی اور ہر مومن قانت کا دل اس حادثہ فاجعہ سے داغ داغ ہو رہا تھا ایسے نازک وقت میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا دل گردہ تھا جس نے سفینۂ ملی کو گرداب فنا سے بچا لیا ورنہ ناموس ملتِ بیضا پر ایک ناقابل تلافی چرکا لگنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

قبیلہ بنی اسد کی آبادی جنھوں نے طلیحہ کا نیا دین قبول کیا تھا اتنی بڑھ گئی تھی کہ سمیرا میں ان کی گنجائش نہ رہی اس لئے ان لوگوں کو دو فریق میں منقسم ہونا پڑا۔ ایک فریق ابرق میں اقامت گزیں ہوا اور دوسرا ترک وطن کر کے ذی القصہ کو چلا آیا۔ مؤخر الذکر فریق کی طلیحہ نے امداد کی اور اپنے بھائی حیال کو ان لوگوں پر امیر بنا کر بھیج دیا۔ حیال ان لوگوں کا بھی حاکم تجویز ہوا جو قبائل دئل، لیث اور مدلج سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کی روانگی کے بعد جب اشرار مرتدین کو معلوم ہوا کہ مدینہ میں خلیفہ کے پاس کوئی جمعیت حفظ و دفاع کے لئے باقی نہیں رہی تو ان کی رگ شر و فساد جنبش میں آئی۔ اور غطفان کا ایک وفد اور حیال کا قاصد دار الخلافہ مدینہ کو آئے۔ اس سفارت سے حقیقی مقصد دو تھے ایک امیر المؤمنین کا آئندہ طرز عمل معلوم کرنا۔ دوسرا برائی العین یہ دیکھنا کہ دار الخلافہ میں مسلمانوں کی جمعیت کس قدر ہے۔

ان لوگوں نے آتے ہی معافی زکوٰۃ کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارے قبائل حسب سابق نماز تو پڑھیں گے مگر آئندہ بیت المال میں زکوٰۃ بھیجنے سے انھیں معاف رکھا جائے۔" جناب صدیق اکبرؓ نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا اور سمجھایا کہ احکام الٰہی میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ ناممکن ہے کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے فرائض پنجگانہ میں داخل ہے"۔

جب قبائل کا وفد ناخوش ہو کر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو ایک جلیل القدر صحابیؓ نے امیر المؤمنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب بے سر و بادشتی ہیں۔ عرب کے مختلف حصوں میں طوفان معاندت اٹھ رہے ہیں خانہ ساز نبی اپنی اپنی جگہ پر شورش برپا کر رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ فتنہ انگیزی کے لئے الگ گھات میں بیٹھے ہیں۔ مصلحتِ وقت یہ ہے کہ بالفعل لوگوں کی تالیف قبول کی جائے۔

اور جب تک اساسِ خلافت مستحکم نہ ہو جائے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔" حضرت صدیق اکبرؓ یہ سن کر برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ "حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ نبوت منقطع ہو گئی۔ وحی الٰہی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ سارا عرب دشمنی پر آمادہ ہے۔ اور میں اپنی حربی کمزوری کا بھی بخوبی احساس رکھتا ہوں۔ لیکن بایں ہمہ خدا کی قسم! جس قدر زرِ زکوٰۃ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک حبہ بھی کم کریں گے تو میں ان کے خلاف رزم خواہ ہوں گا۔ اور اگر بالفرض تم لوگوں میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں ان سے تن تنہا مقابلہ کر کے جاں سپاری کا فرض ادا کروں گا۔"

وفد کو واپس گئے ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ حیال سرِ شام مدینہ منورہ پر آ چڑھا غنیم کے سپاہی رات کے وقت انقلابِ مدینہ پر چڑھ آئے۔ وہاں مسلمان مجاہد موجود تھے انھوں نے مزاحمت کی۔ جب امیر المؤمنین کو اس حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اہل مسجد کو آب کش اونٹوں پر سوار کر کے غنیم کے مقابلہ پہ آئے اور منہزم کر کے ذی حسی کے مقام تک ان کا تعاقب کیا۔ حیال اپنی کچھ فوج ذی حسی میں اس غرض سے چھوڑ آیا تھا کہ بوقت ضرورت اس سے مدد لے گا۔ ذی حسی میں حیال کی وہ محفوظ فوج امیر المؤمنین کے مقابلہ میں نکل پڑی۔ ان لوگوں نے برآمد ہوتے ہی مسلمانوں کے سامنے خالی مشکیں کہ جن میں ہوا بھر کر ان کے منہ رسیوں سے مضبوط باندھ رکھے تھے۔ زمین پر لڑکا دیں۔ اس سے وہ اونٹ جن پر مسلمان مجاہد سوار تھے بھڑک گئے اور وہ اپنے اپنے سواروں کو لئے ایسے بے اوسان ہو کر بھاگے کہ مدینہ ہی میں آ کر دم لیا۔ اس واقعہ سے کسی مسلمان کو توچشم زخم نہ پہونچا مگر اعدا کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمانو کی ہوا بگڑ چکی ہے۔

اب امیر المؤمنین وقت سحر تک مسلمانوں کو لڑائی کے لئے آراستہ کرتے رہے۔ اور صبح صادق سے پہلے پیادہ پا دشمن کے سر پر جا پہونچے۔ حریف کو مجاہدین اسلام کے پہنچنے کی اس وقت خبر ہوئی جب مسلمان اس ٹیلے پر پہونچ گئے جہاں مرتدین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر کفار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس اچانک تاخت سے اعدا بدحواس ہو گئے۔ مجاہدین ملت نے کفار کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختۂ مشق بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بقیۃ السیف دشمن طلوع سے قبل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے مالِ غنیمت سمیٹ کر دشمن کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ ذی القصہ سے بھی آگے تک بھگا کر ایک مقام پر قیام کیا۔ اب امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نعمان بن مقرن کو کچھ آدمی دے کر خود وہاں سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہ کامیابی حضرت خلافت مآبؓ کی سب سے پہلی فتح تھی۔ اور اصل یہ ہے کہ امیر المؤمنین کی شجاعت، پاک نفسی اور قوت ربانی کے جذبہ نے آشوب ایام کو فتح سے بدل دیا۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت اتنی قلیل تھی کہ وہ اعدار کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآنہ ہو سکتے تھے۔ اور یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ قدوسیوں کی ایک ایسی جاں سپار جماعت تھی جس نے وطن کی فانی الفتون اور خون کے رشتوں کو ایمان اور اخوت اسلامی کے پاک رشتہ پر قربان کر دیا تھا اس لئے ان سے پیش پانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

اس وقت پیروان طلیحہ اپنی ہزیمت پر مار دُم بُریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ مگر کوئی بس نہ چلتا تھا۔ آخر اپنے جوش انتقام کو تسکین دینے کے لئے بنی عبس اور ذبیان نے اپنے اپنے قبائل کے مسلمانوں کو پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ جب اس سانحہ جانگزا کی اطلاع مدینہ منورہ پہونچی تو امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ جتنے مشرکوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ہے میں بھی اتنے بلکہ ان سے بھی زیادہ کافروں کو خاک و خون میں تڑپائے بغیر چین نہ لوں گا۔" دو مہینے اور تین روز کے بعد حضرت اُسامہ بن زیدؓ بھی مظفر و منصور شام سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ امیر المؤمنین نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب و خلیفہ مقرر کیا۔ اور جو لشکر حضرت اُسامہؓ کے ہم رکاب گیا تھا اسے بھی دار الخلافہ میں چھوڑا تا کہ مجاہدین خود اور ان کی سواریاں چند روز تک سستالیں اور خود اپنی قلیل سی جمعیت کو لے کر کوچ کیا۔

امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ اب اعدار کی سرکوبی کے لئے ذی حُسیٰ اور ذی القصہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے منزل بہ منزل جا کر مقام ابرق میں ڈیرے ڈالے اور حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اس رزم و پیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المؤمنین نے گروہ مرتدین کے ایک مشہور سردار حُطیہ کو قید کر کے بنی ذبیان کے سارے علاقے پر تسلط جما لیا۔ بنی عبس اور بنی بکر نے میدان جان ستاں سے بھاگ کر اور نہایت عجلت کے ساتھ اہل و عیال کو ساتھ لے طلیحہ کے پاس جا پناہ لی اور ان کی چراگاہوں میں مسلمانوں کے جانور چرنے لگے۔ اس شاندار فتح کے بعد بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ

امیرالمؤمنین اب آپ جلد مستقر خلافت کی طرف رجوع فرمائیں۔ کیونکہ خوف ہے کہ مبادا منافق لوگ دارالخلافہ میں کوئی تازہ فتنہ کھڑا کردیں۔ اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کو عود فرمایا۔

جب حضرت اسامہؓ کے مراجعت فرما لشکر نے تھوڑے دن تک آرام کرلیا۔ تو اتنے میں زرِ زکوٰۃ کے پہونچنے سے بیت المال میں مال وزر کی اتنی فراوانی ہوگئی کہ تمام ما یحتاج وضروریات پوری ہونے کے بعد بہت سا زر نقد فاضل بچ رہا۔ اب امیرالمؤمنین نے تمام فوج کو گیارہ دستوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک دستہ کے لئے الگ الگ لوا تیار کرائے۔ پہلا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کو دیا اور انھیں طلیحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ طلیحہ کی مہم سے فارغ ہوکر مالک بن نویرہ کے طرز عمل کا مطالعہ کرو۔ اگر وہ سرکشی پر آمادہ نظر آئے تو بطاح جاکر اس کو گوشمال کرو۔ دوسرا لوا حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کو دے کر مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا جب قبیلہ غطفان اور بنو اسد نے طلیحہ کی پیروی اختیار کی تھی تو ان کی دیکھا دیکھی حاتم طائی کے خاندان بنی طے نے بھی اپنی قسمت طلیحہ سے وابستہ کردی تھی۔ چونکہ قبیلہ طے کی گوشمالی بھی لابد تھی اس لئے امیرالمؤمنین نے حضرت عدی بن حاتم طائی کو جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمایا۔ غرض ہر ایک دستہ فوج پر ایک ایک والی مقرر کیا۔ جب سب لشکر مرتب ہوگیا تو سب گیارہ امیر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگئے۔

امیرالمؤمنین نے ہر ایک امیر کو پند ونصائح کرکے ہر ایک سے ان پر عمل درآمد کرنے کا عہد لیا۔ اور تمام مرتدین کے نام خواہ وہ کسی قبیلہ اور ملک سے تعلق رکھتے تھے ایک ہی فرمان تحریر فرمایا جس میں اس بات کی تحریک تھی کہ وہ توبہ کرکے پھر اسلام کی طرف رجوع کریں۔ ورنہ انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

امیرالمؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کو حضرت خالد بن ولیدؓ کی روانگی سے بیشتر ہی ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمادیا تھا۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کے مقابلہ میں عدی بن حاتمؓ کے پیچھے بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ جنگی کارروائی بنی طے ہی سے شروع کریں۔ ان سے فراغت حاصل کرکے بزاخہ کی جانب جو طلیحہ کا لشکرگاہ تھا ترکتاز کریں۔ اس مقام پر یہ جتلا دینا بھی ضروری

ہے کہ جب عبس اور ذبیان نے تاب مقاومت نہ لاکر امیر المؤمنین کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کی تھی تو اس وقت وہ بزاخہ کے مقام پر طلیحہ کے پاس چلے گئے تھے جو تمیرا سے نکل کر بزاخہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت طلیحہ نے بنی طے کے بطون جدیلہ اور غوث کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ آکر اس سے ملحق ہو جائیں چنانچہ وہ لوگ اس لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ جب حضرت عدی بن حاتم طائی رضؓ اپنے قبیلہ طے میں پہونچے تو انھیں اسلام کی دعوت دی اور انحراف و رزی و سرکشی کے عواقب سے متنبہ کیا اتنے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا لشکر بھی بنی طے کے سر پر پہونچ چکا تھا طے نے سر انقیاد جھکا دیا اور حضرت عدیؓ سے استدعا کی کہ آپ خالدؓ بن ولید کے پاس جاکر انھیں یہاں سے پیچھے ہٹنے کو کہیں تاکہ ہم طلیحہ کے لشکر سے منقطع ہو کر علیحدگی اختیار کر سکیں۔ کیونکہ اگر خالد کا لشکر ہمارے سر پر پڑا ہو گا۔ اور ہم ایسی حالت میں طلیحہ کی فوج سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیں گے تو طلیحہ ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" عدیؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے قبیلہ طے کی خواہش کا اظہار کیا حضرت خالدؓ نے اپنا لشکر کچھ دور پیچھے ہٹا لیا۔ اب بنو طے نے اپنے ان بھائی بندوں کے پاس آدمی بھیجے جو طلیحہ کی فوج میں شامل تھے۔ اور انھیں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ پھر بنی طے مسلمان ہو کر حضرت خالدؓ کے پاس چلے آئے۔

بنی طے کے قبول اسلام کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جدیلہ پر لشکر کشی کا عزم فرمایا حضرت عدیؓ نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ ایک دفعہ جاکر افہام و تفہیم کا فرض دوبارہ ادا کر لوں۔ عدیؓ ان کے پاس پہونچے اور اسلام کے محاسن اور کفر کے معایب بیان کر کے انھیں دعوت اسلام دی۔ انھوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ عدیؓ نے وہاں سے آکر حضرت خالدؓ کو یہ مژدہ سنایا۔ جدیلہ والوں کے قبول حق کی استعداد کی داد دینی چاہئے کہ وہ نہ صرف اسلام لاکر سعادت دارین کے سرمایہ دار بنے۔ بلکہ ان کے ایک ہزار سوار بھی جہاد کی نیت سے لشکر اسلام میں آداخل ہوئے۔

اب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم کو کچھ فوج دے کر طلیعہ کے طور پر طلیحہ کی طرف روانہ فرمایا۔ طلیحہ نے ان کے مقابلہ میں اپنے بھائی حبال کو بھیجا ایک جھڑپ ہوئی جس میں عکاشہ نے حبال کے نقش وجود کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیا۔ جب حبال کے مارے جانے کی خبر طلیحہ کو پہونچی تو وہ

خود فوج کو حرکت دے کر عکاشہ کے مقابلہ کو نکلا اور اپنے بھائی سلمہ کو بھی ساتھ لیا۔ اس معرکہ میں طلیحہ نے عکاشہ کو اور سلمہ نے ثابت کو شہید کر دیا اور پھر دونوں اپنے اپنے مستقر کو لوٹ گئے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی فوج کو لئے آگے بڑھے تو یہ متوحش خبر ملی کہ عکاشہ اور ثابت دونوں میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔

چونکہ اس حادثہ سے لشکر اسلام میں کسی حد تک بد دلی پھیل گئی تھی، حضرت خالدؓ نے فوراً نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت سمجھا بلکہ وہیں ٹھہر کر اپنے لشکر کی تجہیز و ترتیب میں مصروف رہے۔ اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی طے سے جو مسلمان ہو چکے تھے کمک بھی طلب کی۔ بنی طے نے جو عدیؓ بن حاتم طائی کے ہم قوم تھے جواب دیا کہ بنی قیس کے مقابلہ کے لئے ہم کافی ہیں اور ان سے ضرور معرکہ آرا ہوں گے مگر بنی اسد جو طلیحہ کے ساتھ ہیں وہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان سے کسی طرح جنگ آزما نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالدؓ نے کہا بہتر ہے تم جس فریق سے چاہو مقابلہ کرو۔ میں تمھیں تمھاری مرضی و اختیار پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن حضرت عدیؓ نے اپنی قوم کا یہ عذر قبول نہ کیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ لشکر ان لوگوں کے مقابلہ پر جائے جو قریب کے رشتہ دار ہیں تو میں اپنے قریب ہی کے رشتہ داروں پر جہاد کروں گا۔ اور میں تمھارے حلف و معاہدہ کی بنا پر بنی اسد کے جہاد سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا لیکن حضرت خالدؓ نے جو ہر بات کی تہہ کو پہونچتے تھے اور سپہ سالار ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کے مدبر اور عالی حوصلہ بھی تھے حضرت عدیؓ سے فرمایا کہ کسی فریق سے بھی لڑو۔ جہاد دونوں قبیلوں پر ہوگا اس لئے یہ بات کسی طرح قرین صواب نہیں کہ اپنی قوم سے اختلاف رائے کر کے انھیں پریشانی اور آزمائش میں ڈالو۔ وہ جس فریق سے بھی مبارزۃ خواہ ہوں اسی سے مقابلہ کرو۔" اب خالدؓ نے طلیحہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کی تیاریاں کر کے اس کے لشکر گاہ کا رخ کیا۔ بزاخہ کے مقام پر فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی اس وقت بنی عامر وہیں قریب بیٹھے اس بات کے منتظر تھے کہ کس فریق کی فتح ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے یہ قرار دیا تھا کہ جس فریق کا پلہ بھاری ہوگا اپنی قسمت اسی کے دامن دولت سے وابستہ کر دیں گے۔ اس وقت بنی فزارہ کا سردار عیینہ بن حصن اپنی قوم کے سات سو آدمی لئے طلیحہ کا حق رفاقت ادا کر رہا تھا۔

جب طلیحہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی قیامت خیز آتش حرب پوری طرح شعلہ فشن

ہوئی تو طلیحہ اپنے شیطانی القاء کے انتظار میں میدان کارزار کی ایک طرف چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا اور بولا اب مجھ پر وحی نازل ہوگی۔ حضرت خالدؓ نے اس شدت سے حملے کئے کہ غنیم کے منھ پھیر دیے۔ جب عُیَنیہ کو اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ طلیحہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کہ جبرئیلؑ نے کوئی مژدہ فتح سنایا یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا جبرئیلؑ ہنوز تشریف نہیں لائے عُیَنیہ کہنے لگا جبرئیلؑ کب آئیں گے؟ اور بولا واللہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہماری طاقت جواب دے رہی ہے عُیَنیہ لوٹ گیا۔ اور میدان جنگ میں کمال شجاعت اور جاں بازی سے لڑنے لگا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ طلیحہ سے جاکر دریافت کرنے لگا کہئے جبرئیل تشریف لائے یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا ہاں جبرئیل آئے تھے۔ عُیَنیہ نے دریافت کیا ”پھر وہ کیا کہہ گئے؟“ طلیحہ نے کہا جبرئیلؑ رب جلیل کا یہ پیغام پہونچا گئے ہیں۔

ان لک رحی کرحاہ و حدیثا لا تنساہ	تیرے لئے بھی شدت جنگ ایسی ہی ہوگی جیسی کہ خالدؓ کے لئے ہے۔ اور ایک معاملہ ایسا

گزرے گا کہ تو اسے کبھی فراموش نہ کرے گا۔

عُیَنیہ کو یہ سن کر اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ شخص کاذب اور خانہ ساز نبی ہے آخر میدان جنگ میں آکر اپنے آدمیوں سے کہنے لگا کہ طلیحہ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ طلیحہ اور اس کے پیرووں پر ایک ایسا حادثہ گزرے گا جو کبھی فراموش نہ ہوگا یعنی ہم لوگ ذلت آفرین شکست کھائیں گے۔ اس لئے اے بنی فرازہ مفت میں اپنی جانیں برباد نہ کرو۔ اور اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ طلیحہ کے دوسرے پیرووں نے بھی فرار کو رزم بیکار پر ترجیح دی۔ غرض طلیحہ کو فیصلہ کن ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کے ساتھ طلیحہ کی تمام تر امیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اور اس کی بساط نبوت ہمیشہ کے لئے الٹ گئی۔ طلیحہ نے ایک گھوڑا اپنے لئے اور ایک اونٹنی اپنی بیوی نوار کے واسطے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ جب مسلمان سوار طلیحہ کو گرفتار کرنے کے قصد سے بڑھے تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہوا اور بیوی کو ساتھ لے بڑی تیزی سے بھاگا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ بھاگتے وقت بنی فزارہ سے کہہ گیا کہ جس کسی سے ممکن ہو وہ بھی اسی طرح اپنی جلیس کو لے کر اڑ جائے۔ یہاں سے وہ شام کی طرف گیا اور قبیلہ کلب میں جاکر رہنے لگا۔

طلیحہ کی ہزیمت و فرار کے بعد عُیَینَہ بن حصن گرفتار ہو گیا۔ وہ امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ کے پاس پکڑا آیا۔ جب مدینہ کے بچوں نے اسے دیکھا کہ مشکیں بندھی ہوئی ہیں اور مرتد ہونے سے قبل وہ اس کی بڑی عزت و اکرام دیکھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ یہ کیا غضب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو بعد کو مرتد ہوا؟ امیر المومنین نے اس کی جان بخشی فرما دی۔ مرتد کی سزا قتل ہے لیکن چونکہ اس نے یقین دلایا کہ وہ شروع ہی سے مسلمان نہیں تھا اس لئے بچ گیا۔

طلیحہ کا ایک اور رفیق کار بھی گرفتار ہوا تھا جو طلیحہ کا محرم راز تھا حضرت خالدؓ نے اس سے پوچھا کہ طلیحہ اپنی نبوت کی کیا کیا باتیں بتایا کرتا تھا؟ اس نے کہا اس کے کلام وحی میں سے یہ بھی تھا:۔

والحمامِ والیمامِ والصرِ والصوام قد ضمن قبلکم بالحوام لیبلغن ملکنا العراق والشام

قسم ہے اہلی پرندوں جنگلی پرندوں اور ترُشی کی جو خشک زمین میں رہتی ہے کہ زمانہ ماضی میں سالہا سال سے یہ قرار پاچکا ہے کہ ہمارا ملک عراق اور شام تک وسعت پذیر ہوگا۔

اس جنگ میں غنیم کا کوئی آدمی قید نہ ہوا۔ کیونکہ انھوں نے پہلے ہی اپنے حریم کی حفاظت کر لی تھی۔ چونکہ یہ لوگ سب کے سب مسلمان ہو گئے اس لئے ہر قسم کے آفات سے مصئون رہے۔ گو مسلمانوں کو اس معرکہ میں دشمن کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے کوئی مال غنیمت نہ ملا لیکن ان کے قبول اسلام کی کامیابی ہزار غنیمتوں سے بہتر تھی۔

طلیحہ کا قبول اسلام

اس کے بعد بنی اسد اور غطفان خلعت اسلام سے مشرف ہوئے تو طلیحہ بھی مسلمان ہو کر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں شام سے حج کو آیا۔ اور مدینہ پہونچ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر المومنین عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تم نے اس من گھڑت الفاظ کو وحی الٰہی سے تعبیر کر کے خدا پر افترا کیا" خدائے برتر تمھارے مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمھاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جھاگ دودھ کے اوپر ہی رہتا ہے"۔ طلیحہ نے کہا۔" امیر المومنین یہ بھی کفر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ تھا جسے اسلام نے بالکلیہ معدوم کر دیا پس اب مجھ پر ان باتوں کا کوئی الزام نہیں[1]"۔

---

[1] اس باب کے مندرجات ابن اثیر، ابن خلدون، بلاذری اور رسالۃ الدعاۃ سے ماخوذ ہیں ۱۲

مُسَیلمہ کذّاب

اسلام کے قرن اول میں جن گم کردگانِ راہ نے خانہ ساز نبوت کا لباس فریب پہن کر خلقِ خدا کو خسرانِ ابدی کی لعنت میں گرفتار کیا ان میں مُسیلمہ بن کبیر بن حبیب سب سے زیادہ کامیاب اور سر برآوردہ متنبی تھا۔ یہ شخص کذّاب یمامہ کے لقب سے بھی مشہور ہے ابو ثمامہ اور ابو ہارون اس کی کنیتیں تھیں۔ مُسیلمہ نے حضور سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رحمت میں ایسے وقت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جبکہ اس کا سن سو سال سے بھی متجاوز تھا۔ وہ عمر میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ محترم حضرت عبد اللہ سے بھی بڑا تھا۔ جناب عبد اللہ کی ولادت سے پہلے یہ شخص عام طور پر رحمانِ یمامہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر قرآن نازل ہوا اور قریش نے حضور کی زبان سے بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ سُنی تو قریش کا ایک آدمی بیساختہ بول اٹھا کہ اس میں رحمانِ یمامہ کا ذکر ہے۔

سرچشمۂ نبوت سے سیراب ہونے کے لئے اہلِ عرب امنڈ آئے تو مُسیلمہ نے بھی وفد بنی حنیفہ کی معیت میں آستانۂ نبوی میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور اسے اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ اس وقت آپکے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اے مُسیلمہ! اگر تم اہلِ خلافت میں مجھ سے یہ شاخ خرما بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں"۔ مگر بعض صحیح تر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور سے بیعت نہ کی تھی۔ بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوت میں شریک کریں۔ تو میں بھی حضور سے بیعت کرتا ہوں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُسیلمہ منصب نبوت کو عطائے الٰہی کے بجائے ایک دنیاوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعم فاسد کی بنا پر وہ متمنی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے نبوت میں شریک وسہیم بنا لیں لیکن حضور کے اس حق پژوہانہ جواب نے اسکے نخلِ آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

جب مُسیلمہ ادھر سے مایوس ہوا تو اس کے دل و دماغ میں از خود نبوت کی دکان

کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے۔ وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے ابنائے وطن میں ممتاز اور طاقت لسانی اور فصاحت و انشاپردازی میں اقران و اماثل میں ضرب المثل تھا۔ اور یہی وہ چیز تھی جو اسے ہر آن انجاح مقصد کا یقین دلا رہی تھی۔ مدینہ منورہ سے وہ انہی خیالات کی بُحثت و پز کرتے ہوئے یمامہ گیا اور اپنی من گھڑت وحی و الہام کے افسانے سُنا سُنا کر اپنی قوم (بنو حنیفہ) کو راہِ حق سے منحرف کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض "خوش اعتقاد" لوگ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔ جب مسیلمہ اغوا کوشیوں کی اطلاع آستانۂ نبوت میں پہونچی تو حضور خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن رَجّال بن عنفوہ نام کو جو نہار کے نام سے بھی مشہور تھا اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا۔ اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لائے۔ مگر یہ شخص بنی حنیفہ کے لئے خمیر مایۂ فساد ثابت ہوا اس نے یمامہ پہونچ کر اُلٹا مسیلمہ کا اثر قبول کر لیا اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسیلمہ کی نبوت کا بھی اقرار کیا اور اپنی قوم سے بیان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے کہ "مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے"۔ بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے مسیلمہ کی نبوت مان لی۔ اور ساری قوم اس کے دام ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گئی۔ اب مسیلمہ نے اپنی دکانِ خدع کو پوری سرگرمی سے چلانا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ دجالی ارواح ہر طرف سے ہجوم کر کے مسیلمہ کے دل و دماغ پر تسلط ہونے لگے۔ اور اس کے باطن میں القائے شیطانی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا۔ مسیلمیت کی ترقی و اشاعت میں نہار (رجال بن عنفوہ) کا ہاتھ بہت کام کر رہا تھا۔

بعض لوگ مسیلمہ کو کذاب یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیت کی بنا پر اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ طلیحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مسیلمہ کہاں رہتا ہے؟ وہ لوگ بگڑ کر کہنے لگے "خبردار"! آئندہ سرکار عالم کا نام کبھی زبان پر نہ لانا بلکہ رسول اللہ کہہ کر پکارنا"۔ طلیحہ نے کہا "میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر رسول اللہ نہیں مان سکتا۔ آخر مسیلمہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کیا تم ہی مسیلمہ ہو؟ طلیحہ بولا میں اس بات کی شہادت

دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس انبیاء سلف کی طرح دن کی روشنی میں وحی نازل ہوتی ہے۔ تاہم میرے لیے ربیعہ کا جھوٹا نبی قبیلہ مضر کے سچے نبی سے بہر حال عزیز و محبوب ہے۔ یہ طلیحہ مسیلمہ کے ساتھ جنگ عقربا میں بحالتِ کفر ہلاک ہوا۔

اس کے تھوڑے دن بعد بنو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان لوگوں کو مسیلمہ کی تعریف و تقدیس میں بڑا غلو تھا۔ یہ لوگ اس کے اقوال کو لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا حال معلوم ہوا اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بنو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ ان تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے۔ جو دجالِ اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں؟ اس دن سے مسلمان مسیلمہ کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

مسیلمہ نہایت متواضع اور متحمل مزاج تھا۔ لوگوں کی زشت خوئی اور بدسگالی پر صبر کرتا اپنے مخالفوں سے بھی درگذر کرتا۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف ستیزہ جوئی سے کام لیتا تو انتقام لینے کے بجائے اسے نرمی سے سمجھاتا اور یہ وہ صفات ہیں جو کسی مدعی کاذب کو اس کے بام مقصد تک پہونچانے میں بہت کچھ معین ثابت ہوتے ہیں۔ مسیلمہ کے موذن کا نام عبد اللہ بن نواحہ تھا اور جو شخص اس کی اقامت کرتا تھا اس کو حجیر بن عمیر کہتے تھے۔ حجیر کہا کرتا تھا اَشْهَدُ اَنَّ مُسَيْلَمَةَ يَزْعَمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ مسیلمہ رسول اللہ ہونے کا مدعی ہے) ایک دن مسیلمہ اس سے کہنے لگا اُفْصُحْ حُجَيْرُ فَلَيْسَ فِي الْمُجَمْجَمَةِ خَيْرٌ (حجیر بات صاف صاف کہو کیونکہ بات کے ادل بدل کرنے میں کوئی خوبی نہیں)

جن مسائل میں مسیلمی یا بقول ان کے "صادقی" اسلام سے مختلف ہیں ان میں سے بعض ہدیۂ قارئین کرام ہیں: کہتے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا خیال ہے کہ رب کردگار نے ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا مگر اس نے انکار کیا اور وہ راندۂ درگاہ ہو گیا؟ یہ مقولہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ سجدۂ غیر کا حکم نہیں فرماتا۔ چنانچہ "فاروق ثانی" میں لکھا ہے

کہ ابلیس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ رب قدیر نے آدم علیہ السلام کو عمل نیک و بد کا پورا اختیار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجود تو فی الحقیقت رب کردگار تھا لیکن آدم علیہ السلام محض جہت قبلہ کا حکم رکھتے تھے یعنی جس طرح کعبہ معلّٰی کی طرف منہ کر کے رب جلیل کو سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی طرف رُخ کر کے معبود برحق کو سجدہ کیا تھا۔" مسلمی کہتے ہیں کہ یوں نہ کہو کہ خدا کا جسم نہیں۔ ممکن ہے کہ جسم ہو اور اجسام مخلوق سے مماثلت نہ رکھتا ہو۔ اور کہتے ہیں کہ ید بصر اور سمع کے الفاظ جو محمد علیہ السلام پر قرآن میں نازل ہوئے اور جو کچھ کہ مسیلمہ رسول کی کتاب "فاروق اول" میں وارد ہوا ہے سب حق ہے لیکن رب قدیر کا ہاتھ کان آنکھ مخلوق کے ہاتھ پاؤں چشم و گوش کی مانند نہیں کسی اور وضع و ہیئت کے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ لقا و رویت باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے سر کی آنکھوں سے دنیا میں دیکھی جا سکتی ہے اور رویت بصر یا رویت بلابصر کی قید لگانا فضول ہے کہتے ہیں کہ عالم کے قدم و حدوث اور اس کی ابدیت و عدم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اور کہتے ہیں کہ خدائے واہب کی نوازش اور موہبت کبریٰ ہے کہ مسیلمہ رسول کو ہم نشین (سجاح مدعیہ نبوت) بھی مرسلہ ہی عطا ہوئی۔ حالانکہ کسی دوسرے نبی کی بیوی نبیہ نہیں ہوئی اور کہتے ہیں کہ چونکہ مسیلمہ نبی کو ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے حکم سے شہید کیا گیا۔ اور عمر، عثمان، علی (رضی اللہ عنہم) بھی ان کے اس فعل کے محرک و مؤید تھے اس لئے خدائے شدید العقاب نے غضب ناک ہو کر خلفائے اربعہ کو لعین خلائق میں اسی طرح مبتلا کر دیا۔ جس طرح یہود کو قتل مسیح علیہ السلام کی وجہ سے ذلت و خواری میں مبتلا کیا۔ دیکھ لو کہ شیعہ لوگ کس طرح ابوبکر، عمر، عثمان (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دے رہے ہیں اور خارجیوں اور ناصبیوں نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے خلاف دشنام گوئی کا طوفان برپا کر رکھا ہے؟" اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرات خلفائے اربعہ (رضی اللہ عنہم) کے خلاف روافض یا خوارج نے اس بنا پر دشنام گوئی اور سب و شتم کا ناپاک شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ مسیلمہ کے قتل کے ذمہ دار یا مؤید تھے تو پھر جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) کون سا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں یہود انھیں دو ہزار سال سے گالیاں دیتے چلے آ رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو مسیلمی بیان بھی سخت لغو اور

ناقابلِ التفات ہے اور کہتے ہیں کہ محمد علیہ السلام کے وقت میں جہت قبلہ معین نہ تھی کبھی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے کبھی استقبال کعبہ کرتے تھے اور کبھی کسی تیسری جانب توجہ فرماتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جہت معیّن یعنی ہمیشہ کعبہ کی طرف منہ کرنا (معاذ اللہ) اصحاب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیلمہ رسول کو حکم ہوا کہ محراب کی طرف منہ کرنا اور جہت معیّن کی طرف متوجہ ہونا کفر اور شرک کی علامت ہے کیونکہ ایسی حالت میں کہ پیکر انسانی اور جانور وغیرہ قبلہ بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں کسی گھر کو قبلہ بنانا کہاں تک روا ہے؟ پس نماز کے وقت جدھر چاہیں منہ کر لیا کریں اور نیت کریں کہ میں بے جہت نماز ادا کرتا ہوں۔ اور متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیلمہ کو مخبر صادق اور خدا کا برگزیدہ پیغمبر یقین کرے۔ ورنہ اس کا اسلام مسلّم نہ ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیلمہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اسی طرح شریک تھے۔ جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں ان کے ساجھی تھے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک ہی پیغمبر ہادی و رہنما ہے لیکن ہمارے دو پیغمبر ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ اور دوسرے مسیلمہ رسول اللہ۔ اور ہر امت کے کم از کم دو پیغمبر چاہئیں۔ کیونکہ پیغمبر قیامت کے دن شاہد ہوں گے اور دو شاہدوں سے کم کی شہادت معتبر نہیں۔ بلکہ دو سے جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر بہتر ہوگا۔ پیروان مسیلمہ اپنے تئیں رحمانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مسیلمہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مسیلمہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدیؐ حضرت مسیلمہ ہی کا معجزہ ہے قرآن نے فصحائے عرب کی زبان بندی کر دی تھی۔ اسی طرح حق تعالےٰ نے مسیلمہ پر ایک صحیفہ نازل فرمایا۔ جو "فاروق" اول کے نام سے موسوم ہے اس نے بھی فصحا کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق اول کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسیلمہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان دونوں آسمانی کتابوں کی قراۃ دنیا اور آخرت میں سودمند ہے لیکن ان کی تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایزد متعال نے حضرت مسیلمہ کو ایک اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام "فاروق ثانی" ہے اور کہتے ہیں کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسیلمہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف و تضاد نہیں۔ اور اگر مسیلمہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوالِ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیلمہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تک زندہ رہے اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کے بعد بعض احکام قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہو گئے جس طرح خود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حین حیات میں بعض آیتیں دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں۔

مسیلمہ جیسے کار آگاہ فرزانۂ روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کے لئے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا یسیر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندیٔ احکام کی "تلخ کامیوں" سے آزاد ہوتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عامیانہ اور رندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے حبس و احتراز سے اصلاً بے نیاز تھا۔ سب سے پہلے اس نے حرمتِ خمر سے انکار کر کے عہد جاہلیت کی رسمِ کہن کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چارپاؤں کی طرح انسان بھی تولد و تناسل میں فطرتاً آزاد ہے ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کے لئے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقد و مناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور رہیں۔ چنانچہ اس کی کتاب "فاروق ثانی" میں زنا کو مباح لکھا ہے کیونکہ مسیلمہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شرارے بلند ہوئے اور فساق اور ہوا و ہوس کے پرستار جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت و نیازمندی میں داخل ہونے لگے۔ مسیلمی شریعت کے ماتحت اباحت پسند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمائیوں کا اچھا خاصہ حیلہ مل گیا۔ شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کر دی گئی تھی۔ ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گہوارہ بنا دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلیمات کے "خوش عقیدہ" لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔ اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کئی قیود عائد کر دئے۔ لیکن ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مطلق العنانی کے پہلے دور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے جب تک یہ لڑکا زندہ ہو۔ ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک

اس سے مباشرت کرے۔ امت مسلمہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول کی حاجت نہیں۔ بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب و قبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسیلمیوں کے نزدیک بھی اقربا میں شادی کرنا مذموم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد حرام ہو گیا۔ اس حرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایام سلف میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ چنانچہ حضرت مسیلمہ کے پاس فرمان ایزدی پہونچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی دختر سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے کوئی قرابت نہ ہو۔" مسیلمی لوگ نصاریٰ کی طرح تعدد ازدواج کو جائز نہیں سمجھتے۔ اگر تعدد کی خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعہ کے طریق پر تعدد ازدواج جائز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے مگر عقل کے اندھوں نے یہ نہ خیال کیا کہ اگر ختنہ کرنے میں یہود کی مشابہت ہے تو ترک ختنہ میں نصاریٰ اور مشرکین کی مطابقت لازم آتی ہے۔

مسیلمی لوگ ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے بلکہ اس کی ممانعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کی جگہ شبہ رکھنا چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ غروب سے لے کر طلوع آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کریں۔ مسیلمہ نے تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب مقرر کی تھیں اور حکم دیا تھا کہ تینوں نمازیں مختلف جہات میں ادا کی جائیں۔ مثلاً نماز ظہر مشرق کی طرف منھ کر کے ادا کی ہے تو عصر کے وقت مغرب کا رُخ کرے۔ وہ چکڑالویوں اور شیعوں کی طرح نماز سنت ادا نہیں کرتے کیونکہ ان کے زعم میں نماز تو وہی ہو سکتی ہے جس کے لئے معبود برحق نے حکم دیا ہو۔ نہ یہ کہ پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے ادا کرنے لگے ہاں اگر فرض نماز کے بعد چاہیں تو کلام الٰہی قرآن یا فاروق اوّل پڑھیں اور اذکار و اوراد میں مصروف رہیں۔ چکڑالویوں کی طرح ان کے نزدیک نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بلکہ آپ کا نام ہی نہ لینا چاہیے۔ کیونکہ ان کے زعم باطل میں اس طرح عبادت الٰہی کے اندر مخلوق کی عبادت شامل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح حضرت مسیلمہ پر بھی نمازیں تو شروع میں پانچ ہی فرض ہوئی تھیں لیکن اوقات پنجگانہ میں سے صبح اور عشاء کی دو نمازیں حضرت مسیلمہ نے بحکم الٰہی اپنی منکوحہ سجاح کے مہر میں جو وہ بھی ایک مرسلہ تھیں بخشدی تھیں[1]

---

[1] دبستان مذاہب ص ۲۹۷۔ ۲۹۹

مسیلمی لوگ نماز میں قرآن نہیں پڑھتے بلکہ اس کی جگہ کتاب "فاروق اول" کے کچھ فقرے یا اشعار پڑھ لیتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اعرابی کے پاس قیام کیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلی رکعت میں اس نے پڑھا قد افلح من ہنیم فی صلاتہ واطعم المسکین من مخلاتہ وحاط من بعیرہ وشاتہ (اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنی نماز پست آواز میں پڑھی اور اپنے تھیلے میں سے مسکین کو کھانا کھلایا اور اپنے اونٹوں اور بکریوں کو منزل گاہ پر لے آیا) پھر رکوع اور سجدہ کر کے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس میں قراۃ کی جگہ پڑھا بنونا بنو ابائنا وبناتنا۔ بنوھن ابناء الرجال الاباعد (ہمارے بیٹے، ہمارے پوتے، ہماری بیٹیاں، ہمارے نواسے اور ہمارے دور کے قرابت دار مردوں کی اولاد) پھر رکوع و سجود کر کے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس میں یہ شعر پڑھا ویوسف اذ دلاہ ابناء علۃ فاصبح فی قعر الرکیۃ ثاویا (جب سوکن کے بیٹے یوسف کے قریب ہوئے تو یوسف پانی والے کنوئیں کی تہ میں پہونچ گئے) جب وہ تینوں رکعتیں پڑھ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ تم نے قراۃ کی جگہ یہ سب کیا پڑھا ہے؟ اس کو تو قرآن پاک سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کہنے لگا "اصمعی! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آج سے چالیس سال پیشتر میری پھوپھی نے اس کو مسیلمہ رسول اللہ سے سیکھا تھا"۔

مسیلمہ نے قرآن پاک کے مقابلہ میں بعض مسجع عبارتیں لکھ کر ان کو کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا ان کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ مسیلمہ نے سورہ والعادیات کے مقابلہ میں لکھا تھا۔

والزارعات زرعاً والحاصدات حصداً والذاریات قمحاً والطاحنات طحناً والخابزات خبزاً والثاردات ثرداً واللاقمات لقماً اھالۃً وسمناً لقد فضلتم علی اھل	قسم ہے کھیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسہ صاف کرنے کے لئے گیہوں کو ہوا میں اڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پیسنے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت

لہ الدعاۃ ص ۹۳

الوبر وما سبقكم اهل المدر ريفكم فامنعوہ والمعیینی فاودوه والباغی فناوؤوہ	دی گئی ہے اور مٹی سے مکان بنانے والے (شہری عرب بھی) تم سے بڑھ کر نہیں ہیں تم اپنی ریکھی سوکھی روٹی کی حفاظت کرو۔ عاجز و درماندہ کو پناہ دو۔ اور طالب اور مانگنے والے کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

سورہ فیل کے جواب میں لکھا تھا:۔

الفیل وما الفیل له ذنب وبیل وخرطوم طویل ان ذلك من خلق ربنا الجلیل	ہاتھی۔ اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بدنما دم اور لمبی سونڈ ہے۔ یہ ہمارے رب جلیل کی مخلوق ہے۔

ان الفاظ کو بھی وحی الٰہی کی طرف منسوب کیا تھا۔

یا ضفدع بنت ضفدع نقی ما تنقین اعلاك فی الماء واسفلك فی الطین لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین	اے مینڈک کی مینڈکی بچی! اسے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔

رسالہ "الدعاۃ" میں جو جھوٹے مدعیوں کے حالات میں مصر سے شائع ہوا ہے مسیلمہ کذاب کا یہ کلام وحی بھی درج ہے۔

سبح اسم ربك الاعلى الذی یسر علی الحبلی فاخرج منها نسمة تسعی من بین اضلاع وحشی فمنهم من یموت ویدس فی الثری ومنهم من یعیش ویبقی الی اجل ومنتهی واللہ یعلم السر واخفی ولا یخفی علیه الآخرۃ والاولی۔ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم واشکروها اذ جعل الشمس سراجاً والغیث ثجاجاً وجعل لکم کباشاً ونعاجاً وفضۃ وزجاجاً وذهباً ودیباجاً من نعمۃ علیکم ان اخرج لکم من الارض رماناً وعنباً وریحاناً وحنطۃ وزواناً۔ واللیل الدامس والذئب الهامس ما قطعت اسید من رطب ولا یابس۔ واللیل الاسحم والذئب الادلم والجذع الازلم ما انتهکت اسید من محرم۔ وکان یقصد بذلك نصرۃ اسید علی خصومة لهم۔ والشاء والوانها واعجبها السود والبانها والشاۃ السوداء واللبن الابیض انه لعجب محض۔ انا اعطیناك الجواهر فصل لربك وهاجر ان مبغضك الفاجر والمبدیات زرعاً والحاصدات حصداً والدارسات قمحاً والطاحنات طحناً والخابزات خبزاً والثاردات ثرداً واللاقمات لقماً لقماً وسمناً لقد فضلتم علی اهل الوبر وما سبقکم اهل المدر ریفکم فامنعوه والمعتر فآووه والباغی فناوئوه۔ والشمس وضحاها فی ضوئها ومجلاها واللیل اذ اعداها یطلبها لیغشاها فادرکها حتی اتاها واطفأ نورها فمحاها۔ وقد حرم المذق فقال

مالکم لا تجعون؟

محاربات مسیلمہ کذاب

جس وقت امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضؓ نے مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا اسی وقت ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر مسیلمہ کذاب سے لڑنے کو یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بعد شرجبیل بن حسنہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا۔ لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرجبیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی۔ مسیلمہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیانے بجاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ جب شرجبیل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔

اس اثناء میں حضرت خالد بن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المؤمنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سنائے۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو مسیلمہ کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ مہاجرین پر حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت زید بن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور اور حضرت براء بنؓ عازبؓ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر برق و باد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت مسیلمہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگ آزما سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت عکرمہؓ کی طرح شرجبیل نے بھی عجلت کر کے جناب خالد بن ولیدؓ کی آمد سے پہلے مسیلمہ کی حربی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہوا۔

اس اثناء میں خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی کمک کے لئے ایک دستۂ فوج بھی روانہ فرما دیا جس کے سرعسکر سلیط تھے۔ امیر المؤمنین نے سلیط کو حکم دیا تھا کہ وہ خالد کی امداد کے لئے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے۔ اس موقع پر حضرات شیخینؓ یعنی امیر المؤمنین ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہما میں اس بارہ میں اختلاف رائے تھا کہ غازیانِ بدر کو بھی لڑائی میں بھیجنا چاہیے یا نہیں۔ حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرات کو کم از کم فوجوں کی امارت پر ضرور مقرر کیا جائے۔ آخر امیرالمؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوئے۔

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی کے لئے آپہونچے تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یمامہ سے حرکت دی اور عقرباء کے مقام پر لاجمع کیا مسیلمہ کی طرف سے مجّاعہ بن مُرارہ ایک جداگانہ سریّے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا لیکن مسیلمہ تک پہونچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے شرجیل بن حسنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے رات کے وقت مجّاعہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ شرجیل نے نہایت بے جگری کے ساتھ مجّاعہ پر ہلّہ بول دیا اور مجّاعہ کے آدمیوں کو مارتے مارتے ان کا کھلیان کر دیا۔ مجّاعہ تن تنہا موت کا شکار ہونے سے بچا۔ مگر گرفتار کر لیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بھی پہونچ گئے اور عقرباء کے میدان میں ڈیرے ڈال کر حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ دوسرے دن آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ لشکر اسلام میں مہاجرین کا رایت سالم مولئے ابو حذیفہؓ کے ہاتھوں میں تھا۔ انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے تھے۔ دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سرداران قبیلہ کے ہاتھ میں تھے۔ مسیلمہ اپنا خیمہ و خرگاہ اپنی پشت پر چھوڑ آیا تھا۔ نہار الرجّال بن عنفوہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مسیلمہ کا مشیر خاص اور سر عسکر تھا۔ اس معرکہ میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا۔ مسیلمہ کا بیٹا رجز خوانی کر کے بنو حنیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا " اے بنی حنیفہ"! آج تم اپنی شرم و غیرت کے لئے لڑو۔ کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمھاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہیئے کہ تم اپنے ننگ و ناموس پر اپنی جانیں قربان کر دو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیرؤں کو دین حق کی دعوت دی مگر انھوں

نے گوشِ قبول سے نہ سنا۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے
سب سے پہلے نہار مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا۔ اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے
حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا
اس وقت گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور داد شجاعت دے رہے تھے اور
معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی
زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی
سابقہ نہ پڑا ہو گا۔ انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے
بڑے اکابر ملت شربت شہادت سے سیراب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا
کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے
اور کس حصۂ فوج کو کتنا نقصان پہنچا ہے تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جا سکے۔ آخر نشان
قائم کر دیے گئے۔ لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصانِ جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی
لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مہاجرین، انصار اور اہلِ قریٰ کی بہت بڑی تعداد
میدان جانستان کی نذر ہو گئی۔

جب مسیلمہ کو فلاح و رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زرہ اور خود پہن کر گھوڑے
پر سوار ہوا اور ایک دستۂ فوج کو ساتھ لے کر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا۔ جوں ہی
باغ سے باہر آیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان
ہو چکا تھا اور لشکر اسلام میں شامل تھا اسے ایسا نیزہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔
معاً وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ اور حضرت زید بن خطابؓ نے رحال بن عُنفُوہ کو جرعۂ مرگ
چکھا کر واصل جہنم کیا۔ مسیلمہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں نے حصہ لیا تھا ایک وحشی نے
اور دوسرا ایک انصاری نے۔ پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا۔ جونہی اس پر نیزہ پڑا
انصاری نے اسے اپنی تلوار پر لے لیا۔ وحشی نے مسیلمہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا۔
اور ایک عیار و فتنہ گر متنبی جس نے زمانے میں ہلچل ڈال رکھی تھی اس حسرت آباد دنیا
سے بصد حسرت و اندوہ کوچ کر گیا۔ وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالتِ
کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا
تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے جس نے دین اسلام کا ربقۂ سعادت میری
گردن میں ڈالا اور تائید الٰہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے

کسی حد تک میرے جرم کی تلافی کرادی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی حنیفہ کے ایک گروہ کو وفد کی حیثیت سے امیر المؤمنین کے حضور میں اپنے عریضے کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ جس میں مسیلمہ کے مارے جانے اہل یمامہ پر فتح پانے، معاہدہ صلح مرتب ہونے اور بنو حنیفہ کے از سر نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ نے اہل وفد کو بہ کمال عزت باریاب فرمایا اور ان لوگوں سے مسیلمہ کی من گھڑت وحی کا کلام سنا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا واللہ یہ خالق ارض و سماء کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات بے ہمتا ہر قسم کے عیوب سے پاک و منزہ ہے اس کے بعد امیر المؤمنین نے اہل وفد سے فرمایا جاؤ اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دو جس سے اللہ اور اس کا رسول برحق خوش ہوں۔

اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ کے فرزند گرامی حضرت عبد الرحمٰنؓ شریک ہوئے اسی طرح خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبد اللہ بن عمرؓ بھی شریک غزا تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبد اللہؓ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا "یہ کیا بات ہے کہ تمھارا چچا (حضرت زید بن خطابؓ) تو شہید ہو اور تم زندہ رہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے؟ کیا تمھیں شہادت کا شوق نہ تھا؟" جناب عبد اللہؓ نے عرض کیا "اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی ان کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔

جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے ابن اثیر نے ان میں سے مندرجۂ ذیل انتالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلم بند کئے گئے ہیں (۱) حضرت عبادا ابن بشر انصاری اشہلی جو غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ (۲) عبادا ابن حارث انصاری جو جنگ احد میں شریک تھے (۳) عُمیر ابن اوس شریک اُحد (۴) عامر ابن ثابت بن سلمہ انصاری (۵) عمارہ ابن حزم انصاری جو غزوۂ بدر میں شریک تھے (۶) علی ابن عبید اللہ ابن حارث (۷) عائذ ابن ماعص انصاری (۸) فروہ بن نعمان جو جنگ احد میں شریک تھے (۹) قیس ابن حارث

بن عدی انصاری شریک جنگ احد (۱۰) سعد بن حمار انصاری شریک غزوہ احد (۱۱) ابو دجانہ انصاری بدری (۱۲) سلمہ ابن مسعود ابن سنان انصاری (۱۳) سائب بن عثمان ابن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے (۱۴) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے (۱۵) طفیل ابن عمرو الدوسی شریک غزوہ خیبر (۱۶) زرارہ ابن قیس انصاری (۱۷) مالک ابن عمرو سلمی بدری (۱۸) مالک ابن امیہ سلمی بدری (۱۹) مالک ابن عوس ابن عتیک انصاری جو احد میں شریک تھے (۲۰) معن ابن عدی جو عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے (۲۱) مسعود ابن سنان اسود شریک غزوہ احد (۲۲) نعمان ابن عصم بدری (۲۳) صفوان (۲۴) اور مالک، عمرو اسلمی کے بیٹے جو بدری تھے۔ (۲۵) ضرار ابن ازور اسدی جنھوں نے خالدؓ کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا (۲۶) عبداللہ بن حارث سہمی (۲۷) عبداللہ ابن مخزمہ بن عبد العزیٰ جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے (۲۸) عبداللہ ابن عبداللہ بن ابیّ ابن سلول (مشہور منافق کے بیٹے) جو بدری تھے (۲۹) عبداللہ ابن عتیک انصاری بدری (۳۰) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری (۳۱) ہریم ابن عبداللہ مطلبی قرشی اور (۳۲) ان کے بھائی جنادہ (۳۳) ولید ابن عبد شمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے (۳۴) ورقہ ابن ایاس بن عمرو انصاری بدری (۳۵) یزید ابن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے (۳۶) ابو حبہ ابن غزیہ انصاری جو احد میں موجود تھے (۳۷) ابو عقیل بلوی بدری (۳۸) ابو قیس ابن حارث سہمی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ احد میں شریک تھے (۳۹) یزید ابن ثابت جو زید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے ماموں اور بدری صحابی ہیں اور ان کے غلام ابو عبداللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں اسی طرح بعض مورخین نے چند اور نام بھی بتائے ہیں[1]۔

---

[1] باستثناء ان حالات و واقعات کے جن کے حوالے صفحات کے اخیر میں خطبہ کے نیچے درج کیے گئے ہیں اس باب کے مضامین ابن اثیر، ابن خلدون اور بلاذری کی فتوح البلدان سے ماخوذ ہیں

سجاح بنت حارث تمیمیہ

سجاح مذہباً عیسائی اور نہایت فصیحہ وبلیغہ اور بلند حوصلہ عورت تھی اسے تقریر و گویائی میں ید طولیٰ حاصل تھا اور جدت فہم، جودت طبع اور اصابت رائے میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ تھی اور کہا کرتی تھی کہ میری اور سطیح کی ایک ہی رائے ہے۔ اور ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ ابھی شباب کا عالم اور دل ربائی کا زمانہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ صفات ایسے نہ تھے جو کسی کی صید افگنی میں ناکام وبے مراد رہتے۔

بعض مؤرخوں نے اسے سجاح بنت حارث بن سوید بن عقفان لکھا ہے دوسروں نے اسے سوید بن یربوع کی دختر قرار دیا ہے۔ ہوازن کے قبیلہ بنی تمیم میں پیدا ہوئی اور اس کا نشوونما عرب کے شمال مشرق میں اس سرزمین میں ہوا جو آج کل عراق عرب کہلاتا ہے اور شاید اسی کو دو دریاؤں دجلہ و فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے الجزیرہ بھی کہتے ہیں۔

جب سجاح نے اپنی ہونہار فطرت پر نظر کی اور دیکھا کہ مسیلمہ نے بستر پیری پر دعوائے نبوت کر کے اتنا عروج، واقتدار حاصل کر لیا اسے بھی اپنے جوہر خداداد سے فائدہ اٹھا کر کچھ کرنا چاہیئے تو مسیلمہ کی طرح نبوت کا کاروبار جاری کرنے کے تصفیہ پر غور کرنے لگی۔ آخر جونہی سید العرب والعجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر وفات سنی نبوت اور وحی الٰہی کی دعویدار بن بیٹھی۔ سب سے پہلے بنی تغلب نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا۔ جن کی وجہ سے اس میں ایک گونہ قوت آگئی۔ ہذیل بن عمران جو بنو تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دین مسیحی چھوڑ کے سجاح پر ایمان لے آیا۔ سجاح کو جب اتنی قوت حاصل ہوگئی تو اس نے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ مسجع ومقفا عبارتوں میں خطوط لکھ لکھ کر تمام قبائل عرب کو اپنے کیش جدید کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے صدہا عرب نعمت اسلام سے محروم ہو کر بادیہ جہالت و بادیۂ ضلالت میں سرگرداں ہونے لگے۔ مالک ابن ہبیرہ رئیس بنی تمیم کے نام بھی ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس مکتوب کی فصاحت وبلاغت دیکھ کر اس کا گرویدہ ہوگیا۔ سر آنکھوں پر چل کر جبہہ سا ہوا اور ترک اسلام کر کے مرتد ہوگیا۔ بہت سے دوسرے

قبائل بھی ترک اسلام کر کے سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے جن میں احنف بن قیس اور حارث بن بدر جیسے معزز شرفا اس کی حمایت میں نمایاں سرگرمی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زیاد ابن ہلال بنی ایاد کے لوگوں کے ساتھ عقہ ابن ہلال بنی نمر کے ساتھ سلیل بن قیس، بنی شیبان کی معیت میں اس کے لشکر میں آشامل ہوئے اور سجاح کے جھنڈے تلے ایک لشکر جرار جمع ہو گیا اس لئے اب وہ اپنے سب سے بڑے دشمن یعنی اسلام کے (معاذ اللہ) قلع قمع کی تدبیریں سوچنے لگی۔ حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت قبیلہ بنی تمیم کے اندر اسلامی عمال اس تفصیل سے تھے قبائل رباب، عوف اور انبار میں زبرقان بن بدر، قبائل مقاعس اور بطون میں قیس بن عاصم بنو عمرو بن صفوان بن صفوان۔ بنو مالک میں وکیع بن مالک اور حنظلہ میں مالک بن نویرہ۔ جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو صفوان صدقات بنی عمرو اور زبرقان رباب، انبار اور عوف صدقات لے کر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے لیکن قیس ابن عاصم مقاعس و بطون کے صدقات وصول کر کے مستقبل کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ باقی رہے وہ لوگ جو اسلام پر ثابت قدم تھے وہ ان لوگوں کے فتنہ و فساد میں الجھ گئے جو عواقب امور کا انتظار کر رہے تھے یا علانیہ مرتد ہو گئے تھے اس اثنا میں سجاح بنت حارث نے بھی دعوائے نبوت کے ساتھ خروج کیا اور اپنے پیروؤں کو لئے ہوئے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کو چلی۔ بنی تمیم میں اختلاف تو پہلے ہی تھا سجاح کے خروج نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر لی اور اسے مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ سر دست مسلمانوں سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے سجاح نے اسلامیوں سے الجھنے سے پیشتر عربوں کو باہم لڑانے اور غیر مسلم اعدار سے نبٹنے کی صلاح ٹھہرائی۔ مالک بن نویرہ نے اسے بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی سجاح کا لشکر سیل کی طرح بنی تمیم پر جا پڑا۔ بنی تمیم سجاح کے حملہ کی تاب نہ لا کر بے اوسان بھاگے اور وکیع بن مالک سجاح سے مل گیا۔ البتہ قبائل بنی رباب اور ضبہ نے متفق ہو کر سجاح کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ایک گھمسان کا رن پڑا جس میں سجاح کو ہزیمت ہوئی اور اس کے کئی زبردست اور کار آزمودہ افسر گرفتار ہو گئے لیکن

اس کے بعد دونوں قبیلوں نے سجاح سے مصالحت کر لی۔ اب سجاح اپنی سابق قرارداد کے بموجب اپنا لاؤ لشکر لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جب نباح کے مقام پر پہونچی تو اوس بن خزیمہ نے بنو عمرو کو لے کر راستہ ہی میں اس پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں بڑا بھاری رن پڑا۔ سجاح کے پیرووں میں سے ہذیل اور عقبہ گرفتار ہو گئے لیکن پُرفن سجاح کی حکمت عملی کامیاب ہوئی اور فریقین نے ان شرائط پر کہ اوس بن خزیمہ سجاح کے قیدیوں کو چھوڑ دے اور سجاح بلاد اوس میں کسی قسم کی دست درازی نہ کرے مصالحت کر لی۔ اس واقعہ کے بعد مالک بن نویرہ اور وکیع بن مالک اس سے علیحدہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے۔ سجاح نے انھیں باز رکھنے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن بالآخر ان کی اعانت سے دست بردار ہونا پڑا۔

سجاح نے اسی رات ایک مسجع عبارت تیار کی اور صبح کے وقت فوج کے سرداروں کو جمع کر کے کہنے لگی کہ اب میں وحی الٰہی کی ہدایت کے بموجب یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں۔ یمامہ وہ جگہ تھی جہاں مسیلمہ کذاب مشہور مدعیٔ نبوت کوس انا ولا غیری بجا رہا تھا۔ سجاح فوج کثیر کے ساتھ ارض یمامہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ سجاح کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن ابی جہل بھی ساتھ تھے خالد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو خبر ملی کہ اسلام کے دو مشترک دشمن باہم نبرد آزما ہونے کو ہیں تو وہاں سے پیچھے ہٹ آئے۔

جب مسیلمہ کو سجاح کے دعوائے نبوت اور اس کے لشکر کے سر پر آپہونچنے کی اطلاع ملی تو اس کی کشتیٔ خاطر دریائے اضطراب میں ہچکولے کھانے لگی۔ مسیلمہ نے یہ خیال کر کے کہ اگر سجاح سے تعرض کیا جائے گا اور اس سے مڈبھیڑ کی نوبت آئے گی تو ادھر ثمامہ بن اثال یمامہ میں اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرے گا اور دوسری طرف شرحبیل بن حسنہ بھی عساکر اسلام کو لے کر شبخون اور غارتگری پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے اس نے حرب و پیکار کرنے کے بجائے عیاری و کیادی سے کام لینا چاہا چنانچہ سجاح کے پاس ہدایا و نفائس بھیج کر اس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا اور کہلا بھیجا کہ پہلے عرب کے کل بلاد نصف ہمارے تھے اور نصف قریش کے لیکن چونکہ قریش نے بدعہدی کی اس لئے وہ نصف تمھیں دیتا ہوں اور یہ بھی پیغام دیا کہ مجھے آپ کی ملاقات

کا کمال اشتیاق ہے اگر حاضری کی اجازت ہو تو بڑی ذرہ نوازی ہو گی۔ سجاح نے ملاقات کی اجازت دی۔

مسیلمہ بنی حنیفہ کے چالیس ہوشیار پیروؤں کو ساتھ لے کر سجاح کے پاس پہونچا اور بڑے تپاک اور الفت سے ملا۔ اس کی صورت و سیرت اور صباحت و ملاحت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور حالات گرد و پیش کا اندازہ کر کے یقین ہو گیا کہ اس سے جنگ و جدال کے ذریعہ سے پیش پانا دشوار ہے۔ عورت ذات عشق و محبت کے کمند میں پھنسا کر ہی رام کی جاسکے گی۔ مسیلمہ نے سجاح سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اور میرے خیمہ تک تشریف لے جا کر مجھے سرفراز فرمائیں۔ وہاں پہونچ کر میں آپ کی رنگین بیانی سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور اسی مقام پر ہم دونوں اپنی اپنی نبوت کا تذکرہ درمیان میں لائیں گے۔ سجاح جو پیرایۂ حزم و دوراندیشی سے بالکل عاری تھی فوراً رضامند ہو گئی اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ دونوں کے آدمی خیمہ سے دور رہیں گے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہو گی۔ اس کامیابی پر اس پیر فرتوت کی باچھیں کھل گئیں اور چشم دل حصول مقصد کے نور سے روشن ہو گئی۔ مسیلمہ ملاقات کر کے واپس آیا اور جوش مسرت اور فرط انبساط سے پھولا جامے میں نہ سماتا تھا۔ حکم دیا کہ ایک نہایت خوشنما اور پر تکلف خیمہ فوراً نصب کیا جائے۔ اس حکم کی آناً فاناً تعمیل ہوئی۔ مسیلمہ نے اس محبوب دلنواز کا کشور دل فتح کرنے کے لئے اسے اعلیٰ قسم کے اسباب عشرت اور سامان زینت سے آراستہ کیا۔ انواع و اقسام کے عطریات مہیا کئے اور خیمہ کو حجلۂ عروسی بنا دیا۔ جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حور طلعت سجاح بن سنور کے اور جوبن نکھار کے حسن و لطافت کے پھول برساتی معشوقانہ انداز کے ساتھ خراماں خراماں آپہونچی۔ مسیلمہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے ریشمیں گدیلے پر بٹھایا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں شروع کیں۔ خوشبو کی لپٹوں نے سجاح کو مست و مسرور کر دیا تھا۔ مسیلمہ جانتا تھا کہ جب عورت خوشبو سے مست ہوتی ہے تو وہ مرد کی طرف جلد مائل ہوتی ہے اور گو مسیلمہ اس وقت نہایت سن رسیدہ تھا لیکن اس کے قویٰ کچھ زیادہ مضمحل نہ ہوئے تھے مسیلمہ نے کہا اگر جناب پر حال ہی میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو تو سنائیے۔ سجاح بولی نہیں پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں کیونکہ میں پھر بھی عورت ذات ہوں! اس جواب سے مسیلمہ بھانپ گیا کہ سجاح میں نبوت کا حوصلہ اس کی نسبت بہت پست ہے اور سجاح

کی پیغمبری بھی اس کے دعوائے نبوت کی طرح محض بناوٹی اور خانہ ساز ہے۔

مسیلمہ اپنی نبوت سے محبت و عشق بازی کا کام لینے لگا اور بولا مجھ پر یہ وحی اتری ہے۔

الم تر الی ربک کیف فعل بالحبلی اخرج منہا نسمۃ تسعی بین صفاق و حشی ا	کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا

ہے۔ ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے جو نکلتے وقت پردوں اور جھلیوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں چونکہ یہ وحی بمقتضائے جوانی سجاح کی نفسانی خواہشوں سے مطابقت رکھتی تھی شباب کی امنگوں نے گدگدانا شروع کیا اور بولی اچھا کوئی اور وحی بھی سنائیے۔ جب مسیلمہ نے دیکھا کہ اس نازنین نے اتنی نوک جھونک کو گوارا کر لیا اور بُرا ماننے کے بجائے خوش ہوئی تو اس کا حوصلہ اور بڑھا تکلف، شرم اور جھجک کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا اور کہنے لگا حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھی نازل فرمائی ہیں۔ ان اللہ خلق للنساء افواجا وجعل الرجال لھن ازواجا فتولج فیھن ایلاجا ثم نخرجھا اذا نشاء اخراجا فینتجن لنا سخالا انتاجا۔[1] اس شرم ناک اور شہوت انگیز ابلیسی وحی نے سجاح پر پورا پورا اثر کیا۔ اب کیا تھا مسیلمہ کی منہ مانگی مراد پوری ہوئی۔ کہنے لگا سنو خدائے برتر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش کو۔ مگر قریش نے ناانصافی کی جس کی وجہ سے رب العزت نے قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمھیں عطا کر دیا۔ لیکن کمال صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم مجھے اپنی ہم نشینی کیلئے قبول کرو اور ہم تم دونوں باہم عقد کر لیں کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے۔ اب اس کمزور دل عورت پر مسیلمہ کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ بولی مجھے منظور ہے۔ یہ حوصلہ افزا جواب سُن کر مسیلمہ کے دل کا کنول کھل گیا اور وفور مسرت سے کہنے لگا پھر دیر کاہے کی ہے؟ آؤ ذرا گلے لگ جاؤ"۔ اب گستاخی و بے حیائی کا حوصلہ اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ مسیلمہ مندرجہ ذیل نشاط انگیز، مہیج اور نہایت ہی فحش اشعار زبان پر لایا ۔ الا قومی الی المخدع ❊ فقد ھیئ لک المضجع

فان شئت فرشناک ❊ وان شئت علی اربع ❊ وان شئت بثلثیہ ❊ وان شئت بہ اجمع

اس کے بعد چند ان سے بھی زیادہ فحش اشعار زبان پر لایا۔ سجاح خوشبوؤں سے پہلے ہی

---

[1] ابن اثیر وغیرہ چونکہ مضمون سخت فحش ہے اس لئے ترجمہ قلم انداز کر دیا گیا ۱۲

پرانگیختہ ہو چکی تھی۔ خواہشات نے اسے اور بھی دو آتشہ کر دیا۔ چنانچہ نظام حواس درہم برہم ہو گیا اور شرم کی آنکھیں بند ہو گئیں ؎

ہوائے دل ہوس را شد عنا گیر　　شکیب از سینہ بیروں جست چوں تیر

آخر بے حیائی کا منھ کھول کر بے خود وار کہنے لگی اچھا اپنی خواہش جس طرح چاہو پوری کر لو۔ یہ سن کر مسیلمہ کا نخل امید بار ور ہوا اور نہایت مسرت کے لہجہ میں مسکرا کر کہنے لگا ہاں مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم ملا ہے الغرض ہر دو شیفتگان محبت نے "میاں بیوی راضی تو کیا کرے قاضی" کے مشہور مقولہ پر عمل کر کے باہمی رضامندی سے چٹ منگنی پٹ بیاہ کی مثل پوری کر دکھائی اور بغیر کسی کو اطلاع کیے اندر ہی اندر باہم عقد کر لیا۔

باہر دونوں مدعیان نبوت کے پیرو انجام ملاقات معلوم کرنے کے لیے چشم براہ اور گوش بر آواز بنے ہوئے تھے اور خوش اعتقاد امتی یہ گمان کر رہے تھے کہ ہر مسئلہ پر بہت کچھ رد و قدح ہو رہی ہو گی اور بحث و اختلاف کے تصفیہ کے لیے وحی خداوندی کا انتظار کیا جاتا ہو گا مگر یہاں دونوں پر شوق دولہا دلہن بساط نشاط اور سریر طرب پر بیٹھے کامرانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ شوق وصال اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک باہر نہ نکلے خصوصاً مسیلمہ کی بلند طالعی کا کیا کہنا ہے کہ جسے آفتاب حیات کے لب بام آنے پر بھی سجاح جیسی ہمپایہ محبوبۂ گلعذار کی دولت وصل میسر ہوئی اور جس نے اس پیر فرتوت کے مردہ دل کو حیات تازہ بخشدی۔ اور اس نیرنگ ساز کی قدرت کے کرشمے دیکھو کہ جس نے دشمن خونخوار کو محبوب دلنواز کی حیثیت سے پہلو میں لا بٹھایا۔

جب تین روز کے بعد ارمان بھرے دلوں کی آرزوئیں پوری ہو گئیں تو سجاح اپنی نبوت کو خاک میں ملا کر اور مسیلمہ سے شکست کھا کر عرق انفعال میں ڈوبی اپنے لشکر میں واپس آئی۔ اس کے سرداروں اور فوجیوں نے جن کے صبر و انتظار کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا صورت دیکھتے ہی پوچھا کہ مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بھی نبی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ تمھاری مرسلہ کو ایک مرسل کی اشد ضرورت تھی۔ انھوں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ مہر کیا قرار پایا؟ سجاح نے شرمگیں آنکھیں نیچی کر لیں۔ نادم چہرہ زمین کی طرف

جھک گیا اور نہایت سادگی کے عالم میں کہنے لگی کہ میں مسیلمہ سے یہ بات پوچھنا تو بھول ہی گئی۔ معتقدوں نے بصد نیاز عرض کیا حضور بہتر ہے کہ آپ اسی وقت تشریف لیجا کر اپنے مہر کا تصفیہ کر لیجیے۔ کیونکہ کوئی عورت مہر کے بغیر اپنے آپ کو کسی کی زوجیت میں نہیں دیتی۔ سجاح جو اپنا جوہر عصمت بے داموں بیچ چکی تھی ان کے مجبور کرنے سے اسی وقت خجلت زدہ پلٹی۔ لیکن اس اثنا میں مسیلمہ نہایت شتاب زدگی کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے قلعہ میں متحصن ہو چکا تھا اور دروازے بند کر دئے تھے وہ دل میں اس بات پر سہما ہوا تھا کہ مبادا سجاح کے پیرو اس عقد کو اپنی توہین خیال کر کے اس پر یورش کر دیں۔ سجاح قلعہ پر پہونچی۔ جب دروازے پر پہونچ کر اطلاع کرائی تو مسیلمہ کو اس کی قدر خوف دامنگیر ہو رہا تھا کہ اسے باہر آنے کی جرارت نہ ہوئی۔ چھت پر آکر سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا اب کس لیے آنا ہوا؟ سجاح کہنے لگی مجھ سے نکاح تو ہوا مگر میرا مہر تو بتاؤ۔ مسیلمہ نے دریافت کیا تمھارے ساتھ تمھارا منادی بھی آیا ہے؟ سجاح نے جواب دیا ہاں شبث بن ربعی میرا موذن موجود ہے۔ مسیلمہ نے اس سے کہا تم جاکر منادی کر دو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لائے تھے رب العزت نے ان میں سے عشار اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سجاح کے مہر میں معاف کر دیں۔

سجاح یہ مہر پا کر واپس چلی تو اس کے اصحاب کبار میں سے عطارد ابن حاجب، عمرو ابن اہیم، غیلان ابن خرشہ اور اس کا موذن شبث بن ربعی نہایت خاموش اور شرمسار اس کے ہمراہ رکاب جا رہے تھے۔ عطا بن حاجب نے اپنی حالت پر غور کیا تو اسے استعجاب سا معلوم ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

امست نبیّنا انثیٰ نطوف بھا	ہماری پیغمبر عورت ہے جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں حالانکہ
واصبحت انبیاء الناس ذکرانا	اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہوتے ہیں۔

مسیلمہ سے صلح تو ہو گئی تھی۔ دوسرے دن شرائط صلح کے متعلق گفتگو شروع ہوئی مسیلمہ نے کہا میں تمھیں علاقہ یمامہ کے ایک سال کے محاصل دیتا ہوں۔ نصف تو اب لے لو اور باقی نصف کے لیے اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ سجاح نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور اپنے معتمدین میں سے ہذیل، عقبہ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑ کر خود اپنا لاؤ لشکر لئے جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ اتفاق سے حضرت خالد بن ولید اسلامی

لشکر لیئے ہوئے اس سے سر راہ ملاقی ہوئے۔ سجاح کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی بدحواس ہو کر بھاگ گئی اور خود سجاح جزیرہ میں جا کر مقیم ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضؓ علم اسلامی لئے ہوئے یمامہ پہونچے۔ مسیلمہ قتل ہوا اور جن لوگوں کو سجاح ملک کی نصف آمدنی وصول کرنے کے لیئے یمامہ میں چھوڑ گئی تھی وہ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

سجاح کے بہت سے سمجھ دار اتقی نکاح کے واقعہ سے بد اعتقاد ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے اور اس دن سے اس کی جمعیت میں بجائے ترقی کے انحطاط شروع ہو چلا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے دار الخلافہ مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال ہمیشہ کے لیئے دل سے نکال دیا۔ آخر کار وہ قبیلہ بنی تغلب میں جس سے وہ ننہالی قرابت رکھتی تھی رہ کر امن و امان اور خموشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہاں تک کہ جب حضرت امیر معاویہ رضؓ کا زمانہ آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا جس میں انھوں نے بنی تغلب کو بصرہ میں آباد کرایا۔ سجاح بھی ان کے ہمراہ بصرہ میں آگئی اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ سجاح سے مسلمان ہونے کے بعد پوری دینداری اور پرہیزگاری ظاہر ہوئی اور اس نے اسی حالت ایمان میں توسنِ حیات کی باگ ملک آخرت کو پھیر دی۔ حضرت سمرہ ابن جندب رضؓ نے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔[۱]

عبد اللہ ابن سبا

رافضی فرقہ کے بانی و مؤسس عبد اللہ ابن سبا یمن کا ایک یہودی تھا کلمۂ اسلام سے گویا ہو کر منافقانہ اسلام قبول کیا۔ اور مار آستین بن کر مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور بغض و عناد کی آگ مشتعل کرنی شروع کی اس کے سلسلۂ تلبیس کی سب سے پہلی کڑی یہ تھی کہ خاندان نبوت اور دودمانِ مصطفوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اپنی ساری ہمت اس کوشش میں صرف کر دی کہ لوگ اہل بیت اطہار سے محبت کریں۔ چونکہ یہ تحریک اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی اس لیئے کافۂ اہلِ اسلام میں بہت مقبول ہوئی۔ لیکن اہلِ حق کو معلوم نہ تھا کہ

---

[۱] ابن اثیر۔ ابن خلدون الدعاۃ ۱۲

وہ اسلام کا نہایت خطرناک دشمن ہے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت خوفناک جال بچھا رہا ہے۔ جب عبداللہ بن سبا لوگوں کو اس دام فریب میں گرفتار کر چکا تو اس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) افضل البشر بعد الانبیاء رہیں۔ حضور سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جناب میں انھیں سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ اب وہ ان احادیث کے ساتھ جو امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہیں اپنی طرف سے بہت سی موضوع و مخترع روایتیں شامل کر کے ان کو شہرت دینے لگا۔ اور جب دیکھا کہ اس کے دام افتادہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہو گئے تو اس نے اپنے احباب خاص کی ایک جماعت کو اپنے اس راز سربستہ کی تعلیم دینی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰؓ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصی تھے۔ آنحضرتؐ نے انھیں نص صریح خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ لیکن صحابہؓ نے غلبہ پاکر اور (معاذاللہ) مکر و حیلہ سے وصیت نبوی سے بے اعتنائی کی خدا اور رسول کی اطاعت سے منھ موڑ کے علی مرتضیٰؓ کا حق غصب کر لیا اور طمع دنیاوی سے مغلوب ہو کر دین سے برگشتہ ہو گئے۔"

ابن سبا نے مدینہ منورہ میں اپنی حق فراموش جماعت تیار کرنے کے بعد دوسرے اسلامی بلاد میں جا کر فتنہ انگیزی و فساد پروری کا قصد کیا ۳۳ھ میں بصرہ پہونچا اور مسلمانوں کو راہِ حق سے منحرف کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہوا۔ ان دنوں جناب عبداللہ بن عامر امیر المؤمنین عثمانؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے انھوں نے سبائی فتنہ انگیزی کے حالات سُنے تو ابن سبا کو بُلا بھیجا اور کہا میں نے تمھاری نسبت ایسی ایسی باتیں سُنی ہیں اس لئے مناسب ہے کہ میرے حدودِ عمل سے جلد نکل جاؤ ورنہ تمھاری گردن مار دوں گا اب ابن سبا نے بصرہ سے کوفہ کا عزم کیا وہاں سے بھی اپنی مغویانہ سرگرمیوں کی وجہ سے نکالا گیا کوفہ سے مصر کی راہ لی وہاں پہونچ کر اس نے ایک نیا مسئلہ یہ اختراع کیا کہ" جناب مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح حضرت سرورِ دوجہان (علیہ التحیہ والسلام) بھی دوبارہ تشریف لانے والے ہیں اور کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے۔ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رجوع کرنے کو مانتے ہیں اور انھیں جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رجعت سے انکار ہے اور ساتھ ہی یہ کہنا شروع کیا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے وصی علیؓ بن ابی طالب ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو علی ابن ابو طالب کو پیغمبر خدا کا وصی نہیں مانتا۔ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے (معاذ اللہ) بلا استحقاق خلافت رسول اللہ پر قبضہ جما رکھا ہے"! دنیا میں بیوقوفوں اور شرارت پسندوں کی کمی نہیں۔ مصر میں بھی اس نے اوباش قسم کے لوگوں کو جمع کرکے ایک جماعت بنالی۔ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نشر یہ کرنے کے لئے منّاد بھی تیار کئے اور ان کو مختلف دیار و امصار میں بھیجتے وقت ہدایت کی کہ جہاں جاؤ سب سے پہلے عامۃ الناس کا دل ہاتھ میں لینے کے لئے بظاہر امر معروف ونہی منکر کا طریقہ اختیار کرو۔ یہ منّاد بصرہ، کوفہ، شام، مصر ہر جگہ پھیل گئے اور امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں حکام کے خلاف منافرت پھیلانے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے ۳۵ھ میں اپنے اپنے عمال کی شکائتیں لے کر مدینہ منورہ پہونچے اور اہلِ مدینہ کے پاس اپنی نام نہاد مظلومی کے ٹسوے بہانے لگے۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے تفتیش حالات کے لئے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، حضرت عمّار بن یاسرؓ کو مصر اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو شام اور محمد بن مَسلمہ انصاری کو کوفہ روانہ فرمایا تمام شکایتیں بے بنیاد اور جھوٹی تھیں تحقیق کی رو سے کوئی معاملہ ایسا پیش نہیں آیا جو قابل اعتراض ٹھہر سکے[1]۔

قضائے کردگار سے امیر المؤمنین عثمان ذو النورینؓ کے آخری دورِ خلافت میں مصر کی ایک شوریدہ سر جماعت نے امیر المؤمنین کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کیا ابن سبا نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آگ پر تیل ڈالنا شروع کیا اور دوسرے دشمنانِ ملت کو بھی جو کوفہ اور نواح عراق میں پھیلے ہوئے تھے مدینہ منورہ میں بلا لیا۔ اور خلیفۂ برحق جناب عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کو جرعۂ شہادت پلوا کر دم لیا۔ جب امیر المؤمنین علی مرتضیٰ نے اورنگ خلافت کو زینت بخشی تو ان منافقوں نے اپنے تئیں جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے محبّین مخلصین کی جماعت میں لا کھڑا کیا اور اپنے آپ کو شیعان علیؓ (گروہِ علیؓ) کے نام سے ملقب کرنے لگے۔ اب ابن

---

[1] کتاب الخطط علامہ مقریزی جلد ۴ صہ ۱۴۶ - ۱۴۷

سبا نے اپنے خبث باطن کو بے کھٹکے ظاہر کرنا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ امیر المومنین علی رضؓ نے کسی مصلحت سے اپنا دار الخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ کو منتقل کر لیا تھا۔ ابن سبا کے وابستگان دامن بھی عسکر خلافت میں شامل ہو کر کوفہ پہونچ گئے اور سبائی تعلیمات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد خود ابن سبا بھی کوفہ پہونچ گیا۔
حضرت سوید بن غفلہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے لشکرگاہ میں چند آدمی دیکھے جو حضرات شیخین رضؓ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے میں حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا" امیر المؤمنین! میں آپ کی فوج میں گیا تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کے حق میں ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو ان دونو بزرگوں کے شایان شان نہیں اور عجب نہیں کہ ان کی یہ جسارت اس خیال پر مبنی ہو کہ آپ کے دل میں بھی شیخین رضؓ کی طرف سے کچھ غبار کدورت ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ حضرات شیخین رضؓ کی شان میں یوں علانیہ دریدہ دہنی کی جاتی" حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان حضرات کی طرف سے میرے دل میں کدورت کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہو۔ میرے باطن میں دونوں حضرات کا وہی جذبۂ محبت موجود ہے جو خود سرورِ عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موجزن ہے اس کے بعد فرمایا کہ خدا اس پر لعنت کرے جس کے دل میں ان حضرات کے متعلق حسن ظن کے سوا کوئی اور جذبہ مخفی ہو۔ خدا ان دونوں پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے[1]۔ اس کے بعد امیر المؤمنین علی رضؓ نے پیروانِ ابن سبا کی فتنہ انگیزیوں کے خلاف متعدد خطبے دئے اور اس جماعت کے خلاف ہر طرح سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا۔ باوجودیکہ آپ نے بعض فتنہ انگیزوں کو جسمانی سزائیں دیں اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو سبائی فتنہ سے دامن کش رہنے کی تاکید فرمائی تاہم یہ مفسد جماعت اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی۔
جب ابن سبا نے دیکھا کہ ہزارہا لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی اور بہت سے مسلمان فاسد العقیدہ ہو چکے تو اب اس نے یہ کہہ کر فتنہ انگیزی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰ رضؓ سے ایسے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو مقدور بشری سے خارج ہیں

---

[1] تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزی مطبوعہ دہلی صہ ۱۴۱ - ۱۴۲

اور بتایا کہ خوارقِ عادات، قلبِ اعیان، اخبارِ غیب، احیائے اموات، بیان حقائق الٰہیہ و کونیہ، محاسبات دقیقہ، جواباتِ حاضرہ، بلاغتِ عبارت، فصاحتِ الفاظ، زہد و تقویٰ، شجاعت مفرطہ وغیرہ امور آپ سے اس کثرت و تنوع سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا مبنیٰ انسان کے مبلغ فہم سے بالاتر ہے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت کچھ رنگ آمیزیاں کیں اور حفظِ اسرار کی تاکید کرتے ہوئے اپنے دام افتادوں کو بتایا کہ یہ تمام باتیں جو آپ سے ظاہر ہوتی ہیں آپکی الوہیت کے خواص ہیں اور لاہوت ناسوت کے لباس میں جلوہ فرما ہے؟ اس دن سے پیروانِ ابن سبا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) خدا کہنے لگے۔ جب امیر المومنین علیؓ کو اس سبائی شر انگیزی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابن سبا اور اس کے پیروؤں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ کچھ تو بھاگ گئے اور جو مل سکے اُن کو آپ نے عبرت روزگار بننے کے لئے زندہ آگ میں جلا دیا۔ چنانچہ اسی معنی میں آپ نے فرمایا ہے ؎

لما رایت الامر امرا منکرا ‏ ‏ اججت ناری ودعوت قنبرا[۱]

یہ حرمان نصیب کوفہ سے بھاگ کر مدائن پہونچے۔ لیکن وہاں بھی اپنی مفسدہ پردازی سے باز نہ آئے۔ سبائی منادآذربجان اور عراق میں پھیل گئے۔ چونکہ امیر المومنین اس وقت مہمات خلافت کے علاوہ خوارج کی سرکوبی اور شامیوں کی لڑائی میں الجھے ہوئے تھے اس بنا پر ان اشرار کی طرف توجہ نہ فرما سکے نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سبا کا مذہب ان علاقوں میں جڑ پکڑ گیا اور انجام کار اس نے شیعہ مذہب کے نام سے روشناس کرایا۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنی مشہور تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" میں شیعوں کو چار طبقوں میں ظاہر کیا ہے اول شیعہ مخلصین یعنی اہل سنت و جماعت جو تمام اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے محبت رکھتے اور ازواج طاہرات سے خلوص و عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کا آئینۂ دل اکابر امت کے غبار کینہ سے بالکل پاک ہے یہی لوگ جناب علی مرتضیٰ کی روش پر قائم اور ان کے پکے پیرو ہیں۔ ان کا دامن سبائی خبث کی نجاست سے پاک رہا۔ جناب امیر المومنین علیؓ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی

---

[۱] کتاب الخطط جلد ۴ صہ ۱۸۲۔

مدح و تحسین فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔ دوسرے شیعہ تفضیلیہ جو جناب علی مرتضیٰ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے تھے۔ گو اس فرقہ نے ابن سبا کا اثر پوری طرح قبول نہ کیا تاہم اس کی پیروی کر کے اہل حق کے زمرہ سے خارج ہو گئے۔ جناب علی مرتضیٰ نے ان کو ہمیشہ تنبیہ کی کہ اگر کسی شخص کی نسبت معلوم ہو گا کہ وہ مجھے شیخین (یعنی امیر المومنین ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما) سے افضل کہتا ہے تو میں اسے افترا کی حد اسّی کوڑے لگاؤں گا۔ تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ یعنی دشنام گو جنھیں تبرائی بھی کہتے ہیں۔ یہ بدنصیب فرقہ تمام صحابہؓ کو ظالم اور غاصب بلکہ کافر و منافق یقین کرتا ہے اور اس نے تمام اکابر صحابہ کو اپنے سہام طعن کا ہدف بنا رکھا ہے جب کبھی اس گروہ کے خیالات امیر المومنین کے سمع مبارک تک پہونچتے تو آپ خطبہ دیتے ایسے ناپاک خیالات کی تشنیع فرماتے اور ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ چوتھا فرقہ غلات شیعہ ہیں۔ یہی ابن سبا کے شاگرد رشید ہیں۔ یہ لوگ امیر المومنین علی کی خدائی کے قائل ہیں۔

ان کا ایمان ہے کہ روح عالم ناسوت کی قید سے سات مرحلوں میں آزاد ہوتی ہے صلوٰۃ، صوم، حج و زکوٰۃ استعارے ہیں جن کے معانی حقیقت میں کچھ اور ہیں اور ان کا کوئی مخصوص عبادت خانہ بھی نہیں ہے اور نہ وہ مسجدوں میں جاتے ہیں صرف اپنے لڑکوں کو اپنے عقیدے کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ایمان کے مطابق عورتیں اس کی مستحق نہیں ہیں کہ انھیں عقائد میں شامل کیا جائے۔ جب لڑکے بالغ ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے عقائد کے اسرار سے آگاہ کرتے ہیں اور ان سے حلف لیتے ہیں کہ وہ اپنے عقائد کسی غیر پر افشا نہیں کریں گے۔ عورتوں کے بارے میں ان کا تصور یہ ہے کہ عورتیں صرف مرد کے استعمال کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فرقہ عورتوں پر زیادہ پابندیاں عائد نہیں کرتا، جہاں وہ خود نہیں پہونچ سکتے ان کی عورتیں پہونچ جاتی ہیں۔

ان ہی عقائد کی بنا پر اسلام کے مشہور عالم امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”وہ اپنے عقائد کے اعتبار سے یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی گئے گذرے ہیں، وہ کفر میں انتہا تک پہونچ گئے ہیں، وہ اعلانیہ کافروں کے مقابلے میں ملت مسلمہ کے لئے زیادہ خطرناک ہیں۔ وہ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ ہیں لیکن وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اس کے رسول ؐ اور نہ اس کی کتاب پر، ان کے نزدیک حرام و حلال کی تمیز بھی

اس سے جنگ آزما ہوں گے اس شرط پر شیعان علیؓ آپ کی طرف سے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے "یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں کیونکہ ان کا ارادہ جنگ آزما ہونے کا ہی معلوم نہیں ہوتا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک شیعہ صاحب نے آپ پر برچھی کا وار کر دیا جو اوچھا پڑا۔[1] آپ زخمی ہوئے مگر بچ گئے اس شقاوت پسندی پر سخت ملول ہوئے لیکن ضبط تحمل سے کام لیکر خاموش ہو گئے۔

اس اثنار میں آپ کو اطلاع ملی کہ امیر معاویہؓ فوج گران کے ساتھ دار الخلافہ پر حملہ آور ہونے کے لئے شام سے چل پڑے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت حسن مجتبیٰؓ بھی اس لشکر کی معیت میں جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب امیر معاویہؓ کی فوج مسکن کے مقام پر پہونچی تو حضرت حسنؓ نے اس وقت مدائن میں نزولِ اجلال فرمایا جناب حسنؓ نے حضرت سعد ابن عبادہ انصاریؓ کے صاحبزادہ قیسؓ کو بارہ ہزار فوج کے مقدمۃ الجیش کا سردار بنا کر لشکر شام کے مقابلہ میں روانہ فرمایا خود مدائن ہی میں اقامت گزیں تھے کہ کسی نے باآواز بلند پکار دیا کہ قیسؓ ابن سعدؓ شہید ہو گئے یہاں سے بھاگ چلو"۔ یہ سنتے ہی شیعان علیؓ جناب حسن مجتبیٰؓ کے خیمہ میں گھس گئے اور آپ کا مال واسباب لوٹنا شروع کیا یہاں تک کہ جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اسے بھی آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ بے یار و مددگار مدائن کے مقصورہ بیضار میں جا پناہ گزین ہوئے۔[2]

ان دنوں حضرت ابو عبید ابن مسعود ثقفی کے بھائی سعد ابن مسعود ثقفی مدائن کے حاکم تھے اور مختار ابن ابو عبید ثقفی بھی جس کا نام زیب عنوان ہے مدائن میں تھا۔ حضرت حسنؓ کو عالم بیکسی میں دیکھ کر اپنے چچا سعد ابن مسعود ثقفی سے کہنے لگا کہ چچا صاحب! اگر آپ کو ترقی جاہ و اقتدار کی خواہش ہو تو میں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ جناب سعد نے کہا وہ کیا ہے؟ بولا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) تن تنہا ہیں ان کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دیجئے"۔ چچا نے کہا۔ "خدا تجھ پر لعنت کرے کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر حملہ کر دوں اور ان کو گرفتار کر لوں؟ تو تو

---

[1] تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۹۳۔ [2] تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ صہ ۹۲۔

بہت ہی بُرا آدمی ہے"۔ جب جگر گوشۂ بتول رضؓ نے حضرات شیعہ کی یہ "شفقتیں" دیکھیں جن کا اُوپر ذکر ہوا اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا تو مجبوراً امیر معاویہؓ سے مصالحت کرکے ان کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ [۲]

جن ایام میں مختار نے اپنے چچا کو حضرت حسن مجتبیٰؓ کی گرفتاری کا شرمناک مشورہ دے کر وہی مارقانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا ان دنوں وہ خارجی مذہب کا پیرو تھا اور اہل بیت نبوت سے سخت عناد رکھتا تھا۔ لیکن سیدنا حسینؓ کی شہادت کے واقعۂ ہائلہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سخت سینہ ریش ہو رہے ہیں۔ اور استمالتِ قلوب کا یہ بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اہلِ بیت کا بغض و عناد اس کے بام ترقی پر پہونچنے میں سخت حائل ہے تو اس نے خارجی پنتھ سے دست بردار ہو کر حب اہلِ بیت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ ان ایام میں وہ نفعا نام ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ جب سُنا کہ مسلم ابن عقیل کوفہ آئے ہیں تو وہ اپنے ہوا خواہوں کو لے کر کوفہ پہونچا عبیداللہ ابن زیاد نے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا عمرو ابن حریث نام ایک شخص کو جھنڈا دے کر کوفہ کی جامع مسجد میں بٹھا رکھا تھا۔ مسجد میں پہونچ کر مختار پر کچھ بدحواسی سی طاری ہو گئی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے یہ دیکھ کر عمرو ابن حریث نے اس کو اپنے پاس بلایا اور امان دی۔ جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع دی تھی کہ مختار مسلم ابن عقیل کی مدد کے لئے آیا ہے۔ اس نے مختار کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو کہنے لگا کیا تم وہی شخص ہو جو ابن عقیل کے لئے جماعتیں لے کر آئے ہو؟ مختار نے کہا ہرگز نہیں میں تو یہاں آکر عمرو کے جھنڈے تلے مقیم ہوں۔ گو عمرو ابن حریث نے اس کی تصدیق کی مگر ابن زیاد نے اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کی آنکھ زخمی ہو گئی اور کہنے لگا اگر عمرو کی شہادت نہ ہوتی تو میں تم کو خنجر خونخوار کی نذر کر دیتا اس کے بعد مختار کو قید کر دیا۔ اس سے پیشتر حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ نے مختار کی بہن صفیہ بنت ابو عبید سے نکاح کر لیا تھا۔ مختار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی طرح میری رہائی کی کوشش فرمایئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے

---

[۱] تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ صہ ۹۲۔ [۲] ایضاً

یزید کے پاس اس کی سفارش کی۔ یزید نے عبیداللہ کے نام فرمان بھیجا کہ مختار کو چھوڑ دیا جائے عبیداللہ ابن زیاد نے اسے چھوڑ دیا مگر یہ حکم دیا کہ تین دن کے اندر کوفہ سے چل دو مختار کوفہ سے بری ہو کر حجاز کی طرف چلا گیا۔

جب مختار واقصہ سے آگے بڑھا تو ابن عرق سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے آنکھ کا حال دریافت کیا۔ مختار نے کہا کہ ایک زانیہ کے بچے نے اس کو مجروح کر دیا ہے پھر قسم کھائی کہ خدا مجھے ہلاک کرے اگر میں ابن زیاد کے جسم کے تمام جوڑ الگ الگ نہ کر دوں اس کے بعد کہنے لگا تم عنقریب سن لوگے کہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں اور شہید مظلوم، سید المسلمین، ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حسینؓ ابن علیؓ کے خون کا انتقام طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہنے لگا "خدا کی قسم! میں حسینؓ مظلوم کے بدلے میں اتنے ہی آدمیوں کی جانیں لوں گا۔ جس قدر کہ یحییٰ ابن زکریا (علیہما السلام) کے خون کے بدلے قتل ہوئے تھے۔ یہ کہکر مختار وہاں سے چل دیا اور ابن عرق محو حیرت رہ گیا یہاں سے مختار نے مکہ معظمہ جا کر کچھ عرصہ تک اقامت کی۔ اور یزید کی موت کے بعد جب اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تو ابن زبیرؓ کے پاس مزید پانچ مہینہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا۔ اور جب دیکھا کہ ابن زبیرؓ اس سے کسی کام میں اعانت نہیں چاہتے تو اس نے یہ کارروائی شروع کی کہ اہل کوفہ میں سے جو کوئی ابن زبیرؓ کے پاس آتا اس سے اہل کوفہ کے خیالات و امیال کا حال دریافت کرنے لگتا۔ چنانچہ ایک دن وہاں کے ایک سربرآوردہ شخص نے بتایا کہ اہل کوفہ حضرت ابن زبیرؓ کی اطاعت میں راسخ قدم ہیں لیکن ان میں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے اگر کوئی شخص ان کی رائے کے مطابق ان کو مجتمع کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں روئے زمین کو فتح کر سکتا ہے۔ مختار نے کہا خدا کی قسم! میں اس کام کے لئے موزوں ترین شخص ہوں میں ان کے ذریعہ سے شہسواران باطل کو مغلوب کروں گا اور ہر گردن فراز سرکش کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی راہ لی۔ اثنائے سفر میں جن جن لوگوں میں سے گذرتا ان کو سلام کر کے کہتا کہ تم کو نصرت و کشائش کار مبارک ہو۔ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمھیں مل گیا ہے۔ بنو کندہ، بنو ہمدان، بنو نہد وغیرہ قبائل میں جا کر بیان کیا کہ مجھے وصی کے بیٹے مہدی نے (یعنی حضرت

محمد بن حنفیہؓ نے جو امیر المؤمنین علیؓ کے صاحبزادہ تھے) تم لوگوں کے پاس امین، وزیر، شیخ اور امیر بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ ملحدین کو قتل کر دوں اہلِ بیت اطہار کے خون کا انتقام لوں اور ضعفاء کو جابروں کے پنجۂ ظلم سے نجات دلاؤں۔ لہذا تم لوگوں کا فرض ہے کہ قبول دعوت کا شرفِ اوّلیت حاصل کر دؔ" ان قبائل نے اس دعوت کو لبیک کہا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

کربلا کے خونین حوادث کے بعد عمرو ابن حریث کوفہ میں ابن زیاد کا قائم مقام تھا اور خود ابن زیاد بصرہ میں رہتا تھا۔ ۶۴ھ میں یزید کے بعد اموی حکومت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تو اہلِ کوفہ نے عمرو ابن حریث کو کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کر لی۔ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے عبد اللہ ابن یزید انصاری کوفہ کے امیر اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ خراج کوفہ کے والی مقرر ہو کر کوفہ پہونچے ان ایام میں مختار نے اہلِ کوفہ کو قاتلین حسینؓ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی۔ اور کہا کہ میں محمد بن حنفیہؓ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمھارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے محلّوں اور مسجدوں میں جاتا اور اہلِ بیت اطہار کے مصائب کا ذکر کر کے آنسو بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور رجوع خلائق شروع ہوا۔ عبد اللہ ابن یزید انصاری حاکم کوفہ کو بتایا گیا کہ مختار ایک بڑی جمعیت بہم پہونچا کر کوفہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے۔ عبد اللہ نے کہا کہ یہ خیال محض سوءِ ظن پر مبنی ہے مختار حسینؓ کے خون کا مطالبہ کرتا ہے۔ خدا اس پر رحم کرے اس کو چاہیے کہ علانیہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکلے اور ابن زیاد اور دوسرے قاتلین حسینؓ کا قلع قمع کرے۔ اور اگر ابن زیاد مختار سے برسرِ مقابلہ ہوا تو میں مختار کی ہر طرح سے امداد کروں گا"

چند روز کے بعد بعض اشرافِ کوفہ نے عبد اللہ ابن یزید انصاری اور ابراہیم ابن طلحہ کو بتایا کہ مختار خود تم لوگوں پر شہر ہی کے اندر حملہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دو۔ اور ساتھ ہی محبوس نہ کرنے کے انجام بد سے متنبہ کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے مختار کو محبس میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد مختار نے

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس جن کے گھر میں اس کی ہمشیر تھی پیغام بھیجا کہ میں مظلوم اور مقید ہوں۔ عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن طلحہ سے سفارش کر کے مجھے محبس سے نکلوا دیجئے۔" حضرت ابن عمرؓ نے ان دونوں کو اس کے لئے لکھ دیا اور انھوں نے انکی سفارش قبول کر کے مختار کو قید سے مخلصی بخشی لیکن رہا کرتے وقت اس سے حلف لے لیا کہ پھر کبھی حیلہ جوئی اور بغاوت نہ کروں گا۔ اور اگر ایسا کروں تو مجھ پر لازم ہوگا کہ کعبۂ معلیٰ کے پاس جا کر ایک ہزار اونٹوں کی قربانی کروں اور اپنے تمام غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دوں۔

قید سے رہا ہونے کے بعد مختار اپنے دوست سے کہنے لگا۔" ان کو خدا کی مار! یہ لوگ کیسے احمق ہیں وہ اپنی حماقت سے سمجھ رہے ہیں کہ میں ان سے وفا کروں گا! انھوں نے مجھ سے حلف اٹھوایا ہے لیکن اس حلف کو میں کبھی پورا نہ کروں گا۔ چنانچہ جب میں نے قسم کھائی تھی تو اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس کے پورا کرنے کی نسبت اس کا توڑنا صد ہزار درجہ بہتر ہے اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرنے کے بجائے ان پر حملہ کرنا اشد ضروری ہے۔ رہا اونٹوں کی قربانی اور غلاموں کی آزادی کا مسئلہ، سو یہ میرے لئے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ کسی طرح یہ کار عظیم و خطیر پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے۔ پھر خواہ میرے پاس ایک غلام بھی نہ رہے مجھے اس کی پروا نہیں۔ مختار کے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ جناب عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد کو معزول کر کے انکی جگہ عبداللہ ابن مطیع کو عامل کوفہ مقرر کر دیا۔ جیسے ہی عبداللہ ابن مطیع نے کوفہ میں قدم رکھا اسے کہا گیا کہ مختار کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ کوفہ پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ مختار کو قید کر کے اس کے فتنہ کا سدباب کر دیجئے۔"

ابن مطیع نے مختار کو بلا بھیجا مگر وہ بیماری کا حیلہ کر کے اس کی گرفت سے بچ گیا لیکن بیچارے ابن مطیع کو کیا معلوم تھا کہ یہ شخص تھوڑے ہی روز میں اس کے پرچم اقبال کو پامال کر دے گا۔ بہر حال جب حملہ کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں تو مختار نے خروج کا حکم دے دیا۔

ایک شخص نے مختار سے کہا کہ شرفائے کوفہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ ابن مطیع کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں۔ البتہ اگر ابراہیم ابن اشتر ہماری دعوت قبول کرلے تو اس کی

وجہ سے ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ایک بہادر سردار اور ایک شریف النفس باپ کا فرزند ہے اور اس کا قبیلہ بھی کثیر التعداد ہے۔ یہ سُن کر مختار نے چند آدمی بھیج کر اس سے شریک کار ہونے کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے جا کر اس تعلق اور انس کو بھی کھول کر بیان کیا جو ابراہیم کے والد کو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ میں حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے میں اس شرط پر تمھارا ساتھ دے سکتا ہوں کہ مجھے ہی والیٔ امر بنایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ آپ اس منصب کے اہل ہیں لیکن اس لحاظ سے کہ مختار، مہدی (حضرت محمد بن حنفیہ) کی طرف سے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور وہی اس رزم و پیکار پر مامور ہوا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تمھارے والیٔ امر بنائے جانے کی کوئی سبیل نہیں۔ ابراہیم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔ اب مختار نے ابراہیم کے نام ایک جعلی خط لکھا اور تین دن کے توقف کے بعد خود دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر ابراہیم کے پاس پہونچا اور کہنے لگا کہ دیکھئے! یہ امیر المومنین محمد بن علی (امام محمد بن حنفیہؒ) کا خط ہے۔ وہی مہدی جو خدا کے انبیاء و رسل کے بعد آج روئے زمین میں افضل ترین خلق ہیں اور اس جلیل القدر انسان کے صاحبزادہ ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر صفحۂ ہستی کا بہترین آدمی تھا۔ وہ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس کام میں ہماری اعانت کریں۔ ابراہیم نے وہ جعلی خط لے کر پڑھا اس میں لکھا تھا۔ منجانب محمد المہدی بنام ابراہیم بن مالک اشتر۔ سلام علیک۔ میں نے تم لوگوں کے پاس اپنا وزیر اور امین بھیج کر اس کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمن سے جنگ کرے اور میرے اہلِ بیت کے خون کا بدلہ لے۔ تم خود بھی اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اپنے قبیلہ اور دوسرے اطاعت کیش لوگوں کو بھی لے جاؤ۔ اگر تم نے میری مدد کی اور میری دعوت کو قبول کیا تو تم کو بڑی فضیلت حاصل ہو گی۔" ابراہیم نے اس خط کو پڑھ کر کہا کہ محمد ابن حنفیہ نے بارہا میرے پاس خط بھیجے ہیں اور میں نے بھی ان کو خطوط لکھے ہیں۔ ان خطوط میں وہ ہمیشہ اپنا اور اپنے والد کا نام (محمد بن علی) لکھتے رہے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے اس خط میں اپنی مستمرہ کے خلاف اپنے والد محترم کے اسم گرامی کی جگہ اپنا لقب مہدی زیب رقم فرمایا! مختار کہنے لگا وہ زمانہ اور تھا اور یہ اور ہے۔" ابراہیم نے کہا پھر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ

خط انھوں نے بھجوایا ہے؟ مختار کے تمام ساتھیوں نے اس کی شہادت دی کہ واقعی یہ خط حضرت محمد مہدی ہی نے بھیجا ہے تاہم ابراہیم کو انکار واسترداد کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ صدرِ فرش سے ہٹ کر مؤدب ہو بیٹھا اور مختار کو صدر نشین کر کے اس سے بیعت کر لی۔ اب ابراہیم نے اپنے قبیلہ کے لوگوں اور دوسرے متعلقین کو بلایا۔ جب سب جمع ہو چکے تو لائحہ عمل پر بحث ہوئی آخر قرار پایا کہ بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ پنجشنبہ کی رات کو خروج کریں۔

عبداللہ ابن مطیع کو معلوم ہو چکا تھا کہ مختار عنقریب حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے شرفائے شہر کی قیادت میں فوج اور پولیس کے آدمی بھیج کر شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اس انتظام کا یہ مقصد تھا کہ مختار اور اس کے پیرو خوف زدہ ہو کر خروج سے باز رہیں۔ لیکن جو لوگ مکمل تیاریوں کے بعد رزم وپیکار کے لئے بھر رہے تھے وہ بھلا اس انتظام سے کیونکر مرعوب ہو سکتے تھے؟ اس اثنا میں مختار نے نواح کوفہ کے ایک مقام پر تمام حربی تیاریاں مکمل کر لیں۔ یوم معہود کو مختار طلوع فجر تک فوج کی ترتیب و آراستگی سے فارغ ہو گیا اور تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ دن بھر تلوار چلا کی۔ آخر سرکاری فوج کو ہزیمت ہوئی۔ اور مختار نے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین دن تک جاری رہا۔ جب ابن مطیع کی قوت مدافعت بالکل جواب دے بیٹھی تو اس کے ایک فوجی افسر شیث ابن ربعی نے اس سے کہا کہ اب اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیر منائیے۔ اس وقت نہ آپ اوروں کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنے تئیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ابن مطیع نے کہا اچھا بتاؤ کیا کیا جائے؟ شیث نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اور ہمارے لئے امان طلب کیجئے۔ ابن مطیع نے جواب دیا کہ مجھے اس شخص (مختار) سے امان مانگتے ہوئے نفرت ہوتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ حجاز اور بصرہ ہنوز امیر المؤمنین (عبداللہ ابن زبیرؓ) کے زیر نگیں ہیں۔ شیث نے کہا اگر یہی خیال ہے تو پھر آپ نہایت رازداری کے ساتھ کہیں نکل جائیے۔ بالفعل آپ کوفہ ہی میں کسی قابلِ اعتماد آدمی کے ہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس کے بعد

موقع پاکر اپنے آقا کے پاس مکہ معظمہ چلے جائیے گا۔" دوسرے اشراف کوفہ نے بھی عبداللہ بن مطیع کو یہی رائے دی۔ ابن مطیع قصر امارت سے نکل کر ابوموسیٰ کے مکان میں جا چھپا۔ اس کی روانگی کے بعد ابن مطیع کے آدمیوں نے دروازہ کھول دیا اور ابراہیم ابن اشتر سے کہا کہ ہم امان چاہتے ہیں۔ اس نے کہا تمھیں امان ہے۔ یہ لوگ قصر سے نکلے اور مختار سے بیعت کر لی۔ مختار قصر میں داخل ہوا اور وہیں رات بسر کی۔ صبح کو شرفائے کوفہ اس سے مسجد اور قصر کے دروازہ پر ملاقاتی ہوئے اور اہل بیت کے خون کی انتقام جوئی پر بیعت کی۔ اس کے بعد مختار اشراف کوفہ سے حسن سلوک کرتا رہا۔

اس اثنار میں اسے بتایا گیا کہ ابن مطیع ابوموسیٰ کے مکان میں ہے یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کی بلند ہمتی دیکھو کہ شام کے وقت ایک لاکھ درہم ابن مطیع کے پاس بھیج دیے اور کہلا بھیجا کہ اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔ مجھے معلوم ہے جہاں تم اقامت گزیں ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بے زری و تہی دستی نے تمھیں شہر چھوڑنے سے روک رکھا ہے۔" لیکن اس حسن سلوک کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی زمانہ میں ان دونوں میں بڑی دوستی رہ چکی تھی۔ مختار نے کوفہ کے بیت المال میں نوّے لاکھ کی رقم پائی جس میں سے اس نے ان پانچ سو تین بہادروں میں جو ابن مطیع کے محاصرہ قصر کے دوران میں لڑے پانچ پانچ سو درہم اور ان چھ ہزار متحاربین کو جو محاصرہ کے بعد ایک رات اور تین دن تک اس کے ساتھ رہے تھے دو دو سو درہم فی کس تقسیم کر دیے۔

اس فتح سے مختار حجاز مقدس اور بصرہ کی ولایت کو چھوڑ کر باقی ان تمام ممالک پر قابض ہو گیا جو عبداللہ بن زبیرؓ کے زیر نگین تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس نے اپنے اعلیٰ ترین اوج و عروج کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور نظر آیا کہ اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے اقبال کے آگے سر نیاز جھکائے ہے۔ اب اس نے ابراہیم بن اشتر کے چچا عبداللہ ابن حارث کو آرمینیا کی حکومت تفویض کی۔ عبدالرحمٰن بن سعید کو موصل کا گورنر بنایا۔ اسحاق ابن مسعود کو مدائن کی سرزمین دی۔ اسی طرح دوسرے علاقے بھی ممتاز سرداروں کے زیر فرمان کر کے سب کو اپنی اپنی حکومتوں پر روانہ کر دیا۔

یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن مطیع جسے مختار نے مغلوب کیا وہی عبداللہ بن مطیع ہے جس سے حضرت حسینؓ کی کوفہ جاتے ہوئے ایک چشمہ پر ملاقات ہوئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ "اے ابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے ان اطراف میں کس

طرح قدم رنجہ فرمایا؟ یہ کہہ کر آپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور نہایت خاطر مدارات سے پیش آیا تھا۔ اور جب حضرت حسینؓ نے اس کو اپنے وجوہ قدوم سے مطلع کیا تو کہنے لگا اے فرزند رسول اللہ! میں آپ کو حرمت اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس خیال سے باز آئیے۔ میں آپ کو حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس عزم سے درگذر فرمائیے۔ خدا کی قسم! اگر آپ وہ چیز طلب فرمائیں گے جو بنو امیہ کے دست اقتدار میں ہے تو وہ آپ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آپ کو خدائے یگانہ کا واسطہ کوفہ جا کر اپنے آپ کو بنو امیہ کے دست بیداد میں نہ دیجیے۔" حضرت حسینؓ نے اس مخلصانہ درخواست کو مسترد فرما دیا تھا"

جب مختار نے قاتلین حسینؓ کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور اس قسم کی بہجت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ دشمنان اہل بیت کے گلے پر چھری رکھ کر محبان آل عبا کے زخم ہائے دل پر ہمدردی و تسکین کا مرہم رکھا ہے تو پیروان ابن سبا اور غلاۃ شیعہ نے اطراف و اکناف ملک سے سمٹ کر کوفہ کا رخ کیا اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے تملق و چاپلوسی کے انبار باندھنے شروع کر دیئے۔ بات بات میں مدح و ستائش کے پھول برسائے جاتے اور مختار کو آسمان تعلّی پر چڑھایا جاتا۔ بعض خوشامد پسندوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کار عظیم و خطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا ہے۔ نبی یا وصی کے بغیر کسی بشر سے ممکن الوقوع نہیں۔ اس تملق شعاری کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا۔ مختار کے دل و دماغ میں انانیت و پندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے بساط جرأت پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔[1] اس دن سے اس نے مکاتبات و مراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا۔ دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اور جبریل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب ابن زبیرؓ عامل بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کو قتل کیا ہے اس سے پہلے مختار نے بصرہ پر تسلط

---

[1] الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر صہ ۳۴۔

جمانے کے لئے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گانٹھنے میں کوشاں تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے بصرہ کے سرداروں مالک ابن مسمع اور زیاد بن عمرو کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا کہ "تم میری دعوت کو قبول کرو اور میرے حلقۂ اطاعت میں آجاؤ۔ دنیا میں جو کچھ تم چاہو گے تم کو دیا جائے گا اور آخرت میں جنت کا تمھارے لیے میں ضامن ہوتا ہوں" یہ خط پڑھ کر مالک از راہ مذاق زیاد سے کہنے لگا کہ مختار دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں تم کو بخش رہا ہے بس اب کس چیز کی کمی ہے؟ زیاد ہنس پڑا اور از راہِ مذاق کہنے لگا "بھائی میں تو وعدوں پر کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جو کوئی ہمارے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگائے گا اسی کی رفاقت اختیار کریں گے"۔ مختار نے احنف ابن قیس نام ایک رئیس کو یہ خط لکھا تھا "اسلام علیکم۔ بنی مضر اور بنی ربیعہ کا برا ہو۔ احنف اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہا ہے کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو۔ مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔ میں ان میں سے اکثر سے فائق و برتر نہیں ہوں۔ اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کیا ہوا"[1]۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ مختار نزولِ وحی کا مدعی ہے۔ انھوں نے فرمایا مختار سچ کہتا ہے خود خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیت میں دی ہے وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِھِمْ (شیاطین اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں)۔

مختار کی کذب آفرینیوں کے متعلق خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی کتب حدیث میں مروی ہے چنانچہ ترمذی نے عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سقیف کذاب ومبیر (قوم بنی سقیف میں ایک کذاب پیدا ہوگا اور ایک مفسد دہلاکو) علماء نے کذاب کو مختار پر اور مبیر کو حجاج بن یوسف پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت اسماءؓ (ذات النطاقینؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے حجاج بن یوسف سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ سقیف میں ایک کذاب

---

[1] تاریخ طبری جلد ۷ صہ ۱۳۱۔

ظاہر ہوگا اور ایک مبیر۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار ثقفی اور مبیر تو ہے۔ اسی طرح عدی بن خالد سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں تین دجالوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو ہمیں دجال اعور اور اکذب الکذابین (مسیلمہ) کے متعلق اطلاع دی تھی۔ اب یہ تیسرا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک فتنہ گر ہوگا جسے لوگ عارف باللہ سمجھیں گے۔ حالانکہ وہ ایک ایسا دجال ہوگا جو سیاہ بھیڑیئے سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ آل محمدؐ کی محبت ظاہر کرکے بندگانِ خدا کو کھا جائے گا۔ حالانکہ اسے میری سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔ رواہ ابن خزیمہ والحاکم والطبرانی

جھوٹے مدعی تائید ربانی اور نصرت الٰہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لیے نقل کو اصل ظاہر کرنے کے لئے انھیں حیلہ جوئیوں اور ناجائز تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ مختار بھی اسی اصول کے ماتحت اپنی من گھڑت وحی، معجزات اور پیشین گوئیوں کے پورا کرنے کے لئے عجیب و غریب چالاکیاں کیا کرتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ لمبا چوڑا عربی الہام تالیف کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے "ورب السماء لینزلن نار من السماء فلیحرقن دار اسماء" (آسمان کے رب کی قسم! ضرور آگ آسمان سے نازل ہوگی اور اسمار کا گھر جلا دے گی) جب اسمار بن خارجہ کو اس مختاری الہام کی اطلاع ہوئی تو اپنے گھر کا تمام مال و اسباب نکال کر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا۔ لوگوں نے نقل مکانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ مختار نے میرا گھر جلنے کی پیشین گوئی کی ہے اس لئے اب وہ اپنا الہام پورا کرنے کے لئے ضرور میرا مکان نذر آتش کر دے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کی تاریکی میں ایک شخص کو بھیج کر آگ لگوا دی۔ اور اپنے حلقہ مریدین میں ڈینگیں مارنے لگا کہ میری پیشین گوئی پوری ہوئی۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح آگ آسمان سے اتر کر مکان کو بھسم کر گئی[1]

ایک مرتبہ مختار نے بھی عجیب ہنرمندی کے ساتھ یہ معجزہ اپنے پیروؤں کو دکھایا۔ چنانچہ جب اس نے ابراہیم بن اشتر کو ابن زیاد کے محاربہ کے لئے موصل روانہ کیا تو اس کی مشایعت کے لئے پیدل چلنے لگا۔ ابراہیم نے کہا اے ابو اسحاق! سوار ہو جاؤ"

---

[1] الفرق بین الفرق صد ۳۵۔

کہنے لگا" نہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے قدم آلِ محمدؐ کی عون و نصرت میں غبار آلود ہوں" اسی طرح دو فرسنگ تک ساتھ چلا گیا۔ وداع کے وقت لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ خدائے قدوس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں کبوتروں کی شکل میں فرشتے بھیج کر تمھاری امداد کروں گا" اب اس نے اپنے بعض خاص مقرب و راز دار غلاموں کو چند کبوتر دے کر حکم دیا کہ تم لوگ لشکر کے پیچھے چلے جاؤ۔ جب لڑائی شروع ہو جائے تو کبوتروں کو پیچھے سے لشکر کے اوپر کی طرف اڑا دینا" چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا۔ فوج میں شور مچ گیا کہ فرشتے آگئے۔ اس "آسمانی امداد" کے بعد مختاری لشکر کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے اپنی فتح کا یقین کرتے ہوئے دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ اس کے چھکے چھڑا دیے یہاں تک کہ لشکر منہزم ہو کر بھاگ نکلا۔[1]

جب مختار ابن زیاد کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کی قیادت میں لشکر بھیج کر واپس آیا تو اب اس نے الہامات اور پیشین گوئیوں کا منہ چڑانا شروع کیا۔ چنانچہ اپنے سحر زدگان باطل سے کہنے لگا" حزب اللہ نے نصیبین میں یا اس کے قریب ہی دشمن سے اس کے قیام گاہ کے پاس سارا دن شمشیر زنی کی ہے اور دشمن کی بڑی تعداد اس وقت نصیبین میں محصور ہے" اس کے بعد جب قاصد ابن زیاد کے قتل اور لشکر شام کی ہزیمت کی بشارت لے کر آئے تو مختار کہنے لگا" اللہ والو! کیا میں نے قبل از وقوع اس فتح کی بشارت نہیں دی تھی۔ سب نے کہا واقعی آپ نے پہلے سے کہہ رکھا تھا" راوی کہتا ہے کہ مژدۂ فتح کی آمد پر مجھ سے میرے ایک ہمدانی ہمسایہ نے کہا کہ "اے شعبی! کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے"؟ میں نے کہا "کس بات پر ایمان لاؤں؟ کیا میں اس بات پر ایمان لاؤں کہ مختار عالم الغیب ہے اس پر تو میں ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا" ہمدانی کہنے لگا۔ کیا ہمارے نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے دشمنوں کو شکست فاحش نصیب ہو گی؟ میں نے جواب دیا کہ اس نے تو کہا تھا کہ دشمن کو نصیبین کے مقام پر شکست ہوئی ہے"۔ حالانکہ یہ واقعہ دریائے خازر علاقہ موصل میں پیش آیا ہمدانی بولا اے شعبی! خدا کی قسم! جب تک تم دردناک عذاب کا مشاہدہ نہ کر لو گے ایمان نہ لاؤ گے" اس ہمدانی کا نام سلمان بن عمیر تھا

---

[1] الدعاۃ ص ٦٦۔

یہ بھی جنگ حروراء میں مختار کے ساتھ کام آیا[1]۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ ہستی نے پیشین گوئی کے رنگ میں کہا تھا کہ مذار کے مقام پر بنی ثقیف کے ایک شخص کو عظیم الشان فتح نصیب ہوگی۔ یہ پیشین گوئی ہر وقت مختار کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ چونکہ مختار خاندان بنی ثقیف میں سے تھا اس کو رہ رہ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ پیشین گوئی میری ہی نسبت کی گئی ہے حالانکہ اس کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا جس نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو مختار کے قتل کے کچھ عرصہ بعد مذار کے مقام پر ہزیمت دی۔ بہر حال اس پیشین گوئی کے بل بوتے پر مختار نے اپنی فتح کی پیشین گوئی کر دی اور اپنے سپہ سالار احمر بن شمیط کو مصعب کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے مذار بھیج دیا۔ وہاں لڑائی ہوئی ابن شمیط مارا گیا اور مختار کو ذلت و ناکامی کا منھ دیکھنا نصیب ہوا[2]۔

بنو اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا جسے تابوت سکینہ کہتے تھے۔ یہ صندوق بعض انبیائے سلف کے تبرکات کا حامل تھا۔ جب کبھی بنی اسرائیل کو کسی دشمن کا مقابلہ درپیش ہوتا تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں لے جاتے حق تعالےٰ اس کی برکت سے فتح دیتا۔ مختار نے بھی تابوت سکینہ کی حیثیت سے ایک کرسی اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی جسے وہ لڑائی کے موقع پر لشکر کے ساتھ بھیجا کرتا تھا۔ اور اس کے پیرووں کو یقین تھا کہ یہ حضرت علیؓ کی کرسی ہے اور اس کی برکت سے دشمن مغلوب ہو جاتا ہے۔ اب اس کرسی کا اصل ماجرا سنئے۔ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن کا نام حضرت ام ہانیؓ تھا جو صحابیات میں داخل ہیں۔ حضرت ام ہانیؓ کے پوتے طفیل بن جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آشوب روزگار نے مجھے ایسی بری طرح قعر مذلت وادبار میں ڈالا کہ ابھرنے کی کوئی تدبیر بروئے کار نہ آئی۔ ہزار جتن کئے مگر شومیٔ قسمت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی اور میں عالم اضطراب میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ کوئی حیلہ بنا کر کسی بڑے سرمایہ دار سے کوئی رقم اینٹھنی چاہئے۔ نیرنگیٔ فلک کے کرشمے دیکھئے کہ اسی دماغی کدو کاوش کے اثناء میں مجھے اپنے تیلی ہمسایہ کے پاس ایک بہت پرانی کرسی پڑی دکھائی دی۔ جس پر اس قدر روغن جم گیا تھا کہ لکڑی بالکل نظر نہ آتی تھی میں نے دل میں

---

[1] تاریخ طبری جلد ۷، صہ ۱۴۵۔ [2] تاریخ طبری جلد ۷، صہ ۱۶۰۔

مختار نے اس کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کو روانہ کیا تو شیعان کوفہ نے اس کرسی پر حریر و دیباج لپیٹ کر اس کا جلوس نکالا۔ سات آدمی داہنی طرف سے اور سات بائیں جانب سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔ تابوت سکینہ کی طرح یہ کرسی لشکر کے ساتھ بھیجی گئی قضائے کردگار سے اس لڑائی میں شامیوں کی ایسی درگت ہوئی کہ اس سے پیشتر انھیں کبھی ایسا روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اس بنا پر شیعہ حضرات اس "تابوت سکینہ" کے حصول پر حد سے گزری ہوئی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتوں کا اظہار کرنے لگے۔ اور ان کی نظر میں کرسی کا تقدس کائنات کی ہر چیز سے بڑھ گیا۔ کوئی شیعہ ایسا نہ تھا جو آپے سے باہر اور طفلانہ مزاجی کی خوشیوں میں غرق نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق ان کا افراط کفر بواح کی حد تک پہونچ گیا۔ طفیل کہتے ہیں کہ یہ افسوس ناک حالت دیکھ کر میں اپنی حرکت پر سخت نادم ہوا کہ میں نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا؟ اس کرسی کے سب سے پہلے محافظ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیٹے موسیٰ تھے جو مختار کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چونکہ ان کی والدہ ام کلثوم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم زاد بھائی حضرت فضل بن عباس (رضی اللہ عنہما) کی صاحبزادی تھیں اس لئے مختار موسیٰ سے بہت کچھ حسن سلوک کرتا تھا۔ آخر جب کرسی کے تولیت کے متعلق موسیٰ پر طعن و تشنیع کی گرم بازاری ہوئی تو انھوں نے یہ کرسی حوشب برسمی کی تحویل میں دیدی اور پھر مختار کی وفات پر وہی اس کا متولی رہا کرسی کے متعلق اعشیٰ ہمدانی نے چند اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم سب عبداللہ بن سبا کی امت ہو۔ اے شرک کے پاس بانو! میں تم سے خوب واقف ہوں۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمھاری کرسی تابوت سکینہ نہیں ہے گو اس پر کئی کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور شبام، نہد اور خارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں تاہم یہ تابوت سکینہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ میں تو وہ شخص ہوں جسے آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت و شغف ہے اور اور اس وحی الہٰی کا پیرو ہوں جو مصاحف میں درج ہے[1]" مورخین نے لکھا ہے کہ مختار ہی نے شیعوں میں رسم تعزیہ داری جاری کی تھی جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہی کرسی تعزیہ داری اور کاغذی تابوت سازی کی اصل بنا تھی۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۷، صـ ۱۴۰ - ۱۴۱ -

شیعہ عربی میں گروہ و جماعت کو کہتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں جو لوگ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے حامی و ناصر تھے وہ شیعانِ علیؓ کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس کے بعد جب عبد اللہ بن سبا یہودی نے ایک ایسے عفونت آمیز مسلک کی بنیاد ڈالی جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحائے امت کی دشنام دہی کو جزو عبادت ٹھہرایا تھا تو سبائی پنتھ کے خلاف مسلمانوں میں ایک عام ہیجان اور جذبۂ نفرت پیدا ہوگیا۔ یہ دیکھ کر پیروانِ ابن سبا اور شیعانِ علیؓ دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ شیعہ اور غالی شیعہ۔ گو تھوڑے عرصہ میں تمام شیعانِ علیؓ غالی شیعہ بن کر شیعان ابن سبا بن گئے۔ لیکن مختار کے عہد حکومت تک کوفہ میں غالی اور غیر غالی دونوں گروہ پائے جاتے تھے اور غلو آمیز شیعیت مختار کی سرپرستی میں ترقی کر رہی تھی۔ اس وقت حسب بیان علامہ ابن جریر طبری کوفہ میں ہند بنت متکلفہ نام ایک عورت تھی جس کے مکان میں تمام غالی شیعہ جمع ہوکر باہم صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک اور عورت لیلیٰ بنت قمامہ کے مکان میں بھی غالی شیعہ جمع ہوتے تھے۔ لیلیٰ کا بھائی رفاعہ بن قمامہ گو شیعانِ علیؓ میں سے تھا لیکن غالی نہ تھا۔ اسی وجہ سے لیلیٰ کو اس سے نفرت تھی۔ اسی طرح کوفہ میں ابو احراس اور ابو حارث کندی دو مرد بھی ایسے تھے جو غالی شیعوں کا ملجا و ماویٰ بنے ہوئے تھے۔ ابو عبد اللہ جدلی اور یزید بن شراحیل نے ان دو عورتوں اور دو مردوں کے غلو کی حالت دیکھی تو ان کے متعلق حضرت محمد بن حنفیہؒ کو مکہ معظمہ لکھ بھیجا جو امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادے تھے۔ اور جنھیں مختار اور شیعان کوفہ نے "مہدی موعود" قرار دے رکھا تھا۔ جناب محمد بن علیؓ محمد بن حنفیہ کے نام سے اس لئے مشہور ہوگئے تھے کہ ان کی والدہ قبیلہ بنو حنیفہ میں سے تھیں۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے یزید بن شراحیل کے ہاتھ ایک خط شیعان علیؓ کے نام لکھا جس میں انھوں نے ان کو اہل غلو کے شر سے بچنے کی ہدایت کی۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ "یہ خط محمد بن علیؓ کی طرف سے ہمارے ان شیعوں کے نام ہے جو کوفہ میں ہیں تمھیں چاہیے کہ مجالس اور مساجد میں جمع ہوکر خفیہ اور علانیہ اللہ کو یاد کرو۔ اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا ہمراز نہ بناؤ۔ اور جھوٹے مدعیوں سے اپنا دامن بچاؤ۔ صوم و صلوٰۃ کی مداومت کرو۔ اور یقین جانو کہ مخلوقات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو سوا حکم ربانی کے کسی کو فائدہ یا نقصان پہونچا سکے[1]۔ حضرت ابن حنفیہ نے اس خط میں رفض سے پہلو تہی کرنے کے علاوہ

---

[1] تاریخ طبری جلد ۷ صہ ۱۵۳۔

اشارۃً مختار کے جھوٹے وعدوں سے بچنے کی بھی ہدایت فرما دی۔

جب مکہ معظمہ میں حضرت محمد بن حنفیہؓ کے پاس متواتر اس قسم کی افسوس ناک خبریں پہونچنے لگیں کہ مختار دین حنیف میں روز افزوں رخنہ اندازیاں کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے فتنۂ رفض ترقی پذیر ہے تو انھوں نے بذات خود عراق تشریف لے جانے کا عزم فرمایا۔ جب مختار نے یہ خبر سنی تو اسے خوف ہوا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے قدوم پر شیعہ لوگ جو اس کے دام تزویر میں پھنسے ہیں۔ اس سے الگ ہو جائیں گے اور اس کی ریاست وسیادت معرض زوال میں آجائے گی۔ یہ سوچ کر وہ حضرت ابن حنفیہ کے قدوم میں مزاحمت پیدا کرنے کے لئے ایک عجیب وغریب چال چلا۔ اپنی مجالس میں علانیہ کہنا شروع کیا۔ کہ ہم مہدی کی بیعت میں داخل ہیں۔ لیکن سچے مہدی کی ایک علامت ہے۔ جس کسی میں وہ علامت پائی جائے گی وہی پیغمبر علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مصداق ہوگا۔" لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ علامت کیا ہے؟ کہنے لگا کہ اس پر تلوار کا ایک وار کیا جائے۔ اگر تلوار کاٹ نہ کرے تو وہ مہدی ہے۔" مختار کا یہ مقولہ حضرت ابن حنفیہؓ کے سمع مبارک تک پہونچا تو انھوں نے عراق آنے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ کیونکہ انھیں یقین ہو گیا کہ مختار انھیں کو فریں قتل کرا دے گا۔[1]

جب ابن زیاد نے مختار کی آنکھ زخمی کر کے اسے کوفہ سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا تو مختار نے مکہ معظمہ جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ان کی طرف سے اس شامی فوج کا مقابلہ کیا تھا جو یزید (بن معاویہؓ) نے حُصَین بن نمیر سکونی کے زیر قیادت دمشق سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ معظمہ روانہ کی تھی۔ اور یزید کی موت کے بعد محاصرہ اٹھا کر دمشق واپس چلی گئی تھی لیکن اس بیعت واطاعت پذیری کے باوجود مختار نے اپنے مطاع کے خلاف یہ غداری کی کہ کوفہ آکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عامل عبداللہ بن مطیع کو کوفہ سے نکال دیا اور ولایت کوفہ کی حکومت اپنے عنان اختیار میں لے لی۔ مختار جس طرح غدار اور بے وفا تھا اسی طرح پرلے درجے کا فریب کار اور حیلہ ساز بھی تھا۔ اس کی حیلہ سازیوں

---

[1] کتاب الفرق بین الفرق صد ۲۳۔

کی ایک آدھ مثال مشتے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہے۔ جب مختار کوفہ پر اچھی طرح دخیل ہو چکا تو حضرت ابن زبیرؓ کو لکھا کہ اگر آپ مجھے دس لاکھ درہم عطا فرمائیں تو میں عبدالملک بن مروان پر حملہ کر کے آپ کو شامیوں کی مصیبت جنگ سے بچا دوں" حضرت ابن زبیرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ثقیف کا یہ مکار مجھ سے کب تک مکر و فریب کرتا رہے گا؟" جب یہ حیلہ کارگر نہ ہوا تو مختار نے حضرت ابن زبیر کو ایک اور چکمہ دے کر حجاز مقدس پر قبضہ جمانا چاہا۔ واقعہ یہ تھا کہ یزید (بن معاویہؓ) کے مرنے کے بعد شام میں مروان بن حکم کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مروان کی ہلاکت کے بعد جب اس کا بیٹا عبدالملک سریر سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ارادہ کیا کہ تسخیر مکہ معظمہ کا جو کام یزید کی موت کے باعث تعویق میں پڑ گیا تھا اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے ایک لشکر جرار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا جو بہت دن تک وادی القریٰ میں ڈیرے ڈالے پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر مختار نے بہت کچھ اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے آپ کے خلاف عربدہ جوئی کی خواہش کی ہے اور اس غرض کے لئے ایک فوج بھیجی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی امداد کے لئے کمک بھیجوں"۔ جناب عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ "اگر تمھیں میری اطاعت منظور ہے تو کوفہ میں لوگوں سے میری بیعت لو اور میری امداد میں اپنی فوج بھیج کر اس کو حکم دو کہ وادی القریٰ میں عبدالملک کی فرستادہ فوج کے مقابلہ میں جا کر لڑے"۔ یہ خط پا کر مختار نے شرحبیل بن ورس ہمدانی کو تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ مدینہ پہونچتے ہی اپنی رسید سے مطلع کرنا اور مزید ہدایات کا انتظار کرنا۔ مختار کا اصل مدعا یہ تھا کہ جب یہ فوج جا کر مدینہ منورہ پر قابض ہو جائے تو مدینہ کی حکومت کے لئے کسی کو کوفہ سے عامل بنا کر بھیج دے اور پھر شرحبیل اپنی فوج لئے ہوئے ابن زبیرؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو محصور کرلے۔ شرحبیل تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ اب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا مختار نے کوئی فریب کیا ہو اس لئے انھوں نے مکہ معظمہ سے عباس بن سہل بن سعدؓ کو دو ہزار فوج کی قیادت میں مدینہ طیبہ روانہ فرمایا۔ جب عباس مدینہ پہونچا تو اتنے میں عراقی لشکر آ نمودار ہوا۔ شرحبیل نے آتے ہی اپنی فوج کی جنگی

ترتیب قائم کردی۔ میمنہ میسرہ مضبوط کر لئے اور پانی پر قبضہ کر لیا۔ عباس ایسی حالت میں ان کے پاس پہونچا کہ اس کی سپاہ میں کوئی جنگی نظام قائم نہ تھا تمام سپاہی علیحدہ علیحدہ چل رہے تھے۔ عباس نے رقیم میں شرجیل سے ملاقات کی اور دیکھا کہ شرجیل پانی پر پوری جنگی ترتیب کے ساتھ فروکش ہے۔ عباس نے شرجیل کو سلام کیا اور کہا کہ میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں شرجیل تنہائی میں اس سے ملا۔ عباس نے پوچھا کیا تم عبداللہ بن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ان کی اطاعت میں ہوں۔ عباس نے کہا کہ وادی القریٰ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دشمن فروکش ہے۔ تم ہماری رفاقت میں اس کے مقابلہ پر چلو۔ شرجیل نے کہا مجھے تمہارے احکام بجالانے کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ مدینہ پہونچ کر ٹھہروں اور پھر جو مناسب سمجھوں کروں۔ عباس نے کہا اگر تم ابن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو تو انھوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو اور تمہاری فوج کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں وادی القریٰ لے جاؤں۔ شرجیل نے مکرر یہی جواب دیا کہ مجھے تمہاری اطاعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ اس مدور منطق پر عباس کو یقین ہو گیا کہ شرجیل یہاں کسی فاسد ارادہ سے آیا ہے مگر عباس نے اس گفتگو کو اس خوبی سے نباہا کہ شرجیل کو اس بات کا مطلق احساس نہ ہوا کہ عباس اس کے مخالفانہ رویہ کو بھانپ گیا ہے۔ خاتمۂ سخن پر عباس نے شرجیل سے کہا اچھا جو قرین مصلحت ہو کرو میں تو عنقریب اپنی فوج لئے وادی القریٰ کو چلا جاؤں گا۔ اس ملاقات کے بعد عباس بھی پانی کے ایک مقام پر آکر اقامت گزین ہوا اور پھر چند قیمتی اشیاء جو مکہ معظمہ سے ساتھ لے گیا تھا تحفۃً شرجیل کو بھیجیں۔ اس کے علاوہ آٹے کی بوریاں اور چرم کشیدہ بھیڑیں بہ طور ضیافت روانہ کیں۔ اس وقت شرجیل کی فوج کے پاس سامان رسد تھوڑا گیا تھا۔ انھوں نے اس ضیافت کو غنیمت سمجھا۔ آٹا اور گوشت کے پہونچتے ہی اہل لشکر پانی لانے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی جنگی ترتیب باقی نہ رہی۔ جب عباس مختار کے لشکر کو غافل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تو اب اس نے اپنی فوج میں سے ایک ہزار جوانمرد جو نہایت بہادر و جنگ آزمودہ تھے منتخب کئے اور انھیں لے کر شرجیل کے خیمہ کی طرف بڑھا شرجیل نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھ کر خطرہ کا احساس کیا اور جھٹ اپنی فوج کو للکارا لیکن ابھی پورے سو جوان بھی اس کے پاس جمع نہ ہوئے

تھے کہ اس کے سر پر پہونچ گیا۔ اس وقت شرجیل بہ آواز بلند چیخنے لگا کہ "اے حزب اللہ! میرے پاس آؤ۔ اور ان ظالموں سے جو شیطان ملعون کے پیرو ہیں لڑو"۔ عباس رجز خوانی کرتا ہوا عراقیوں پر ٹوٹ پڑا۔ شرجیل اپنے ستر جوانوں کے ساتھ طعمۂ اجل ہو گیا اب عباس کی فوج نے مار مار کر عراقیوں کے پرخچے اڑا دئے اور تین ہزار آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر آناً فاناً نذر اجل کر دیا۔ البتہ دو سو جوان اس طرح بچ گئے کہ جن لوگوں کو ان کے قتل کا کام سپرد ہوا تھا۔ ان میں سے بعض آدمیوں نے رحم کھا کر ان کو چھوڑ دیا۔ یہ دو سو آدمی عراق کی طرف منہ کر کے بھاگے لیکن ان کی بھی اکثریت راستہ میں ہلاک ہو گئی۔ جب مختار کو اس لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ نابکار فاجروں نے خدا کے برگزیدہ بندوں کو قتل کر دیا ہے۔ مگر یہ مقدر ہو چکا تھا اور وہ پورا ہوا۔[1]

مختار کے مرنے کے بعد مختار کا مستقل گروہ کیسانیہ کے نام سے دنیا کے سامنے آیا کیسانیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ خود مختار کا اصل نام کیسان تھا اور بعض کا خیال ہے کہ کیسان حضرت علیؓ کے غلام کا نام ہے تھا۔ چونکہ اسی کے زیر ہدایت مختار نے قاتلین حسینؓ کو کیفر کردار تک پہونچایا اس لئے اس کے فرقہ کو کیسانیہ کہنے لگے پھر کیسانیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں۔ لیکن یہ تمام فرقے دو مسئلوں میں باہم متفق ہیں ایک تو سب کے سب ابن حنفیہؓ کو امام مانتے ہیں چنانچہ مختار بھی انہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ دوسرے ان کے زعم میں خدائے بیچون ازلی نہیں بلکہ اس کے لئے بھی بدء و آغاز ہے چنانچہ یہ لوگ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو خدائے عزّ و جل کے لئے ابتدار تسلیم نہ کرے۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہؓ کے متعلق ایک اور اختلاف بھی پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہی امام تھے۔ چنانچہ جنگ جمل میں امیر المومنین علیؓ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن مجتبیٰؓ امام تھے۔ ان کے بعد منصب امامت حضرت حسینؓ کو تفویض ہو۔ لیکن جب امام حسینؓ یزید کی طلب بیعت کے وقت مدینہ سے مکہ گئے تو امامت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو سپرد کر گئے۔ کیسانیہ کی ایک شاخ کربیبیہ ہے جو ابو کرب ضریر کے پیرو ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ امام محمد بن

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۷ ص ۱۳۴ - ۱۳۵ -

حنفیہ زندہ ہیں۔ ان پر آج تک مرگ طاری نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت جبل رضوی میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے آگے دو چشمے بہہ رہے ہیں ایک پانی کا ہے دوسرا شہد کا وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ان کی داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں طرف ایک چیتا۔ یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس وقت تک برابر محافظت کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو خروج وظہور کا حکم نہ ہو۔" ان کے خیال میں حضرت محمد بن حنفیہ ہی مہدی موعود ہیں۔ دوسرے کیسانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ انتقال فرما گئے پھر اس بارہ میں بھی اختلاف ہے کہ ان کے بعد کون امام ہوا۔ بعض کے خیال میں ان کے بعد علیؑ بن حسینؓ زین العابدینؒ امام ہوئے۔ اور بعض کے نزدیک ان کے بعد ان کے فرزند ابوہاشم عبداللہ کو منصب امامت ملا تھا۔ ان میں سے راوندی گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابوہاشم کے بعد ان کی وصیت کے بموجب امامت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔[1]

چونکہ مختار کے حالات واقعات نے غیر معمولی طوالت اختیار کر لی ہے اس لئے بغرض اختصار اس کا وہ "الہامی" کلام قلم انداز کیا جاتا ہے جو اس نے بمنزلہ قرآن کے پیش کیا۔ جو حضرات اس مقفّٰی ومسجع خطابت کے مطالعہ کا اشتیاق رکھتے ہوں وہ علامہ عبدالقاہر کی کتاب "الفرق بین الفِرق" (ص ۳۴-۳۵) اور کتاب الدعاۃ (ص ۶۴-۶۵) کی طرف رجوع فرمائیں۔

مُصعَب بن زُبیر کا کوفہ پر حملہ اور مختار کا قتل

ابراہیم بن اشتر کوفی مختار کا دستِ راست تھا۔ مختار کو جس قدر ترقی عروج نصیب ہوا وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت، اولوالعزمی اور حسن تدبیر کا رہین منت تھا۔ ابراہیم جدھر گیا شجاعت واقبال مندی کے پھریرے اڑاتا گیا اور جس میدان کا رخ کیا۔ فتح وظفر ہاتھ باندھے سامنے آموجود ہوئی۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار کے دشمنوں سے لڑا۔ اور اس کے علم اقبال کو ثریا تک بلند کر دیا۔ البتہ ایک موقع پر ہم

---

[1] الفرق بین الفِرق ص ۲۷-۲۸۔

دیکھتے ہیں کہ ابراہیم نے اسے تنہا چھوڑ دیا ہے اور یہی وہ وقت ہے جبکہ مختار کا کوکب اقبال زوال و فنا کی شفق میں غروب ہو گیا ہے۔ جس محاربہ میں مصعب بن زبیر والیٔ بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کے شجرۂ حیات کو مستاصل کیا ہے اس میں ابراہیم نے مختار کا ساتھ نہ دیا بلکہ موصل میں الگ بیٹھا مختار کی ذلت و بربادی کا تماشا دیکھتا رہا۔

ابن جریر، ابن اثیر وغیرہ مورخوں نے اس عقیدہ کا کوئی حل پیش نہیں کیا کہ ابراہیم نے اس موقع پر اس سے کیوں بے اعتنائی برتی۔ البتہ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے حقیقت حال کے چہرے کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے علی الاعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت کا دست کش ہو گیا بلکہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے بلاد جزیرہ پر بھی قبضہ جما لیا۔[1] مصعب ابن زبیر کو ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اس سے پیشتر رؤسائے کوفہ اور مختار کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں خدا اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی محبت کا نور ضیاء افگن ہے مختار کی ان سرگرمیوں کو نظر استحسان سے دیکھے گا جو اس نے دشمنانِ آلِ رسول کی تخریب و استیصال کے لئے شروع کر رکھی تھیں اور رؤسائے کوفہ بھی اس کام میں اس کے قدر شناس اور مؤید تھے۔ لیکن اہلِ کوفہ کو انہی ایام سے جب کہ ابراہیم بن اشتر ہنوز مختار کا رفیقِ کار تھا۔ مختار کے خلاف کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے انھوں نے اس کے خلاف علم مبارزت بلند کر دیا تھا۔ اور مختار نے ابراہیم کی مدد سے ان کو سرکوب کر دیا تھا۔ اس وقت تو یہ لوگ زک پا کر خاموش ہو گئے اور نفرت و عناد کی چنگاری دب گئی۔ لیکن جب ابراہیم نے مختار کا ساتھ چھوڑ دیا تو رؤسائے کوفہ کی رگِ انتقام جنبش میں آئی اور انھوں نے چاہا کہ جس طرح بن پڑے مختار کو کچل کر خاکِ فنا میں ملا دیا جائے۔

اس قرار داد کے بموجب شبث بن ربعی محمد بن اشعث اور بعض دوسرے ہزیمت خوردہ رؤسا نے بصرہ جا کر مصعب ابن زبیر کو برانگیختہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے شبث بصرہ پہونچا۔ اس وقت وہ ایک خچر پر سوار تھا جس کی دم اور کان کے کنارے

---

[1] الفرق بین الفرق ص ۳۵ - ۳۶

قطع کر دیئے تھے۔ اس نے اپنی قبا کو بھی چاک کر دیا تھا اور بہ آوازِ بلند پکار رہا تھا
یا غوثاہ یا غوثاہ (دادرسی کیجیے۔ فریاد کو پہونچیے)، حاضرین مجلس نے مصعب کو بتایا
کہ ایک شخص دروازے پر فریاد رسی کے لئے کھڑا ہے اور اس کی یہ حالت ہے کہ قبا
پھٹی ہوئی ہے اور خچر کی دم اور کان کٹے ہیں۔ مصعب سمجھ گیا کہ شبث ہوگا۔ اور حکم
دیا کہ اندر بلالو۔ شبث نے دربار میں پہونچ کر صورت حال عرض کی۔ دوسرے
سر برآوردہ کوفی بھی مصعب کے پاس پہونچے اور مختار کی چیرہ دستیوں کی داستانیں
سنا کر کہا کہ ہم انتہا درجے کے مظلوم ہیں یہاں تک کہ ہمارے ہی غلام اور آزاد غلام
ہم پر چڑھ آئے ہیں آپ ہماری اعانت کیجیے اور ہمارے ساتھ مل کر مختار پر
فوج کشی فرمائیے۔"

مختار نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے عمال سے کوفہ اور اس کے ملحقات کی حکومت
چھین کر خودسری اختیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف بہت
سی دوسری کینہ جوئیوں اور خون آشامیوں کا بھی مرتکب ہوا تھا اس بنا پر ان کے
بھائی مصعب بن زبیر انتقام کے لئے بہت دن سے دانت پیس رہے تھے جب
روسائے کوفہ نے آکر حملہ آور ہونے کی تحریک کی۔ تو مصعب ایک لشکر جرار لے کر کوفہ
کی طرف بڑھے ادھر مختار کو معلوم ہوا تو اس نے بھی احمر بن شمیط اور عبداللہ بن
کامل کے زیر قیادت اپنی سپاہ کو حرکت دی۔ جب لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تو احمر بن
شمیط اور عبداللہ بن کامل دونوں میدان جاں فشاں کی نذر ہو گئے اور بصریوں
نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ اب مصعب نے عباد بن حصین
کو رسالہ دے کر مختار کی ہزیمت خوردہ فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو قیدی
بھی تمہارے ہاتھ لگے اس کی گردن مار دو۔ اسی طرح مصعب نے محمد بن اشعث کوفی
کو بھی اہل کوفہ کے رسالہ کے ساتھ ابن شمیط کی منہزم فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور
کہا اب موقع ہے کہ تم دل کھول کر اپنا بدلہ لے لو۔ ہزیمت خوردہ کوفی فوج کے لئے
کوفی لوگ بصریوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ جس شخص کو بھی پکڑتے بلا دریغ موت کے
گھاٹ اتار دیتے اور کوئی قیدی ایسا نہ تھا جسے انھوں نے معاف کیا ہو۔ جب مختار
کو اپنے سپہ سالاروں کی ہلاکت اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ "موت
کا آنا لازمی امر ہے اور جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس پر ابن

شمیط کا خاتمہ ہوا۔"

جب مختار کو معلوم ہوا کہ مصعب کی فوج خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے اس کے قریب پہونچ گئی ہے تو اس نے بھی کوفہ سے جنبش کی اور مقام سلحین پر آکر ڈیرے ڈال دئے۔ سلحین مختلف دریاؤں کا سنگم ہے۔ اس مقام پر دریائے حیرہ دریائے سلحین اور دریائے قادسیہ اور دریائے یُوسف فرات سے ملتے ہیں۔ مختار نے اس سنگم پر ایک بند بنوا کر دریائے فرات کا پانی روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں میں بیٹھی چلی آرہی تھی ان کی کشتی کیچڑ میں پھنس گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپیادہ کوچ کرنا شروع کیا۔ ان کا رسالہ ان کے آگے دریائے فرات کے بند تک پہونچ گیا اور اس کو منہدم کر کے کوفہ کی طرف باگیں اٹھائیں۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور مقام حروراء میں پہونچ کر مورچے تیار کرائے۔ قصر اور مسجد کو مستحکم کیا اور بڑی عجلت کے ساتھ وہ تمام سامان فراہم کیا جس کی حالت محاصرہ میں ضرورت پیش آتی ہے اتنے میں مصعب بھی حروراء پہنچ گئے جو ولایات بصرہ وکوفہ کی حد فاصل ہے۔ آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مصعب کی فوج میں سے محمد ابن اشعث رئیس کوفہ جس نے دوسرے کوفی رؤسا کے ساتھ بصرہ جاکر مصعب کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی اپنے تمام دستۂ فوج کے ساتھ کام آیا۔ تاہم مختار کی فوج کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر سخت بد حالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج بر سر مقابلہ رہی مختار نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت نے اس کو بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اب وہ پسپا ہو کر کوفہ پہونچا اور قصر امارت میں متحصن ہو گیا۔ دوسرے دن مختار کی ہزیمت خوردہ سپاہ بھی کوفہ پہونچ گئی۔ ہزیمت وپسپائی کے وقت مختار کا ایک افسر اس سے کہنے لگا کہ کیا آپ نے (وحی آسمانی سے اطلاع پاکر) ہم سے فتح وظفر کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ اور یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دشمن کو مار بھگائیں گے؟" مختار نے کہا کیا" تم نے کتاب اللہ میں یہ آیۃ نہیں پڑھی یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (حق تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بحال رکھتا ہے۔ اور اسی کے قبضۂ قدرت میں لوح محفوظ ہے)"

مختار قریباً بیس ہزار فوج حروراوے گیا تھا۔ ان میں سے کچھ آدمی تو مارے گئے۔ کچھ کوفہ پہونچ کر اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہوگئے اور آٹھ ہزار آدمی مختار کے پاس قصر میں داخل ہوئے۔ اب مصعب کی فوج کوفہ پہونچی اور قصر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ چار مہینہ تک جاری رہا مختار ہر روز اپنے رسالہ کے ساتھ قصر میں سے برآمد ہوکر کوفہ کے بازاروں میں دشمن سے دو دو ہاتھ کرتا اور کچھ زیادہ نقصان پہونچائے بغیر واپس جاتا محصورین کی حالت دن بدن نازک ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر وہ اہلِ شہر بھی جو مختار کے مخالف تھے دلیر ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب کبھی مختار کا رسالہ حملہ کرنے کے لئے قصر سے نکلتا تو مکانات کی چھتوں پر سے ان پر اینٹیں پتھر کیچڑ اور غلیظ پانی ڈالا جاتا۔ محاصرین نے سامان رسد کی آمد بالکل مسدود کر رکھی تھی اس وقت محصورین کی بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ بہت سی عورتیں اپنے اپنے مکانات سے اشیاء خوردہ و نوش کسی چیز سے ڈھانک کرے چلتیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا کہ وہ نماز کے لئے جامع مسجد میں جارہی ہیں یا کسی عزیز و یگانہ سے ملنے جاتی ہیں اور جب قصر امارت کے پاس پہونچتیں تو مختار کے آدمی ان کے لئے دروازہ کھول دیتے اور اس طرح کھانا پانی ان کو فیوں کے پاس پہونچ جاتا جو مختار کی فوج میں تھے۔ جب مصعب کو اس کی اطلاع ہوئی تو شہر کے تمام چورستوں پر پہرے بٹھا دیے۔ اور کوشش کی کہ کوئی شخص محل تک نہ پہونچ سکے تاکہ محصورین بھوکے پیاسے ہی ہلاک ہو جائیں۔ اس وقت ان کی یہ حالت تھی کہ میٹھا پانی باہر سے نہیں آسکتا۔ قصر کے اندر جو کنواں تھا اس کا پانی سخت نمکین تھا۔ مگر محصورین شدت تشنگی کی حالت میں یہی پانی پینے لگتے۔ بیت المال میں شہد بہ کثرت موجود تھا۔ پانی کی تکلیف دیکھ کر مختار نے حکم دیا کہ کنوئیں میں شہد ڈال دیا جائے۔ تاکہ پانی کا مزہ بدل کر پینے کے قابل ہو جائے اس طرح اکثر لوگ سیراب ہو جاتے تھے۔ اب مصعب نے محاصرین کو قصر امارت سے اور زیادہ قریب رہنے کا حکم دیا۔ بعض اوقات مصعب کے فوجی دستے محل کے اس قدر قریب پہونچ جاتے تھے کہ مختار کے ان آدمیوں پر جو قصر میں دکھائی دیتے بہ سہولت تیر اندازی کی جاتی۔ اب یہاں تک دیکھ بھال کی جانے لگی کہ محل کے اردگرد جو عورت بھی کسی طرف سے آتی دکھائی دیتی اس کا نام و پتہ منزل مقصود اور آمد و رفت کی غرض و غایت دریافت کی جاتی۔ ایک دن تین عورتیں گرفتار کی گئیں۔ یہ اپنے خاوندوں کے پاس جو قصر میں

۱۴ ار رمضان ۶۷ھ کو رونما ہوا اس وقت مختار کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔

مختار کی ایک بیوی کا قتل بجرم ارتداد

مصعب کے حکم سے مختار کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور مسجد کے پاس کیلوں سے ٹھونک کر نصب کر دیے گئے اور مختار کے پیرؤں کو قتل کر دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد چھ ہزار تھی۔ اب مختار کی بیویاں مصعب کے سامنے پیش کی گئیں۔ ایک کو اُمِ ثابت بنت ثمرہ کہتے تھے اور دوسری کا نام عُمرہ بنت نعمان تھا مصعب نے ان سے پوچھا کہ مختار کے دعوائے نبوت و وحی کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ اُمِ ثابت نے جواب دیا کہ "جس معاملہ میں ہماری رائے دریافت کی جاتی ہے اس کے متعلق ہمارے لیے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم آپ کی رائے کی تائید کریں" یہ سُن کر مصعب نے اسے رہائی دے دی۔ مگر عمرہ نے کہا "مختار خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنا مخصوص رحم و کرم ان کے شامل حال کرے" اس جواب پر مصعب نے اسے محبس میں بھیج دیا اور اس کے متعلق اپنے بھائی جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "یہ عورت اس بات کی مدعی ہے کہ مختار نبی تھا۔ اس سے کیا سلوک کیا جائے؟ جناب عبداللہ بن زبیر حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے خواہر زادہ تھے۔ انھوں نے لکھ بھیجا کہ اگر اس کا یہی عقیدہ ہے تو (وہ ختم نبوت کی منکر اور مرتدہ ہے) اسے (بوجہ ارتداد) قتل کیا جائے۔[1]

حارث کذاب دمشقی

حارث بن عبدالرحمن بن سعید متنبی دمشقی پہلے ابو جلاس عبدی قریشی کا مملوک تھا حصول آزادی کے بعد اس کے دل میں یاد الٰہی کا شوق سر سرایا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ

---

[1] اس باب میں جو واقعات قلمبند کیے گئے ہیں ان میں سے بعض کے ماخذ تو ساتھ ہی ساتھ بتا دیے ہیں لیکن جن واقعات و حوادث کے تحت میں کوئی حوالہ درج نہیں وہ سب تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر سے ماخوذ ہیں ۱۲۔

کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ سدّ رمق سے زیادہ غذا نہ کھاتا تھا۔ کم سوتا، کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر عورت کے لئے ضروری تھی۔ یہاں تک کہ تقشف اور تبتّل اور انقطاع کو غایتِ قصوئی تک پہونچا دیا۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشدِ کامل کے ارشاد و افادہ کے ماتحت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہونچا دیتے اور معرفت الٰہی کا نورِ مبین اس کے کشورِ دل کو جگمگا دیتا لیکن اس غریب کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ کسی رہبر کامل کی صحبت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کرنے کے بجائے از خود ریاضت وانزوا کا طریقہ اختیار کرتے ہیں شیطان ان کا رہنما بن جاتا ہے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ انھیں ضلالت و ہلاک ابدی کے تحت الثریٰ تک نہ پہونچا دے۔

جب جنود ابلیس نے حارث کو اپنی نگاہ التفات سے مخصوص کر کے اس پر القاء و الہام کے دروازے کھولے تو اس کو عجیب قسم کی چیزیں دکھائی دینے لگیں جو پہلے کبھی مشاہدہ سے نہیں گذری تھیں۔ اس کے سر پر کسی عیسیٰ نفس شیخ طریقت کا ظلِ سعادت لمعہ افگن نہیں تھا۔ جس کی طرف یہ رجوع کرتا اور وہ اسے شیطانی اغوا کوشیوں پر متنبہ کر کے صرصر ضلالت سے بچاتا۔ اس کا باپ موضع حولہ میں رہتا تھا۔ اس کو لکھ بھیجا کہ "جلدی سے میری خبر لو۔ مجھے ایسی چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جن کے متعلق خوف ہے کہ مبادا شیطان کی طرف سے ہوں۔" یہ پڑھ کر گم کردہ راہ باپ نے اس کو ورطۂ ہلاک سے نکالنے کے بجائے الٹا گمراہی کے جال میں پھنسا دیا اور لکھ بھیجا "بیٹا! تو اس کام کو بے خطر کر گزر جس کے لئے تجھے حکم ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۲۶ : ۲۲۱	کیا میں تم کو بتلاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ وہ ایسے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو دروغ گو بدکردار ہیں۔

اور تو نہ دروغ گو ہے اور نہ بدکردار۔ اس لئے تو اس قسم کے اوہام کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔ اور بلا تامل اس کی تعمیل کر جس کے لئے تجھے ارشاد ہوتا ہے۔" لیکن حارث کے باپ کا یہ استدلال بالکل باطل تھا کیونکہ اس سے اگلی آیت کے الفاظ يُلْقُونَ السَّمْعَ (شیاطین کی اطلاعیں سننے کے لئے کان لگائے رہتے ہیں) سے

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کاہنوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جنھوں نے غیب دانی کے دعویٰ کے ساتھ تقدس مآبی کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ وہی لوگ شیاطین سے روابط پیدا کرتے اور ان سے غیب کی باتیں سننے کے لئے کان لگائے رکھتے تھے۔ غرض آیت کے مفہوم میں قطعاً یہ چیز داخل نہیں کہ شیاطین کاہنوں کے سوا کسی دوسرے شخص سے تعرض نہیں کرتے۔ ابلیسی لشکر کا تو فرض منصبی ہی یہ ہے کہ بنی آدم کو ورطۂ ہلاک میں ڈالے۔ وہ کفار، فجار اور عوام کو تو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ان کے مساعی تزویر کے بغیر ہی ان کی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ البتہ خواص پر اپنا پنجۂ اغوا مارنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ خواص میں سے جن نفوس پر کسی مسیحا نفس ہادی کا روحانی فیض پرتو افگن ہو وہ ان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں لیکن بے مرشد لوگ کٹھ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کرنے لگتے ہیں۔

وہ شخص جو سدرمق غذا پر اکتفا کرے، کم سوئے، کم بولے، ہر وقت عبادت الٰہی یا پوجا پاٹ میں مصروف رہے اور نفس کشی کا شیوہ اختیار کرکے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے اس سے عادت مستمرہ کے خلاف ایسے محیر العقول افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اگر اہل اللہ میں سے ہوں تو ان کے خرق عادت کو کرامت کہتے ہیں اور اگر اہل کفر اور اصحاب زیغ ہوں تو ایسا فعل استدراج کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تصرفات محض ریاضت اور نفس کشی کا ثمرہ ہیں ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی بزرگ شریعت اور طریقت کا جامع ہو۔ اتباع سنت اور اقتدائے سلف صالح کے ساتھ ریاضت اور نفس کشی کا مسلک اختیار کرے تو یہ چیز البتہ قرب خداوندی میں نہایت درجہ مؤثر ہے۔ چونکہ حارث نے سخت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی اختیار کر رکھی تھی اور دائم العبادات، معمور الاوقات تھا۔ اس سے بھی ماورائے عقل افعال صادر ہوتے تھے۔ چنانچہ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو سرما کے فواکہ اور پھل کھلاتا۔ جاڑوں میں تابستان کے میوے پیش کرتا اور کہا کرتا کہ آؤ میں تمھیں موضع دیر مراں (مضافات دمشق) سے فرشتے نکلتے دکھاؤں۔ چنانچہ حاضرین محسوس کرتے کہ نہایت حسین و جمیل فرشتے بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔ خوارق و کرامات کی جلوہ نمائیاں عوام کو خیرہ چشم کر رہی تھیں۔ ہزارہا سرگشتگان بادیۂ ضلالت آئے

اور اس کے آستانۂ زہد کی جبہ سائی کرنے لگے۔

جب حارث کے استدراجی کمالات نے دور رس شہرت اختیار کی تو ایک دمشقی رئیس قاسم بن بخیمرہ نام اس کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ تم کس بات کے مدعی ہو؟ کہنے لگا "میں نبی اللہ ہوں"۔ قاسم کہنے لگا اے عدو اللہ! تو جھوٹا ہے۔ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے۔ ان دنوں عبد الملک بن مروان خلافت اسلامیہ کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ قاسم نے جا کر خلیفہ عبد الملک سے ملاقات کی اور حارث کی فتنہ انگیزیوں کا حال مشرح بیان کیا۔ عبد الملک نے حکم دیا کہ حارث کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ جب پولیس گرفتاری کے لئے مکان پر پہونچی تو اس کا وہاں کوئی کھوج نہ مل سکا حارث دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس پہونچا۔ اور نہایت راز داری کے ساتھ اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف ہوا یہاں اس کے مرید ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو باخدا لوگوں کی ملاقات کے شائق ہوں۔ انھیں جہاں کہیں اس ذہنیت کا آدمی نظر آتا اس کو ساتھ لے جاتے اور حارث سے ملاقات کرا کے اپنی جماعت میں داخل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بصری کو اپنے ساتھ لے گئے جو بیت المقدس میں نووارد تھا۔ جب اس نے توحید الٰہی کے متعلق حارث کی نکتہ آفرینیاں سنیں تو اس کے حقائق و معارف پر عش عش کر گیا لیکن جب حارث نے بتایا کہ میں نبی مبعوث ہوا ہوں تو کہنے لگا کہ آپ کی ہر بات پسندیدہ اور خوشگوار ہے لیکن آپ کے دعوائے نبوت کے ماننے میں مجھے تامل ہے"۔ حارث نے کہا "نہیں نہیں تم سوچو اور غور کرو"۔ اس وقت تو بصری بلا تسلیم دعوئی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا لیکن دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا کلام نہایت مرغوب ہے آپ کی باتیں خوب دلنشین ہوئی ہیں۔ میں آپ پر اور آپ کے دین مستقیم پر ایمان لاتا ہوں"۔ غرض بادی النظر میں وہ حارث کی جماعت میں داخل ہو گیا اور شب و روز وہیں رہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حارث کے مخصوص مریدوں میں شمار کیا جانے لگا۔

جب بصری نے حارث کے تمام جزئی و کلی حالات معلوم کر لئے تو ایک دن کہنے لگا یا نبی اللہ! میں بصرہ کا رہنے والا ہوں اتفاق سے بیت المقدس آیا اور سعادت ایمان

نصیب ہوئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ بصرہ واپس جاکر لوگوں کو آپ کی نبوت کی دعوت دوں۔ حارث نے کہا "ہاں تم ضرور اپنے وطن میں رہ کر اس خدمت کو انجام دو"۔ اب اس نے پتہ لگایا کہ خلیفہ عبد الملک کہاں ہے؟ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ صنبرہ میں فروکش ہے۔ وہاں جاکر خلیفہ سے ملاقات کی اور حارث کی شر انگیزیوں کا تذکرہ کیا۔ عبد الملک نے کہا وہ کہاں ہے؟ بصری نے کہا کہ وہ بیت المقدس میں فلاں جگہ چھپا ہوا ہے۔ اور کہا کہ اگر کچھ آدمی میرے ساتھ کر دئے جائیں تو میں اسے گرفتار کر کے بارگاہ خسروی میں پیش کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے چالیس فرغانی سپاہی اس کی تحویل میں دے دیئے۔ اور ان کو حکم دیا کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں"۔ اس کے بعد اپنے عامل بیت المقدس کے نام بھی ایک فرمان لکھوایا جس میں بصری کو حسب ضرورت ہر قسم کی امداد بہم پہونچانے کی تاکید کی۔

بصری ان پیادوں کو لے کر بیت المقدس آیا اور رات کے وقت حارث کے قیام گاہ پر پہونچا دربان نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور بولا کہ گو تم حضرت کے خدام میں داخل ہو تاہم اتنی رات گئے کسی کے لئے داخلہ کی اجازت نہیں۔ لیکن بصری نے اسے دروازہ کھولنے پر رضامند کر لیا۔ جب بصری اور اس کے رفقائے کار اندر گئے تو حارث مفقود تھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا حارث اس وقت خطرے کا احساس کر کے ایک طاق میں چھپ گیا تھا جو مریدوں نے اس کے اختفار کے لئے بنا رکھا تھا۔ بصری سے تو کوئی بات مخفی نہیں تھی اس نے طاق میں ہاتھ ڈال کر حارث کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور فرغانیوں کو حکم دیا کہ اس کو جکڑ لو۔ انھوں نے زنجیر گردن میں ڈال کر دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب دردہ بیت المقدس میں پہونچے تو حارث نے قرآن کی یہ آیت پڑھی قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ (۳۴: ۵) (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (بفرض محال) راہ راست کو چھوڑ دوں تو یہ حق فراموشی مجھی پر وبال ہوگی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کلام پاک کی بدولت ہے جس کو میرا رب مجھ پر نازل فرمارہا ہے) اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑی یہ دیکھ کر پیادوں نے زنجیر اٹھا کر پھر ہاتھ گلے سے باندھے اور اپنے ساتھ لے چلے۔

جب دوسرے درہ پر پہونچے تو حارث نے مکرر یہ آیت پڑھی اور زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا رہی۔ پیادوں نے پھر سلاسل کو اٹھایا اور سہ بارہ جکڑ کر لے چلے۔ آخر دمشق پہونچ کر خلیفہ عبدالملک کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ کیا واقعی تم مدعیٔ نبوت ہو؟ حارث نے کہا ہاں لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہوں وحی الٰہی کے بموجب کہتا ہوں۔" خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دو۔" نیزہ مارا گیا لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا یہ دیکھ کر حارث کے مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔" خلیفہ نے محافظ سے کہا "شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا۔" اب کی دفعہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر دار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دیدی یہ سنہ ۶۹ھ کا واقعہ ہے۔[1]

مغیرہ بن سعید عجلی

مغیرہ بن سعید عجلی فرقہ مغیریہ کا بانی ہے جو غلاۃ روفض کا ایک گروہ تھا۔ یہ گروہ خالد بن عبداللہ قسری والیٔ کوفہ کا آزاد غلام اور بڑا غالی رافضی تھا۔ مغیرہ حضرت امام محمد باقرؒ کی رحلت کے بعد پہلے امامت کا اور پھر نبوت کا مدعی ہوا۔

مغیرہ کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ کہا کرتا تھا اگر میں قوم عاد، ثمود اور ان کے درمیانی عہد کے آدمیوں کو زندہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ یہ شخص مقابر میں جا کر بعض ساحرانہ کلمات پڑھتا تھا تو ٹڈیوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ کا بیان ہے کہ بصرہ کے ایک صاحب طلبِ علم کے لئے آ کر ہمارے ہاں ٹھہرے ایک دن میں نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ دو درہم لے جا اور ان کی مچھلی خرید لا۔" یہ حکم دے کر میں اور بصری طالب العلم مغیرہ بن سعید کے پاس گئے۔ مغیرہ مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تمھاری خواہش ہو تو میں تمھیں بتا دوں کہ

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۶ صفحہ ۴۴۴۔ الدعاۃ ص ۷۳-۷۶ ناقلاً عن تفلیس ابلیس وابن عساکر

تم نے اپنی خادمہ کو کس کام کے لئے بھیجا ہے؟" میں نے کہا نہیں" پھر کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمھیں یہ بھی بتا دوں کہ تمھارے والدین نے تمھارا نام محمد کیوں رکھا تھا؟" میں نے کہا نہیں" پھر خود ہی کہنے لگا کہ تم نے اپنی خادمہ کو دو درہموں کی مچھلی خریدنے کے لئے بھیجا ہے۔" یہ سنتے ہی ہم دونوں اس کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔ غرض مغیرہ کو سحر میں کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس نے نیرنجات و طلسمات دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا[۱]۔

مغیرہ کہتا تھا کہ معبود حقیقی نور کا ایک پیکر انسانی صورت پر ہے۔ اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اس کے اعضاء حروف تہجی کی صورت پر ہیں۔ الف اس کے دونوں قدموں کی مانند ہے۔ عین اس کی دونوں آنکھوں کے مشابہ ہے کہتا تھا کہ اللہ کے سر پر نور کا تاج رکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی آفرینش کا قصد کیا تو اپنے اسم اعظم سے متکلم ہوا۔ معاً اس اسم نے پرواز کی اور تاج کی شکل اختیار کر کے اس کے فرق مبارک پر آ گیا چنانچہ کہتا تھا کہ آیہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی میں اسم اعلیٰ سے یہی تاج مراد ہے اور کہتا تھا کہ جب رب العزت نے کائنات عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی انگلیوں سے لکھا جب رب الارباب اپنے بندوں کے ذنوب و معاصی پر غضبناک ہوا تو اس کا جسم عرق آلود ہو گیا جس سے دو دریا بہہ نکلے ایک شیریں یا دوسرا تلخ۔ پھر خدائے قدوس نے دریائے شیریں کی طرف نظر کی تو اس کی شکل و صورت دریا میں منعکس ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اپنے پرتو جمال کا کچھ حصہ لے کر اس سے سورج اور چاند بنائے اور باقی ماندہ عکس کو فنا کر دیا۔ تاکہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے۔ پھر دریائے شیریں سے شیعہ پیدا کئے اور دریائے تلخ سے کفار (یعنی غیر شیعہ) کی تخلیق فرمائی۔ پھر اس نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن انھوں نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا۔ یہ امانت کیا تھی؟ اس بات کا عہد تھا کہ وہ سب علیؓ کی خلافت میں مزاحم نہ ہوں گے لیکن انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ چنانچہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) سے

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۸ صہ ۲۴۱ [۲] کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ صہ ۱۷۶

کہا کہ وہ اس بار امانت کو اٹھا کر علی (رضی اللہ عنہ) کو اس سے روک دیں۔ اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس شرط پر معاونت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے بعد انھیں خلیفہ بنائیں گے۔ ابو بکر رضؓ نے اس امانت کو اٹھا لیا اور ان دونوں نے غلبہ پا کر علیؓ کو اس سے روک دیا۔ یہ لوگ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باستثنا ان حضرا کے جنھوں نے حضرت علیؓ کی رفاقت اختیار کی (معاذ اللہ) تکفیر کرتا تھا۔[۱]

مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ حضرات علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم) کے بعد امامت جناب محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰؓ بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منتقل ہو گئی جو نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس شخص کا استدلال اس حدیث نبوی سے تھا جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کا اور ان کے والد کا نام میرے اور میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ یہ وہی محمد بن عبد اللہ حسنی ہیں جنھوں نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عہد خلافت میں خروج کر کے حجاز مقدس پر قبضہ کر لیا تھا اور خلیفہ منصور نے ان کے مقابلہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر قیادت مدینہ منورہ فوج بھیجی تھی اور جناب نفس زکیہؒ اس معرکہ میں جرعۂ مرگ پی کر دار الخلد کو چلے گئے تھے۔ یہ ۱۴۵ھ کا واقعہ ہے لیکن مغیرہ اس سے چھبیس سال پہلے خلیفہ ہشام بن عبد الملک اموی کے عہد خلافت میں علقت تیغ بن چکا تھا۔ جناب نفس زکیہؒ کے سانحۂ قتل کے بعد مغیرہ کے پیروؤں کی ایک بڑی جماعت اس پر لعنت کرنے لگی کہ اس نے محمد بن عبد اللہ معروف بہ نفس زکیہ کو مہدی آخر الزمان قرار دے کر اور یہ کہہ کر جھوٹ بولا تھا کہ یہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔ حالانکہ نفس زکیہ سپاہ منصوری کے ہاتھ سے قتل ہو گئے اور نہ صرف روئے زمین کے بلکہ اس کے بیسویں تیسویں حصہ کے بھی مالک نہ ہو سکے۔" البتہ ایک گروہ بدستور اپنی خوش اعتقادی پر ثابت قدم رہا۔ موٴخر الذکر جماعت نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کوہ حاجر میں جا کر مستور ہو گئے ہیں اور جب انھیں حکم ہوگا تو ظاہر ہو کر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگوں سے

---

[۱] الفرق بین الفرق ص ۲۲۹ - ۲۳۱

بیعت لیں گے اور مخالف احزاب و جیوش کو منہزم کر کے روئے زمین پر عمل و دخل کر لیں گے۔" جب ان لوگوں سے سوال کیا جاتا کہ پھر وہ شخص کون تھا جسے خلیفہ ابوجعفر منصور کے لشکر نے نذر اجل کیا تو اس کا وہ یہ مضحکہ خیز جواب دیتے کہ وہ ایک شیطان تھا کہ جس نے محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی شکل و صورت اختیار کر لی تھی۔" غرض روافض کی مؤخر الذکر جماعت اس بنا پر محمدیہ کے نام سے موسوم ہے کہ یہ لوگ محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی آمد کے منتظر ہیں۔[1]

جب خالد بن عبد اللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی طرف سے عراق کا امیر تھا معلوم ہوا کہ مغیرہ مدعی نبوت ہے اور اس نے طرح طرح کی شناعتیں جاری کر رکھی ہیں تو اس نے ۱۱۹ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ اس کے چھ مرید بھی پکڑے آئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ تمھیں نبوت کا دعویٰ ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم اس کو نبی یقین کرتے ہو؟ انھوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے مغیرہ کو ارتداد کی وہ بڑی سے بڑی سزا دینی چاہی جو اس کے خیال میں سما سکی۔ اس نے سرکنڈوں کے گٹھے اور نفط منگوایا۔ خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھالے مغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا۔ خالد نے حکم دیا کہ مارو۔ معاً اس کے سر پر کوڑے پڑنے لگے۔ مغیرہ نے گھبرا کر گٹھا اپنی آغوش میں اٹھا لیا اسے اس گٹھے سے باندھ دیا گیا۔ اب اس پر اور گٹھے اور روغن نفط ڈال کر آگ لگا دی گئی اور مغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔[2] اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے انقطاع نبوت کے بعد کسی کا ادعائے نبوت کوئی ایسا معمولی سا جرم نہیں جس کی سزا قتل سے کم تجویز کی جا سکے لیکن جان ستانی کا جو طریقہ خالد نے اختیار کیا وہ کسی طرح مستحسن نہ تھا۔ قتل کے موزون طریقے بھی تھے جو اختیار کیے جا سکتے تھے۔ کسی کو آگ میں زندہ جلا دینا ایک وحشیانہ فعل ہے جو جاہلیت کے عہد مظلم کی یادگار ہے۔ چنانچہ خود جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشاد سے اس کی ممانعت فرما دی ہے کہ کسی کو عذاب اللہ کے ساتھ معذب نہ کرو۔" عذاب اللہ سے یہی احراق فی النار کا عذاب

---

[1] الفرق بین الفرق صہ ۲۳۲۔ [2] ابن جریر طبری جلد ۸ صہ ۲۴۱۔

مراد ہے۔ خداوند عالم کے سوا کسی کو اس کا استحقاق نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ میں جلائے۔"

بیان بن سمعان تمیمی

بیان بن سمعان تمیمی مغیرہ بن سعید عجلی کا معاصر تھا۔ فرقہ بیانیہ جو غلاۃ روافض کی ایک شاخ ہے اسی بیان کا پیرو ہے۔ بیان نبوت کا مدعی تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے زہرہ کو بلا لیتا ہوں۔ ہزارہا لوگ حسن ظن کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ بیان حضرت امام زین العابدین رضؓ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقرؒ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دی تھی اور اپنے خط میں جو عمر بن حفیف کے ہاتھ امام ممدوح کے پاس بھیجا لکھا تھا اسلم تسلم و ترتقی من سلم فانک لاتدری حیث یجعل اللہ النبوۃ (تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی کرو گے تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبی بناتا ہے) کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؒ یہ خط پڑھ کر بہت خشمناک ہوئے اور قاصد سے فرمایا کہ اس خط کو نگل جاؤ۔ وہ بے تامل نگل گیا اور معاً تڑپ کر جان دیدی اس کے بعد امام نے بیان کے حق میں بھی بددعا کی چنانچہ چند ہی روز میں خالد قسری کے ہاتھوں قتل ہو کر طعمۂ اجل ہو گیا کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ نے بھی بیان پر لعنت کی ہے۔[۱]

بیان ہنود کی طرح تناسخ و رجعت اور حلول کا قائل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میرے جسم میں خدائے کردگار کی روح حلول کر گئی ہے اور اس کے متبعین اس کو اسی طرح خدا کا اوتار یقین کرتے تھے۔ بیان کا دعویٰ تھا کہ مجھے قرآن کا صحیح بیان سمجھایا گیا ہے اور آیات قرآنی کا وہ مطلب و مفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس کو بیان کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عوام سے اس کی مراد علمائے امت کی جماعت تھی ورنہ عامۃ الناس تو قرآن پاک کا مطلب و مفہوم اور اس کے حقائق و معارف سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں اور یہ کچھ بیان پر موقوف نہیں بلکہ ہر جھوٹا مدعی از راہ خود غرضی

---

[۱] منہاج السنہ شیخ ابن تیمیہ ۱۲۔

ہمیشہ حاملین شریعت ہی کو خطا کار بتایا کرتا ہے اور خود باوجود مجسمۂ جہل ہونے کے مصیب بننے کی کوشش کرتا ہے۔

فرقہ بیانیہ کا خیال ہے کہ امامت محمد بن حنفیہؒ سے ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کو تفویض ہوئی۔ پھر ابو ہاشم سے ایک وصیت کی بنا پر بیان بن سمعان کی طرف منتقل ہوگئی۔ بیانیہ اپنے رئیم و مقتدا کے حقیقی منصب و مقام کے متعلق مختلف البیان ہیں۔ بعض تو اس کو نبی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیان نے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کا ایک حصہ منسوخ کر دیا۔ اور بعض اسے معبود برحق خیال کرتے ہیں۔ بیان نے ان سے کہا تھا کہ خدا کی روح انبیاء اور ائمہ کے اجساد میں منتقل ہوتی ہوئی ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ میں پہونچی۔ وہاں سے میری طرف منتقل ہوئی۔ یعنی حلولی مذہب کے بموجب خود ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران ۱۳۹) یہ لوگوں کے لئے بیان اور متقین کے لئے ہدایت و موعظت ہے) چنانچہ خود بیان نے بھی کہا ہے انا البیان وانا الھدیٰ والموعظۃ (میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت و موعظہ ہوں)

بیان کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اسم اعظم کے ذریعے سے لشکر کو ہزیمت دے سکتا ہوں اور زہرہ کو بلاتا ہوں اور وہ میرے پکارنے پر جواب دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ معبود ازلی ایک نوری شخص ہے کہ چہرہ کے سوا جس کا تمام بدن فنا ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن پاک کی ان دو آیتوں کو اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتا تھا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قصص ۸۹) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن ۲۶-۲۷) مگر ان کا یہ زعم باطل ہے کیونکہ وجہ اللہ کے معنے ذات خداوندی ہے اور اگر بالفرض محال خدائے برتر کے دوسرے اعضاء جسم کو فنا پذیر مان لیا جائے تو پھر چہرہ کے فانی اور زوال پذیر ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں ہو سکتا[1] بیان حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی خدائی کا اعتقاد رکھتا تھا اور اتحاد کا قائل تھا یعنی کہتا تھا کہ "خالق ارض و سمار کا ایک جزء علی علیہ السلام

---

[1] الفرق بین الفرق صہ ۲۲۷ - ۲۲۸ -

کے جسدِ مبارک میں حلول کر کے ان سے متحد ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے اندر وہی قوت الٰہی تھی جس کی بدولت انھوں نے درِ خیبر اکھاڑا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہ جزوِ الٰہی جناب محمد بن حنفیہ کی ذات میں پیوست ہوا۔ ان کے بعد ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔ جب وہ بھی دار الخلد کو رخصت ہو گئے تو وہ بیان بن سمعان یعنی خود اس کی ذات کے ساتھ متحد ہو گیا۔" بیان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ "آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ ہیں"۔ ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؒ سے عرض کیا کہ بیان آیہ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ کی یہ تاویل کرتا ہے کہ آسمان کا الٰہ اور ہے اور زمین کا اور۔ اور آسمان کا الٰہ زمین کے معبود سے افضل ہے"۔ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا معبود ایک ہی خدائے واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیان دجال کذاب ہے"۔ اور کتاب منہج المقال میں ہے کہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؒ فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (کیا میں بتلا دوں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ ہر دروغ گو بدکردگار پر) میں شیاطین سے مراد سات اشخاص ہیں مغیرہ بن سعید عجلی اور بیان بن سمعان تمیمی اور اسی قماش کے پانچ اور اشخاص"۔

علامہ عبد القاہر بغدادی کتاب "الفرق بین الفرق" میں لکھتے ہیں کہ فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شخص کی مانند ہیں جو مسیلمہ کذاب کو نبی گمان کرتا ہے اور یہ دونوں فریق اسلامی فرقوں سے خارج ہیں[1]"۔

باب سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ خالد بن عبد اللہ قسری عامل کوفہ نے مغیرہ بن سعید عجلی کو زندہ جلا دیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو چکا تو خالد نے بیان کو حکم دیا کہ سرکنڈوں کا ایک گٹھا تھام لے۔ اس نے فوراً لپک کر ایک گٹھا بغل میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر خالد نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ہر کام میں حماقت اور تعجیل سے کام لیتے ہو کیا تم نے مغیرہ

---

[1] الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص ۲۲۸۔

کا حشر نہیں دیکھا؟" اس کے بعد خالد کہنے لگا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو؟" اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپے جانستانی ہیں۔ ہزیمت دے کر اپنے آپ کو بچالو۔" مگر وہ جھوٹا تھا لب کشائی نہ کر سکا آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی زندہ جلا کر بے نشان کر دیا گیا[1]

ابو منصور عجلی

یہ شخص ابتدا میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا معتقد اور رافضی غالی تھا۔ جب امام ہمامؒ نے اسے عقاید رفضیہ کے باعث اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے کبیدہ خاطر ہو کر خود دعوائے امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند ہی روز بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں امام محمد باقرؒ کا خلیفہ و جانشین ہوں اور ان کا درجۂ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے؟" یہ شخص اپنے تئیں خالق کردگار کا ہم شکل بتاتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام محمد باقرؒ کی رحلت کے بعد میں آسمان پر بلایا گیا اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ "اے بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے۔" دعوائے امامت سے پہلے تو کہا کرتا تھا کہ قرآن کی آیت وَاِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (طور ۴۴) میں جو کسف کا لفظ ہے اس سے امیر المؤمنین علیؓ مراد ہیں لیکن اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ اس لفظ سے میری ذات مقصود ہے۔ نصوص صریحہ کی عجیب و غریب تاویلیں کیا کرتا تھا مثلاً قیامت اور جنت و دوزخ کا منکر تھا اور اس کی تاویل میں کبھی تو یہ کہتا کہ جنت سے نعیم دنیا اور دوزخ سے مصائب دنیا مراد ہیں اور کبھی یوں "گوہر افشانی" کرتا کہ جنت سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جن کی محبت و دوستی واجب ہے اور وہ ائمۂ اہل بیت ہیں اور دوزخ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عداوت فرض و واجب ہے۔ مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ رضی اللہ عنہم اسی طرح کہتا تھا کہ قرآن حکیم میں فرائض سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد مراد ہے اور محرمات سے حضرات ابوبکر وغیرہ رضی اللہ عنہم مقصود ہیں۔ ابو منصور اس بات کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت

---

[1] تاریخ طبری جلد ۸ ص ۲۴۱۔ وکتاب الفرق بین الفرق ص ۲۲۸۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ ابو منصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہونچ جاتا ہے اس سے تمام تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کے لئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی۔ اس کی تعلیمات شنیعہ میں یہ چیز بھی داخل تھی کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر دے جو عقاید میں ابو منصور سے مختلف الخیال ہوں تو اسے قرب خداوندی میں جگہ مل جاتی ہے۔ ابو منصور کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جبریل امین نے پیغام رسانی میں خطا کی انھیں حضرت علیؓ کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن وہ غلطی سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام الٰہی پہونچا گئے (غنیۃ الطالبین) ان کے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچوں — در پیش محمدؐ شد و مقصود علیؓ بود

علامہ عبدالقاہر نے لکھا ہے کہ ابو منصور اور اس کا گروہ قیامت اور جنت و دوزخ کا انکار کرنے کے باعث دائرۂ اسلام سے خارج ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالقاہر کو منصور عجلی کے اس عقیدہ کا علم نہیں ہوا کہ اس کے نزدیک نبوت جاری ہے ورنہ وہ اس کے اس عقیدہ کو بھی اس عقاید کفریہ میں شامل کرتے جن کی وجہ سے ابو منصور اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا۔ ابو منصور عجلی کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا تو اس نے اسے گرفتار کرا کے کوفہ میں دار پر چڑھا دیا[1]"

صالح بن طریف برغواطی

صالح بن طریف یہودی الاصل تھا اس کا نشو ونمو سرزمین اندلس کے ایک قلعہ بربط میں ہوا وہاں سے مشرق کا رخ کیا اور عبید اللہ معتزلی سے تحصیل علم کرتا رہا۔ پھر سحر میں دستگاہ حاصل کی۔ وہاں سے سخت عسرت اور شکستہ حالی کے عالم میں تامستا کے مقام پر پہونچا جو مغرب اقصیٰ میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ وہاں بربری قبائل کو دیکھا جو بالکل

---

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۱۴، ۲۴۴-۲۳۵، الملل والنحل شہرستانی جلد ۲ ص ۱۵-۱۶

جاہل اور سراپا وحشی تھے۔ اس نے انہی لوگوں میں بود و باش اختیار کرلی۔ ان کی زبان سیکھی اور سحر اور نیر نجات سے گرویدہ بناکر ان پر حکومت کرنے لگا۔ ۱۲۵ھ یا ۱۲۶ھ میں دعوائے نبوت کیا۔ اس وقت خلیفہ ہشام بن عبد الملک اسلامی ممالک کا فرمانروا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں صالح کی حکومت کو وہ اوج و عروج نصیب ہوا کہ شمالی افریقہ میں اس کے کسی ہمعصر تاجدار کو وہ عظمت و شوکت حاصل نہ تھی۔ ادعائے نبوت کے علاوہ صالح کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہی وہ مہدیٔ اکبر ہے جو قرب قیامت کو ظاہر ہوکر جناب مسیح بن مریم علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کریں گے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام جن کے پیچھے نماز پڑھیں گے"۔ اس شخص کے کئی نام تھے۔ عربی میں صالح کے نام سے مشہور تھا۔ سریانی میں اسے مالک کہتے تھے۔ فارسی میں اس کا نام عالم تھا اور عبرانی میں وہ روبیل اور بربری میں وارباکے ناموں سے موسوم تھا۔ وارباء بربری زبان میں خاتم النبیین کو کہتے ہیں۔

صالح کہتا تھا کہ جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح مجھ پر بھی قرآن نازل ہوتا ہے چنانچہ اس نے اپنی قوم کے سامنے جو قرآن پیش کیا اس کی اسی سورتیں تھیں ان میں سے بعض کے یہ نام تھے۔ سورۃ الدیک، سورۃ الجمل، سورہ حجر، سورہ فیل سورۂ آدم، سورۂ نوح، سورۂ فرعون، سورۂ موسیٰ، سورہ ہارون، سورہ ہاروت و ماروت، سورۂ ابلیس، سورۃ الاسباط، سورۃ الجراد، سورۂ غرائب الدنیا۔ "خوش اعتقادوں" کے نزدیک موخر الذکر سورہ میں بے شمار اسرار و حقائق درج تھے۔ احکام حلال و حرام بھی اس میں مذکور تھے۔ اور یہی وہ سورۃ تھی جسے اس کے مرید نماز میں پڑھنے کے مامور تھے اس نے اپنا لقب صالح المومنین رکھا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہی "صالح المومنین" ہوں جس کا ذکر جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرآن میں آیا ہے۔ اب اس کی شریعت کی اعجوبہ نمائیاں ملاحظہ ہوں کتاب القرطاس میں لکھا ہے کہ صالح کے پیرو رمضان کے بجائے رجب کے روزے رکھیں۔ اس نے اپنے پیرووں پر دس نمازیں فرض کی تھیں۔ پانچ دن میں اور پانچ رات میں۔ ۲۱ محرم کے دن ہر شخص پر قربانی واجب کی۔ وضو میں ناف اور کمر کا دھونا بھی مشروع کیا۔ حکم دیا کہ کوئی شخص غسل جنابت نہ کرے۔ البتہ جو کوئی زنا کا مرتکب ہو وہ زنا کے بعد ضرور غسل کرے۔ اس کے پیرو صرف اشاروں سے

نماز پڑھتے ہیں۔ البتہ آخری رکعت کے اخیر میں پانچ سجدے کر لیتے ہیں۔ کھانے پینے کے وقت "یا سمک یا کسائی" کہتے ہیں۔ ان کے زعم میں اس کی تفسیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ صالح نے حکم دیا کہ جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔ البتہ چچا کی بیٹی سے عقد ازدواج نہ کریں"! کاش اس کا فلسفہ ہمیں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان کے ہاں طلاق کی کوئی حد نہیں۔ یہ لوگ دن میں ہزار مرتبہ طلاق دے کر بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ بیوی ان باتوں سے ان پر حرام نہیں ہوتی صالح نے حکم دیا تھا کہ چور کو جہاں دیکھو قتل کر دو کیونکہ اس کے خیال میں چور تلوار کی دھار کے سوا گناہ سے کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا۔ اس کی شریعت میں ہر حلال جانور کا سر کھانا حرام اور مرغی کا گوشت مکروہ تھا۔ مرغ کا ذبح کرنا اور کھانا حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ جو کوئی مرغ ذبح کرے یا کھائے وہ ایک غلام آزاد کرے اور حکم دیا کہ اس کے پیرو اپنے حکام کا لعاب دہن (تھوک) بر سبیل تبرک چاٹ لیا کریں چنانچہ صالح لوگوں کے ہاتھوں پر تھوکا کرتا تھا اور وہ اسے خود چاٹ لیتے یا مریضوں کے پاس حصول شفا کی غرض سے لے جاتے۔

صالح سینتالیس سال تک دعوائے نبوت کے ساتھ اپنی قوم کے دینی اور دنیاوی امور کا کفیل و نگران حال رہا۔ آخری عمر میں تبتل و انقطاع کا اشتیاق پیدا ہوا اور اپنے کفریات کے باوجود بزعم خود کاملۃً ذہاب الی اللہ کا سودا سر میں سمایا۔ چنانچہ ۱۷۴ھ میں تاج و تخت سے دست بردار ہو کر پایۂ تخت سے کہیں مشرق کی طرف جا کر عزلت گزین ہو گیا۔ جاتے وقت اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی کہ میرے دین پر قائم رہنا۔ چنانچہ نہ صرف الیاس بلکہ صالح کے تمام جانشین پانچویں صدی ہجری کے اواسط تک ارث تاج و تخت کے علاوہ اس کی ضلالت اور خانہ ساز نبوت کے بھی وارث رہے[1]

الیاس بن صالح وصیت کے بموجب اس کے تمام کفریات پر عامل و مصر رہا۔ یہاں تک کہ پنجاہ سالہ حکومت و اغواکوشی کے بعد ۲۲۴ھ میں طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد الیاس کا بیٹا یونس مسند حکومت پر بیٹھا۔ یہ شخص نہ صرف اپنے

---

[1] الاستقصار لاخبار دول المغرب الاقصیٰ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۵۱۔

باپ دادا کے کفریات پر عمل پیرا رہا۔ بلکہ دوسروں کو بھی جبراً و قہراً ان کا پابند بنانے کی کوشش کی۔ یونس کا ظلم و عدوان یہاں تک بڑھا کہ اس نے تین سو اسی قصبات و دیہات کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا۔ اور اس کے جرم نا آشنا باشندوں کو محض اس "قصور" پر موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ اس کا اور اس کے آبا کا مسلک اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس کی تیغ جفا نے قریباً آٹھ ہزار کلمہ گوؤں کو نہنگ اجل کے حوالے کر کے دار الخلد میں پہونچا دیا۔ ان ظلم آرائیوں کے بعد یونس نے حج کا قصد کیا اور اس پر یہ مثل صادق آئی "نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی" اس سے پیشتر اس کے خاندان کے کسی شخص نے حج نہیں کیا تھا۔ آخر چالیس سال کی ظالمانہ حکومت کر کے ۲۶۸ھ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ابو غفیر محمد بن معاذ ملک برغواطہ کا بادشاہ ہوا اس نے بھی اپنے آبا کی رسم کہن کے بموجب دعوائے نبوت کیا۔ سعید بن ہشام مصمودی نے اس کے متعلق ایک نظم لکھی تھی جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں لکھتے ہیں :۔

وھذی امة ھلکوا وضلّوا — وغاروا لا سقوا ماء معینا

یقولون النبی ابو غفیر — فاخزی اللہ ام الکاذبینا

سیعلم اھل تامسنا اذا ما — اتوا یوم القیامة مقطعینا

ھنالک یونس وبنوا بیه — یقودون البرابر حائرینا

ابو غفیر کی چوالیس بیویاں تھیں اور شاید اتنی ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ اولاد تھی۔ یہ شخص تیسری صدی کے اواخر میں انتیس سال حکومت کر کے ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو الانصار عبد اللہ تخت نشین ہوا اور اپنے آبا و اجداد کا طریقہ رائج کیا آخر چوالیس سال حکومت کر کے راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور عیسیٰ بائیس سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہو کر آسمان شہرت پر نمودار ہوا۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کی نبوت کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ ملک مغرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے اس کی عظمت و شوکت کے سامنے سر انقیاد خم نہ کیا ہو۔ اس کو ایک غنیم بلکین بن زیری بن مناد صنہاجی سے جنگ آزما ہونا پڑا۔ جس میں اس کو ہزیمت ہوئی اور ۳۶۹ھ میں اٹھائیس سال تک دعوائے نبوت کے ساتھ کوس لمن الملک الیوم بجا کر میدان جان ستان کی

نذر ہو گیا۔ اس کے بے شمار اسیر و قید ہو کر قیروان لائے گئے۔ ابو منصور عیسیٰ کے بعد غالباً ابو حفص عبد اللہ جو ابو منصور عیسیٰ کی اولاد میں سے تھا وارث تاج و تخت ہوا۔ شاید یہی وہ بادشاہ ہے کہ صالح نے جس کے عہد سلطنت میں عود کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر صالح نے نہ تو اس کے زمانہ حکومت میں کبھی اپنا جلوہ دکھایا اور نہ اس کے بعد ہی کسی کو اس کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ ابو منصور عیسیٰ کی ہلاکت کے بعد برغواطہ کے اقبال نے دامن ادبار میں منہ چھپا لیا چنانچہ ابو منصور عیسیٰ کے بعد تامسنا لگاتار اسی سال تک شجاعان اسلام کی یورشوں کا آماجگاہ بنا رہا یہاں تک کہ مرابطون نے ۴۵۱ھ میں تسلط کرکے وہاں فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کی حکومت قائم کر دی۔

صادق کے صدق اور کاذب کے کذب میں کسی مدت دعویٰ کو قطعاً کوئی دخل نہیں متذکرہ صدر واقعات سے جو کتاب "الاستقصار لاخبار دول المغرب الاقصیٰ" (جلد اول صفحات ۵۱، ۱۰۳) سے ماخوذ ہیں قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہونگے کہ کم از کم مندرجہ ذیل تین بادشاہ دعوائے نبوت کے ساتھ اپنی قوم پر حکمران رہے۔ ملاحظہ ہو۔

نام مدعیٔ نبوت	آغاز و انتہائے دعوے	مدت دعوے
صالح بن طریف	۱۲۷ھ سے ۱۷۴ھ تک	۴۷ سال
ابو غفیر محمد بن معاذ	۲۶۸ھ سے ۲۹۷ھ تک	۲۹ سال
ابو منصور عیسیٰ	۳۴۱ھ سے ۳۶۹ھ تک	۲۸ سال

بہافرید زوزانی نیشاپوری

ابو مسلم خراسانی کے عہد دولت میں جو خلافت آل عباس کا بانی تھا۔ بہافرید بن ماہ فروذین نام ایک مجوسی جو زوزان کا رہنے والا تھا خواف ضلع نیشاپور کے قریب سیراوند نام ایک قصبہ میں ظاہر ہوا۔ یہ بھی نبوت و وحی کا مدعی تھا۔

بہافرید اوائل عہد میں زوزان سے چین کی طرف گیا۔ وہاں سات سال تک قیام کیا مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت

باریک قمیص بھی ساتھ لایا۔ اس کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ قمیص آدمی کی مٹھی میں آجاتی تھی۔ چونکہ اس زمانہ تک لوگ زیادہ باریک کپڑوں سے روشناس نہ ہوئے تھے بہافرید نے اس قمیص سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے واپس آکر رات کے وقت وطن پہونچا۔ کسی سے ملاقات کئے بغیر رات کی تاریکی میں سید ھابت خانہ کا رُخ کیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پجاریوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کس طرح آرہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا حیرت کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں برابر سات سال تک آسمانوں کی سیر و سیاحت میں مصروف رہا۔ وہاں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر کرائی۔ آخر رب کردگار نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیص پہنا کر زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں ابھی ابھی آسمانوں سے نازل ہو رہا ہوں۔" اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خود اسے آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ہے پجاریوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہافرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے عنایت ہوا زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا تیار ہو سکتا ہے؟ لوگ اس قمیص کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کرکے ہزارہا مجوس اس کے پیرو ہو گئے۔

بہافرید نے بیسیوں خرافات جاری کئے تھے۔ اس نے اپنی امت پر سات نمازیں فرض کیں۔ پہلی نماز خدائے برتر کی حمد و ستائش کو متضمن تھی۔ دوسری آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے متعلق تھی۔ تیسری حیوانات اور ان کے رزق کی طرف منسوب تھی۔ چوتھی دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد و تذکیر پر مشتمل تھی پانچویں کا تعلق بعث اور یوم عدالت سے تھا۔ چھٹی میں ارباب جنت کی راحت اور اہل دوزخ کے مصائب کی یاد تازہ کی جاتی تھی۔ ساتویں نماز میں صرف اہل جنت کی بختاوری اور اقبال مندی کو شرح بسط سے بیان کیا گیا تھا۔ بہافرید نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک فارسی کتاب بھی مدون کی اور حکم دیا کہ تمام لوگ آفتاب کو سجدہ کریں لیکن سجدہ کے وقت دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگیں بلکہ ایک زانو سے سجدہ

کیا جائے۔ استقبال قبلہ کے بجائے حکم تھا کہ آفتاب کی طرف منھ کرکے نمازیں ادا کی جائیں۔ سورج جس رُخ پر ہوتا تھا اسی طرف منھ کیا جاتا تھا۔ بال کاٹنے یا مونڈنے کی ممانعت تھی بلکہ حکم تھا کہ سب لوگ اپنے گیسو اور کاکل چھوڑ دیں۔ اس کی شریعت کا ایک یہ بھی حکم تھا کہ جب تک مویشی بڈھا اور لاغر نہ ہو جائے اسکی قربانی نہ دیں۔ شرب خمر کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ چار سو درہم سے زیادہ کسی عورت کا مہر نہ باندھا جائے۔

جب ابو مسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک وفد اس کے پاس پہونچا اور شکایت کی کہ بہافرید نے دین اسلام اور کیش مجوس میں فساد و رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابو مسلم نے عبد اللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ بہافرید کو معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے فوراً نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبد اللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے اسے جبل بادغیس پر جالیا۔ اور گرفتار کر کے ابو مسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابو مسلم نے دیکھتے ہی خنجر خارا شگاف کا وار کیا اور سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی قعر ہلاک میں ڈالے جائیں۔ وہ بہافرید کی گرفتاری سے پہلے ہی بھاگ چکے تھے اس لئے بہت تھوڑے آدمی ابو مسلم کی فوج کے ہاتھ آئے اس کے پیرو بہافریدیہ کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ نبی کے خاص خادم نے انھیں اطلاع دی تھی کہ بہافرید ایک مشکین گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ اور وہ کسی مستقبل زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے اعداء سے انتقام لے گا۔[1]

اسحاق اخرس مغربی

اسحاق اخرس ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصہ کا نام ہے جس میں مراکش، تونس، الجزائر وغیرہ ممالک داخل ہیں۔ اسحاق ۱۳۵ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں ممالک اسلامیہ پر خلیفہ سفاح عباسی کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا۔ اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی کیفیت

---

[1] الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ للبیرونی ص ۲۱۰-۲۱۱۔

اس طرح لکھی ہے کہ پہلے اس نے صُحفِ آسمانی قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ زمانہ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف قسم کی صناعیوں اور شعبدہ بازیوں میں مہارت پیدا کی اور طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

اصفہان پہونچ کر ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور یہیں کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں کامل دس سال تک کنج عزلت میں پڑا رہا۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مُہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس شخص نے اپنی نام نہاد جہالت و بے علمی اور تصنّع آمیز عدم گویائی کو اس ثبات و استقلال کے ساتھ نباہا کہ دس سال کی مدت میں کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوا کہ اس کی زبان کو بھی قوتِ گویائی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یا یہ شخص ایک علامۂ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ آخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ہمیشہ اشاروں سے اظہار مدعا کرتا۔ ہر شخص سے اس کا رابطۂ مودّت و شناسائی قائم تھا۔ کوئی بڑا چھوٹا ایسا نہ ہو گا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔ اتنی صبر آزما مدت گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آگیا۔ جب کہ مہر سکوت توڑ دے اور کشورِ قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھا دے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن تیار کیا۔ اس روغن میں یہ صنعت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلّی پیدا ہو کہ کوئی شخص شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دو رنگ دار شمعیں بھی تیار کر لیں۔ اس کے بعد ایک رات جب کہ تمام لوگ محو خواب و استراحت تھے۔ اس نے وہ روغن اپنے چہرہ پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں ان کی روشنی میں چہرہ میں ایسی رعنائی اور دلفریبی اور چمک دمک پیدا ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اس زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسہ کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ جب لوگ اس کے پاس آئے تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گیا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ باواز قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عش عش کر گئے۔

جب مدرسہ کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ مادرزاد گونگا باتیں کر رہا ہے

اور قوتِ گویائی کے ساتھ اسے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور فن قرارة و تجوید کا کمال
بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ
نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے خصوصاً صدر مدرس صاحب تو
بالکل قوائے عقلیہ کھو بیٹھے۔ صدر مدرس صاحب جس درجہ علم و عمل اور
صلاح و تقویٰ میں عدیم المثال تھے اسی قدر اہلِ زمانہ کی عیاریوں سے ناآشنا
اور نہایت سادہ لوح واقع ہوئے تھے۔ وہ بڑی خوش اعتقادی سے فرمانے لگے۔
"کیا اچھا ہو اگر عمایدِ شہر بھی خدائے قادر و توانا کے اس کرشمۂ قدرت کا مشاہدہ
کر سکیں۔ اب اہلِ مدرسہ نے صدر مدرس صاحب کی قیادت میں شہر کا رُخ
کیا کہ اعیانِ شہر کو بھی خداوند عالم کی قدرت قاہرہ کا یہ جلوہ دکھائیں۔ شہر
پناہ کے دروازہ پر آئے تو اس کو مقفل پایا۔ ان لوگوں پر خوش اعتقادی اور
گرم جوشی کا بھوت اس درجہ سوار تھا کہ شہر کا مقفل دروازہ اور اس کی سنگین
دیواریں بھی ان کی راہ میں حائل نہ رہ سکیں۔ کسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں داخل
ہو گئے۔ سب سے پہلے قاضیٔ شہر کے مکان پر پہونچے۔ قاضی صاحب رات کے
وقت اس غیر معمولی ازدحام اور اس کی شور و پکار سن کر مضطربانہ گھر سے نکلے اور
ماجرا دریافت فرمایا بدنصیبی سے قاضی صاحب بھی پیرایۂ حزم و دوراندیشی سے
عاری تھے۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سب مجمع کو ساتھ لے کر جھٹ وزیر اعظم کے
درِ دولت پر جا پہونچے۔ وزیر باتدبیر نے ان کی رام کہانی سن کر کہا کہ ابھی
رات کا وقت ہے۔ آپ لوگ جا کر اپنی اپنی جگہ آرام کریں دن کو دیکھا جائے گا
کہ ایسی بزرگ ہستی کی عظمت شان کے مطابق کیا کارروائی مناسب ہوگی"؟ غرض
شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ باوجود ظلمتِ شب کے لوگ جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ اور
خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ قاضی صاحب چند روسائے
شہر کو ساتھ لے کر اس "بزرگ ہستی" کا "جمال مبارک" دیکھنے کے لئے مدرسہ
میں آئے مگر دروازہ کو مقفل پایا۔ اسحاق اندر ہی براجمان تھا۔ قاضی صاحب
نے نیچے سے پکار کر کہا حضرتِ والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم! جس نے
آپ کو اس کرامت اور منصب جلیل سے نوازا ذرا دروازہ کھول لیے اور مشتاقانِ
جمال کو شرفِ دیدار سے مشرف فرمایئے"۔ یہ سن کر اسحاق بول اٹھا" اے قفل!

کھل جا۔" اور ساتھ ہی کسی حکمت عملی سے کنجی کے بغیر قفل کھول دیا۔ قفل کے گرنے کی آواز سن کر لوگوں کی خوش اعتقادی اور بھی دو آتشہ ہوگئی۔ لوگ "بزرگ" کے رعب سے ترساں و لرزاں تھے دروازہ کھلنے پر سب لوگ اسحاق کے روبرو نہایت مؤدب ہوکر جا بیٹھے۔ قاضی صاحب نے نیازمندانہ لہجہ میں التماس کی کہ حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہوگی۔

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا نہایت ریاکارانہ لہجہ میں بولا کہ چالیس روز پیشتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ آخر دن بدن القائے ربانی کا سرچشمہ دل میں موجیں مارنے لگا۔ حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے تھے اور وہ وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔ البتہ مختصراً اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے السلام علیک یا نبی اللہ! مجھے جواب میں تامل ہوا اور گھبرایا کہ واللہ اعلم یہ کیا ابتلا رہے ہے؟ ایک فرشتہ بزبان فصیح یوں گویا ہوا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِفْتَحْ فَاکَ بِاسْمِ اللّٰہِ الْاَزَلِیِّ (اے اللہ کے نبی! بسم اللہ کہہ کر ذرا منھ تو کھولیے) میں نے منھ کھول دیا اور دل میں بِسْمِ اللّٰہِ الْاَزَلِیِّ کا ورد کرتا رہا۔ فرشتہ نے ایک سفید سی چیز میرے منھ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ چیز کیا تھی؟ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں مشک سے زیادہ خوشبو اور برف سے زیادہ سرد تھی اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہوگئی اور میرے منھ سے یہ کلمہ نکلا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ "۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔ میں نے کہا میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرق خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں۔" فرشتے کہنے لگے "خدائے قدوس نے تمھیں اس اس قوم کے لیے نبی مبعوث فرمایا ہے۔" میں نے کہا کہ جناب باری نے تو سیدنا محمد

علیہ الصلوٰۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیا قرار دیا۔ اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے درست ہے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمھاری بالتبع اور ظلّی و بروزی ہے۔"

اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلّی بروزی نبوت کا منصب تفویض فرمایا تو میں اپنی مجبوری ظاہر کرنے لگا اور کہا دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات سے لبریز ہے کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق نہ کرے گا۔" فرشتوں نے کہا وہ قادرِ مطلق جس نے تمھیں گونگا پیدا کر کے متکلم اور فصیح و بلیغ بنا دیا وہ خود لوگوں کے دلوں میں تمھاری تصدیق کا جذبہ پیدا کرے گا۔ یہاں تک کہ زمین و آسمان تمھاری تصدیق کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔" لیکن میں نے ایسی خشک نبوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر مصر ہوا کہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور چاہیے۔ جب میرا اصرار حد سے گزر گیا تو فرشتے کہنے لگے۔ "اچھا معجزات بھی لیجئے۔ جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمھیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید براں کئی ایک زبانیں اور کئی قسم کے رسم الخط تمھیں عطا کئے۔ اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو میں نے جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا تھا پڑھ کر سنا دیا۔ انجیل پڑھوائی وہ بھی سنا دی۔ پھر تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا۔ وہ بھی سب سنا دئے مگر میرے قلب منور پر جو ان کتب مقدسہ کا القاء ہوا تو اس میں کسی تحریف، تصحیف اور اختلافِ قراءۃ کا کوئی شائبہ نہ تھا بلکہ جس طرح ان کی تنزیل ہوئی تھی اسی طرح بے کم و کاست میرے دل پر القاء کی گئیں چنانچہ فرشتوں نے فوراً اس کی تصدیق کر دی۔ ملائکہ نے صُحفِ سماویہ کی قراءۃ سن کر مجھ سے کہا قُمْ فَاَنذِرِ النَّاسَ (اب کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو غضب الٰہی سے ڈراؤ) یہ کہ فرشتے رخصت ہو گئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ آج رات سے جن انوار و تجلیات کا میرے دل پر ہجوم ہے زبان اس کی شرح سے قاصر ہے۔ غالباً ان انوار کے کچھ آثار میرے چہرے پر بھی نمایاں ہو گئے ہوں گے۔ تو میری سرگذشت تھی۔ اب میں تم لوگوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص خدا پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مجھ پر ایمان لایا۔

اس نے فلاح و رستگاری پائی اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بیکار کر دیا۔ ایسا منکر ابد الآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔"

عوام کا معمول ہے کہ جونہی نفس امارہ کے کسی پجاری نے اپنے دجالی تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کی اس پر پروانہ وار گرنے لگے۔ اسحاق کی تقریریں سن کر عوام کا پائے ایمان ڈگمگا گیا۔ اور ہزارہا آدمی نقد ایمان اس کی نذر کر بیٹھے۔ اور جن لوگوں کا دل نور ایمان سے متجلّی تھا وہ بیزار ہو کر چلے گئے۔ حاملین شریعت نے گم کردگان راہ کو بہتیرا سمجھایا کہ آخر یہ شخص دجّال کذّاب اور رہزنِ دین و ایمان ہے۔ لیکن عقیدتمندوں کی "خوش اعتقادی" میں ذرا فرق نہ آیا۔ بلکہ جوں جوں علمائے حق انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے ان کا جنون "خوش اعتقادی" اور زیادہ بڑھتا تھا۔ آخر اس شخص کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عمال کو مقہور و مغلوب کر کے بصرہ عمّان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے آخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور اسحاق مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیرو اب تک عمّان میں پائے جاتے ہیں[1]

حکیم مقنّع خراسانی

حکیم مقنّع خراسانی کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین نے عطا لکھا ہے اور بعض نے ہشام یا ہاشم بتایا ہے حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ مرد کے پاس ایک گاؤں میں جس کو "کازہ کیمن دات" کہتے تھے ایک غریب دھوبی کے گھر پیدا ہوا اس کی پیدائش کے وقت کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک دن یہی غریب دھوبی کا لڑکا تاریخ عالم کے صفحات پر شہرت دوام کا خلعت حاصل کرے گا۔

---

[1] کتاب الاذکیا، للشیخ ابن الجوزی و کتاب المختار و کشف الاسرار العلامہ عبد الرحمن بن ابی بکر الدمشقی للعروف بالجوبری۔

نہایت طباع و ذہین تھا۔ اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود اس نے علوم نظریہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً علم بلاغت، حکمت و فلسفہ، شعبدہ و حیل، طلسمات و سحر اور نیرنجات میں سر آمد روزگار تھا۔ اس نے اپنی جودتِ طبع سے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں اور صنائع و بدائع کے ذریعہ سے بہت جلد آسمانِ شہرت و ناموری پر چمکنے لگا۔ لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا وہ یہ کہ نہایت کریہہ المنظر، پست قامت حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر طرہ یہ کہ واحد العین تھا۔ یعنی ایک آنکھ کانی تھی۔ جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ اس عیب کو چھپانے کے لئے وہ ہر وقت سونے کا ایک خوبصورت اور چمک دار چہرہ تیار کر کے منھ پر چڑھائے رکھتا اور بغیر اس نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہ دکھاتا تھا۔ علامہ عبد القاہر بغدادی نے طلائی کی جگہ ریشمین چہرہ لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زربفت کی قسم کا کوئی ریشمین نقاب ہو۔ بہر حال اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدل دیا۔ اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مقنع (نقاب پوش) مشہور ہو گیا۔ چہرہ چھپائے رکھنے کی اصل بنا تو یہ تھی لیکن جب کبھی کوئی شخص اس سے نقاب پوشی کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے شکل و صورت اس لئے تبدیل کر رکھی ہے کہ لوگ میری رویتِ ضیا پاش کی "تاب نہیں لا سکتے اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا انور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کر دے۔

ابن خلدون، ابن جریر طبری اور دوسرے قابلِ اعتماد مؤرخین اسلام نے اپنی "تاریخوں میں مقنع کے چاند کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن "ماہِ نخشب" کو دنیائے ادب میں جو غیر فانی شہرت حاصل ہے اور بعض اسلامی تاریخوں میں اس کا جس شد و مد سے تذکرہ موجود ہے اس کی بنا پر اس کے چاند کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہتے ہیں کہ اس نے سمرقند کے قریب علاقہ نخشب میں کوہ سیام کے پیچھے کنوئیں کے اندر یہ چاند پارے اور دوسرے کیمیائی اجزا سے تیار کیا تھا۔ یہ چاند غروب آفتاب کے بعد پہاڑ کے عقب سے طلوع کر کے آسمان پر روشن رہتا

اور صبح صادق سے پہلے غروب ہو جاتا۔ اس طرح چاندنی راتوں میں دو چاند ایک دوسرے کے مقابل آسمان پر پرتو افگن رہتے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کی روشنی پندرہ میل تک پہونچتی تھی۔ اور بقول بعض وہ ایک مہینہ کی مسافت سے نظر آتا تھا یہ چاند اسی طرح دو مہینہ تک طلوع و غروب ہوتا رہا۔ لوگ اکناف و اطراف ملک سے اس کے دیکھنے کو آتے اور دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ خصوصاً خوش اعتقاد مرید تو اسے اپنے مقتدار کی ربانی قوت کا تصرف اور بہت بڑا معجزہ یقین کرتے تھے۔ حالانکہ اس نے یہ عمل ہندسہ اور انعکاس شعاع قمر کے طریق پر کیا تھا۔ چنانچہ مقنع کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کنوئیں کی تہہ میں ایک بڑا طاس پارے سے بھرا ہوا پایا۔ گو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون سا طریق عمل کام میں لاتا تھا اور اس ماہتاب میں اس نے کس طرح برقی روشنی پیدا کر دی تھی لیکن عہد حاضر کے بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ماہ نخشب کا یہ طلوع و غروب مبالغہ آمیز ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقنع نے اس برقی چاند کو کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر قائم کیا ہوگا جو کئی منزلوں سے نظر آتی ہوگی۔ وہ چاند اس چوٹی سے ذرا بلند ہو کر ٹھہر جاتا ہوگا جس میں اس قدر برقی روشنی ہوگی جو چند منزلوں سے نظر آسکے۔ یہ چاند رات بھر یا جب تک وہ چاہتا کلۂ کوہ پر طلوع کر کے قائم رہتا ہوگا۔ بہرحال عربی علم ادب میں "ماہ نخشب" یا بدر مقنع" کا ذکر بہت پایا جاتا ہے۔ اور شعراء نے اس سے تشبیہات کا کام لیا ہے۔ حسب بیان ابن خلکان ابو العلاء معری نے ماہ نخشب کے موضوع پر ایک طویل قصیدہ لکھا تھا جس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

افق انما البدر المقنّع راسہ   ضلال و غی مثل بدر المقنّع

اسی طرح ابو القاسم ہبۃ اللہ کا بھی ایک قصیدہ زبان زد عام و خاص ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الیک فما بدر المقنع طالعاً   یا سحر من الحاظ بدر العمم

اس شعر میں شاعر ناصح سے کہتا ہے کہ جا اور اپنا کام کر۔ کیونکہ مقنع کا چاند بھی طلوع کے وقت میرے دستار بند محبوب کی نگاہ ناز سے زیادہ سحر آفرینی نہیں کر سکتا۔

دوسرے ملاحدۂ زماں کی طرح مقنع کے ہفوات کی بنیادیں بھی زرتشتی عقائد اور بت پرست فلسفیوں کے خیالات پر قائم کی گئی تھیں۔ اس کا بدترین اصول

مسئلۂ تناسخ تھا جس کی بنا پر اس نے الوہیت کا دعوی کیا اور کہا کہ حق تعالے میرے پیکر میں ظاہر ہوا ہے یا یوں کہیے کہ میں خدا کا اوتار ہوں چونکہ مدعی الوہیت کے لئے تصرف فی الاکوان کی حاجت ہے۔ اس ضرورت کے لئے اس نے چاند کی کرشمہ سازی دکھائی تھی لیکن مقنع نے خدائی کی مسند صرف اپنے لئے ہی خالی نہیں رکھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب سے پہلے آدم (علیہ السلام) کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا ورنہ کیونکر جائز اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے سجدے کے لئے مامور ہوتے اور ابلیس اس سے انکار کرنے کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود ابدی ہو جاتا؟" لیکن یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ بنا بر تحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مسجود نہیں تھے بلکہ محض جہت سجدہ تھے۔ مقنع کہتا تھا کہ آدم (علیہ السلام) کے بعد حق تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کی صورت میں حلول کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیاء کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولۃ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اور اب رب العزت اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانہ کا اوتار ہوں اس لئے ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کرے تاکہ فلاح ابدی کا مستحق ہو۔" ہزارہا ضلالت پسند لوگ اس کے دعوائے الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سربسجود ہونے لگے۔ یہ شخص ابو مسلم خراسانی کو جسے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے اس کی شوریدہ سری کی بنا پر قتل کرا دیا تھا حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاذ اللہ) افضل بتاتا تھا۔ یہ تو اس کی زندقہ شعاری کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام محرمات کو مباح کر دیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرائی عورتوں سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کے مذہب میں مردار اور خنزیر حلال تھا۔ مقنع نے صوم وصلوٰۃ اور دوسری تمام عبادتیں برطرف کر دیں اس کے پیرو مسجدیں بنواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہیں پڑھتا البتہ اگر کوئی بھولا بھٹکا پردیسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جائے تو مؤذن اور مقنع کے دوسرے پیرو موقع ملنے پر اس کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے اس کی نعش کو

سطور کر دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی سختیاں ہوئیں اس لئے اب وہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

جب مقنع کا حلقۂ مریدین بہت وسیع ہو گیا تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کیں چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے دو زبردست قلعے تیار کرائے۔ ایک کو وثیق کہتے تھے اور دوسرے کا نام سیام تھا جو پہاڑ میں واقع تھا قلعۂ سیام مضبوطی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی فصیل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سو سے زیادہ بڑی اینٹیں جو اس زمانہ میں قلعوں کی تعمیر کے لئے تیار کی جاتی تھیں دیوار کے عرض میں لگی تھیں۔ اس کے علاوہ قلعہ کے اردگرد ایک نہایت عریض خندق تھی اور قلعہ کی قوت مدافعت کا یہ عالم تھا کہ اس میں کئی سال کا سامان رسد اور اسلحۂ جنگ کا بہت بڑا ذخیرہ ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ مقنع نے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کرائے اور ان میں مضبوطی سے قدم جمالئے اور نہایت بیباکی سے خراسان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف دھما چوکڑی مچادی۔ اس اثنا میں بخارا اور صغد میں باغیوں اور دوسرے شوریدہ سروں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی جن کو مبیضہ کہتے تھے۔ گو ان لوگوں کو مقنع کی من گھڑت خدائی سے تو کوئی سروکار نہ تھا لیکن اپنے سیاسی مصالح کا خیال کر کے مقنع کے ساتھ ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ترکوں سے بھی مقنع کو بڑی تقویت پہنچی۔ جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اکثر اوقات خلافت اسلامیہ کے سرحدی علاقوں میں تاخت و تاراج کر کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ اب مقنع اور اس کی اتحادی جماعتوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جہاں موقع پایا مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل و غارت کا میدان گرم کیا اور رفوچکر ہو گئے۔

خلیفہ مہدی نے ابو نعمان جنید اور لیث بن نصر کو فوج دے کر پیروان مقنع کے مقابلہ پر بھیجا لیکن اسلامی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ لیث کا بھائی محمد بن نصر اور اس کا برادر زادہ حسان یا تمیم اس معرکہ میں کام آئے۔ جب خلیفہ کو اس ناکامی کا علم ہوا تو اس نے اس کی کمک پر جبریل بن یحییٰ کو روانہ کیا۔ اور باغیان بخارا و صغد کے مقابلہ میں اس کے بھائی یزید بن یحییٰ کو مامور فرمایا چار مہینہ تک بخارا کے بعض قلعوں پر لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر عساکر خلافت مظفر و منصور

ہوئے اور ہنوک شمشیر اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مقنع کے سات سو بیرو نہنگ شمشیر کا لقمہ بن گئے ہزیمت خوردہ لوگوں میں سے جو زندہ بچے وہ بھاگ کر قلعہ سیام میں چلے گئے جہاں خود مقنع موجود تھا۔ مگر جبریل نے بھی جان نہ چھوڑی۔ اعداء کا تعاقب کرتا اور بھگوڑوں کو مارتا کاٹتا قلعہ سیام پر بجلی کی طرح جا کڑکا اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک وہ قلعہ میں نہ جا چھپے۔ اب خلیفہ نے ابو عون نام ایک سپہ سالار کو مقنع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر جب اس نے کچھ زیادہ مستعدی اور اولوالعزمی کا ثبوت نہ دیا تو معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آزمودہ کار سپہ سالاروں مقابلہ کو روانہ کیا۔ معاذ بن مسلم کے مقدمۃ الجیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حرشی تھا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان سپہ سالار عقبہ بن مسلم بھی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ جیش موحدین میں آ شامل ہوا۔ ان دونوں نے اتفاق رائے سے طوادیس کے مقام پر مقنع کے لشکر پر حملہ کیا۔ مقنع کی جمعیت پہلے ہی حملہ میں ٹوٹ گئی۔ اور اس کے جنگ آور نہایت بے ترتیبی سے بھاگ نکلے اور سیکڑوں کھیت رہے۔ ہزیمت خوردہ فوج نے قلعہ سیام میں مقنع کے پاس جا دم لیا۔ یہ دیکھ کر مقنع نے فوراً قلعہ بندی کی اور تمام مورچوں کو مضبوط کیا۔ معاذ بن مسلم نے پہونچتے ہی محاصرہ ڈال دیا لیکن اس کے بعد خود معاذ بن مسلم اور سعید بن عمرو حرشی میں باہم سخت کشیدگی ہو گئی۔ سعید نے خلیفہ کے پاس معاذ کی شکایت لکھ بھیجی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر مجھے تنہا مقنع کے مقابلہ پر مامور فرمایا جائے تو میں اس کا فوراً قلع قمع کر سکتا ہوں۔ خلیفہ مہدی نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ سعید بن عمرو حرشی بلا مشارکت معاذ مقنع کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ لیکن معاذ نے پھر بھی بے نفسی سے کام لیا اور اسلامی عزت و ناموس کا لحاظ کر کے اپنے بیٹے کو سعید کی مدد پر بھیج دیا۔

سعید حرشی زمانہ دراز تک اس کوشش میں منہمک رہا کہ کسی طرح اسلامی لشکر خندق کو عبور کر کے فصیل قلعہ تک پہونچے۔ لیکن کوئی تدبیر سازگار نہ ہوئی۔ مساعی تسخیر کو شروع ہوئے متعدد سال گزر گئے لیکن ہنوز روز اول تھا۔ اس اثناء میں اسلامی لشکر کو بہت سا جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ موسمی خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مقنع کے پیرو اسلامی لشکر پر جو

کھلے میدان میں محاصرہ کیے پڑا تھا ہر وقت قلعہ سے تیر چلاتے اور سنگ باری کرتے رہتے تھے۔ لیکن بایں ہجوم مشکلات سعید نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جدو جہد کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ جاری رکھا۔ اب اس نے لوہے اور لکڑی کی بہت لمبی لمبی سیڑھیاں بنوانے کا انتظام کیا تاکہ سیڑھیوں کو خندق کے دونوں سروں پر رکھ کر پار ہو جائیں لیکن کامیابی نہ ہوئی کیونکہ خندق کی چوڑائی مسلمان انجینروں کے اندازہ سے زیادہ نکلی۔ اب سعید نے خلیفہ مہدی کو لکھا کہ ہزار جتن کئے لیکن قلعہ تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی طرح خندق کو پاٹ دیا جائے۔ ان دنوں ہندوستان میں صوبہ سندھ اور پنجاب کا جنوبی حصہ خلافت بغداد کے زیر نگین تھا۔ خلیفہ نے اپنے عامل سندھ کو لکھا کہ گائے، بیل اور بھینس کی جس قدر کھالیں فراہم ہو سکیں جلد ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ شاید اس زمانہ میں یا اسلامی قلمرو میں بوریاں نہ ملتی ہوں گی۔ ورنہ ریت بھرنے کے لئے بوریاں کھالوں سے زیادہ کار آمد تھیں۔ فرمان خلافت کے بموجب ملتان سے گائے بیل اور بھینس کی دس ہزار کھالیں بھیج دی گئیں سعید نے ان کھالوں میں ریت بھروا کر ان کو خندق میں ڈلوانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد خندق پٹ گئی اور محاصرین قلعہ کے پاس پہونچ گئے۔ اب حصار شکن آلات سے کام لیا جانے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی قلعہ پر حملے شروع کر دیئے گئے۔ مقنع کے پیروؤں نے گھبرا کر مخفی طور پر امان طلب کی۔ سعید نے امان دیدی چنانچہ تیس ہزار آدمی قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ اب مقنع کے پاس صرف دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے۔

جب سعید نے محاصرہ میں زیادہ سختی کی تو مقنع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل عیال کو جمع کیا اور بقول بعض مورخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی زہر کا پیالہ پی لیا۔ مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ جائے لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس حلب بھیج دیا اور بعض کہتے ہیں کہ قلعہ میں جس قدر چوپائے اور مال و اسباب تھا۔ پہلے اس کو جلانے کا حکم دیا۔ پھر ساتھیوں سے کہا کہ جس شخص کو اس بات کی خواہش ہو کر میرے

خلد بریں میں پہونچ جائے وہ اس آگ میں میرے ساتھ کود پڑے۔ سب خوش اعتقادوں نے حکم کی تعمیل کی اور آگ میں کود کے خاک سیاہ ہوگئے۔ جب لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا تو کسی انسان یا چارپایہ کا نام ونشان نہ پایا۔ یہ سنہ ۱۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے اکثر پیرو جو اکناف ملک میں زندہ رہ گئے، مقنع کی تباہی اور فقدان سے اور زیادہ فتنے میں پڑے اور یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ مقنع آسمانوں پر چلا گیا ہے۔ ماوراء النہر میں مقنع کے پیرووں کو مبیضہ کہتے تھے۔ امید نہیں کہ آج تک ان کا کوئی اثر باقی ہوگا۔

کتاب "صواعق محرقہ" میں مقنع کے ہلاک ہونے کی ایک اور دلآویز حکایت لکھی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ جب مقنع محاصرے سے تنگ آگیا تو بہت سی آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں کو خوب شراب پلائی۔ جب وہ نشے میں مدہوش ہوگئے تو انھیں موت کے گھاٹ اتار کر آگ کے بلند شعلوں میں جھونکتا گیا۔ پھر خود ایک بڑی دیگ میں تیزآب بھر کر اس میں بیٹھ گیا۔ اور تیزاب کی "تاثیر" سے تحلیل ہو کر بے نام ونشان ہوگیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ گمان تھا کہ تمام محصورین قلعہ میں موجود ہیں۔ ایک عورت بیماری کی وجہ سے قلعہ کے ایک کونے میں دبکی پڑی تھی جب اسے افاقہ ہوا تو قلعہ میں تنہائی سے گھبرائی اور دیوار قلعہ پر چڑھ کر محاصرین کو پکارا کہ قلعہ میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قلعے کے دروازے کھول دیے۔ لشکر اسلام قلعے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ واقعی قلعہ خالی ہے۔ مقنع کے بعض معتقد جو پہلی لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہوگئے تھے سن کر نہایت تاسف کرنے لگے کہ وہ فی الحقیقت خدا تھا افسوس کہ ہم نے آخر تک اس کا ساتھ نہ دیا۔ ورنہ ہم بھی اسی کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جاتے۔ مقنع کی آتش فتنہ چودہ سال تک شعلہ زن رہ کر سنہ ۱۶۳ھ میں منطفی ہوئی۔[1]

عبداللہ بن میمون اہوازی

عبداللہ بن میمون اہواز کا رہنے والا تھا جو مضافات کوفہ میں ہے۔ فنون شعبدہ،

---

[1] ماخوذ از تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ ابن خلکان، کتاب الفرق بین الفرق، تاریخ کامل وبعض دیگر کتب ۱۲

سحر و طلسمات میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ نبوت و مہدویت کا مدعی تھا۔ اوائل میں حضرت امام جعفر صادقؓ اور ان کے صاحبزادہ اسماعیل کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اسماعیل کی رحلت کے بعد ان کے فرزند محمد کے پاس رہنے لگا چنانچہ ان کے ساتھ مصر بھی گیا تھا اس نے محمد کے انتقال کے بعد ان کے غلام مبارک نام کو اس غرض سے کوفہ بھیجا کہ لوگوں کو مذہب اسماعیلیہ کی دعوت دے۔ وہاں وہ مذہب اسماعیلی کے داعی کی حیثیت سے مدت تک کام کرتا رہا۔ اس اثنا میں عبداللہ بھی پہلے کوہستان عراق میں اور پھر شہر بصرہ میں جاکر اسماعیلی مذہب کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہا۔

موقع کی رعایت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف امامت بھی بیان کر دیا جائے۔ امام جعفر صادقؓ کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے اسماعیلؒ جنھوں نے پدر بزرگوار کی زندگی میں امانت حیات ملک الموت کے سپرد کی۔ دوسرے امام موسیٰ کاظمؒ جو اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادقؓ کے بعد امام ہوئے اور جن کی نسل سے شیعہ لوگ بارہ اماموں کا سلسلہ پورا کرتے ہیں لیکن اسماعیلیہ امام جعفر صادقؓ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو امام برحق تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ تو اپنے والد امجد کے حین حیات رحمت الٰہی کے جوار میں چلے گئے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی جانشینی بالکل بے معنی ہے"۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ امامت پہلے امام زندگی میں بھی دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے"۔ اسماعیلیہ اسماعیل کے بعد محمد بن اسماعیل کو امام برحق مانتے ہیں اور امام موسیٰ کاظمؒ کی امامت کے منکر ہیں۔ عبداللہ اہوازی پہلے تو کچھ مدت تک لوگوں کو خالص اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا لیکن بعد کو اس نے اس مسلک میں کچھ ترمیمیں کر کے اس میں الحاد و بے دینی کے جراثیم داخل کر دیئے اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی نبوت و مہدویت کا بھی ڈھنڈورہ پیٹنے لگا۔

مشہور یہ ہے کہ عبداللہ بن میمون ہی باطنی فرقہ کا بانی ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ باطنی کفریات کا بانی و مؤسس دراصل عبداللہ کا باپ میمون بن دیصان معروف بہ قداح اہوازی مجوسی تھا۔ جو امام جعفر صادقؓ کا آزاد غلام تھا۔ یہ شخص در پردہ

اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جب اسے والی عراق نے کسی جرم میں قید کیا تو اس نے عزم صمیم کر لیا کہ جس طرح پولس یہودی نے مسیحیت میں کفر و شرک کی آمیزش کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا۔ اسی طرح اسلام میں بھی الحاد و زندقہ کے جراثیم داخل کر کے اس کو بگاڑ دیا جائے چنانچہ اس جذبہ کے تحت اس نے قید خانہ ہی میں باطنی مسلک کے اصول قائم کر لئے قید سے رہا ہونے کے بعد میمون نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پہلے تو شعبدہ بازی اور ڈھٹ بندی کی اور پھر اپنے ملحدانہ مسلک کی تعلیم دی۔ اس سے پیشتر عبداللہ نے مسلمان ہو کر اسماعیلی مذہب اختیار کر رکھا تھا اور اسماعیلی مذہب کا نہایت سرگرم رکن تھا عبداللہ کو باپ کے وضع کئے ہوئے باطنی اصول پسند آئے اور اس نے اسماعیلی مذہب کو خیرباد کہہ کر باپ کا طریقہ اختیار کر لیا اور باطنی مسلک کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی۔ عبداللہ نے اپنے باطنی پیروؤں کو باپ کی نسبت سے میمونیہ کہنا شروع کیا لیکن وہ باطنیہ کے نام سے موسوم کئے جانے لگے۔ اور اسی نام سے دنیا میں مشہور ہوئے کچھ عرصہ کے بعد عراق میں ان کو قرامطہ اور مزدکیہ اور خراسان میں مزدکیہ اور ملحدہ بھی کہنے لگے۔ عبداللہ نے باطنی مذہب کی ترویج کے لئے خلف نام ایک زیرک و لسان شخص کو اپنے نائب کی حیثیت سے خراسان کا شان طبرستان اور قم کی طرف روانہ کیا۔ خلف نے وہاں کے لوگوں کو مذہب میمونیہ کی دعوت دی اور کہا کہ "اہلِ بیت اطہار کا یہی مسلک ہے۔ نام نہاد مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں تکلفات اور شریعات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لذائذ و نفائس سے محروم ہو رہے ہیں!" جب رؤسائے اہلِ سنت کو اس کی مغویانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو اسے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ رے کی طرف بھاگ نکلا، لیکن وہاں کچھ مدت تک بے تعرض اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ احمد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ احمد بن خلف نے اس زمانہ کے ایک مشہور شاعر غیاث نام کو جو علم عقلیہ اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ چالاکی اور غداری میں بھی سر آمد روزگار تھا ۲۰۲ھ میں باطنی مذہب کا داعی مقرر کر کے عراق کی طرف بھیجا۔ غیاث نے پہلے پہل اصول مذہب باطنیہ میں ایک کتاب تصنیف کر کے اس کا نام البیان رکھا۔ اس کتاب میں باطنی مذہب کے مطابق صوم، صلوٰۃ، وضو، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام کے معانی بیان کر کے ان پر بزعم خود شواہد لغت قائم کئے۔ البیان میں لکھا ہے کہ شارع علیہ السلام کی

مراد وہی ہے جو باطنی بیان کرتے ہیں۔ اور مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے غلط محض ہے۔ غیاث کی کوششوں سے باطنی مذہب کو بڑی رونق نصیب ہوئی۔ آزاد خیال لوگوں کو یہ خیال طریقہ جو کمال درجہ کی آزادی اور بیباکی سے ہم کنار تھا بہت پسند آیا۔ ہزارہا آدمی اس کے معتقد ہو گئے۔ اور اطراف و اکناف ملک میں اس کی دعوت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس وقت سے تشیع میں الحاد و فلسفہ کی مزید آمیزش شروع ہوئی۔ سیکڑوں خوش اعتقاد اس کے حلقۂ درس میں روزانہ شامل ہوتے تھے اس نے علماء اہل سنت سے مناظرے کئے مگر ہر میدان میں شکست کھائی تاہم اس کی مفسدہ انگیزی روز افزوں ترقی پذیر رہی۔ اس اثناء میں کسی نے اس سے کہہ دیا کہ رؤسائے اہل سنت تجھے گرفتار کرنے کی فکر میں ہیں۔" یہ سن کر وہ مرد کی طرف بھاگ گیا اور مخفی طور پر اشاعت مذہب میں سرگرم رہا۔ مدت کے بعد پھر رے کا قصد کیا لیکن راستے ہی میں مرگیا۔ عبداللہ بن میمون اس کے مرنے کی خبر سن کر ایسا مغموم ہوا کہ بیمار ہو گیا آخر جانبر نہ ہو سکا۔ اور توسن حیات کی باگ عالم آخرت کی طرف پھیر دی۔

باطنی فرقہ کے اصول و عقائد

فرقہ باطنیہ دراصل فرقہ اسماعیلیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ خلفائے فاطمین مصر اس مذہب کی سرپرستی کرتے تھے۔ ابتداً اس کی تلقین خفیہ طریق پر ہی ہوتی تھی۔ جن لوگوں کو معتقد بنایا جاتا ان کی تربیت کے نو مختلف مدارج تھے۔ پہلے درجے میں دین اسلام کے بارے میں کچھ شبہات پیدا کئے جاتے تھے تاکہ معتقد کے دل میں ان کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو۔ دوسرے درجے میں مسئلہ امامت کے رموز و اسرار بتائے جاتے تھے، تیسرے درجے میں خاص خاص عقائد کی تعلیم ہوتی، چوتھے درجے میں سات صاحب شریعت پیغمبران کرام آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسماعیل بن جعفر صادق کی شریعت بتائی جاتی ان میں ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی بتایا جاتا جس نے ان کی شریعت کو استحکام بخشا اور وہ سات خاموش پیغمبر شیثؑ، سامؑ، اسماعیلؑ، ہارونؑ، شمعونؑ، علیؑ بن ابی طالب اور محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق ہیں۔ پانچویں درجے میں یہ بتایا جاتا کہ فضیلت کے اعتبار سے بارہ کا عدد سات سے افضل ہے۔ اور ہر خاموش پیغمبر نے دین کی ترویج کے لئے اپنی طرف سے بارہ داعی

مقرر کئے۔ چھٹے درجے میں احکامات شرعیہ کو فلسفہ اور عقل کا تابع بتایا جاتا اور ظاہری مفہوم پر اعتقاد و عمل کی ممانعت ہوتی۔ ساتویں درجے میں علم جفر کی تعلیم دی جاتی۔ آٹھویں درجے میں حرکات و افعال انسانی اور روح کے باہمی تعلق اور نویں درجے میں ہر شے کے بارے میں بے یقینی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

باطنی احکام شرعیہ کے مصطلحات کتابوں میں شرح وبسط سے مذکور ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے	الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے
ملائکہ	باطنی فرقہ کے داعی	میقات	وقت اجابت
جبریلؑ	محمدؐ کی عقل و فراست	صفا	محمدؐ
شیاطین	ظاہر پر عمل کرنے والا	مروہ	وصی
جنّ	گنوار لوگ	نار ابراہیمؑ	نمرود کے غصہ کی آگ
نبی	ناطقِ حق	ذبح اسمٰعیلؑ	اسمٰعیلؑ سے جدید عہد لیا گیا
وحی	اساس حق گوئی	یاجوج ماجوج	علمائے ظاہر
قیامت	کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا	طوفانِ نوحؑ	کثرتِ علم نوحؑ
جنّت	جسمانی راحت	کشتی نوحؑ	جزیرہ جس میں امت نوحؑ محصور ہوئی
دوزخ	جسمانی تکلیف	عصائے موسیٰؑ	موسیٰؑ کی دلیل و حجت
کعبہ	محمدؐ	اذان	لوگوں کو امام کی اطاعت پر آمادہ کرنا
باب	علیؓ	نماز	امام سے موالات کرنا
تلبیہ	اجابتِ مدعو	نماز باجماعت	متابعتِ امام معصوم
طواف	ائمہ ظاہرین کے گھر	حج	امام کی زیارت کے لئے جانا
تلبیہ	اجابتِ مدعو	تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے آئین مذہب حاصل کرنا
روزہ	امام کا راز افشا نہ کرنا	زنا	بلا عہد و میثاق افشائے سر امام باطنیہ
زکوٰۃ	دل کی صفائی اور پاکیزگی	احتلام	نادانستہ اغیار سے افشائے راز کرنا
غسل	توبہ کرکے امام سے دوبارہ عہد کرنا	جنابت	بھید ظاہر کرنا
وضو	امام سے آئین مذہب حاصل کرنا	مسیح کا مردے زندہ کرنا	دلوں کو علم و ہدایت سے زندہ کیا

ع ماخوذ از کتاب الفرق بین الفرق و تلبیس ابلیس للشیخ ابن جوزی رح و دبستان مذاہب ۱۲

باطنیہ نے اسی طرح سے صدہا مسائل میں ظاہر کی باطنی تاویل و تحریف کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس تحریف کاری نے دین حنیف کو بالکل ایک موہوم چیز اور موم کی ناک اور بچوں کا کھیل بنا دیا۔ ان تحریفات سے بالکل عیاں ہے کہ ان باطنی طاعنہ سے تو یہود و نصاریٰ ہی ہزار درجہ اچھے ہیں جو ملائکہ، قیامت، جنت، دوزخ، شیاطین، وحی، نار ابراہیم، طوفان نوحؑ، کشتیٔ نوح، عصائے موسیٰؑ وغیر ذالک من الامور کو اسی رنگ میں تسلیم کرتے ہیں۔ جس طرح اہل ایمان کا عقیدہ ہے۔ باطنیہ کہتے تھے کہ ظاہر بمنزلہ پوست کے اور باطن بمنزلہ مغز کے ہے۔ اس لئے ہم پوست کو چھوڑتے اور اس کے مغز کو لے لیتے ہیں۔ لیکن اس زندقہ پسندی نے تمام قرآن اور مجموعۂ احادیث نبویہ کو بالکل بیکار کر دیا۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک احکام و نصوص کے ظاہری کے الفاظ سے جو کچھ لغت کے رو سے سمجھ میں آتا ہے، تمامہا واجب العمل ہے۔ اہل حق کے نزدیک دین الٰہی ظاہر ہے جس کا کوئی باطن نہیں۔ باوجود اس کے رموز و اشارات بھی ہیں جو ظاہری الفاظ کے منافی نہیں۔ مثلاً موسیٰؑ اور فرعون کا وجود اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت ہے اور جو واقعات ان کے باہم رونما ہوئے وہ بھی مسلم ہیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی شخص ان وقائع سے مثلاً روح و نفس کا قضیہ مراد لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اور قرآن میں جہاں کہیں موسیٰؑ اور فرعون کی آویزش کا ذکر ہے وہاں روح اور نفس ہی کی کشمکش مراد ہے بالکل لغو اور صریح کفر و بے دینی ہے۔

باطنیوں نے خالق کردگار کو صفات الوہیت سے عاری قرار دے کر رب العٰلمین کو بالکل بے کار اور معطل بنا دیا۔ کہتے تھے کہ اگر ذات باری کو صفات سے متصف مانا جائے تو تشبیہ لازم آئے گی۔ اور خالق مخلوق کے مشابہ ہو جائے گا۔ پس ان کے زعم میں خدا کو مثال کے طور پر صفت وجود کے ساتھ متصف نہ کرنا چاہیے۔ یعنی اسے موجود نہ ماننا چاہیے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معدوم نہیں ہے۔ اسی طرح اسے قادر، عالم، حیّ کے صفات سے بھی موصوف نہ ماننا چاہیئے بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ وہ عاجز نہیں، جاہل نہیں، میّت نہیں۔ اور اگر خدا کو اس لحاظ سے قادر کہا جائے کہ اس نے دوسروں کو قدرت عطا کی تو جائز ہے۔ لیکن اگر اسے اس اعتبار سے قادر کہیں کہ اس میں قدرت ہے تو ایسا کہنا شرک ہے اسی طرح خدا کی

طرف صفات کی نسبت محض اس وجہ سے کی جاسکتی ہے کہ اس نے مخلوق کو وہ صفتیں عطا کیں اور اگر اس عقیدہ سے یہ صفتیں اس کی طرف منسوب کی جائیں کہ اس میں وہ صفتیں پائی جاتی ہیں تو ایسی نسبت ان کے نزدیک معصیت ہے باطنیہ کو معجزات انبیاء سے بھی انکار ہے وہ ہنود کی طرح قیامت کے منکر اور تناسخ کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ آدم (علیہ السلام) سے پہلے بھی بہت بشر گذر چکے ہیں دنیا کو ہنود کی طرح حادث نہیں بلکہ قدیم مانتے ہیں۔ بہن بیٹی سے شادی کرتے ہیں۔ چنانچہ قیروانی باطنی نے سلیمان بن حسن کو اپنے ایک رسالہ میں لکھا "مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو صاحب عقل و خرد ہونے کا مدعی ہو اور اس کے گھر میں حسینہ و جمیلہ بہن یا بیٹی ہو تو خود اس سے شادی نہ کرے۔ اور اجنبی لوگوں کے حوالے کر دے۔ اگر یہ جاہل جانتا کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا خود سب سے زیادہ مستحق ہے تو کسی اجنبی کو کبھی تفویض نہ کرتا"! قیروانی نے یہ بھی لکھا کہ اصحاب شریعت نے لوگوں کو خواہ مخواہ نماز روزہ حج وغیرہ قسم کے جھمیلوں میں پھنسا رکھا ہے اور ناحق طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے خلق خدا کو لذات و تنعمات سے محروم کر رہے ہیں"[۱] یہ لوگ ہر عورت کو بلا نکاح حلال سمجھتے ہیں۔ جو کوئی حج کرے یا نماز پڑھے اس کا مذاق اڑاتے ہیں"[۲] ان عقائد و اعمال سے قارئین کرام اس نتیجے پر پہونچے ہوں گے کہ باطنی لوگ دہریوں اور بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ بھی کسی اخلاق کے پابند ہوتے ہیں لیکن باطنی ملاحدہ ساری دنیا سے گئے گذرے ہیں۔

باطنیہ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے لئے کئی قسم کے حیلے اختیار کر رکھے تھے۔ داعی کے لئے یہ لازمی شرط تھی کہ وہ فن تلبیس کا پورا ماہر ہو۔ اس میں ظاہر کو مائول کر کے باطن کی طرف پھیرنے کی کامل استعداد ہو۔ دعاۃ کو ہدایت تھی کہ وہ کسی ایسے گھر میں داخل نہ ہوں جہاں چراغ جل رہا ہو۔ یعنی کسی ایسی جگہ تبلیغ نہ کریں جہاں علم کلام کا کوئی عالم موجود ہو۔ کیوں کہ کسی متکلم کی موجودگی میں باطنی دعوت کے پنپنے کی کوئی امید نہ تھی (کلام اس علم کا نام ہے جس میں اسلامی اصول و عقائد کو عقلی دلائل و براہین سے ثابت کیا جاتا ہے) ان کو یہ بھی ہدایت تھی کہ بنجر زمین

---

[۱] الفرق بین الفرق صد ۲۸۱ - ۲۸۲ [۲] ایضاً ص ۲۹۰۔

میں تخم ریزی نہ کریں یعنی کسی ایسے ذی علم راسخ الاعتقاد مسلمان کے سامنے اپنے ملحدانہ خیالات کا اظہار نہ کریں جس کے اثر پذیر ہونے کی امید نہ ہو۔ وہ اس کے بھی مامور تھے کہ آغاز دعوت سے پہلے اس امر کی خوب تحقیق کر لیا کریں کہ ان کا زیر تبلیغ آدمی کن خیالات وعقائد کا دلدادہ ہے۔ پھر یہ دعوت اصناف بھی ایک طرح پر نہ تھی۔ جو شخص جن جذبات وامیال کا پیرو ہوتا تھا اس سے انہی مسائل میں گفتگو کر کے اس کو باطنی الحاد کی ترغیب دی جاتی تھی۔ پس جس شخص کو داعی دیکھتا تھا کہ عبادات کی طرف مائل ہے تو اس پر زہد وعبادت ہی کا جال پھینکتا۔ پھر اس سے عبادات کے کے معانی و فرائض کے علل ووجوہ دریافت کرتا اور اسی بحث وتمحیص میں اس کو ورطۂ شبہات میں ڈال دیتا تھا اور جس کو دیکھتا کہ شوخ طبع اور بیباک ہے اس سے کہتا کہ عبادات خواہ مخواہ کی زحمت بلکہ حماقت ہے۔ عقل مند آدمی کا فرض ہے کہ حصول لذات میں کوتاہی نہ کرے اور جس کو دیکھتا کہ اسے دین کے متعلق کچھ شکوک ہیں یا معاد اور ثواب وعقاب میں کچھ خلجان ہے تو اس کے سامنے صراحۃً ان چیزوں کی نفی کرتا۔ اسے استباحت محرمات کی ترغیب دیتا اور اس کے سامنے اس قسم کے اشعار پڑھنے لگتا ؎

أأترک لذة الصهباء صرفًا لما وعدوه من لحم وخمر

حیاة ثم موت ثم نشرٌ حدیث خرافةٍ یا امّ عمرٍو

جس کسی کو دیکھا کہ غلاۃ رافضہ میں سے ہے۔ مثلاً اس کا تعلق سبائیہ، بیانیہ، مغیریہ، منصوریہ یا خطابیہ میں سے کسی جماعت سے ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا اور اس کے سامنے آیات واحادیث کی باطنی تاویلیں پیش نہ کرتا۔ کیونکہ وہ لوگ خود ہی اپنی ضلالت وکجروی کے بموجب تاویل وتحریف کے ورطہ میں پڑے ہیں البتہ اگر دیکھتا کہ روافض میں سے زیدی یا امامی ہے، صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع کرنے سے خوش ہوگا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف دشنام گوئی کی غلاظت اچھالنے لگتا اور اس کو تاکید کرتا کہ بنی تیم اور بنی عدی کے بغض میں ثابت قدم رہے (بنو تیم قریش کے ایک قبیلہ کا نام تھا جس میں امیر المومنین ابوبکر صدیق رضؓ پیدا ہوئے اور بنو عدی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کا نام تھا) اور اسے اسماعیل بن عباد رافضی کے یہ شعر پڑھ کر اپنی طرف مائل کرتا ؎

دخول النار فی حب الوصی | وفی تفضیل اولاد النبی
احب الیّ من جنات عدن | اخلدها بتیم او عدیّ

علامہ عبد القاہر بغدادی نے ان اشعار کا یہ جواب دیا ہے ؎

أتطمع فی دخول جنات عدنٍ | وانت عدو تیم او عدیّ
وھم ترکوک اشقٰی من ثمودٍ | وھم ترکوک افضح من دعی
وفی نار الجحیم غدًا متصلی | اذا عادا ک صدیق النبی

اور باطنی داعی جب کسی کو حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کی طرف مائل دیکھتا تو اس پر حضرات شیخین رضؓ کی مدح وستائش کے پھول برسانے لگتا اور کہتا کہ تاویلِ شریعت میں بھی ایک خاص حظ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تاویل ہی کا علم حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے غار تک اور غار سے مدینہ منورہ تک حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی۔" اور جب شیخین رضؓ کا محب تاویل مذکور کے متعلق سوال کرتا تو وہ اس سے حلف اور عہد ومیثاق لیتا کہ جو کچھ اسے بتایا جائے اسے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے گا۔ پھر اس پر علی التدریج بعض تاویلیں ظاہر کرتا۔ اگر وہ اس تاویل کو قبول کر لیتا۔ تو اسے باقی ماندہ تاویل بھی بتا دیتا ورنہ اسی میں الجھا کر ارکان شریعت میں شکوک اور وساوس پیدا کر دیتا۔ یہاں صرف چند طرق اضلال نمونۃً عرض کئے گئے ہیں۔ جو حضرات باطنیہ کی اغواکوشیوں کے مزید نظائر پر مطلع ہونا چاہیں وہ "کتاب الفرق بین الفرق" (صفحات ۲۸۲-۲۹۹ کا مطالعہ فرمائیں۔

ہندوستان میں باطنی فتنہ

باطنیہ کی دعوت کا جال فارس، عراق اور خراسان سے گزر کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں شہر ملتان ان کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں ان لوگوں کی بڑی اکثریت تھی اور مسلمان بہت اقلیت میں تھے۔ یہاں بھی باطنیہ نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ کسی مسلمان کی مجال نہ تھی کہ وہ ان اعمال کو جو باطنی مشرب کے خلاف تھے انجام دے سکے یا مسلمانوں کو اتنی آزادی ہو کہ جمعہ، عیدین یا دوسرے اسلامی شعائر علانیہ ادا کر سکیں۔ آخر خداوند عالم نے سلطان محمود غزنوی کو ابر رحمت

کی طرح ہندوستان بھیج دیا۔ جب سلطان نے ملتان فتح کیا اور یہاں کے باطنیوں کی چیرہ دستیاں اور ظلم آرائیاں اس کے گوش زد ہوئیں تو اس نے باطنی شیاطین دعوت کو جو خمیر مایۂ فساد تھے گرفتار کر کے عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا اور دوسرے باطنیوں کا جو ان کے معاون و شریک کار تھے بایاں بایاں ہاتھ کٹوا کر حکم دیا کہ خبردار! آئندہ کسی مذہب میں ایسی بے جا مداخلت نہ کرنا۔ سلطان محمود رحمۃ اللہ ملتان کے فرمانروا ابوالفتح لودھی کو جو باطنی المشرب تھا گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا یہی وہ شخص تھا جس کی شہ پا کر شعائر اللہ کی توہین کی جاتی تھی اور ملت حنیفی باطنی ملاحدہ کے ہاتھوں یتیمی اور کس مپرسی کے حصار میں گھری ہوئی تھی۔

بابک بن عبداللہ خرمی

بابک کا باپ جسے عبداللہ کہتے تھے مدائن کا ایک تیلی تھا۔ اس نے آذر بے جان کی سرحد پر ایک گاؤں میں جو بلال آباد کے نام سے موسوم ہے سکونت اختیار کر لی تھی۔ بابک کا باپ عالمِ شباب میں اپنی پیٹھ پر تیل کا برتن رکھ کر رستاق کے دیہات میں تیل بیچا کرتا تھا اس اثنا میں ایک عورت سے اس آشنائی ہو گئی۔ تیلی نے اس کے باپ سے عقد تزویج کی درخواست کی۔ چنانچہ اس عورت سے اس کا باقاعدہ نکاح ہو گیا اور بابک متولّد ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ جن مؤرخوں نے بابک کو ولدالزنا لکھا ہے انھوں نے غلطی کی ہے کیونکہ بابک کا تولّد نکاح سے پہلے تعلقات کا نتیجہ نہ تھا۔ بابک کی پیدائش کے تھوڑے ہی دن بعد اس کا باپ کوہ سبلان گیا اور وہیں مارا گیا۔ اب بابک کی ماں دایہ گری کا کام کرنے لگی۔ بابک نے ہوش سنبھالا تو گائیں چرانے پر نوکر ہو گیا جب دس سال کا تھا تو ایک مرتبہ اس کی ماں دوپہر کے وقت اس کے پاس چراگاہ میں گئی اور دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے سویا ہے لیکن کپڑا کھل جانے سے برہنہ ہو رہا ہے جب اس کی ماں قریب گئی تو اس کے سینہ اور سر کے ہر بنِ مُو کو خون آلودہ پایا۔ اس نے بابک کو

ؔ الفرق بین الفرق (ص ۲۷۰) وغیرہ

بیدار کیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ماں نے جو خون دیکھا تھا اس کا تذکرہ کیا لیکن اب اس کے بالوں میں خون کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ میں نے اسی واقعہ سے جان لیا تھا کہ میرا بیٹا بہت کچھ عروج حاصل کرے گا۔ چند سال تک مویشی چرانے کے بعد بابک برستاق کے ایک رئیس شبل بن منقی اُزدی کے پاس ملازم رہا۔ اس عرصہ میں اس نے شبل کے غلاموں سے طنبورہ بجانا بھی سیکھا۔ برستاق کو الوداع کہہ کر تبریز پہونچا۔ اور وہاں دو سال تک محمد بن رواد اُزدی نام ایک رئیس کے پاس نوکری کرتا رہا۔ وہاں سے اپنی ماں کے پاس موضع بلال آباد میں چلا آیا اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

آذربیجان کے پہاڑوں میں ایک قصبہ بذ کے نام سے موسوم تھا اس سلسلۂ کوہ میں دو رئیس برسر اقتدار تھے۔ جن میں باہم رقابت تھی۔ ایک کو ابوعمران کہتے تھے اور دوسرے کا نام جاویدان بن سہرک تھا۔ کوہ بذ کی ملکیت کے متعلق ان میں ہمیشہ جھگڑے قضیئے برپا رہتے تھے۔ ہر ایک کی یہی تمنا تھی کہ اس سرزمین کو اپنے حریف کے خار وجود سے پاک کرکے بلا شرکت غیرے ریاست کا مالک ہو جائے۔ ایک سال جاویدان دو ہزار بکریوں کا ریوڑ لے کر بذ سے شہر زنجان کی طرف روانہ ہوا جو قزوین کی سرحد پر ہے وہاں بکریاں فروخت کرکے بذ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں جب موضع بلال اباذ پہونچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث انقطاع سفر ناگزیر تھا۔ بابک اور اس کی ماں نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ جاتے وقت جاویدان بابک کی ماں سے کہنے لگا کہ اگر تم اپنا بیٹا میری ملازمت میں دیدو تو میں پچاس درہم ماہانہ تنخواہ دوں گا۔ بابک کی ماں رضامند ہو گئی اور بابک جاویدان کے ساتھ کوہ بذ میں چلا گیا۔ تھوڑے روز میں جاویدان اور ابوعمران میں پھر سلسلۂ رزم وپیکار شروع ہوا ابوعمران مارا گیا۔ اور جاویدان نے اس کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔

بابک ایک جوان رعنا تھا۔ جاویدان کی عورت اس پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں میں فاسقانہ تعلقات قائم ہو گئے تھوڑے عرصہ میں جاویدان مر گیا۔ دوسرے دن عورت نے جاویدان کے لشکر کو جمع کرکے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ اب جو کچھ وہ وصیت کر گیا ہے اس کو سُن لو۔ "جاویدان کل بالکل صحیح وسالم تھا۔ اچانک کہنے لگا کہ

میں نے دنیا کو الوداع کہنے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لئے آج ہی رات اس سرائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا۔ لیکن میری روح نکل کر اس نوجوان خادم بابک کے بدن میں داخل ہو جائے گی۔ اور یہی نوجوان اس سرزمین کا مالک ہوگا"۔ اور مجھے تاکید کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری قوم کو اس کی اطلاع کر دینا۔ اور یہ بھی جتلا دینا کہ جو شخص میری وصیت سے اعراض کرے گا اور میری عزیز و محبوب خواہش پر اپنی رائے مرضی کو ترجیح دے گا وہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے گا"۔ یہ سن کر سب قائدین لشکر نے سَمِعنا وَاَطَعنا کہ کر حسب وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے"۔ اب اس عورت نے ایک بیل منگوایا اور اس کو ذبح کرا کے اس کی کھال کو پھیلانے کا حکم دیا۔ اس کھال پر ایک تشت رکھا گیا جو شراب سے لبریز تھا۔ روٹیاں منگوائی گئیں اور ان کے ٹکڑے تشت کے گرد جمع کر دئے گئے۔ عورت نے حکم دیا کہ ایک ایک آدمی آئے اور کھال پر پاؤں رکھ کر روٹی کا ٹکڑا اٹھائے اور شراب میں ڈبو کر کھائے۔ پھر کہے کہ اے بابک کی روح! میں تجھ پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح اس سے بیشتر جاویدان کی روح پر ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد بابک کے سامنے حاضر ہو اور اس کا ہاتھ چوم کر اس سے بیعت کرے"۔ تمام حاضرین نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اب صرف بابک سے نکاح کئے جانے کی رسم باقی تھی۔ عقد نکاح یوں انجام پایا کہ عورت نے ایک گلدستہ منگوایا اور اٹھا کر بابک کے ہاتھ میں دے دیا بس یہی تزویج تھی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ جاویدان اور اس کے پیرو دین مُزدک (مجوس) کے پیرو تھے۔

بابک پہلے اسماعیلی تھا پھر مُزدکی بنا۔ پھر خود ایک فرقہ کی بنا ڈالی جسے بابکیۃ، خرمیۃ، سبعیہ اور حرمیۃ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں پہلے تو یہی کہتا رہا کہ مجھ میں جاویدان کی روح ہے اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ خدا کی روح نے بھی میرے اندر حلول کیا ہے اس نے اپنے پیروؤں کو عقیدہ تناسخ کی تعلیم دی اور ہنود کی طرح کہتا تھا کہ روحیں انسانوں اور حیوانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں چونکہ بابک نے ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی قیود اٹھا کر عیش و عشرت کا بازار گرم کیا۔ پیروؤں کو حرام کاری، شراب خواری اور دوسرے فواحشات کی اجازت دی یہاں تک کہ ماں، بہن، بیٹی اور دوسرے محرمات ابدیہ سے بھی

عقد مناکحت جائز کر دیا اس لئے اس کے پیروؤں کو خرمیہ بھی کہنے لگے۔ کیونکہ خرم عیش و فرح کو کہتے ہیں۔ بابک کا معمول تھا کہ جب اسے معلوم ہوتا کہ فلاں شخص کی بیٹی یا بہن نہایت حسین ہے تو اس کے پاس طلبی کا پیغام بھیجتا اگر اس نے بھیج دی تو خیر ورنہ اس کو گرفتار کر کے نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیتا اور اس حسینہ پر جبراً قبضہ کر لیتا[۱]۔ بابک کی اخلاقی تعلیم دنیا بھر کے فواحش کا مجموعہ اور سخت قابلِ نفرت تھی تاہم جاویدان کی قوم کے علاوہ ویلم اور اہلِ ہمدان و صفہان نے بھی اپنی قسمت اس سے وابستہ کر دی۔

جب بابک کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہونچ گئی تو اس نے سنہ ۲۰۱ھ میں خلافتِ اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت و خودسری بلند کر دیا۔ ان دنوں خلیفہ مامون عباسی بغداد کے تخت خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ تین سال تک تو بعض داخلی جھمیلوں نے بابک کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ سنہ ۲۰۴ھ میں خلیفہ مامون نے عیسیٰ بن محمد عامل آرمینیا و آذربائیجان کو حکم دیا کہ بابک کے قلع قمع کا انتظام کرے لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر عیسیٰ بن محمد اس مہم سر انجام دینے سے قاصر رہا۔ سنہ ۲۰۹ھ میں خلیفہ نے علی بن صدقہ معروف بہ زریق کو آرمینیا اور آذربیجان کی حکومت سپرد کی۔ اور ساتھ ہی جنگ بابک کی تاکید فرمائی زریق نے ایک تجربہ کار سپہ سالار احمد بن جنید کو بابکی جمعیت کے توڑنے اور بابک کو اسیر کرلانے پر متعین کیا۔ لیکن ابن جنید بابک کو قید کرنے کے بجائے خود ہی شکست کھا کر قید ہوگیا۔ چونکہ زریق گورنری کے فرائض انجام دینے کا اہل ثابت نہ ہوا۔ اس لئے مامون نے اس کی جگہ ابراہیم بن لیث کو آرمینیا اور آذربائیجان کے عمل پر بھیج دیا زریق نے خلیفہ کے مقابلہ میں علم خودسری بلند کر کے موصل اور آذربائیجان کے درمیان تمام پہاڑی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ موصل پر بھی چڑھائی کر دی۔ اس معرکہ میں سید بن انس گورنر موصل مارا گیا۔ اور زریق نے موصل پر عمل و دخل کر لیا۔ خلیفہ مامون اس خبر وحشت اثر کے سننے سے سخت برہم ہوا اور سنہ ۲۱۲ھ میں محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت پر قائم کر کے بابک خرمی اور زریق سے جنگ آزما ہونے

---

[۱] تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزی؟ صفحہ ۱۴۶۔

کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ محمد طوسی نے موصل کی طرف نہضت کی اور زریق کو نیچا دکھا کر موصل واپس لے لیا۔ مہم موصل سے فارغ ہو کر محمد طوسی نے بابک خرمی پر چڑھائی کی اور نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اس کو ہزیمت دیتا ہوا اور مضافات مقبوضہ کا انتظام کرتا ہوا دامن کوہ تک جا پہونچا۔ بابک تھوڑی دیر تک دامن کوہ میں لڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا محمد بن حمید طوسی نے جوش کامیابی میں اس کا تعاقب کیا جب کوئی تین کوس تک چڑھ گیا تو بابکیوں نے کمین گاہ سے نکل کر محمد پر دفعتہً حملہ کیا اور بابک بھی لوٹ کر معاً محمد پر ٹوٹ پڑا محمد بن حمید کا لشکر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا مگر خود اس کے قدم ثبات کو ذرا جنبش نہ ہوئی۔ اور وہ نہایت ثابت قدمی و استقلال سے لڑتا ہوا پیچھے کو ہٹا سوء اتفاق سے بابکیوں کے ایک گروہ نے محمد بن حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ محمد زخمی ہو کر گرا اور تڑپ کر دم توڑ دیا۔ جب یہ خبر بارگاہ خلافت میں پہونچی تو خلیفہ مامون کو سخت صدمہ ہوا۔ لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس کے بعد کوئی اور مہم بابک کی گوشمالی کے لیئے نہ بھیج سکا۔ اور فرشتۂ موت نے پیام اجل آسنایا۔

بابک نے شہر بذ کو اپنا ملجاء و مامن بنا رکھا تھا۔ اور اس نے اکثر شاہی قلعہ جات کو جو اردبیل اور آذربیجان کے مابین واقع تھے ویران و مسمار کر دیا تھا جب خلیفہ معتصم نے ۲۱۸ھ میں اپنے بھائی خلیفہ مامون کے انتقال پر تخت خلافت کو زینت دی۔ تو ابوسعید محمد بن یوسف کو اس مہم پر مامور کیا۔ چنانچہ ابوسعید نے ان قلعہ جات کو جنھیں بابک نے ویران و برباد کر دیا تھا از سر نو تعمیر کرایا۔ اور انھیں فوج آلات حرب اور غلہ کی کافی مقدار سے مضبوط و مستحکم کیا۔ اس اثنا میں بابک کے کسی سریہ نے ان بلاد پر شبخون مارا۔ ابوسعید نے اس کا تعاقب کیا اور نہایت اولوالعزمی سے لوٹ کا تمام مال واپس لیا۔ بے شمار بابکیوں کو قتل اور اکثر کو گرفتار کیا اور مقتولوں کے سر اور کثیر التعداد قیدی ایک عرضداشت کے ساتھ خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دئے۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بابکیوں کو عساکر خلافت سے نصیب ہوئی۔ دوسری ہزیمت محمد بن بعیث کے ذریعہ سے ہوئی۔ جو بابک کا معین و مددگار تھا۔ یہ شخص آذربائیجان کے ایک قلعہ میں فروکش تھا اور بابک کے سرایا اور افواج کو رسد پہونچایا کرتا تھا۔ اتفاق سے واقعہ مذکورہ کے بعد بابک کا ایک سپہ سالار عصمت نام اس قلعہ کی طرف سے ہو گزرا

محمد بن بعیث نے اس کی دعوت کی اور اسے عزت واحترام سے ٹھہرایا۔ لیکن رات کے وقت حالت غفلت میں اس کو گرفتار کرکے خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیا۔ اور اس کے تمام رفقاء کو قتل کرڈالا۔ خلیفہ نے عصمت سے بابک کے بلاد اور قلعوں کے اسرار خفایا دریافت کیے۔ عصمت نے تمام اسرار اور جنگی مواقع ظاہر کردیے۔ تاہم معتصم نے اسے رہا نہ کیا۔ اور افشین حیدر کو جبال کی علمداری مرحمت فرما کر بابک کے مقابلہ میں بھیجا۔ افشین نے میدان کارزار میں پہونچ کر پہلے رسد کا انتظام کیا اور راستوں کو خطرات سے پاک کرنے کے خیال سے تھوڑی تھوڑی مسافت پر چوکیاں بٹھائیں اور کار آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کو گشت اور دیکھ بھال کر متعین کیا۔

اس کے بعد خلیفہ نے بغا کبیر کو کثیر فوج اور مال واسباب کے ساتھ افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک یہ سن کر بغا کبیر پر شبخون مارنے کے ارادہ سے چلا۔ جاسوسوں نے افشین تک یہ خبر پہونچادی۔ افشین نے بغا کو لکھ بھیجا کہ تم قافلہ کے ساتھ قلعہ نہر تک آؤ۔ اور قافلہ کی روانگی کے بعد پھر اردبیل کو مراجعت کرو۔ بغا نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ بابک پھر یہ خبر پاکر بغا کا قافلہ قلعہ نہر کی طرف روانہ ہوگیا ہے۔ اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ جس دن بغا سے ملنے کا وعدہ تھا افشین اس روز چپکے سے نکل کر اردبیل کو چلا گیا اور بغاوت کو بہ حفاظت تمام ابوسعید کے مورچہ میں لے آیا۔ اس اثناء میں بابک قافلہ تک پہونچ گیا۔ والیٔ قلعہ نہر بھی قافلہ کے ہمراہ تھا۔ بغا سے تو مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ البتہ والیٔ قلعہ نہر سے مقابلہ ہوا۔ بابک نے ان لشکریوں کو جو قافلہ کے ساتھ تھے تہ تیغ کرکے تمام مال واسباب لوٹ لیا اثناء راہ میں افشین کے سپہ سالاروں میں سے ہیثم نام ایک افسر سے دوچار ہوگیا اس کو بھی زک دی۔ ہیثم ایک قلعہ میں جا چھپا۔ بابک نے وہاں پہونچ کر محاصرہ ڈال دیا لیکن اس اثناء میں افشین اپنا لشکر لئے ہوئے آپہونچا اور دفعۃً بابکیوں پر حملہ کردیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بابکیوں کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ نہایت بے سروسامانی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر کا بیشتر حصہ اس معرکہ میں کام آیا۔ بابک بقیۃ السیف کے ہمراہ بھاگ کر موقان پہونچا۔ لیکن بابک وہاں سے پلٹ کر ایسی چال چلا کہ افشین کے لشکر کا راستہ کاٹ لیا۔ رسد وغلہ کا آنا موقوف ہوگیا۔ اور افشین کا

لشکر رسد کے نہ آنے سے بھوکوں مرنے لگا۔ افشین نے والیٔ مراغہ سے رسد طلب کی لیکن بدقسمتی سے اثنائے راہ میں بابکیوں نے اس کو لوٹ لیا۔ یہ خبر پاکر بغا اپنا تمام مال و اسباب کسی طرح بابک کے ہاتھوں سے بچا کر افشین کے لشکرگاہ میں لایا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

افشین نے اپنے سپہ سالاروں کو بابک پر حصار ڈالنے کی غرض سے بڑھنے کا حکم چنانچہ قلعہ بذ سے ۶ میل کے فاصلہ پر پہونچ کر مورچے قائم کیے اور بغا نے قریہ بذ میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑ دی اور سخت کشت و خون کے بعد اپنے لشکر کا بڑا حصہ اس معرکہ کی نذر کر کے محمد بن حمید سپہ سالار کے مورچہ میں واپس آیا۔ افشین نے اس کے امداد طلب کرنے پر اپنے بھائی فضل، ابو جوشن، احمد بن خلیل اور جنا الاعور کو بغا کی کمک پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ "فلاں روز فلاں وقت بابک پر یکبارگی حملہ کرنا۔ میں بھی اسی دن وقت معہودہ پر اس سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ سوء اتفاق سے بغا وغیرہ برسات اور شدت سرما کی وجہ سے یوم مقررہ پر حملہ نہ کر سکے اور افشین نے تنہا حملہ کر دیا۔

جب خلیفہ کو عساکر خلافت کی متواتر ہزیمتوں اور ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک فوج گراں افشین کی کمک پر روانہ کی۔ اور ایتاخ کی وساطت سے تیس لاکھ درہم مصارف جنگ کے لیے بھیجے اس فوجی اور مالی امداد سے افشین قوی دل ہو گیا۔ افشین عموماً جعفر خیاط احمد بن خلیل اور ابو سعید کو تین تین دستہ فوج کے ساتھ یکے بعد دیگرے میدان کارزار میں بھیجتا اور خود ایک بلند مقام پر بیٹھ کر لڑائی کا منظر دیکھتا۔ اس مقام پر بابک کا قلعہ اور محلسرائے بھی دکھائی دیتا تھا۔ افشین نماز ظہر ادا کر کے مراجعت کرتا۔ اور اس کے واپس ہونے ہی اس کی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے ترتیب وار واپس جائیں۔

ایک روز حسب معمول لشکر اسلام واپس ہوا۔ اتفاق سے جعفر خیاط پیچھے رہ گیا بابک کا لشکر میدان خالی سمجھ کر قلعہ بذ سے نکل پڑا۔ جعفر خیاط نے بڑھ کر حملہ کیا۔ اور لڑائی دوبارہ چھڑ گئی۔ جعفر کی فوج میں سے ابو دلف کے ساتھ ایک گروہ مطوعہ یعنی رضاکاروں کا تھا۔ ان رضاکاروں نے افشین کی مرضی پائے بغیر اس شدت کا دھاوا کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ کمندیں ڈال کر قلعہ پر چڑھ جائینگے۔

جعفر نے افشین سے پانچ سو تیر اندازوں کی امداد طلب کی۔ افشین نے کہلا بھیجا کہ تم امدادی فوج کا انتظار نہ کرو۔ جہاں تک ممکن ہو آہستہ آہستہ حکمت عملی سے واپس چلے آؤ۔ کیونکہ جنگ کا عنوان خطرناک ہو رہا ہے اس عرصہ میں رضا کار مجاہد حملے کرتے ہوئے قلعہ بذ تک پہونچ گئے۔ بابک کے وہ سپاہی جو کمینگاہ میں تھے یہ سمجھ کر کہ دشمن قلعہ تک پہونچ گیا۔ کمینگاہ سے نکل آئے۔ افشین پر اس قلعہ کا سارا راز اور کمینگاہ کا حال کھل گیا۔ جعفر نے آہستہ آہستہ لڑتے لڑتے اپنے مورچہ کی طرف واپس آنا شروع کیا۔ مغرب تک لڑائی بالکل بند ہو گئی۔

دوسرے روز علی الصباح تیر اندازوں، نفاطوں اور نامی گرامی جنگ آزماؤں کو منتخب کر کے ایک لشکر مرتب کیا اور رضا کار مجاہدوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے میدان جنگ میں آیا۔ بابک کے لشکر نے قلعہ سے تیر باری شروع کی۔ جعفر کی فوج اپنے کو بابک کے حملوں سے بچاتی ہوئی قلعہ بذ کی فصیلوں تک پہونچ گئی۔ اب جعفر کمال مردانگی واستقلال سے دروازہ بذ تک پہونچ کر لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ دوپہر ڈھل گئی۔ بابک یہ دیکھ کر قلعہ کا دروازہ کھول کر نکل آیا۔ اور رضا کاروں کو اپنے پُر زور حملہ سے قلعہ بذ کی فصیل سے پیچھے ہٹا دیا۔ حالت جنگ نہایت خطرناک تھی کبھی تو بابک کا لشکر رضا کاروں کو قلعہ کی فصیل سے پسپا کر دیتا تھا۔ اور کبھی رضا کار بابکیوں کو مار مار کر قلعہ میں بھگا دیتے تھے۔ غرض اسی کشمکش میں شام ہو گئی۔ افشین نے اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دیا۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر واپس آئے اور لطف یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد ہر فریق کو اپنی کامیابی کی طرف سے ناامیدی سی ہو گئی اور بہت سے رضا کار اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے۔

دو ہفتہ کے بعد افشین نے پھر جنگ کی تیاری کی۔ لشکر کو چار حصوں پر منقسم کیا۔ ایک حصہ کو جس میں ایک ہزار تیر انداز تھے۔ آدھی رات کے وقت اس پہاڑ کی طرف روانہ کیا۔ جو قلعہ بذ کے قریب تھا اور جس کے دامن میں بابک کا نامی سپہ سالار آذین صف آرا تھا۔ دوسرے حصہ کو اس ٹیلہ کے نیچے کمینگاہ میں چھپا دیا۔ جس کی چوٹی پر بابک کے سپاہی کمینگاہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ تیسرے دستۂ فوج کو محافظت کی غرض سے لشکر گاہ میں چھوڑا۔ اور چوتھے حصہ کو مسلح د

مرتب کر کے علی الصبح اس مورچہ کی طرف آیا جہاں گذشتہ معرکوں میں ٹھہرتا تھا۔ جعفر خیاط چند نامی افسروں کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھا جس کے دامن میں آذین سپہ سالار بابک نے صف آرائی کی تھی۔ آذین اس دوطرفہ مار سے بدحواس ہو گیا وہاں سے وادی کی طرف بھاگا تو ٹیلہ کے نیچے سے دوسرے کمینگاہ والوں نے بھی اپنے خارا شگاف تیروں سے اس کا خوب استقبال کیا۔ بابک نے عنوان جنگ بگڑا ہوا دیکھ کر افشین سے درخواست کی کہ مجھے جنگ سے صرف اتنی مہلت دو کہ میں اپنے اہل و عیال کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر سکوں۔ بعد ازاں قلعہ بذ کی کنجیاں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ افشین نے ہنوز نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اتنے میں خبر پہونچی کہ عساکر اسلام نے قلعہ بذ پر قبضہ کر لیا ہے اور خدا کے فضل سے اس کے بلند میناروں پر خلیفۃ المسلمین کا جھنڈا نصب ہو گیا ہے۔ افشین سجدۂ شکر بجالا کر قلعہ بذ میں داخل ہوا اور بہت سامال غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

بابک جبال آرمینیا میں جا کر روپوش ہوا۔ افشین نے دو فوجی افسروں کو بابک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ جب یہ پہونچ گئے تو ابن سا باط نے ان لوگوں کو قلعہ کی ایک جانب چھپا لیا اور بابک کو شکار کھیلنے کے حیلہ سے میدان کی طرف لے چلا ان افسروں نے موقع پا کر حالت غفلت میں بابک کو گرفتار کر لیا۔ افشین نے اس حسن خدمت کے صلہ میں ابن ساباط کو ایک لاکھ درم اور ایک پیٹی جواہر نگار مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد افشین کی طلبی پر عیسیٰ بن یوسف بن اسطقانوس والی بلقان نے عبد اللہ برادر بابک کو جو ایک مدت سے اس کے پاس پناہ گزین تھا افشین کے پاس بھیج۔ افشین نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ قید کر دیا اور بابک کی گرفتاری کی ایک اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیج دی۔ خلیفہ نے ماہ شوال ۲۲۳ھ میں افشین کے نام حکم بھیجا کہ اپنے دونوں قیدیوں کو لے کر سامرّہ آؤ۔ مرزند سے سامرّہ تک ہر منزل پر خلیفہ معتصم کے حکم سے افشین کا انتہائی عزت و احترام سے استقبال کیا جاتا تھا۔ جب افشین سامرہ کے قریب پہونچا خلیفہ معتصم کا بیٹا واثق باللہ ارکین سلطنت کو لئے ہوئے بغرض استقبال سامرّہ سے باہر آیا اور بکمال توقیر سے قصر مطیرہ میں ٹھہرایا۔ خلیفہ کے حکم سے افشین کے سر پر تاج

رکھا گیا۔ بیش قیمت خلعت پہنایا گیا۔ بیس لاکھ درم انعام دیئے اور دس لاکھ درم اس کی فوج میں تقسیم کئے گئے۔ یہ واقعہ صفر ۲۲۳ھ کا ہے۔ انہی ایام میں جب کہ بابک قصر مطیرہ میں مقید تھا۔ خلیفہ معتصم محل میں آیا اور بابک کو سر سے پاؤں تک بہ نظرِ غور دیکھتا رہا اور چلا گیا۔ دوسرے دن خلیفہ معتصم دربارِ عام میں رونق افروز ہوا۔ لوگوں کو حسبِ مراتب دربارِ عام سے قصرِ مطیرہ تک بٹھایا۔ اور بابک کو ہاتھی پر سوار کر کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کسی شخص نے بابک سے کہا کہ "تم اپنی زندگی میں ایسی ایسی بدکرداریوں کے مرتکب ہوئے جو تم سے پہلے شاید کسی انسان سے سرزد نہ ہوئی ہوں گی۔ اب ان کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آ گیا ہے" بابک نے کہا تو عنقریب میرے ثبات و استقلال کو دیکھے گا۔" خلیفہ معتصم نے اس کا ایک ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا اور حکم کی تعمیل ہوئی۔ لیکن بابک نے جھٹ خون سے اپنا چہرہ رنگ لیا کسی نے پوچھا۔ "چہرہ پر خون لگانے کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگا ایسا نہ ہو کہ خون نکلنے سے چہرہ پیلا پڑ جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگیں کہ بابک موت سے ڈر گیا" اس کے بعد اس کے دوسرے اعضاء قطع کئے گئے اس اثناء میں اس کی طرف سے اضطراب و بے چینی کی کوئی ادنیٰ علامت بھی ظاہر نہ ہوئی۔

بابک کا فتنہ بیس سال تک ممتد رہا۔ ان معرکوں میں دو لاکھ پچپن ہزار پانچسو اور دوسری روایت کے بموجب ایک لاکھ پچپن ہزار مسلمان جرعۂ شہادت سے سیراب ہوئے۔ سات ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور بچے اس کے پنجۂ ظلم سے چھڑائے گئے۔ ان سب قیدیوں کو بغداد لا کر ایک وسیع احاطہ میں ٹھہرایا گیا۔ ان میں سے جس کسی کا والی و وارث آتا اس سے شہادت لی جاتی اور بعد ثبوتِ ولایت و وراثت اس کے حوالے کر دیا جاتا[1]

بابکیہ کی ایک جماعت علامہ ابن جوزیؒ[2] کے زمانہ تک موجود تھی۔ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں سال بھر میں خوشی کی ایک رات مقرر ہے۔ اس تقریب میں تمام مرد اور عورتیں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں پھر چراغ گل کر دیئے جاتے ہیں اور مرد اندھیرے

---

[1] تاریخ ابن خلدون، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صہ ۱۱۱، ۱۵۴، ۱۶۱ کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۵۱، ۲۶۸

[2] تلبیس ابلیس ص ۱۴۶، ۱۴۷۔

میں دوڑ کر جس عورت پر قابو ملے اس کو پکڑ لیتے ہیں اور ان سے ناجائز تمتع حاصل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شکار ہے اور شکار مباح ہے[۱] شاید یہ رات عید غدیر خم کے نام سے موسوم ہے۔

احمد بن کیّال بلخی

احمد بن کیال بلخی فارسی اور عربی کا بہت بڑا مصنف گزرا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ مقرر تھا۔ ابتدا میں لوگوں کو اہل بیت نبوت کی طرف بلاتا تھا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زماں ہوں۔ جونہی دعوائے مہدویت کیا ہزارہا ارباب علم و فضل نے جن پر اس کی سحر نگاری جادو بیانی، اور منقح گوئی کا جادو چل چکا تھا، ایک مرتبہ اپنے مزعومہ مقامات مہدویت سے ترقی کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں قائم ہوں اور بیان کیا کہ جو شخص عالم آفاق (عالم علوی) اور عالم انفس (یعنی عالم سفلی) کے مناہج بیان کرنے پر قادر ہو۔ اور انفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے وہ امام ہے۔ اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثابت کرے۔ اور ہر ایک کلی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے۔ اور یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔ احمد اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل کہتا تھا اس کا بیان تھا کہ انبیاء و رسل اگرچہ پیشوا ہیں۔ لیکن وہ اہل تقلید کے مقتدا رہیں۔ جو اندھوں سے مماثلت رکھتے ہیں حالانکہ قائم (احمد) اہل بصیرت اور اصحاب دانش کا پیشرو ہے۔

کہتا تھا کہ عالم تین ہیں اعلیٰ، ادنیٰ انسانی۔ عالم اعلیٰ میں پانچ مکان ہیں۔ ایک مکان الاماکن جو بالکل خالی اور سب کو محیط ہے۔ نہ اس میں کوئی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے اور شرع میں عرش سے مراد یہی مکان الاماکن ہے۔ اس سے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ناطقہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے۔ سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔ نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک صعود کرے چنانچہ حیوانیت اور ناطقیت کو اس نے قطع کیا۔ لیکن جب

---

[۱] تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۴۷۔

نفس انسانی نفس اعلیٰ کے قریب پہونچا تو وہاں تھک کر متحیر اور حسرت زدہ رہ گیا اور اس کے اجزا متعفن ہو کر مستحیل ہو گئے، جس سے وہ عالم سفلی میں گر پڑا۔ پھر اسی حالت عفونت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا۔ اس کے بعد نفس اعلیٰ نے اپنے انوار کا ایک جزو اس پر ڈالا۔ جس سے اس عالم کی تراکیب حادث ہوئیں۔ اور آسمان و زمین، مرکبات، معادن، نبات حیوان اور انسان پیدا ہوئے اور ان تراکیب میں کبھی خوشی کبھی رنج کبھی سلامتی کبھی محنت واقع ہوئیں یہاں تک کہ قائم ظاہر ہوا جو اسے کمال تک پہونچا دے اور تراکیب منحل ہو جائیں اور متضادات باطل اور روحانیات جسمانیات پر غالب آجائیں۔ جانتے ہو وہ قائم کون ہے؟ یہی عاجز احمد ہے۔

احمد اپنے قائم ہونے پر اس طرح استدلال کرتا تھا کہ دیکھو اسم احمد ان چاروں عالموں کے مطابق ہے الف نفس اعلیٰ کے مقابلے میں، حا نفس ناطقہ کے مقابل، میم نفس حیوانیہ کے مقابل اور دال نفس انسانیہ کے مقابل ہے پھر غور کرو کہ احمد کے چار حرف جیسے عوالم علویہ روحانیہ کے مقابلے میں تھے۔ اسی طرح وہ سفلی جسمانی عالم کے مقابلے میں بھی ہیں کہتا تھا کہ میرے نام کے حرفوں میں سے الف انسان پر دلالت کرتا ہے۔ حا، حیوان پر۔ میم طائر پر اور دال مچھلی پر۔ اور حق تعالیٰ نے انسان کو احمد کی شکل پر پیدا کیا۔ قد الف دونوں ہاتھ حا، پیٹ میم اور پاؤں دال کی شکل پر ہیں، باطنی فرقہ کی طرح تاویل و تحریف کا بڑا دلدادہ تھا[۱]

یحییٰ بن فارس ساباطی

یحییٰ بن فارس ایک حاذق طبیب اور فلاسفر تھا۔ اس نے سمندر کے کنارے ایک صومعہ بنا رکھا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ "تم مسیح موعود ہو تو مسیح علیہ السلام کے سے معجزے بھی دکھاؤ" تو اس نے بیانگ دہل اس پر آمادگی ظاہر کی اور برملا دعویٰ کیا کہ حسب فرمائش مردہ زندہ کر سکتا ہوں۔ برص اور جزام کھو سکتا ہوں۔ پانی پر چل سکتا ہوں چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر دمشقی معروف بہ جوبری "کتاب المختار د

---

[۱] الملل والنحل علامہ شہرستانی (برحاشیہ الفصل فی الملل والاہواء والنحل لابن حزم) جلد ۲ صہ ۱۷ - ۲۱

کشف الاسرار[1]" میں لکھتے ہیں کہ اس نے شعبدہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو مردہ زندہ کر کے دکھا دیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ یحییٰ ایک شخص کے وارثوں سے جسے مرے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہنے لگا کہ اگر چاہو تو میں تمھاری میت کو زندہ کر دے سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا اگر ایسا کرو تو آپ کی نوازش ہوگی۔" اس نے کہا کفن کا ایک ٹکڑا کاٹ لاؤ۔ وہ قبر کھول کر ایک ٹکڑا قطع کر لائے۔ یحییٰ نے اس کو وزن کیا پھر اس کا ہم وزن ناریل اور جند بید ستر لیا۔ مؤخر الذکر اشیاء کو باریک کر کے تینوں کا ایک فتیلہ بنایا اور قبر پر جا کر اہل میت کے سامنے اس کو سلگایا اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ جب بتی سے دھواں اٹھ کر چاروں طرف پھیلنے لگا تو اہل میت کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا مردہ کفن پھاڑ کر قبر میں سے اٹھ کھڑا ہوا ہے اب انھوں نے اس سے چند باتیں دریافت کیں۔ جس کا اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا اس واقعہ کے بعد ہر جگہ یحییٰ کی مسیحائی کا چرچہ ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ہر طرف سے اپنی اپنی میتوں کو اٹھائے اس کے صومعہ کا رخ کیا اور آ آ کر منتیں کرنے لگے۔ کہ ہمارے مردہ کو بھی زندہ کر کے ہم سے ہمکلام کرادو۔" مگر ایک مرتبہ کی کرشمہ سازی کے بعد اس نے دوبارہ "احیائے میت سے انکار کر دیا۔" لیکن یاد رہے کہ مردہ کا قبر سے اٹھ کر باتیں کرنا محض تخیل تھا۔ کوئی واقعی چیز نہ تھی۔ اس کی نظیر ساحرین فرعون کی رسیاں اور لاٹھیاں ہیں۔ جو حاضرین کو دکھائی دی تھی۔ چنانچہ قرآن پاک کی اس آیت میں اس کا تذکرہ ہے فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ (۲۰ : ۶۸) ان کی نظر بندی سے ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسی معلوم ہونے لگیں کہ گویا چلتی اور دوڑتی ہیں)

یحییٰ برص کے مریض کو شفا بخشنے کا جو "معجزہ" کام میں لاتا تھا۔ اس کی نوعیت یہ تھی کہ وہ پودینہ، ہڑتال ورقی اور تخم کرفس کو ہم وزن لے کر باریک کرتا تھا اور اس سفوف کو تر گوبر میں رکھ کر اتنے دن تک زمین میں گاڑ دیتا تھا کہ اس میں سفید کیڑے پیدا

---

[1] میں نے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حیدر آباد دکن میں دیکھا تھا۔ اس باب کے تمام اقتباسات اسی نسخہ سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب دمشق میں چھپ چکی ہے لیکن افسوس کہ باوجود سعی بسیار میں اس پر دسترس نہ پا سکا۔

ہو جاتے تھے۔ ان کیڑوں کو کسی شیشی میں ڈال کر روغن بنالیتا تھا۔ اس روغن کی تیاری کے بعد اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ شہر کے کسی سر برآوردہ آدمی کو مصنوعی طور پر برص میں مبتلا کر دے۔ اس غرض کے لئے اپنے ایک رازدار ملازم کو حمام میں بھیج دیتا۔ وہ بے خبری میں کسی رئیس کے جسم پر یہ روغن ذرا سا لگا دیتا۔ رئیس کے بدن پر اسی دن برص کے سے داغ ظاہر ہو جاتے۔ شہر میں یحییٰ ہی مرجع خلائق طبیب تھا۔ جب مریض اس کی طرف رجوع کرتا تو وہ شیطرج ہندی نام ایک دوا جسے چیتا بھی کہتے ہیں باریک پیس کر اور تیز سرکہ میں حل کر کے ان داغوں پر لگا دیتا۔ چونکہ یہ داغ بالکل تازہ اور محض عارضی حیثیت رکھتے تھے۔ شیطرج کے لگانے سے تھوڑی ہی دیر میں دور ہو جاتے۔

یحییٰ نے جذامیوں کو شفایاب کرنے کا حیلہ بنا رکھا تھا کہ بادروج (جنگلی تلسی)، کبابہ چینی برگ بیلاڈونا (بھنا بھنی) اور برگ عظلم (؟) کو ہم وزن لے کر پانی میں جوش دیتا۔ جب ربع پانی جل جاتا تو اپنے چند رازدار آدمیوں کو اس سے وضو کرا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں جذامیوں کے اعضا کی طرح بدنما اور ماؤف سے نظر آنے لگتے۔ اب وہ دیار و امصار میں اپنے جذام کی خوب تشہیر کرتے جب ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ یہ اہل بلا ہیں تو ایک بڑے مجمع میں یحییٰ کے پاس آکر درخواست کرتے کہ آپ مسیح زمان ہیں۔ ہمارا جذام دور کر دیجئے۔ یحییٰ پانی گرم کرا کر اس میں انگلیاں ڈالتا اور ان کو اس پانی سے غسل کرنے کا حکم دیتا۔ چونکہ وہ جذام محض نمائشی ہوتا تھا غسل سے دوا دھل کر ہاتھ پاؤں اور چہرہ صاف اور چمکدار نکل آتا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ حضرت "مسیح موعود" کی برکت و توجہ سے کوڑھی صحیح سالم ہو گئے۔

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانی پر چلنے کا معجزہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ یحییٰ پانی پر چلنے کا معجزہ اس طرح دکھاتا تھا کہ اپنے کف ہائے پا پر ایک مصالحہ لگا کر سمندر کے کنارے پانی میں اترتا۔ بڑی بڑی مچھلیاں اس بو پر آکر اس کے پاؤں چاٹنا چاہتیں۔ یہ اپنے دونوں پاؤں کسی بڑی مچھلی کی پیٹھ پر رکھ دیتا۔ اب مچھلی جہاں جہاں پانی میں جاتی یہ بھی اس پر سوار رہ کر ساحل بحر کے چکر لگاتا۔ قدم اٹھتے دکھائی نہ دیتے تھے باہر کے لوگ یہی سمجھتے کہ اعجازی طاقت سے

سطح آب پر چل رہا ہے۔ اس دوا کے تین اجزاء بیان کیے جاتے ہیں۔ بادروج (جنگلی تلسی) سرگین آدمی اور حب العناد (؟) تینوں کو ہم وزن لے کر باریک کرتا اور روغن چنبیلی میں ملا لیتا ہے[1]

حمدان بن اشعث قرمط

حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط سوادِ کوفہ کے ایک چاہ کن کا بیٹا تھا۔ بیل پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اس بنا پر اس کو کرمیط کہتے تھے۔ جس کا معرب قرمط ہے۔ شروع میں زہد و تقشف کی طرف مائل تھا۔ لیکن ایک باطنی کے ہتے چڑھ کر سعادتِ ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ریوڑ دوسرے گاؤں کے لئے جا رہا تھا۔ راہ میں اس کو ایک باطنی فرقہ کا داعی ملا حمدان نے باطنی سے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟ باطنی فریب کار کہنے لگا "مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ اپنا سربستہ راز ہر شخص پر ظاہر کرتا پھروں۔ بجز اس شخص کے جس پر مجھے پورا اعتماد ہو اور پھر ایسے معتمد علیہ سے پوری طرح عہد نہ لے لوں" حمدان نے کہا "آپ اپنے عہد کی تو تشریح فرمائیے میں دل و جان سے اس کی تعمیل اور پابندی کروں گا۔" داعی نے کہا تو اس بات کا عہد کر کہ امام وقت کا بھید جو تجھ پر ظاہر کروں کسی سے نہ کہے گا۔" حمدان نے اسی طرح قسمیں کھائیں اور عہد و میثاق کو استوار کیا۔ جس طرح اس نے خواہش کی اب داعی نے اس کو اپنے فنونِ اغوار کی تعلیم دینی شروع کی یہاں تک کہ اس کو راہ سے بے راہ کر دیا۔ اس دن سے حمدان الحاد کے سرغنہ اور باطنی فرقہ کے منّاد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ انجام کار اس کے باطنی پیرو اسی کی نسبت سے قرمطی یا قرامطہ کہلانے لگے[2]۔

حمدان بن اشعث حسب بیان مقریزی[3] ۲۶۴ھ میں اور حسب تحریر ابن خلدون ۲۷۸ھ میں منصۂ شہود پر ظاہر ہوا۔ یہ شخص امام محمد بن حنفیہؒ کے فرزند احمد کو رسول اللہ بتاتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا زمانہ دراز سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ چونکہ زہد و تقشف اور صلاح و تقویٰ کا اظہار کرتا تھا اہل

---

[1] کتاب المختار و کشف الاسرار للجوبری ۱۲ [2] تلبیس ابلیس ابن جوزی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۷-۱۴۹ [3] کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ ص ۱۸۳۔

دیہات اس کے دعویٰ کو صحیح یقین کر کے اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس نے اپنے پیرووں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب انھوں نے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انھیں دنیاوی اشغال اور کسب معاش سے روک دیا ہے تو بولا "اچھا میں اس کے متعلق ذات باری کی طرف رجوع کروں گا۔" چنانچہ چند روز کے بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا۔ جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو، تم ہی عیسیٰ ہو، تم ہی کلمہ ہو، تم ہی مہدی ہو، تم ہی محمد بن حنفیہ ہو اور تم ہی جبریل ہو۔" اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم (علیہما السلام) میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو۔ تم ہی حجت ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی دابہ ہو۔ تم ہی روح القدس ہو اور تم ہی یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) ہو۔ اور بیان کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ بھی فرما گئے ہیں کہ نماز صرف چار رکعتیں ہیں۔ دو رکعت قبل از فجر اور دو رکعت قبل از غروب اور اذان یوں ہے کہ پہلے چار دفعہ اللہ اکبر، پھر دو مرتبہ اشھد ان لاالٰہ الا اللہ اور پھر ایک مرتبہ یہ کلمات کہیں اشھد آدم رسول اللہ۔ اشھد انّ لوطاً رسول اللہ۔ اشھد ان ابراہیم رسول اللہ۔ اشھد ان موسیٰ رسول اللہ۔ اشھد ان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشھد انّ محمداً رسول اللہ۔ اشھد ان احمد بن محمد بن حنفیہ رسول اللہ۔ اس نے سال بھر میں صرف دو روزوں کا حکم دیا۔ ایک روزہ ماہ مہرجان کا اور دوسرا نوروز کا۔ شراب کو حلال اور غسل جنابت کو برطرف کر دیا۔ تمام درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے جانوروں کو حلال بتایا۔ کعبہ معلّٰی کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل جل کر نماز باجماعت ادا کریں جمعہ کی جگہ دوشنبہ کو تعطیل منانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اس دن لوگ کام کاج سے قطعاً دست بردار رہیں۔[۲]

آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کے الفاظ میں قطع و برید کر کے ایک سورت تیار کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس کے پیرو پہلے تو نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد وہ استفتاح پڑھیں جو اس کے زعم میں احمد بن محمد بن حنفیہؓ پر نازل

---

[۱] کتاب الدعاۃ ۱۱۱ - ۱۱۲ ناقلاً عن العزر للوطواط ۱۲ [۲] کتاب الدعاۃ ص ۱۱۱ - ۱۱۲ ناقلاً عن العزر للوطواط ۱۲

ہوئی تھی اور اس کے بعد قراءۃ قرآن کی جگہ اسی سورہ کو پڑھا کریں وہ خود ساختہ سورت یہ تھی الحمد للہ بکلمتہ وتعالیٰ باسمہ المتخذ لاولیائہ باولیائہ قل ان الاھلتہ مواقیت للناس ظاھرھا لیعلم عدد السنین والحساب والشھور والایام وباطنہا اولیائی الذی عرفوا عبادی سبیلی اتقونی یااولی الالباب وانا الذی لا اسئل عما افعل وانا العلیم الحکیم وانا الذی ابلو عبادی وامتحن خلقی فمن صبر علی بلائی ومحنتی واختیاری القیتہ فی جنتی و اخلدتہ فی نعمتی ومن زل عن امری وکذب رسلی اخذتہ مھانا فی عذابی واتممت اجلی واظھرت امری علی السنتہ رسلی وانا الذی لم یعل علی جبار الاوضعتہ ولا عزیز الا اذللتہ ولیس الذی اصر علی امری ودام علی جھالتہ وقالوا لن ابرح علیہ عاکفین وبہ موقنین اولئک ھم الکفرون (ترجمہ) خدا کی حمد وثنا اس کلمہ کے ساتھ ادا کرتا ہوں اس کا نام بلند و برتر ہے وہ جو اپنے دوستوں کو دوستوں سے تقویت دیتا ہے۔ کہو کہ لوگوں کے لیے ہلال کے وقت مقرر کردیے گئے ہیں تاکہ ان سے ظاہر میں برسوں کی تعداد اور حساب اور مہینے اور دن معلوم ہوں۔ اور ہلال کا باطن میرے ان دوستوں کے لیے ہے جنھوں نے میرے بندوں کو میری راہ دکھائی۔ اے صاحبانِ عقل وخرد! مجھ سے ڈرو۔ میں وہ ہوں جس سے میرے فعل پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ میں جاننے والا اور بردبار ہوں۔ میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو مبتلا کرتا ہوں۔ اور اپنی مخلوق کا امتحان کرتا ہوں۔ جو کوئی میری بلا، میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا۔ اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا اور اپنی نعمت جاودان عطا کروں گا اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا میں اس کو ذلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ میں نے اپنی اجل کا اتمام کیا ہے اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر فرمادیا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش تعلّی کرتا ہے تو اسے پست کردیتا ہوں۔ اور کوئی جابر اور گردن فراز ایسا شخص نہیں جسے میں ذلیل نہ کردوں۔ وہ آدمی برا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور اپنی جہالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔ حمدان نے حکم دیا تھا کہ اس سورہ کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں دو تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں سُبْحَانَ رَبِّیْ رَبِّ الْعِزَّۃِ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُ الظَّالِمُوْنَ۔ پھر سجدہ میں جائیں اور کہیں اللّٰہُ اَعْلٰے اللّٰہُ

اعلیٰ اللہُ اعظمُ اللہُ اعظم ۔[1]

جب حمدان کی جمعیت بڑھنے لگی تو اس نے اپنے پیروؤں میں سے بارہ آدمی بہ حیثیت نقیب مقرر کئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مختلف بلاد میں پھیل کر اس کے مذہب کی تبلیغ کریں کیونکہ تم حواریانِ مسیح علیہ السلام کی مانند ہو۔ جب ہیثم عامل کوفہ کو معلوم ہوا کہ حمدان نے دین اسلام کے مقابلہ میں ایک نیا آئین جاری کیا ہے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھ رہی ہے تو اسے گرفتار کر لیا۔ جب صبح کے وقت ہیثم نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ غائب ہے۔ جب یہ خبر کوفہ میں مشہور ہوئی تو لوگ اس غیبوبت کی وجہ سے فتنہ میں پڑے اور اس کے پیروؤں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ خدائے قدوس نے حمدان کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ لیکن اس کے بعد مضافات میں مریدوں اور بعض دوسرے لوگوں سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے پوچھا حاکم کوفہ نے تو آپ کو مقفل کر رکھا تھا۔ آپ کس طرح نکل آئے؟ بڑے ناز و غرور سے کہنے لگا کوئی شخص میری آزار رسانی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔" یہ سن کر ان کی عقیدت پہلے سے بھی دوچند ہو گئی۔ چونکہ اسے ہر دم یہ خطرہ رہتا تھا کہ دوبارہ گرفتار کر لیا جاؤں گا اس لئے نواح شام کی طرف بھاگ گیا۔

کہتے ہیں کہ قرمط نے علی بن محمد خارجی کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں ایک مذہب کا بانی اور نہایت صائب الرائے ہوں۔ اور ایک لاکھ مبارز میرے پیرو ہیں آؤ ہم اور تم مذہبی مناظرہ کر کے ایک خیال و مذہب پر متفق ہو جائیں تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ علی بن محمد خارجی نے اس رائے کو پسند کیا چنانچہ بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی لیکن متفق الرائے نہ ہو سکے۔ اس لئے قرمط واپس آکر عزلت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

اس کے مذہب کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ جو شخص قرمطی مذہب کا مخالف ہو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور جو شخص مخالف ہو اور برسرِ مقابلہ نہ ہو اس سے جزیہ لیا جائے۔[2]

ابو سعید جنابی، اور اس کا بیٹا ابو طاہر قرمطی، زکرویہ، یحییٰ بن زکرویہ، اور علی بن فضل یمنی جنھوں نے عرصہ دراز تک عالمِ اسلام کے خلاف ہلچل مچائے رکھی اسی قرمط کے چیلے

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷، صہ ۱۴۸ - ۱۴۹۔ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷، صہ ۱۴۸ - ۱۴۹۔

جاننے یا ماننے والے تھے۔ اسلام پر چند اولین صدیوں میں جو جو آفتیں نازل ہوئیں اور پیروان توحید کو جن مصائب و آلام سے دو چار ہونا پڑا ان میں سے ایک فتنہ قرامطہ بھی ہے۔ ان ملاعنہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلفائے بنی عباس تک ان بھیڑیوں کا نام سن کر کانپ جاتے تھے آخر میں تو یہ مصر کے سلاطین بنی عبیدہ کی گرفت سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اٹھا تھا۔ یہ لوگ یہاں تک کور باطن اور معاندین اسلام تھے کہ بیت اللہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر عمان لے گئے جو ان کا مستقر دولت تھا۔ اس حادثۂ جانگداز کی تفصیل ابو طاہر قرمطی کے تذکرہ میں آئے گی۔

علامہ عبدالقاہر کی کتاب "الفرق بین الفرق" کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان آکر باطنیوں کو خوب گوشمال کیا تھا۔ لیکن تاریخ فرشتہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل باطنی نہیں تھے۔ بلکہ قرمطی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے یوں تو قرمطی فرقہ بھی باطنیہ ہی کی ایک شاخ ہے لیکن ان میں ایک بین فرق یہ ہے کہ قرامطہ نے عام باطنی مسلک کے خلاف بعض ظاہری احکام کو بھی جزو مذہب بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ قرامطہ نے یہود اسماعیلیہ اور خوارج کے فرقہ ازارقہ کے بعض اصول بھی اپنے کیش و مذہب میں داخل کر لئے تھے۔ حمدان قرمط ۲۶۴ھ یا ۲۷۸ھ میں ظاہر ہوا تھا۔ چونکہ باطنیہ کی طرح قرمطی مناد بھی اپنے مذہب کی نہایت سرگرمی سے اشاعت کرتے رہتے تھے اس لئے یہ مذہب دور دور تک پھیل گیا یہاں تک کہ قریباً سوا سو سال کے بعد ہندوستان میں سندھ اور ملتان نے بھی قرمطی اثر قبول کر لیا تھا۔ تواریخ ہند کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی ملتان پر لشکر کشی کرنے کے لئے غزنی سے ہندوستان آیا تھا۔ ابو الفتح قرمطی کے اوسان خطا ہوئے۔ نہایت عجز و زاری کے ساتھ کہلا بھیجا کہ میں قرمطی مسلک سے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ ہر سال بیس ہزار درم سرخ بطور خراج بارگاہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا اور الحاد و زندقہ سے احتراز و اجتناب کر کے اپنی قلمرو میں احکام شرع جاری کر دوں گا۔ سلطان نے اس درخواست کو منظور کیا۔ اور سات روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر غزنی کی طرف مراجعت کی۔ مگر ابو الفتح کی یہ پیش کش محض دفع الوقتی پر مبنی تھی۔ سلطان کی مراجعت

کے بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اس لئے سلطان ۴۰۱ھ میں دوبارہ ملتان آیا اور قرمطی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا بہت سے قرامطہ و ملاحدہ تہ تیغ ہوئے ابوالفتح کو اس کی بد عہدی کی پاداش میں گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ حالتِ حبس ہی میں بارِ حیات سے سبکدوش ہو گیا۔ سلطان کے جانشین مدت مدید تک ملتان پر حکومت کرتے رہے لیکن جب دولت غزنویہ میں زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تو قرامطہ پھر ملتان پر چڑھ دوڑے اور وہاں از سرِ نو عمل و دخل کر لیا۔ آخر سلطان معز الدین محمد سام نے انھیں منہزم کر کے علاقہ ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

ہندوستان میں بمبئی، دکن اور گجرات کے بوہرے انہی قرامطہ کی یادگار ہیں جو ایران اور عراق سے سندھ اور ملتان میں آئے اور ان میں بعض حکمران بھی رہے اور گو ان کے اسلاف کے خیالات میں اور اسمٰعیلی عقاید میں بُعد المشرقین تھا تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسماعیلی مذہب کی طرف مائل ہوتے گئے۔ چنانچہ آج کل ان لوگوں نے راسخ الاعتقاد اسماعیلیوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

ابوسعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی

۲۸۱ھ میں ایک شخص یحییٰ بن مہدی نام قطیف مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلی بن حمدان کے مکان میں فروکش ہوا اور بیان کیا کہ مجھے حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام نے اپنا ایلچی مقرر کر کے روانہ فرمایا ہے اور عنقریب وہ بھی خروج کیا چاہتے ہیں۔ مورخوں نے نہیں بتایا کہ یہ کس خانہ ساز مہدی کا داعی تھا لیکن اغلب یہ ہے کہ عبید اللہ کا پیامبر ہو گا۔ کیونکہ ان ایام میں اسماعیلی دعاۃ نے عبید اللہ کے حق میں نہایت زبردست پروپگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔

یحییٰ کا میزبان علی بن معلی نہایت غالی شیعہ تھا۔ اس نے شیعان قطیف کو جمع کر کے مہدی کا خط جس کو یحییٰ نے پیش کیا تھا پڑھ کر سنایا تاکہ مضافات بحرین میں اس خبر کی شہرت ہو جائے ہم اہل سنت و جماعت بھی حضرت محمد بن عبد اللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے متوقع ہیں۔ لیکن روایات

صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ایسے دورِ آشوب میں ہوگا
کہ قیامت کی علامات قریبہ کا ظہور شروع ہو چکا ہوگا۔ اس کے برخلاف شیعہ لوگ
ہر زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے کوکبہ جلال کے منتظر رہے ہیں چنانچہ آجکل
بھی وہ رات دن حضرت مہدی علیہ السلام کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا
کرتے ہیں۔ شیعانِ قطیف نے خانہ ساز مہدی کے خط کو نہایت خلوص اور اطاعت
شعاری کے ساتھ سنا اور سب نے حلف اٹھایا کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام
ظہور فرما ہوں گے ہم ان کے ہمراہ رکاب اعدا سے لڑیں گے۔ ان شیعانِ قطیف
کا سرگروہ ابوسعید جنابی تھا جو خروج کے لئے بپھر رہا تھا۔ یحییٰ اس واقعہ کے
بعد تھوڑے دن کے لئے غائب ہوگیا۔ دوسری مرتبہ کہیں سے ایک خط لے آیا۔
جس میں فرضی مہدی کی طرف سے اہل قطیف کی اطاعت پذیری اور اقرار رفاقت
کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہر شیعہ چھتیس چھتیس دینار (قریباً ایک سو اسی روپیہ)
یحییٰ کی نذر کرے"۔ بوالعجبی دیکھو کہ شیعانِ قطیف نے اس حکم کی بطیب خاطر تعمیل کی
اور جس کسی کو اتنا زرِ نقد میسر نہ تھا اس نے قرض دام کر کے جس طرح بھی بن پڑا اس
مطالبہ کو پورا کیا۔ یحییٰ ہزارہا روپیہ وصول کر کے پھر غائب ہوگیا۔ چند روز کے بعد
تیسرا خط لایا جس کا یہ مضمون تھا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مال کا خمس (پانچواں حصہ)
امام الزمان کے لئے یحییٰ کے حوالے کرے۔ شیعانِ قطیف کی خوش اعتقادی اور
مذہبی حمیت دیکھو کہ انھوں نے اس خواہش کا بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال
مستعدی سے خیر مقدم کیا۔[1]

حصولِ جمعیت کے بعد ابوسعید کا جذبہ خروج جو بہت دن سے عمّالِ خلافت
کے خلاف عربدہ جوئی کے لئے بپھر رہا تھا۔ کسی ہنگامہ خیزی کے بغیر کسی طرح تسکین
نہیں پا سکتا تھا۔ اس لئے وہ خروج مہدی علیہ السلام کی طرف سے خالی الذہن ہو کر
خود ہی ۲۸۶ھ میں دعوائے مہدویت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا پہلے قرب و جوار کے
قصبات و دیہات کو تاراج کیا پھر بہ عزم تسخیر بصرہ کی طرف عنان عزیمت موڑ دی
احمد بن محمد بن یحییٰ واثقی والیٔ بصرہ نے دربار خلافت میں اس قضیہ کی اطلاع کی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۲-۱۶۳۔

خلیفہ معتضد باللہ نے محافظت بصرہ کے خیال سے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا جس کی تعمیر پر چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔ جس وقت ابوسعید ۲۸۷ھ میں بصرہ کے قریب پہونچا۔ بغداد سے بھی عباس بن عمر غنوی عامل بن فارس دو ہزار سوار لئے ہوئے بصرہ کی مدافعت کو آپہونچا۔ سواروں کے علاوہ متطوعہ یعنی رضاکار پیادوں اور غلاموں کا بھی جم غفیر تھا۔ بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ابوسعید سے تصادم ہوگیا جس میں ابوسعید کو فتح ہوئی اور عباس غنوی گرفتار ہوگیا۔ ابوسعید کی فوج نے شاہی لشکر گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ لیا اور جس قدر مبارز ہاتھ آسکے قید کر لیے۔ اب ابوسعید نے سیکڑوں من لکڑی جمع کرائی اور اس کو آگ لگادی۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اس کی فوج ایک ایک مسلمان قیدی کو اٹھا اٹھا کر زندہ آگ میں جھونکتی گئی۔ یہاں تک کہ تمام قیدی دنیاوی آگ میں جل کر باغ جنان کو چلے گئے۔ ابوسعید نے اس جنگ سے فراغت پاکر ہجر کا عزم کیا اور بلامزاحمت وہاں قبضہ کر لیا[1]

ابوسعید بڑے بڑے دعووں کے باوجود بڑا زندیق تھا۔ گو قرمطی مشہور تھا لیکن قرامطہ کے مسلک کے خلاف باطنی طریقہ کا دلدادہ تھا۔ کہتا تھا کہ حشر ونشر اور معاد و حساب کے سارے قصے فضول اور من گھڑت ہیں اور جو شخص کسی کو صوم و صلوٰۃ وغیرہ ظاہری اعمال کی ترغیب دے اس کا قتل کرنا واجب ہے[2] یہ شخص انتہا درجہ کا سفاک تھا۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو جرعہ شہادت پلایا۔ بہت سی مسجد منہدم کی۔ سیکڑوں مصاحف مقدس نذر آتش کئے۔ اور بے شمار عازمانِ حج کے قافلے لوٹے ان تمام سفاکیوں کے باوجود وحی آسمانی کا مدعی تھا جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے ابھی ابھی فتح وظفر کا وعدہ دیا گیا ہے[3]

۳۰۱ھ میں ابوسعید اپنے خادم صقلبی کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا اس کا کام تمام کر کے خادم ایک رئیس کبیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ چلئے میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے وہ آیا تو اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ پھر ایک اور قرمطی رئیس کے پاس گیا اور کہنے لگا

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۴ [2] تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۵ و کتاب المختار الجوبری [3] تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۴۹۔

کہ میرے سردار نے آپ کو طلب فرمایا ہے وہ آیا تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دو اور سر برآوردہ قرمطیوں کو موت کے گھاٹ اتار ان کی جان ستانی کے بعد پانچویں کے پاس جا کر اس کو بہ غرض قتل بلا لایا۔ لیکن وہ آتے ہی صورت حالات کو بھانپ گیا اور تقلبی کا ہاتھ پکڑ کر چیخنے چلانے لگا۔ تقلبی اور اس پانچویں شخص میں تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر لوگوں نے آکر صقلبی کی گردن مار دی ابوسعید نے اپنے بڑے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد بنا رکھا تھا لیکن اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں ان دنوں کوئی دم خم باقی نہ تھا۔ خلیفہ بغداد میں اتنی سکت نہ تھی کہ اسے مغلوب و مقہور کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑا لے ناچار قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجنے پر اکتفا کیا۔ جب قاصد ہجر سے لوٹ کر بصرہ پہونچے تو انھیں معلوم ہوا کہ ابوسعید مارا گیا ہے اور اس کا بیٹا ابو طاہر اس کا جانشین ہوا ہے قاصدوں نے بغداد آکر خلیفہ کو اپنی ناکامی سفارت کی اطلاع دی۔ خلیفہ نے کہا کہ اب تم ابو طاہر کے پاس خط لے جاؤ۔ چنانچہ قاصد دوبارہ ہجر گئے۔ ابو طاہر نے قاصدوں کا اعزاز و اکرام کیا۔ قیدیوں کو رہا کر کے بغداد بھیج دیا اور خط کا بھی جواب لکھ بھیجا[1]

ابوسعید جنابی کے مرنے کے بعد اس کے پیرووں نے اس کی قبر پر بڑا گنبد تعمیر کر کے اس پر گچ کا ایک پرندہ بنایا اور مشہور کیا کہ جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تو ابوسعید اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ ان گم کردگان راہ نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا اور خلعت کپڑے اور ہتھیار رکھے ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص مر جائے اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا جائے تو وہ جب کبھی اٹھے گا سوار ہوگا۔ اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا ہوگا تو پیادہ ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ابوسعید کے پیرووں کے دلوں میں اس کی اتنی وقعت تھی کہ جب ان کے سامنے اس کا نام لیا جاتا تو اس پر درود بھیجتے لیکن حضرت سید الاولین والآخرین علیہ التحیہ والسلام کا ذکر مبارک آتا تو درود نہ بھیجتے اور کہتے کہ جب ہم رزق ابوسعید کا کھاتے ہیں تو ابو القاسم

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ صہ ۲۸۔

(سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیوں درود بھیجیں [1]

زکرویہ بن ماہرو قرمطی

زکرویہ بن ماہرو قرمط کا ایک داعی تھا۔ حامل وحی اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ایلچی ہونے کا مدعی تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میری سواری کا ناقہ مامور ہے جو شخص اس کے ہمراہ ہو گا وہ ہمیشہ فتح یاب ہو گا۔ یہ شخص اس امر کا احساس کر کے کہ قرامطہ کے نیست و نابود کر دینے کی کوشش میں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے فوجوں پر فوجیں سواد کوفہ کی طرف بھیجی جا رہی ہیں دفاع کے لئے کھڑا ہوا پہلے بنو اسد اور طے کے بادیہ نشینوں کے پاس گیا اور قرمطی مذہب کے نشر و توزیع کی کوشش کی ان لوگوں نے اس تحریک کو نفرت و استکراہ کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب اس نے اپنے بیٹوں کو قبیلہ کلب بن وبرہ میں بھیجا انھوں نے بھی انکار کیا۔ البتہ اس قبیلہ کی ایک شاخ جسے تلیص بن ضمضم بن عدی کہتے تھے اس مذہب کی طرف مائل ہو گئی ہے اور زکرویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔ خلیفہ معتضد عباسی کا غلام شبل نام رصافہ کی جانب سے زکرویہ پر حملہ آور ہوا لیکن زکرویہ فتحیاب ہوا۔ اور شبل شہید ہو گیا۔ اب خلافت مآب کی طرف سے احمد بن محمد طائی کے غلام نے کہ اس کا نام بھی شبل تھا فوج کشی کی۔ زکرویہ نے اس کے مقابلہ میں اپنے ایک فوجی سردار ابو الفوارس خلف بن عثمان کی فوج دے کر روانہ کیا۔ شبل کو فتح نصیب ہوئی اور ابو الفوارس گرفتار ہو گیا۔ شبل نے اسے بغداد لا کر دربار خلافت میں پیش کیا۔

خلیفہ معتضد نے ابو الفوارس سے پوچھا "کیا تم لوگوں کا واقعی یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کی روحیں تمھارے جسموں میں حلول کر گئی ہیں۔ جبکی وجہ سے تم لوگ اپنے تئیں گناہوں اور لغزشوں سے معصوم سمجھتے ہو؟" ابو الفوارس نے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا؟ "اگر ہم میں روح اللہ نے حلول کیا ہے تو اس میں تمھارا کیا نقصان ہے اور اگر روح ابلیس حلول کر گئی ہے تو اس سے تمھیں کیا فائدہ؟

---

[1] تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۴۹۔

اس کے بعد بولا اس لغو بیانی کو چھوڑ دو اور کوئی ایسی بات کرو جو فائدہ بخش اور نتیجہ خیز ہو۔" خلیفہ معتضد نے کہا کہ " اچھا تم ہی ان باتوں کو چھیڑ دو۔ جن سے فائدہ اور نفع کی امید ہو۔" کہنے لگا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو تمھارے مورثِ اعلیٰ عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) بقید حیات موجود تھے۔ مگر نہ تو خود خلافت کے مدعی ہوئے اور نہ لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) نے وفات پائی تو عمر (رضی اللہ عنہ) کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس وقت بھی عباس (رضی اللہ عنہ) زندہ تھے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے پیش نظر تھے مگر عمر (رضی اللہ عنہ) نے نہ تو عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا ولیعہد بنایا اور نہ انھیں ارباب حل وعقد کی جماعت میں جو چھ افراد پر مشتمل تھی داخل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمھارا مورثِ اعلیٰ امر خلافت کا مستحق نہ تھا یا کم از کم ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے تمھارے مورث کو اس مہتم بالشان ذمہ داری کا اہل نہ سمجھا۔ پھر حیرت ہے کہ تم لوگ کس استحقاق سے مدعی خلافت ہو اور خلیفہ بنے بیٹھے ہو۔" خلیفہ معتضد سے اس اعتراض کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جھلا اٹھا اور حکم دیا کہ اس کی کھال کھینچ کر جوڑ الگ الگ کر دو۔" اس فرمان کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس بدنصیب نے آناً فاناً زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔[1]

خلافت راشدہ کے بعد جس قدر سلطنتیں بھی اسلامی حکومتوں کے نام سے عرصۂ شہود میں جلوہ گر ہوئیں ان میں کوئی حکومت من حیث المجموع عدل وانصاف، خدمت ملی، اعلاء کلمۃ اللہ، نفاذِ شریعتِ مصطفوی (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) خدمتِ حرمین شریفین، علم نوازی اور معارف پروری میں خلافت بنو امیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خصوصاً قرامطہ باطنیہ اور بنو عبید تو اپنے بدعات وکفریات کی وجہ سے قطعاً اس قابل نہ تھے کہ ان کی حکومتوں کو اسلامی حکومت قرار دیا جا سکے چہ جائیکہ ان کا کوئی فرمانروا خلیفۃ المسلمین ہو سکتا۔ اگر حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے جناب عباس (رضی اللہ عنہ) کو بعض دوسرے جلیل القدر صائب الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ارباب شوریٰ میں داخل نہ کیا یا ان کے لئے خلافت

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۸ - ۱۶۹، ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۵۱۔

کی وصیت نہ کی تو یہ ان کے نااہل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آئندہ چل کر ان کی اولاد بھی اس صلاحیت سے عاری ہو گئی بنو عباس کے اخذِ بیعت کے وقت مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جن میں آلِ عباس سے بڑھ کر یا کم از کم ان کے برابر ہی شرائط خلافت پائے جاتے ہوں۔ پس خلفائے بنو عباس ہی عالم اسلام کے جائز اور صحیح خلفاء تھے۔ اور یہ مسئلہ فرقۂ حقہ اہلِ سنت وجماعت اور شیعوں میں مختلف فیہ ہے کہ خلافت منصوص چیز ہے یا اس کا مدار مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر ہے؟ ہم لوگ مجلس شوریٰ کے فیصلہ یا مسلمانوں کے اتفاق رائے یا قوم کی اطاعت پذیری کو اس کا مدار علیہ ٹھہراتے ہیں۔ اور شیعہ اسے منصوص سمجھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے فرمایا کہ اپنے والد (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ) اور بھائی (جناب عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضؓ) کو میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں تمہارے والد کے لئے ایک دستاویز لکھ دوں۔ مبادا کل کو کوئی اور شخص (خلافت کی) آرزو کرنے لگے یا اپنا استحقاق ظاہر کرے۔ حالانکہ ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے سوا کوئی دوسرا شخص مستحق خلافت نہ ہوگا۔" پھر حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر اس عزیمت کو فسخ فرما دیا کہ خداوند عالم (حضرت) ابوبکر (صدیق رضؓ) کے سوا دوسروں کی خلافت سے انکار کرے گا پسند نہ فرمائے گا اور مومن بھی اس کو مسترد کر دیں گے[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر رضؓ کو اپنے روبرو منصب خلافت تفویض فرمانا چاہتے تھے لیکن چونکہ آپ انتخاب امامت و امارت کا ایک مستقل اصول و آئین قائم کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے وصیت یا دستاویز کو غیر ضروری خیال فرمایا۔ اور بوالعجبی دیکھو کہ شیعہ لوگ خلافت و امامت کو منصوص خیال کرتے ہیں حالانکہ خود امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کی حقیقت پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی کہ حضرات مہاجرین و انصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ان کو خلیفہ منتخب کیا۔ چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد رضی نے کتاب

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر رضؓ۔

"نہج البلاغہ" میں امیر معاویہ رضؓ کے نام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ ذیل چٹھی درج کی ہے۔

اما بعد فان بیعتی یا معاویہ لزمتک وانت بالشام فانہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمرؓ و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان للہ رضیً فان خرج منھم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الی ما خرج منہ فان ابیٰ قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین و ولاہ اللہ ما تولیٰ واصلیہ جھنم وساءت مصیرا۔[1]

اے معاویہؓ! ملک شام میں میری بیعت تم پر لازم ہوگئی کیوں کہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے کی تھی۔ پس نہ تو حاضر کو اپنی مرضی پر چلنے کا اختیار رہا اور نہ غائب کے لئے مسترد کرنے کی گنجائش رہی بلاشبہ شوریٰ مہاجرین و انصار کا معتبر ہے پس اگر یہ حضرات کسی شخص پر جمع ہو جائیں اور اس کو امام بنالیں تو خدا کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ان سے بسبب کسی طعن یا بدعت کے علٰحدگی اختیار کرے تو اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ قبول نہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے کیونکہ اس نے مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حق تعالیٰ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کو دوزخ میں ڈالے گا جو بُری جگہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو بھی مسلمان اپنا امیر بنالیں یا قوم اس کی اطاعت کرے وہی عند اللہ جائز امام المسلمین ہوتا ہے۔ شیعہ لوگ امیر المومنین علیؓ کے متذکرہ صدر مکتوب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ "یہ الزامی دلیل ہے" مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما الخ کو الزام سے کوئی تعلق نہیں۔

زکرویہ کے قرمطی پیرو سواد کوفہ میں شبل سے شکست کھا کر ۲۹۰ھ میں شام کی طرف بھاگ گئے اور دمشق میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ان ایام میں دمشق کی عنان حکومت احمد بن طولون کے غلام طغج کے ہاتھ میں تھی۔ قرامطہ سے اس کی کئی دفعہ معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن اسے ہر مرتبہ ہزیمت ہوئی۔ آخر طغج نے اپنے آقا احمد بن طولون والئ مصر سے امداد طلب کی چنانچہ مصری سپاہ اس کی امداد کو پہونچی۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۹۹۔

میدان مبارزت از سر نو گرم ہوا۔ زکرویہ کا بیٹا یحیٰی مارا گیا اور بقیۃ السیف نے اس کے بھائی حسین بن زکرویہ کے پاس جا پناہ لی۔ علی بن زکرویہ اپنے بھائی یحیٰی کے مارے جانے کے بعد فرات کی جانب بھاگ گیا تھا۔ قرامطہ کی منتشر جماعت اس کے پاس جمع ہونے لگی۔ جب قرامطہ کی جمعیت بڑھی تو علی نے طبریہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور پہونچتے ہی اسے لوٹ لیا۔ حسین بن حمدان سپہ سالار افواج بغداد نے یہ خبر پاکر علی کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ علی یمن کو بھاگ گیا۔ اور وہیں اپنے دعاۃ اور ہوا خواہوں کو جمع کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یمن کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا آخر صنعا کی جانب بڑھا جو یمن کا صدر مقام ہے۔ والیٔ صنعا، شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا علی نے شہر کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کے اثنار میں زکرویہ نے بنی قلیص کے پاس جنھوں نے سماوا میں مدت سے بود و باش اختیار کر لی تھی عبداللہ بن سعید موسوم ابوغانم کو خط دے کر بھیجا جس میں لکھا تھا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ صاحب الشامہ حسین موسوم بہ احمد اور اس کا بھائی یحیٰی موسوم بہ شیخ بہت جلد پھر آنے والے ہیں بعد ازاں امامِ زمان ظاہر ہوں گے۔ اور تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے"۔ چنانچہ ابوغانم نے قبیلہ کلب میں پہونچ کر ان خیالات کی اشاعت کی اور ان لوگوں کو مذہبی سپاہی بنا کر شام کا رخ کیا۔ بلاد شام کو پامال کرتا ہوا دمشق پر جا پڑا۔ مگر اہلِ دمشق نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد اردن پر جا چڑھا۔ والیٔ اردن مارا گیا اور یہ مظفر و منصور طبریہ کی طرف بڑھا اسے بھی خوب لوٹا۔ دربار خلافت میں ان واقعات کی خبر پہونچی تو خلیفہ مکتفی نے ایک لشکر جرار حسین بن حمدان کی سرکردگی میں بغداد سے روانہ کیا۔ ابوغانم یہ خبر پاکر سماوا کی طرف بھاگا۔ شاہی فوج نے تعاقب کیا۔ ہزارہا قرمطی شدت تشنگی سے ہلاک ہوئے۔ غرض خلیفہ کے سپہ سالار نے ۲۹۳ھ میں اسے قتل کر ڈالا جس سے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی۔

ان واقعات کے بعد قرمطی جمع ہو کر دریہ نام ایک موضع میں گئے جہاں زکرویہ کئی سال سے بخوف جان چھپا ہوا تھا۔ اطراف و جوانب کے مناد بھی جو اس کے مذہب کی تعلیم و تلقین کرتے پھرتے تھے آ آ کر اس کے پاس جمع ہو گئے زکرویہ نے ان پر اپنی طرف سے قاسم بن احمد کو بحیثیت نائب مقرر کیا اور انھیں اپنے حقوق و فرائض جتلائے جو ان پر واجب تھے اور یہ بھی ہدایت کی کہ ان کی دینی و دنیوی فلاح

اسی میں ہے کہ وہ اپنے امیر کے دائرۂ اطاعت سے ذرا بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ خلیفہ مکتفی نے ان کی سرکوبی کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ لیکن قرامطہ نے انھیں سوادِ کوفہ میں پسپا کر دیا اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا اس کے بعد زکرویہ حاجیوں کا قافلہ لوٹنے کو بڑھا حلوان کو تاخت وتاراج کرتا ہوا واقصہ کو جا گھیرا۔ وہاں والوں نے قلعہ بندی کر لی۔ قرامطہ نے مضافات کے چشموں اور کنوؤں کا پانی خراب کر دیا۔ جب دربار خلافت میں یہ خبریں پہونچیں تو خلیفہ مکتفی نے محمد بن اسحاق کے زیر قیادت قرامطہ کے استیصال کے لیے فوج روانہ کی۔ مگر یہ فوج قرامطہ کو کہیں نہ پاسکی اس لیے بے نیل مرام واپس آ گئی۔ اب زکرویہ نے حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ حجاج نے باوجودیکہ تین دن کے بھوکے پیاسے تھے پامردی سے مقابلہ کیا۔ مگر قرامطہ کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکے امان کے خواستگار ہوئے۔ زکرویہ نے پہلے تو جان بخشی کا وعدہ کرکے ان کے مال واسباب کو لوٹا۔ لیکن پھر بدعہدی کرکے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ ان حاجیوں کے مال واسباب کے ساتھ سوداگروں اور بنی طولون کے قیمتی اسباب بھی تھے۔ جن کو بنی طولون نے مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ کر دیا تھا اور مکہ سے بغداد بھیج رہے تھے اس کے بعد زکرویہ نے بقیۃ السیف حجاج کو حمص میں جا گھیرا۔ ہزارہا بے گناہ حجاج شہید ہوئے۔

خلیفہ مکتفی نے ایک فوج گراں وصیف بن صوار تکین کے زیر قیادت روانہ کی۔ اس فوج میں نامی گرامی سپہ سالار بھیجے گئے تھے۔ یہ فوج خفان کی راہ سے روانہ ہو کر قرامطہ تک پہونچی۔ دو روزہ جنگ کے بعد قرامطی شکست کھا گئے۔ زکرویہ کے سر پر زخم کاری لگا جس کی وجہ سے وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اور گرفتار ہو کر لشکر گاہ میں لایا گیا۔ اس کے بعد اس کا نائب قاسم بن احمد اس کا بیٹا اور اس کا معتمد سب گرفتار ہوگئے۔ زکرویہ زخموں سے جانبر نہ ہوا چھٹے روز مر گیا۔ وصیف نے اسکی نعش کو بشارت نامۂ فتح کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ خلافت مآب کے حکم سے نعش تو صلیب پر چڑھائی گئی اور سر کاٹ کر خراسان کے ان حاجیوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جنھیں اس نے لوٹا اور قتل کیا تھا۔ اس واقعہ سے قرامطہ کا بل زور ٹوٹ گیا۔ بقیۃ السیف شام کی طرف بھاگے۔ حسین بن حمدان کو اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان جان باختوں پر یورش کی اور ان کو خوب تہ تیغ کیا اب تمام شام وعراق میں ان کے

قتل واستہلاک کا بازار گرم ہو گیا۔[1]

حسین بن زکرویہ معروف بہ صاحب الشامہ

زکرویہ کا بیٹا حسین اپنی باطنی لحاظ دلبندیوں کے باوجود مہدویت کا مدعی تھا۔ اس نے اپنے تئیں احمد کے نام سے موسوم کر کے اپنی کنیت ابوالعباس رکھی تھی۔ بادیہ نشینوں کے اکثر قبائل تے اس کو مہدی موعود یقین کرتے ہوئے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے چہرہ پر ایک تل تھا جس کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہ حق تعالیٰ کی ایک نشانی ہے۔ اسی تل کی بنا پر صاحب الشامہ کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ شخص اپنے تئیں مہدی امیرالمؤمنین کے لقب سے ملقب کرتا تھا۔ تھوڑے دنوں میں اس کا عم زاد بھائی عیسٰی بن مہدی اس کے پاس آیا اس نے اس کو مدثر کا لقب دیا اور بتایا کہ تم ہی وہ مدثر ہو جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اس نے عیسٰی کو اپنا ولیعہد بنایا حسین نے اپنے خاندان کے ایک لڑکے کو مطوق کا لقب دیا تھا۔ غرض کچھ عرصہ تک خاموشی کے ساتھ اپنے پیرووں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہا اس کے بعد ان کو مرتب و مسلح کر کے دمشق پر چڑھ دوڑا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دمشق عرصہ تک محصور رہا۔ آخر اہل دمشق نے تنگ آ کر کچھ زر نقد پیش کیا اور مصالحت کر لی۔ یہاں سے فارغ ہو کر حمص کا رخ کیا اور اس کو تسخیر کر کے منبروں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ پھر حماۃ اور معرۃ النعمان پر فوج کشی کی۔ ان مقامات پر قتل و نہب کا بازار گرم کیا اور اپنی شقاوت پسندی سے عورتوں اور بچوں تک سے درگذر نہ کیا۔ یہاں سے بعلبک کی طرف عنان توجہ موڑ دی۔ وہاں پہونچ کر قتل عام کا حکم دے دیا بعلبک میں یہ قیامت برابر اس وقت تک برپا رہی جب تک معدودے چند آدمیوں کے سوا شہر کی تمام آبادی بے نام و نشان نہ ہو گئی۔ یہاں سے سلمیہ کی طرف گیا۔ اہل شہر نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لیے۔ ان کو دم دلاسہ دے کر اور امان کا وعدہ کر کے اطاعت پر آمادہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ اس سیاہ دل نے شہر میں داخل ہوتے ہی عہد امان کو بالائے طاق رکھ دیا اور بعلبک کی طرح یہاں

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷، صہ ۱۷۹ - ۱۸۱ -

بھی قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ مکتبوں کے صغیر سن بچے اور چوپائے بھی اس کی تیغ جفا سے نہ بچ سکے۔ اس کے بعد سلمیہ کے دیہات کا رخ کیا۔ اور بادیہ نشینوں کو قتل کرتا اور قیدی بناتا پھرا۔ آخر ۲۹۱ھ میں خلیفہ مکتفی عباسی نے بہ نفس نفیس لشکر آراستہ کر کے اس کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ یہ اس وقت حماۃ کے باہر ایک میدان میں پڑا تھا۔ خلیفہ نے اپنی فوج کے ہراول کو بڑھنے کا حکم دیا۔ حماۃ کے باہر طرفین کی فوج صف آرا ہوئی۔ سخت جدال و قتال کے بعد حسین کو ہزیمت ہوئی۔ سیکڑوں ہزاروں قرمطی مارے گئے اور بقیۃ السیف حلب کی طرف بھاگے۔ خلیفہ نے ابن طولون کے آزاد غلام بدر کو قرامطہ کے تعاقب میں روانہ کیا بدر منزل بہ منزل ان کو شکست دیتا جاتا تھا۔ اور منہزمین کمال بے سرو سامانی کے ساتھ گیدڑوں کی طرح بھاگے چلے جاتے تھے۔ اس اثنا میں خلیفۃ المسلمین نے ایک اور فوج قرامطہ کے تعاقب اور سرکوبی کو روانہ کی یحییٰ بن سلیمان اس فوج کا قائد تھا۔ یحییٰ نے کاٹتے چھانٹتے ان کا بری طرح صفایا کیا۔ حسین بخوفِ جان مضافات کوفہ میں روپوش ہو گیا۔ مدثر اور مطوق بھی اس کے ساتھ تھے۔ آخر حسین بہ تبدیل ہیئت رحبہ پہونچا۔ جاسوسوں نے جو سایہ کی طرح ساتھ لگے تھے والئ رحبہ کو اس کی آمد کی اطلاع دی۔ حاکم رحبہ نے ان کو گرفتار کر کے خلیفۃ المسلمین کے پاس برقہ بھیج دیا۔ خلیفہ نے حسین صاحب شامہ کو پہلے دو سو دُرّے لگوائے اس کے بعد صلیب پر چڑھا دیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی عفریت شمشیر کے حوالے کر دئے گئے۔ خلیفہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر ظفر پیکر کے ساتھ بغداد کو مراجعت کی۔[۱]

عبید اللہ مہدی

عبید اللہ کی جائے ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہی مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کا مورثِ اعلیٰ ہے جسے "مہدیہ"، "علویہ" "فاطمیہ" اور "اسماعیلیہ" بھی کہتے ہیں۔ عبید اللہ اپنے تئیں ہاشمی کہتا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد بتاتا تھا۔ لیکن اکثر مؤرخوں نے اس کے

---

[۱] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷، ص ۱۷۲ - ۱۷۳۔

فاطمی ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کے نسب پر طعن کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا بیٹا تھا۔ اور میمون اہوازی مجوسی تھا۔ عبید اللہ نے جب ملک مغرب میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو علمائے نسب میں سے کسی نے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا۔ البتہ جہلار نے اس کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کر دیا تھا اس لئے وہ قرشی مشہور ہو گیا۔
کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنو عبید کا پانچواں حکمران عزیز باللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے دیکھے جن کا ترجمہ یہ ہے "میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتویں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دست تصرف بھی ان سے قاصر رہا۔"
اسی عزیز نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس (اسپین) کے اموی خلیفہ کے نام مشتمل بہجو دشنام لکھا۔ شاہ اسپین نے اس کے جواب میں ارقام فرمایا: "حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا تو تو نے ہماری توہین اور دشنام دہی پر قدرت پائی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری طرح ہم بھی طعن و تشنیع کر سکتے۔" اس میں یہ تلمیح تھی کہ "تو ایک گمنام خاندان کا آدمی ہے۔" عزیز کو یہ جواب سخت شاق گزرا لیکن خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ ابن طبا طبا علوی نے عبیداللہ سے اس کا حسب و نسب پوچھا تو اس نے اپنی نصف تلوار میان سے کھینچ کر کہا کہ یہ میرا نسب ہے اور کچھ اشرفیاں امراء اور حاضرین دربار کی طرف پھینک کر کہا کہ یہ میرا حسب ہے۔ یہ روایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔ لیکن ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں عبیداللہ کے علوی النسب ہونے کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر عبیداللہ اور اس کے جانشین ملحد اور شیعہ غالی تھے تو یہ تشیع و الحاد ان کے صحیح النسب ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا اور نہ حالتِ کفر و الحاد میں کسی کا ذریہ رسول ہونا اس کو کچھ نفع دے سکتا ہے۔

عبیداللہ نے ۲۷۰ھ میں مہدویت کا دعویٰ کر کے اپنے تابعین کا نام مہدویہ رکھا۔ ۲۸۰ھ میں اس نے حج کیا۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ اس کی مہدویت پر ایمان لا کر اس کے ساتھ ہو لئے اور اس کے ساتھ ملک مغرب میں چلے گئے۔ اس کے پیرو

عبید اللہ کے مہدی موعود ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علیٰ راس ثلثمائۃ تطلع الشمس من مغربہا (سنہ ۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا) اور کہتے تھے کہ اس حدیث میں آفتاب سے عبید اللہ مہدی کی ذات اور مغرب سے ملک مغرب مراد ہے[1]۔ حالانکہ یہ روایت قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور ملحدانہ ہے۔ اسمٰعیلیہ تو بنائے اسلام کے منہدم کرنے والے تھے۔ عبید اللہ اپنے دعوائے مہدویت پر باون سال یعنی سنہ ۲۷۰ھ سے اپنی وفات یعنی سنہ ۳۲۲ھ تک قائم رہا اور اس نے ۲۴ سال ایک مہینہ بیس دن حکومت کی۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اس کے دعوائے مہدویت کی مدت ۲۴ سال ایک مہینہ اور بیس روز لکھی ہے لیکن فی الحقیقت یہ مدت اس کی حکمرانی کی ہے سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ عبید اللہ نے سنہ ۲۷۰ھ میں دعوائے مہدویت کیا ہے اس حساب سے اس کی میعاد دعوی تقریباً باون سال ہوتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ بہ ظاہر سمٰعیلی تھے ان کے عہد حکومت میں مصر کے اندر اسمٰعیلی مذہب عام طور پر پھیل گیا۔ قاضی مفتی سب اسماعیلی ہوتے تھے جو کوئی اس مذہب کے خلاف عمل کرتا اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ عبید اللہ صحابہ کرام اور ازواج طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمیشہ ہجو کرتا دوسرے روافض کی طرح اس کا بھی مقولہ تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سوائے پانچ صحابیوں حضرت علی مرتضیٰ حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے۔" حالانکہ دشمنان اہل بیت اطہار یعنی نواصب و خوارج (معاذ اللہ) ارتداد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی غلاظت جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں اچھالتے ہیں۔ افسوس رافضی خارجی اور ناصبی حرمان نصیب ان اخیار امت کے خلاف زبان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں جن کے لئے امتِ مابعد کو اس ارشاد خداوندی میں دعا و استغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

---

[1] دبستان مذاہب صہ ۲۸۶۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	وہ لوگ جو سابقین امت کے بعد عرصۂ شہود میں آئے وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان اخوان ملت کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے خلاف غبار کدورت اور جذبۂ عناد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! تو بڑا شفیق اور رحیم ہے۔

(۵۹ : ۱۰)

لیکن یہ اعدائے دین تحیۂ دعاو استغفار کی جگہ گالیوں کا "تحفہ" بھیجتے ہیں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس دشنام دہی کو اپنی حماقت سے عبادت و طاعت خیال کر رکھا ہے ؎

دشنام بمذہب کہ طاعت باشد مذہب معلوم و اہلِ مذہب معلوم

چونکہ علمائے اہلِ سنت و جماعت عبیداللہ اور اس کے اخلاف کے دجالی دعووں کی تردید کرتے تھے، اس لئے حاملین شریعت کی جانوں کے لالے پڑے رہتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ عبیداللہ اور اس کے جانشینوں نے بے شمار علماء و صلحاء کو محض اس "جرم" میں جرعۂ شہادت پلادیا کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن و عقیدت رکھتے تھے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کا خاندان اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مضرت رساں ثابت ہوا۔ حسب بیان قاضی عیاضؒ ابو محمد قیروانی مالکیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص شاہانِ مصر کے عقائد اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان کے عقائد اختیار کرلے یا قتل ہوجائے؟ انھوں نے جواب دیا کہ قتل کو ترجیح دے کیونکہ اس میں حیات ابدی ہے اور ان کے عقاید اختیار نہ کرے کیونکہ اس میں ہلاک و خسران سرمدی ہے اور فرمایا کہ اگر شروع میں ان کے عقائد معلوم نہ ہوں تو انسان معذور ہے۔ لیکن ان کا علم ہوجانے پر ان کے ملک سے بھاگ جانا لابد و ضرور ہے اگر کوئی شخص وہیں رہ پڑا تو پھر خوف و اکراہ کا عذر قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ کیونکہ جہاں شریعت غرا کی توہین کی جائے وہاں قیام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

بنو عبیدہ کے بعض دوسرے عقائد یہ تھے کہ ہر مرد کو اٹھارہ اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے وہ اس آیہ سے تمسک کرتے تھے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمھیں مرغوب ہوں۔ دو دو تین تین چار چار تک۔"

(۴ : ۳) غرض انھوں نے جمہور امت کے خلاف سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں

سے نکاح جائز کر لیا تھا۔ عبیدیوں میں سے بعض کا قول تھا کہ امام حکومت و ولایت کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ گو اس سے پیشتر معصوم نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس سے پیشتر بھی معصوم ہوتا ہے۔ عبیدیوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ امام کا حکم مومن اور مومنہ پر واجب الاتباع ہے۔ گو جانبین کی مرضی کے خلاف ہو۔ پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور ان کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح تمام معاملات بیع و اجارہ میں بھی ان کے نزدیک امام کا حکم نافذ ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام کا خدائے برتر کے ساتھ ہم کلام ہونا ضروری ہے۔ عبیدیوں کا عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کے جسم میں پھر نوح علیہ السلام کے جسد میں پھر دوسرے انبیاء و اجساد میں اور پھر علی ابن ابی طالبؓ کے جسم میں حلول کیا۔ اسی عقیدہ کے پیش نظر ایک شاعر نے کہا تھا۔

حل برقادۃ المسیح　　　حل بہا آدم نوح

حل بہا اللہ ذو المعالی　　　وکل شئ سواہ ریح[1]

اسماعیلیوں کے نزدیک امام ظاہر بھی ہوتے ہیں اور باطن بھی۔ شیعہ اثنا عشریہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اور اسماعیلی کہتے ہیں کہ بارہ کی کوئی قید نہیں۔ امام بےشمار ہو سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ۔ امام حسن مجتبیٰ امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہم) کے بعد جناب اسماعیل ساتویں امام تھے۔ لیکن یہ سات امام ظاہر تھے۔ پھر ان کے بعد تین امام باطن گزرے جو عالم کائنات میں نمودار نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے نقیب جو تعداد میں بارہ بارہ ہوتے تھے علانیہ ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک یہ تین امام مخفی تھے۔ پہلے منصور بن محمد مکتوم۔ دوسرے جعفر مصدق تیسرے حبیب۔ ان کے بعد سے پھر ائمۂ ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلا عبید اللہ مہدی۔ دوسرا ابو القاسم لقب بہ قائم بامر اللہ۔ اسی طرح بارہ دوسرے خلفاء کے نام گنوا کر چودہ عبیدی فرمانرواؤں کو ائمۂ دین کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں عبید اللہ کے ایک جانشین معزّ عبیدی نے حکم دیا تھا کہ خطیب خطبوں میں یہ الفاظ کہا کریں۔

---

[1] کتاب الدعاۃ بحوالہ عیون التواریخ۔

اَللّٰھُمَّ صلِ علی محمد المصطفٰے وَعلی علی المرتضیٰ وَعلیٰ فاطمۃ البتول وعلے الحسن والحسین سبطا الرسول وصل علی الائمۃ آباء امیرالمؤمنین المعز باﷲ اور اذان میں حَیَّ علٰے خَیْرِ الْعَمَلِ ایزاد کیا گیا۔ عبیدیوں کی حکومت کے باعث مصر اور شام میں خوب رفض پھیلا یہاں تک کہ منادی کی گئی کہ نماز تراویح کہیں نہ پڑھی جائے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کی خلافت صحیح نہ تھی۔ ان کی خلافت کے غیر صحیح ہونے کا سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ وہ زندیق وملحد تھے۔ انھی کے عہد حکومت میں انبیائے کرام کی شان میں دریدہ دہنی کی گئی۔ شراب مباح ہوگئی اور سجدے کرائے گئے۔ عبیدی خاندان میں جو تاجدار سب سے بہتر گزرا ہے وہ بھی ایسا رافضی تھا کہ جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دینے کا حکم دیا ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ بیعت جائز تھی اور نہ امامت صحیح تھی۔ اور اگر یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تو بھی ان کی خلافت صحیح نہیں تھی کیوں کہ انھوں نے ایسے وقت میں لوگوں سے بیعت لی جب کہ ایک عباسی خلیفہ جس سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی موجود تھا۔ ایک وقت میں دو اماموں کی بیعت جائز نہیں۔ جس سے پہلے بیعت ہو چکی ہو وہی جائز خلیفہ سمجھا جائے گا۔[1]

عبیدی سلطنت کا قیام

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیلی جماعت کا سب سے ممتاز رکن عبید اللہ کا باپ محمد حبیب تھا۔ یہ ضلع حمص کے موضع سلمیہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کی عزیز ترین خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سلطنت کی داغ بیل ڈال سکے۔ اس کا آفتاب حیات لب بام تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے عبید اللہ کو آسمان عروج پر پہونچا جائے۔ چنانچہ اس نے اسی غرض سے اسماعیلیوں میں پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عبید اللہ مہدی موعود ہے۔ محمد حبیب دیکھ رہا تھا کہ عرب، عراق یا وسط ایشیا کے دوسرے ممالک میں قیام سلطنت کا خواب کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی نظریں بار بار افریقہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسلامی تاریخوں میں افریقہ سے

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ دہلی صہ ۸۔

ہمیشہ شمالی افریقہ مراد ہوتا ہے جس کے تین حصے ہیں۔ مغرب ادنیٰ جس میں تونس، قیروان اور طرابلس واقع ہیں۔ مغربِ اوسط جس میں تلمسان وغیرہ امصار واقع الجزائر داخل ہیں۔ مغرب اقصیٰ میں جس میں فاس، مراکش، طوس وغیرہ کا علاقہ شامل ہے۔ محمد حبیب کو شمالی افریقہ میں قیام سلطنت کے کامیاب ہونے کی اس لئے زیادہ امید تھی کہ یہ خطہ ہمیشہ جھوٹے مدعیوں کا ملجا و ماویٰ اور مذہبی اختلافات کا گہوارہ رہا ہے۔ بربریوں کی ضعیف الاعتقادی اور توہمات پسندی ہر قسم کے الحاد و زندقہ کے قبول کرنے کے لئے آمادہ پائی گئی ہے۔ تقدس و رہنمائی کے جس دکاندار کا اپنے وطن میں کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا، وہ شمالی افریقہ کے بربریوں میں جا کر قسمت آزمائی کرتا۔ وہاں لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس کی تحریک جدید کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا۔ اس کے علاوہ بربر کا علاقہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دور تھا اور یہاں کے باشندے جنگجوئی اور شورہ پشتی میں شہرہ آفاق تھے۔ اس لئے خلفائے عباسیہ ان کی خودسری سے ہمیشہ اغماض فرماتے۔ کیونکہ شمالی افریقہ کو پوری طرح زیر اقتدار رکھنے کا خرچ اور اتلاف نفوس وہاں کے مداخل سے بدرجہا زائد رہتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر لوگوں نے باہر سے جا کر وہاں بڑی بڑی خود مختار سلطنتیں قائم کرلیں۔ محمد حبیب کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو افریقہ جا کر اس کے بیٹے عبید اللہ مہدی کے حق میں پروپیگنڈا کرے چنانچہ ایک دفعہ ایک نہایت ذہین اور ہوشیار و چالاک مرید ابو عبد اللہ حسن بن احمد اس سے ملنے آیا جو صنعاء کا رہنے والا تھا۔ ابو عبد اللہ تمام دوسرے صفات میں یکتا تھا البتہ مذہبی تعلیم کی اس میں کچھ کمی تھی۔ محمد حبیب کو یقین ہوا کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو اس سے مقصد براری ہو سکتی ہے چنانچہ اسے ایک اسماعیلی عالم ابو حوشب کے حوالے کیا۔ یہ شخص کچھ زمانہ اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا تو محمد حبیب نے ابو حوشب کو حکم دیا کہ ابو عبد اللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کرو تاکہ وہاں لوگوں کو عبید اللہ کی مہدویت کی دعوت دے۔

ابو حوشب نے ابو عبد اللہ کو یمنی حاجیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیا۔ اور عبد اللہ بن ابو ملاحف کو بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے موسم

حج میں مکہ معظمہ پہونچ کر کتامہ کے حجاج کا پتہ لگایا اور انہی میں جا کے ٹھہرے۔ ایک مرتبہ پوچھنے لگا تمھارا سلطان کون ہے؟ اور اس کی حکومت کیسی ہے؟ انھوں نے کہا "ہمیں سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی اس لیے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔ الغرض ابو عبد اللہ ان کے حالات پوچھتا ہوا مصر پہونچا۔ یہاں ان عقیدت کیش ہمراہوں سے رخصت ہونے لگا انھوں نے پوچھا "آپ کس غرض سے مصر آئے ہیں؟ کہا "طلب علم کے لیے"۔ انھوں نے کہا اس غرض کے لیے تو ہمارا ملک مصر سے زیادہ موزوں ہے۔ آپ وہیں چلیے۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔" الغرض ابو عبد اللہ نے جب ان سے خوب اقرار کرا لیا تو ساتھ جانے پر راضی ہو گیا اور ان کے ہمراہ کتامہ کی راہ لی۔

یہ قافلہ ۵ اربیع الاول ۲۸۸ھ کو کتامہ پہونچا۔ اہلِ کتامہ نے اس کے آنے کا حال سنا تو مصر ہوئے کہ آپ ہماری ہی بستی میں اقامت گزیں ہوں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے۔ اور جو آپ کا دشمن ہوگا اس سے لڑیں گے۔" ابو عبد اللہ نے کہا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام "فج الاخیار" کہاں ہے؟" یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رفیق سفر نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اُس کی زبان سے اس بستی کا نام سُن کر سب لوگ دنگ رہ گئے اور اسے اس کے کشف باطنی پر محمول کیا ابو عبد اللہ نے کہا "تو میں وہیں جا کے رہوں گا۔ لیکن باری باری اور وقتاً فوقتاً تمھارے یہاں آ کے تم سے بھی مل جایا کروں گا۔" سب نے منظور کیا اور وہ ان لوگوں سے رخصت ہو کر کوہ انجان پر پہونچا۔ جس کی ایک وادی میں "فج الاخیار" کی بستی واقع تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں سے کہا اس مقام کا نام "فج الاخیار" ہے اور محض تمھاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ اخیار لوگ ان حضرات کے ناصر و مددگار رہوں گے۔ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ "کتمان" سے نکلا ہوگا۔ اس کی زبان سے یہ رمز سُنتے ہی سب لوگ اور زیادہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور چند روز میں اس کی دینداری، نیک نفسی اور اس کے مکاشفات و کرامات کی شہرت دُور دُور تک ہو گئی

ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے لوگوں کو یہ تلقین شروع کی کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے بنصوص جلیلہ وارشادات واضحہ حضرت علی رضؓ کے حق میں خلافت وامارت کی وصیت فرمائی تھی جس سے صحابہ رضؓ نے (عیاذاً باللہ) اعراض وعدول کرکے علی رضؓ کے سواد وسروں کو خلیفہ بنا لیا۔ اس بنا پر ان صحابہ رضؓ سے تبرّا کرنا واجب ہے جنھوں نے وصیت نبوی سے انحراف کیا۔ علی رضؓ نے اپنے بیٹے حسن رضؓ کو پھر حسن رضؓ نے اپنے بھائی حسین رضؓ کو، حسین رضؓ نے اپنے فرزند علی معروف بہ زین العابدین رضؓ کو۔ زین العابدین نے اپنے فرزند محمد باقر کو۔ محمد باقر نے اپنے بیٹے جعفر صادق کو۔ جعفر صادق نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو۔ اسماعیل نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو۔ محمد مکتوم نے اپنے بیٹے جعفر مصدّق کو۔ جعفر مصدق نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبید اللہ مہدی کو اپنا وصی اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا۔" اب ابو عبداللہ کا اثر دن بدن زیادہ بڑھنے لگا۔ جب اس کے اثر واقتدار کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو ہوئی۔ تو اس نے شہر میلہ کے عامل کو لکھ کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے لکھ بھیجا کہ وہ بالکل معمولی سا شخص ہے۔ اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکوکاری اور زہد وتقویٰ اور عبادت الٰہی کی تاکید کیا کرتا ہے۔" یہ جواب سن کر فرمانروائے افریقہ مطمئن ہو گیا اب ابو عبداللہ کا اثر یہاں تک بڑھا کہ حاکم بربر کے احکام بے اثر ہونے لگے۔ لیکن اس کے بعد ایسے اسباب پیش آئے کہ اہل کتامہ میں ابو عبداللہ کے خلاف سخت جذبۂ عناد پیدا ہوا اور اکثر لوگ اس کے قتل پر متفق ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابو عبداللہ روپوش ہو گیا اس شورش کی اطلاع حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو علاقہ کتامہ کے اکابر ومعززین میں سے تھا اور ایک دولت مند شخص تھا۔ اس نے فوراً ابو عبداللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔

اب ابو عبداللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی۔ میدان میں سامنے آیا اور مخالفوں کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں ہمیشہ وہی فتح مند ہوتا رہا اور ان لڑائیوں میں لوٹ کا مال جمع کرتے کرتے ناصرون میں بہت سی دولت جمع کر لی۔ اب اس نے مخالفوں کے آئندہ حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے ناصرون کے گرداگرد خندق کھدوالی اور پوری طرح جنگی تیاریاں کرلیں اور از روئے معاہدہ عام اہل کتامہ وبربر کا حاکم بن گیا۔ اب وہی ابو عبداللہ اسماعیلی جو ایک

کے انتظار میں دامن کوہ میں پڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر ساتویں مہینہ شہر کرمتہ پر حملہ کر دیا کیونکہ یہاں بھی ابو عبد اللہ کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ پرچہ نویسوں نے ابو عبد اللہ کو کو اس کی خبر دی۔ اس نے اپنے رسالہ کو ابراہیم کے لشکر پر شبخون مارنے پر بھیج دیا۔ ابراہیم ابھی کرمتہ تک پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ ابو عبد اللہ کے سواروں نے پہونچ کر چھاپہ مارا۔ ابراہیم کے ہوش و حواس جاتے رہے اور بکمال بے سر و سامانی سے ہزیمت اٹھا کر قیروان کی طرف بھاگا۔ ابو عبد اللہ اس مہم سے فارغ ہو کر شہر طبنہ کی طرف بڑھا۔ اور ایک مدت تک اس کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس کو فتح کر کے شہر بلزمہ کا رخ کیا۔ اہل بلزمہ نے مقابلہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے اس کو بھی مسخر کر لیا۔ زیادۃ اللہ والیٔ افریقہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک جرار لشکر ہارون طبنی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ طبنی نے شہر دار ملوک پر فوج کشی کی۔ دار ملوک کے باشندوں نے اس سے پیشتر ابو عبد اللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا طبنی نے دار ملوک شہر کی پناہ کو منہدم کر کے بزور شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد ابو عبد اللہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ابو عبد اللہ کی گشتی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی ابو عبد اللہ کی گشتی فوج مرعوب ہو کر بے ترتیبی اور ابتری کے ساتھ بھاگنے لگی۔ جب ابو عبد اللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بذات خاص پیام اجل کی طرح طبنی کے سر پر آ پڑا۔ طبنی کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی دار و گیر میں طبنی نے غنیم کے ہاتھ سے جام اجل پی لیا۔ ابو عبد اللہ نے کامیابی کے ساتھ شہر عیلسنی پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ سے زیادۃ اللہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے ۲۹۵ھ میں ابو عبد اللہ پر حملہ کرنے کے قصد سے روانہ کیا جب اربس پہونچا تو بعض مصاحبوں نے یہ رائے دی کہ آپ بذات خاص ابو عبد اللہ کے مقابلہ پر نہ جائیے۔ زیادۃ اللہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور لشکر کو اپنے ایک عزیز ابراہیم بن ابو اغلب کے ماتحت ابو عبد اللہ کے مقابلہ میں بھیج کر خود دار الحکومت قیروان کو مراجعت کی۔

ابراہیم بن اغلب جو والیٔ افریقہ کی افواج کا افسر اعلیٰ تھا۔ میدان خالی پا کر باغایہ پہونچا اور ابو عبد اللہ کی فوج کو محاصرہ میں لے لیا۔ ابو عبد اللہ نے یہ خبر پا کر بارہ ہزار کی جمعیت سے پھر باغایہ کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر

اربس کی طرف لوٹ آیا۔ ۲۹۶ھ میں ابو عبد اللہ نے ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے ابراہیم پر لشکر کشی کی اور چند دستہ ہائے فوج کو ابراہیم پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اربس کے قریب ایک میدان میں نہایت گھمسان لڑائی ہوئی۔ ابو عبد اللہ نے نہایت بے رحمی سے ابراہیم کے لشکر کو پامال کیا۔ اور مال و اسباب جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر اربس میں داخل ہوا۔ اہلِ سنت وجماعت کی جان و مال اور ناموس کو لشکریوں پر مباح کر دیا۔ اور وہاں ایک شبانہ روز قتل عام کا بازار گرم رہا۔

جب ان زہرہ گداز حوادث کی اطلاع زیادۃ اللہ والی افریقہ کو ہوئی تو وہ حواس باختہ رقادہ سے مصر کو بھاگا۔ اہلِ رقادہ نے اپنے حکمران کو بھاگتے ہوئے پایا تو انھوں نے بھی سراسیمہ وار قیروان اور سوسر کا رخ کیا۔ بدمعاش اور آوردہ مزاج عوام نے بنی اغلب کے محلسرائے کو لوٹ لیا۔ ابراہیم بن ابو اغلب نے قیروان پہونچ کر دار الامارۃ میں قیام کیا۔ رؤساء شہر اور امراء مملکت کو جمع کر کے انھیں ابو عبد اللہ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی اور ان سے مال و زر کی مدد مانگی۔ مگر بنی اغلب کا ستارۂ اقبال غروب ہو رہا تھا اس لئے تمام نقشِ آرزو بن بن کر بگڑ گیے۔ اور بجائے کامیابی کے ہر طرف ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ جونہی ابو عبد اللہ نے زیادۃ اللہ کے فرار کی خبر سُنی رقادہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اہلِ قیروان ملنے کو آئے ابو عبد اللہ نے سب کو امان دی اور عزت و احترام سے پیش آیا۔ ابو عبد اللہ نے رقادہ کے محل اور امراء دولت کے مکان اہلِ کتامہ پر تقسیم کر دیئے۔ ابو عبد اللہ نے تمام شہروں میں عمّال مقرر کیئے۔ جدید سکّے مسکوک کرائے جن کی ایک طرف بَلَغَتْ حُجَّۃُ اللّٰہِ اور دوسری طرف تَفَرَّقَ اَعْدَاءُ اللّٰہِ لکھوایا۔ آلاتِ حرب پر عدۃ فی سبیل اللہ کندہ کرایا اور گھوڑوں کی رانوں پر اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ۔

جب ابو عبد اللہ نے افریقہ پر کہیں تو بزورِ شمشیر اور کہیں حکمت عملی سے عمل و دخل کر لیا تو اس کا بڑا بھائی ابو العباس محمد اس کے پاس رقادہ آ گیا۔ ابو عبد اللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ابو عبد اللہ نے اپنے بھائی ابو العباس اور ابا زاکی کو افریقہ میں نائب مقرر کیا اور خود فوج کو حرکت دے کر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ ابو عبد اللہ کے خروج کرتے ہی ملک مغرب میں تہلکہ مچ گیا۔ ابو عبد اللہ رفتہ رفتہ سلجماسہ کے قریب پہونچا جہاں

عبید اللہ قید تھا۔ سلجماسہ پہونچ کر شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ والی سلجماسہ ایک خفیف سی جھڑپ کے بعد ہی ناامید ہو گیا اور اپنے اہل و عیال اور بنی اعمام کو لے کر رات کے وقت شہر سے بھاگ گیا۔ صبح کو اہل سلجماسہ نے ابو عبد اللہ کے پاس حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔

ابو عبد اللہ ان کے ساتھ قید خانہ میں آیا۔ دروازہ کھول کر عبید اللہ اور اس کے بیٹے ابو القاسم کو رہا کر کے انھیں گھوڑوں پر سوار کرایا۔ آگے آگے ابو عبد اللہ تھا اور پیچھے پیچھے قبائل سلجماسہ کے امرا اور رؤسا تھے۔ ابو عبد اللہ بلند آواز سے پکارتا جاتا تھا ھذا مولی کم ھذا مولی کم یعنی عبید اللہ تمھارا مولی و سردار ہے۔ یہی تمھارا آقا ہے۔" اور فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لشکر گاہ میں پہونچا۔ عبید اللہ کو خیمہ میں اتارا اور والی سلجماسہ کے تعاقب میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ اگلے دن الیسع والی سلجماسہ گرفتار ہو کر آ گیا۔ ابو عبد اللہ نے پہلے تو اسے کوڑوں سے پٹوایا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبد اللہ اور عبید اللہ اس مقصد براری کے بعد چالیس روز تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ اکتالیسویں روز افریقہ کی طرف مراجعت کی۔ ابو عبد اللہ ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں رقادہ پہونچا۔ اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی۔

جب تمام لوگ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کا نظام حکومت روبراہ ہو چکا تو اس نے سلطنت کے تمام کلی و جزئی امور کی باگ اپنے دست اختیار میں لے کر ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو مسلوب الاختیار کر دیا۔ یہ دونوں بھائی جو تھوڑے ہی روز پیشتر سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک اور خود اختیار فرمانروا تھے۔ اب ایسے بے دست و پا ہوئے کہ کسی ادنی چپراسی کے عزل و نصب کا بھی انھیں اختیار نہ رہا۔

ابو العباس نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ وہ مہدی نہیں جسے ہم واجب الاطاعت سمجھتے اور لوگوں کو اس کی متابعت کی دعوت دیتے رہے ہیں کیونکہ مہدی موعود علیہ السلام کی آمد پر تو حجت الٰہی ختم ہو جائے گی اور ان کے ہاتھ پر معجزات باہرہ اور آیات بینات کا بکثرت ظہور ہوگا۔" اکثر لوگ ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کتامہ کا ایک شخص جو شیخ المشائخ کے لقب سے مشہور تھا عبید اللہ کے پاس پہونچا اور کہنے لگا کہ اگر آپ واقعی مہدی آخر الزمان ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے کیونکہ ہمارے دلوں میں تمھاری نسبت اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ عبید اللہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس اثنا میں عبید اللہ نے ابو عبد اللہ اور ابو العباس کو بھی ہلاک کرا کے شہر خموشاں میں بھجوا دیا کتامہ میں عبید اللہ کے خلاف متعدد فتنے اٹھے لیکن اس نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کرکے سب کو دبا دیا۔ ان معرکوں میں بہت سے اہلِ کتامہ اور اہلِ تیروان مارے گئے۔

عبید اللہ نے اخذ بیعت کے بعد ہی اپنے منادوں اور مبلغوں کا جال سارے افریقہ میں پھیلا دیا۔ جن لوگوں نے اسماعیلی تحریک قبول کی انھیں بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ اور زر و مال سے نہال کر دیا۔ عبید اللہ نے شہر مہدیہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا جو تونس کے قریب ہے۔

۳۰۲ھ میں عبید اللہ نے ایک لشکر جرار اپنے نامور سپہ سالار خفاشہ کتامی کی قیادت میں اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ خفاشہ نے اسکندریہ پر قبضہ حاصل کرکے مصر کی طرف قدم بڑھایا۔ دربار خلافت میں اس کی خبر پہونچی۔ خلیفہ مقتدر نے مصر کی حفاظت کے لئے اپنے خادم مونس کو ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد سے روانہ کیا۔ مونس مصر کے قریب پہونچ کر خفاشہ سے معرکہ آرا ہوا۔ متعدد جنگوں اور خون ریزیوں کے بعد عبیدی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور خفاشہ بقیۃ السیف کو لے کر مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اسکندریہ پر از سرِ نو قبضہ کر لیا۔ اس معرکہ میں سات ہزار عبیدی مقتول و مجروح ہوئے۔

عبید اللہ نے اس کے بعد ۳۰۶ھ میں پھر مصر فتح کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اپنے بیٹے ابو القاسم کو ایک لشکر گراں کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کیا۔ ابو القاسم ربیع الثانی ۳۰۶ھ میں اسکندریہ پہونچا۔ اور اس پر تسلط کرکے مصر کی طرف بڑھا۔ جیرہ میں داخل ہو کر صعید پر بھی قابض ہو گیا اور اہلِ مکہ معظمہ کو اسماعیلی مذہب قبول کرنے کو لکھا۔ اہلِ مکہ نے اس تحریک کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جب بغداد میں ان واقعات کی خبر پہونچی تو خلیفہ مقتدر نے مونس خادم کو ابو القاسم کی مدافعت پر روانہ کیا۔ فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مونس کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد مونس کو دربار خلافت سے مظفر کا لقب دیا گیا۔ اثنار جنگ میں اسی جنگی جہاز ابو القاسم کی کمک کو پہونچ کر اسکندریہ کے قریب لنگر انداز ہوئے۔ خلیفہ مقتدر نے بھی طرطوس سے پچیس جہازوں کا ایک بیڑا ابو الیمین کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اسکندریہ کے قریب

دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا خلیفۃ المسلمین کے بیڑے کو باوجود قلت تعداد و قلت سپاہ فتح نصیب ہوئی۔ بنو عبید کے اکثر جہاز دوران جنگ میں جلادیے گئے۔ یعقوب کتابی اور سلیمان خادم جو عبیدی لشکر کے افسر تھے گرفتار کر لیے گئے۔ سلیمان تو مصر کے قید خانہ میں ڈالا گیا اور یعقوب پابجولان بغداد بھیجا گیا۔ اس شکست سے عبیدیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور کمک کا آنا منقطع ہو گیا اور جو لشکر یہاں موجود تھا اس میں دیا پھوٹ پڑی۔ سیکڑوں انسان اور گھوڑے طعمۂ اجل بن گئے۔ باقی ماندہ عبیدی لشکر نے افریقہ کو مراجعت کی۔ لشکر شاہی نے تعاقب کر کے اسے اپنے حدود سے نکال دیا۔ لیکن اس واقعہ کے قریباً پچاس سال بعد یعنی ۳۵۶ھ میں عبیدی سپہ سالار جوہر نے پھر مصر پر حملہ کیا اور وہاں کے کم سن اخشیدی فرمانروا احمد بن علی کو مغلوب کر کے مصر پر قبضہ کر لیا اور شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شام بھی عبیدی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ عبید اللہ ۳۲۲ھ میں مرا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں سے تیرہ فرمانروا ۵۶۷ھ تک برسر حکومت رہے۔[1]

ابو طاہر قرمطی

جب ابو سعید جنابی ۳۰۱ھ میں اپنے خادم کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان قرمطی اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب و مقہور کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ اور مقامات ہجر، احسار قطیف، طائف، بحرین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ابو طاہر نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے دس سال بعد تسخیر بصرہ کا قصد کیا۔ چونکہ خلافت بغداد ضعف و انحطاط کے ضغطہ میں مبتلا تھی اس لیے اس کور باطن کو جسد اسلام پر چرکے لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ بصرہ کی غارت گری کے بعد اس نے مسلمانوں کی مقدس ترین جماعت یعنی حجاج کو قتل و غارت کر کے اسلام کے جگر میں ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ ۳۱۲ھ میں حاجیوں کو ان کی واپسی کے وقت لوٹنے اور قتل کرنے کی غرض سے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ بیر کی

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۰۔ ۱۸، ۲۷، ۳۶۔

جانب روانہ ہوا۔ قافلہ مدافعت نہ کر سکے انھیں بُری طرح لوٹا اور ہجر کی جانب مراجعت کی۔ حجاج کو اسی کفِ دست میدان میں عالمِ بیکسی میں چھوڑ دیا۔ جن میں سے اکثر نے شدت تشنگی و گرسنگی اور تمازتِ آفتاب کی تاب نہ لاکر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی اور باقی ماندہ حاجیوں کا اکثر حصہ بہ ہزار خرابی و دشواری حجاز سے بغداد واپس آیا۔ جعفر بن ورقار شیبانی والیٔ کوفہ و طریق مکہ اور اسی طرح ثمال والیٔ بحر جناصفوانی اور طریف شکری بھی چھ ہزار کی جمعیت سے حفاظت کے لئے قافلہ حجاج کے ساتھ تھے۔ ابو طاہر سے جعفر بن ورقار کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ بدنصیبی سے جعفر کو ہزیمت ہوئی اور ابو طاہر کوفہ تک حجاج اور شاہی فوج کا تعاقب کرتا چلا آیا۔ دروازہ کوفہ پر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ ہزارہا حاجی شہید ہوئے۔ ابو طاہر کوفہ پر قبضہ کر کے چھ روز تک شہر کے باہر پڑا رہا۔ ہزیمت یافتہ گروہ بغداد پہونچا تو لوگوں میں سنسنی پھیل گئی۔ چنانچہ اگلے سال کسی نے ابو طاہر کے خوف سے حج کا قصد نہ کیا۔

۳۱۳ھ میں خلیفہ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو آذربایجان سے دارالخلافہ بغداد میں طلب فرماکر بلاد شرقیہ کی حکومت تفویض کی اور ابو طاہر سے جنگ کرنے کی غرض سے واسط کی جانب روانہ کیا۔ ابو طاہر یوسف سے ایک روز پیشتر کوفہ پہونچ گیا دوسرے دن یوسف پہونچا تو شہر کی حالت نہایت ابتر پائی تاہم نامہ و پیام شروع کیا۔ یوسف نے ابو طاہر کو عباسی عَلم کی اطاعت کا پیام دیا۔ ابو طاہر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم پر حق تعالیٰ کے سوا کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے۔" یوسف نے اعلان جنگ کر دیا۔ اگلے دن صبح سے رات تک فریقین میں گھمسان لڑائی ہوتی رہی۔ آخر یوسف کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور یوسف مع اپنے چند فوجی افسروں کے گرفتار ہو گیا۔ قرامطہ نے کوفہ سے روانہ ہو کر انبار کا رخ کیا۔ اہلِ انبار نے یہ خبر پاکر پل توڑ دیا اور کشتیاں ہٹادیں۔ ابو طاہر نے فرات کے غربی ساحل پر پہونچ کر قیام کیا۔ حدیثہ سے کشتیاں منگوائیں اور تین سو قرمطیوں کو انہی کشتیوں کے ذریعہ سے خشکی پر اتار دیا۔ شاہی فوج مقابلہ پر آئی مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگی۔ قرامطہ نے انبار پر قبضہ کر لیا۔ اس اندوہناک حادثہ کی خبر بغداد پہونچی۔ خلیفہ نے نصر حاجب کو ایک فوج گراں کے ساتھ قرامطہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ نصر منزلیں طے کرتا ہوا مونس مظفر سے آملا۔

دونوں نے چالیس ہزار فوج سے قرامطہ پر دھاوا کر کے یوسف کی مخلصی کے لئے سخت جدوجہد کی۔ بالآخر شاہی لشکر شکست کھا کر بھاگا۔

۳۱۶ھ میں ابو طاہر انبار سے کوچ کر کے رحبہ پہونچا اور اس پر قبضہ کر لیا یہاں بھی شبانہ روز قتل عام کیا۔ آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی جسے ابو طاہر نے منظور کر لیا۔ جب ان واقعات کی دربار خلافت میں خبر پہونچی تو خلیفہ مقتدر نے ہارون بن غریب کو ایک لشکر جرّار کے ساتھ ابن قیس کی کمک پر بھیجا اور ان قرامطہ کی سرکوبی کو جنھوں نے کوفہ کی طرف رخ کیا تھا۔ صافی بصری کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان سپہ سالاروں نے قرامطہ کو ہر طرف سے گھیر کر آتش حرب مشتعل کی۔ قرامطی شکست کھا کر بھاگے۔ لشکر شاہی نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا۔ یہ پہلی شکست تھی جو ابو طاہر کے پیرووں کو تخت بغداد کے مقابلہ میں ہوئی۔ عساکر خلافت نے ان کے پھریرے چھین لئے۔ یہ پھریرے سفید رنگ کے تھے اور ان پر یہ آیت لکھی تھی۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (۲۸ : ۵)	اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو سرزمین (مصر) میں ضعیف کیا جا رہا تھا ہم ان پر احسان کریں کہ انھیں (دین کا) مالک بنا دیں۔

ابو طاہر نے شہر ہجر کو دار الحکومت بنانے کے بعد وہاں ایک نہایت عالی شان مسجد تعمیر کرائی تھی اس مسجد کو اس نے دار الہجرۃ کے نام سے موسوم کیا۔ اب اس پر یہ خبط سوار ہوا کہ لوگ کعبہ کا حج اور طواف چھوڑ کر اس کے "دار الہجرۃ" کا حج کیا کریں لیکن اس مقصد کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے اس کے طاغوت آشیاں دماغ نے اسے یہ نادر المثال ترکیب سوجھائی کہ حجر اسود کو مکہ معظمہ سے منتقل کر کے دار الہجرۃ میں نصب کر دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے ۳۱۷ھ میں مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ اس سال منصور دیلمی بغداد سے لوگوں کو حج کرانے کے لئے آیا تھا حجاج کا قافلہ صحیح وسلامت مکہ معظمہ پہونچ گیا۔ لیکن یوم ترویہ کو ابو طاہر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ آ پہونچا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیغ برہنہ مسجد حرام میں داخل ہوا۔ یہاں آ کر شراب منگوا کر پی اور اپنے گھوڑے کے سامنے سیٹی بجائی تو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اسوقت

بعض حجاج بیت اللہ کے طواف میں اور بعض نماز میں مصروف تھے اور جامۂ احرام کے سوا ان کے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ قرمطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے زائرین کعبہ پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ جس کسی کا مال و اسباب پایا لوٹ لیا۔ ہزارہا جرم نا آشنا زائرین حرم قرمطی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔ شہر میں ہر طرف دجلۂ خون رواں تھا۔ خاص بیت اطہر میں ایک ہزار سات سو طائف اور مجرم جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ علی بن بابویہ بھی اس دارو گیر میں موجود تھا۔ اس نے ہمہ گیر قتل و غارت کے باوجود طواف بیت اللہ قطع نہ کیا اور یہ شعر پڑھا ؎

تری المحبین صرعی فی دیارھم کفیتہ الکھف لایدرون کم لبثوا

علی بن بابویہ پر چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں اور اس کا طائر روح آناً فاناً قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ شہداء کی کوئی تجہیز و تکفین عمل میں نہ آئی اس کے بعد ابو طاہر نے کعبۂ معلّیٰ کے دروازہ کو اکھڑوا دیا اور نہایت متکبرانہ لہجہ میں جس سے اس کا دعوائے خدائی بھی ثابت ہوتا تھا۔ بولا ؎

انا باللہ و باللہ انا یخلق الخلق ویفنیھم انا

اور حجاج کو پکار کر کہنے لگا "اے گدھو! تم کہتے ہو مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے) اب وہ امن کیا ہوا؟ ہم نے جو چاہا کیا۔ جس کو چاہا زندہ رکھا جس کو چاہا ہست سے نیست کر دیا۔ ایک شخص نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا اس آیۃ شریفہ کا یہ مفہوم نہیں جو تم سمجھے۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اسے امن دو"۔ ابو محلب امیر مکہ حجاج اہل مکۂ معظمہ کی سفارش کے لئے ابو طاہر کے پاس گیا۔ اس سیاہ دل نے قبول شفاعت کے بجائے اپنی فوج کو ان پر اشارہ کر دیا۔ وہ ان ناکردہ گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو محلب نے بھی مقابلہ کیا مگر چند آدمیوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ابو طاہر نے غلاف کعبہ کو اتروا کر ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا اور اس کے پارچے لشکر میں تقسیم کر دئے اور بیت اللہ کے خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس سال باستثنائے قدر قلیل حجاج عرفات میں نہ ٹھہرے اور بغیر امام کے ہی حج ادا کر لیا۔

یہ ہولناک واقعہ بروز دوشنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو رونما ہوا۔ ابو طاہر کے

دل میں بیت اللہ کی کوئی وقعت نہ ہوسکتی تھی۔ بلکہ وہ اپنی شقاوت سے کعبہ معلّی کو بیت اللہ ہی نہ سمجھتا تھا اسی بنا پر اس نے کہا تھا ؎

فلوکان ھٰذا البیت للہ ربنا — لصبّ علینا النار من فوقنا صبًّا
لانا حججنا حجةً جاھلیةً — محللة لم تبق شرقًا ولا غربًا
وانا ترکنا بین زمزم والصفا — جنائز لا تبغی سوی ربھا ربا

ابو طاہر نے قبۂ زمزم کو بھی مسمار کرا دیا اور چھ یا گیارہ روز تک مکہ معظمہ میں اقامت کرکے ہجر کو لوٹ گیا۔ ابو طاہر نے حجر اسود کو ہجر کی جامع مسجد کی غربی جانب آویزاں کر دیا۔ اور مکہ معظمہ میں حجر اسود کی جگہ خالی رہ گئی۔

حج کعبہ ۳۱۷ھ سے ۳۲۷ھ تک یعنی دس سال تک موقوف وملتوی رہا۔ چونکہ امن طریق بھی فرضیت حج کی لازمی شرط ہے اور ابو طاہر کی وجہ سے امن طریق مفقود ہو چکا تھا اس لئے عازمین حج بحالیٔ امن کے منتظر رہے انھیں ہر سال مایوس ہونا پڑتا تھا۔ دس سال کی طویل مدت اسی انتظار میں گزر گئی۔ آخر ۳۲۷ھ میں ابو علی عمر بن یحییٰ علوی نے جو ابو طاہر کا دوست تھا اس کو لکھا کہ ہر حاجی سے پانچ دینار فی شتر محصول لے کر حج کی اجازت دے دو۔" چنانچہ اس کو اس نے منظور کر لیا اور لوگوں کو امن واطمینان کے ساتھ حج کرنا نصیب ہوا۔ اور یہ پہلا ہی موقع تھا جبکہ حاجیوں کو حج کا محصول ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد خلیفہ کے حاجب محمد بن یاقوت نے ابو طاہر کو ایک خط لکھا کہ اگر تم حُجّاج سے تعرض کرنا چھوڑ دو اور حجر اسود واپس کر دو تو خلیفۃ المسلمین وہ تمام بلاد جو تمھارے زیر نگیں ہیں تمھارے ساتھ برقرار رہنے دیں گے۔ ابو طاہر نے جواب دیا کہ آئندہ حُجّاج سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔" لیکن حجر اسود کی واپسی کے متعلق اس نے نفیاً یا اثباتاً کوئی جواب نہ دیا۔

ابو طاہر نے بہتیری کوششیں کیں کہ لوگ حجر کی بدولت ہجر کی طرف حج کو آئیں لیکن خدائے برتر نے اس کی کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ کوئی شخص ہجر کی طرف مائل نہ ہوا تو تحویل حج سے مایوس ہو گیا۔ خلیفۂ وقت مقتدر باللہ نے پچاس ہزار درم اس کے عوض میں پیش کئے تھے لیکن ابو طاہر نے دینے سے انکار کیا تھا۔ آخر جب دیکھا کہ اس سے کوئی مطلب براری نہ ہوئی۔ تو خلیفہ مطیع للہ کے عہد خلافت میں تیس ہزار دینار لے کر واپس کر دیا۔ اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ انھوں نے کچھ نہ لیا بلکہ

کہنے لگے کہ ہم نے اسے خدا ہی کے لیے لیا اور خدا ہی کے نام پر واپس کرتے ہیں۔ شبیر بن حسین قرمطی سہ شنبہ ۱۰ محرم ۳۳۹ھ کو حجر اسود لے کر مکہ معظمہ پہونچا اور کعبہ معلیٰ میں پھر اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔ اب اس کے گرد چاندی کا حلقہ جس کا وزن تین ہزار سات سو ستتر اور نصف درم (قریباً چودہ سیر) تھا چڑھا دیا گیا۔ حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں چار روز کم بائیس سال رہا کہتے ہیں کہ جب قرامطہ حجر اسود لے گئے تو ہجر تک پہونچتے پہونچتے چالیس اونٹ اس کے نیچے دب کر مر گئے اور جب واپس لائے تو ایک ہی اونٹ نے مکہ معظمہ تک پہونچا دیا۔ ابو طاہر اس واقعہ کے بعد مرض چیچک میں مبتلا ہوا اس مرض نے اس کا ایسا برا حال کر دیا کہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آخر گٹھڑ کے گٹھڑ گناہ لے کر بصد حسرت و اندوہ اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔[1]

یہ دردناک واقعات ان حقیقت ناآشنا افراد کی آنکھیں کھول دیں گے جو مذہب کے تحفظ و بقا کے لئے سیاسی قوت کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ چونکہ خلافت اسلامیہ کے بازو کمزور ہو چکے تھے اور اس وقت تک کوئی اور پر شکوہ اسلامی سلطنت بھی عالم وجود میں نہ آئی تھی اس لیے اسلام کا مرکز و محور بھی اعدار کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا اور دین کی بنیادیں ہل گئیں۔ شریعت اور سلطنت کا تعلق در اصل روح اور قالب کا تعلق ہے۔ ان کے انفکاک کی صورت میں دونوں کا وہی حال ہوتا ہے جو وجود انسانی کا روح و قالب کے انفکاک سے متصوّر ہے۔ مذہب نام ہے مجموعۂ قوانین کا اور یہ مجموعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک انسانی ضروریات کے سب اسباب اس میں شامل نہ ہوں۔ ان کا اجتماع ہوتا ہے تو حکومت اور سلطنت کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ سلطنت کے بازو تلوار سے قوت پکڑتے ہیں اور تلوار قانون مذہب کی حفاظت اور اس کے اجرار کا حق ادا کرتی ہے۔ کامل اور مکمل مذہب کے ہمیشہ دو رنگ ہوتے ہیں ظاہر اس کا سلطنت ہے اور باطن اس کا روحانیت۔ اس کا ایک پہلو دنیا ہے اور دوسرا دین۔ فتنہ کو زور پکڑنے سے پہلے ہی دبا دینا عقلمندی ہے جاہل اس کو تعدی سمجھتا ہے۔ لیکن یہ تحفظ کی لازمی شرط ہے۔ اگر قرمطی اور باطنی

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۷، ۳۵، ۴۶، ۴۹، ۵۳، ۵۸، ۶۵، ۹۹، ۱۶۱ تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۷۷، ۳۷۹ و حجج الکرامہ (بحوالہ تاریخ قطبی) ص ۲۰۶،

اشقیاء کو بڑھنے اور پنپنے کا موقع نہ دیا جاتا اور اس فتنہ کو نشو نمو سے پہلے ہی پامال کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو عموماً اور سلاطین اسلام کو خصوصاً ان زہرہ گداز حوادث سے سابقہ نہ پڑتا جن میں سے ان کو ناچار گذرنا پڑا۔

محمد بن علی شلغمانی

ابو جعفر محمد بن علی معروف بہ ابن ابی العزاقر شلغمان کا رہنے والا تھا جو واسط کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ ابتداء میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں شمار کیا جاتا تھا اور اس مذہب کے اصول پر کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن جب ابو القاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکریؒ کی طرف سے ان کی غیبوبت صغراء کے زمانہ میں وکیل تھا اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو اس نے خود امام مختفی کے "باب" ہونے کا دعویٰ کیا۔ شیعوں میں ایک ایسا مذہب و مسلک پیدا کیا جس کی بنیادیں انتہائی غلو اور تناسخ و حلولِ ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔ شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزّ و جلّ کی روح آدم علیہ السلام کے جسد میں حلول کر گئی ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء و اوصیاء اور ائمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکری کے جسم میں حلول کیا۔ ان کے بعد خود اس میں حلول کر گئی۔ سنہ ۳۲۰ھ میں شلغمانی بغداد آیا اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ شلغمانی کہتا تھا کہ میں ہی ظاہر باطن اول و آخر اور قدیم ہوں۔ رازق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت سے موسوم ہو سکے۔

بغداد کے ہزارہا آدمی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ جن میں حسن بن قاسم جیسا زیرک و فرزانہ روزگار مدبر بھی جو اس سے بیشتر خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیر اعظم رہ چکا تھا داخل تھا۔ اسی طرح بسطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امرائے بغداد میں سے تھے وہ بھی (معاذ اللہ) اس کی خدائی پر ایمان لے آئے۔ جب شلغمانی کا فتنہ حد سے بڑھ چلا اور لوگ جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے تو حکومت کو اس کی طرف سے تردد لاحق ہوا۔ خاقانی وزیر اعظم نے اسے

گرفتار کرنے کا ارادہ کیا مگر شلغمانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں روپوش ہو کر خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب دب دبا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا۔ لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آ کر سر اٹھایا۔ خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا اس کی گرفتاری کا مؤکد حکم جاری کر دیا اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے مومنین و معتقدین کے بہت سے خطوط و رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلغمانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا جن کا اطلاق و استعمال بجز ذات رب العالمین کے بشر خاکی کی نسبت ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ابن مقلہ نے علماء کو جمع کیا اور شلغمانی کے سامنے وہ خطوط پیش کیے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر بھیجے گئے تھے لیکن تقیہ کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العالمین ہوں۔ اور ان لوگوں نے جو میری نسبت ایسے تعریفی الفاظ استعمال کیے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جا سکتا۔ انہی خطوط کی بنا پر اس کے دو معتقد بھی گرفتار کیے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

اب یہ دونوں غاشیہ بردار اور خود شلغمانی خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں پیش کیے گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلغمانی سے اپنی برارۃ ظاہر کرتے ہو تو اس کے منہ پر تھپڑ مارو۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپڑ مار دیا مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جو جوش ہوا تو بڑھ کر شلغمانی کے سر اور داڑھی کا بوسہ دیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا یا الٰھی وَسَیِّدِی وَرَزَّاقِی (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رزاق) خلیفہ کو ایک حجت و برہان ہاتھ آگئی۔ بولا تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعوائے الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟"
اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (حق تعالیٰ ایک کے گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ

"میں معبود اور رب الارباب ہوں"۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات وعقائد کی مزید تفتیش کی جائے۔ آخر معلوم ہوا کہ اس شخص نے ایک نیا دین اور نیا آئین بنا کر لوگوں کی متاع دین وایمان پر بری طرح ڈاکہ ڈال رکھا ہے۔

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ شلمغانی ہی وہ الٰہ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ اوّل، قدیم، ظاہر، باطن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف وتحمل کے بموجب حلول کرتا ہے اور جب کسی ہیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلۂ الٰہی یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک ضد اس بنا پر ظاہر کی کہ جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے اور دلیل حق خود حق سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق ومشابہ ہوتی ہیں بمقابلہ ان کے اس چیز کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اسی کا مظہر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے ابوالبشر آدم علیہ اسلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح وہ خود آدم علیہ السلام میں حلول کر کے نمایاں ہوا اسی طرح آدمؑ کے ابلیس یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود ہی نمودار ہوا۔ اور گو بظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے مگر دراصل دونوں ہیکروں میں خود وہی تھا۔ پھر جب آدم علیہ السلام صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خدائے برتر) متفرق ومنتشر ہو کر پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس بھی پانچ ابلیسوں میں سمٹ گیا۔ اب لاہوتیت ادریس علیہ السلام کے ہیکر میں جمع ہو گئی یعنی مکمل خدا نے ادریس (علیہ السلام) میں حلول کیا۔ اسی طرح وہ ضد بھی پانچوں ابلیسوں میں سے سمٹ کر ادریس علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف ومعاصر ابلیس میں مجتمع ہو گئی۔ ادریس علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں اور ابلیسوں میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس میں جمع ہوئی پھر منتشر ہوئی۔ چند روز کے بعد ہود علیہ السلام اور ان کے ضد ابلیس میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد حسب معمول منتشر ہو کر صالحؑ اور

ان کے ابلیس یعنی عاقرِ ناقہ میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ابلیس (نمرود) میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہو کر ہارون اور ان کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔ اب لاہوتیت داؤد علیہ السلام اور ان کے ابلیس جالوت میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد جو منتشر ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کے لیے منتخب کیا۔ اس کے بعد منتشر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ ع کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہو گئی اور چند روز گزار کر حضرت علی مرتضیٰ رض اور ان کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی۔ اور اب وہی الوہیت خود شلمغانی اور اس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔ شلمغانی کی یہ بھی تعلیم تھی کہ خدائے برتر اپنے آپ کو ہر چیز، ہر پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے۔ خدا در اصل ایک معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں وہی اس کا الٰہ (خدا) ہے چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہونچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔ فلاں فلاں کا رب ہے اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ شلمغانی تک پہنچ جاتا اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں کیونکہ اس کے زمانہ میں (معاذ اللہ) اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی۔

شلمغانی کا بد ترین رفض اور حضرت علی رض کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم ع اور جناب محمد رسول اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہارون ع نے موسیٰ ع کو اور حضرت علی رض نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو۔" مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض مفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی۔" اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ بھی کہ شلمغانی کے نزدیک حسن رض اور حسین رض حضرت علی رض کے فرزند نہ تھے کیونکہ اس کے اعتقاد کے رو سے حضرت علی رض الٰہ العالمین تھے۔ اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے شلمغانی کی تعلیم کے بموجب جنت

اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں بلکہ اس کے مذہب کے ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت تھا اور اس کے مذہب سے انکار کرنے اور اس کے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ شلمغانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت کرے اور اس سے مقابلہ کرتا ہے وہ ماجور ہے کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر لعن طعن کرے۔ چنانچہ جب ولی ہدف اعتراضات بنایا جاتا ہے اور لوگ ان اعتراضوں کو سنتے ہیں تو اس کے حالات کی جستجو کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی مخالف ظہورِ فضائل و کمالات کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے مخالف ولی سے افضل ہے۔

یہ تو شلمغانی کے عقائد تھے۔ اب ذرا اس کے آئینِ مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔ اس کا اعتقاد تھا کہ علیؑ نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنا کر کبرائے قریش اور جبابرۂ عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دل ٹیڑھے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں۔ نماز پڑھیں۔ علیؑ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اصحاب کہف کی مدت خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دے دی۔ اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت عرصۂ وجود میں آئے گی۔" مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربار خلافت نے الوہیت کا وہ ساز اکھیں ہی بگاڑ دیا جو شلمغانی صاحب کے پیکر ناسوت میں سے عجیب و غریب قسم کی ابلیسی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ شلمغانی کے مسائل شریعت یہ تھے کہ غسل جنابت اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربوں کو ان دنوں دی تھی لیکن عہد حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسب حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے۔ چنانچہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کے لئے حلال طیب ہیں۔ بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے لئے دو لذتیں جمع کر دیں۔ پس ہر انسان اپنے

ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے۔ بلکہ اہل حق (شلمغانی کے پیروؤں) کو چاہیے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے حسبتہً للہ مقاربت کرے تاکہ ان میں اپنا نور پہونچا کر اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا وہ کسی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلمغانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ جس کا نام کتاب الحاسہ السادسہ رکھا تھا۔ غرض شلمغانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدک کے بھی کان کاٹ لئے تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فعل خلاف وضع فطرت یعنی عمل قوم لوطؑ کو بھی جائز کر رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہو گا کہ یہ شخص محض زندیق ہی نہیں تھا بلکہ اول درجہ کا شہوت پرست اور بد معاش بھی تھا جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زناکاری اور اغلام کا گہوارہ بن جائے۔ گو حضرت علیؓ خود بھی ابن ابی طالب تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ آل ابو طالب میں سے اکثر نے امامت کے دعوے کئے تھے شلمغانی کے نزدیک تمام طالبیوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجب ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دین اسلام اور خلافت آل عباس کے استیصال کے لئے بارود بچھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

شلمغانی اور اس کے اخص پیروؤں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں ہوا کرتی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء و قضاۃ کے علاوہ بعض سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہاء نے فتویٰ دے دیا کہ شلمغانی اور اس کا رفیق ابن ابی عون مباح الدم ہیں اور ان کی فرد قرار داد جرم میں برارۃ کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ شلمغانی اور ابن ابی عون بروز سہ شنبہ ۲ ذی قعدہ ۳۲۲ھ کو مصلوب کیے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں اتار کر جلا دی گئیں۔ شلمغانی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز متبع حسن بن قاسم سابق وزیر اعظم شہر رقہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت روزگار بننے کے لئے بغداد میں لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کی عوض شلمغانی کی ڈاڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق و رازق بنایا تھا۔ بہت بڑا ادیب اور

بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواحی، والبلدان، کتاب الجوابات المسکتۃ، کتاب التشبیہات، کتاب بیت مال السرور، کتاب الدواوین، کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں[۱]

ابو الطیب احمد بن حسین متنبی

ابو الطیب احمد بن حسین اوائل ریعان سے مدعی نبوت تھا۔ ۳۰۳ھ میں کوفہ کے محلہ کندہ میں پیدا ہوا۔ ابو الحسن محمد بن علی علوی کا بیان ہے کہ ابو الطیب کا باپ سقہ تھا جو عیدان کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ ہمارے محلہ والوں کا پانی بھرا کرتا تھا اسی بنا پر کسی شاعر نے متنبی کی ہجو میں کہا ہے

ای فضل لشاعر یطلب الفضل ۔۔۔ من الناس بکرۃ وعشیا

عاش حینا یبیع بالکوفۃ الما ۔۔۔ وحینا یبیع ماء المحیا

البتہ متنبی کی دادی صحیحۃ النسب ہمدانیہ تھی۔ وہ ہماری ہمسایہ اور کوفہ کی صالحات میں سے تھی۔ متنبی ہمیشہ اپنے نسب کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا اور جب کبھی اس سے نسب کے متعلق سوال ہوتا تو کہہ دیتا کہ بھئی! میں ایک اخبط القبائل شخص ہوں اور اس سے مامون نہیں ہوں کہ کوئی شخص میری جان ستانی کا قصد کرے[۲]۔ لیکن جب اسے قبیلۂ کلب میں جا کر کچھ مدت رہنے کا اتفاق ہوا تو ان دنوں وہ علوی (امیر المومنین علیؓ کی اولاد) ہونے کا مدعی تھا[۳]۔ ابو الطیب آغاز شباب میں وطن مالوف کو الوداع کہہ کر شام چلا آیا اور فنون ادب میں مشغول رہ کر درجۂ کمال کو پہونچا۔ اسے لغات عرب پر غیر معمولی عبور تھا۔ بالکل متروک اور غیر مانوس لغات بھی از بر تھے۔ جب کبھی اس سے لغات کے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو نظم و نثر میں کلام عرب کی بھرمار کر دیتا۔ چنانچہ شیخ ابو علی

---

[۱] معجم الادباء یاقوت حموی مطبوعہ لندن ص ۲۹۶، ابن خلکان جلد اول ص ۱۹۰، کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۴۹، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۹۲ - ۹۳

[۲] سراج العیون ص ۱۶ تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۵ [۳] طبقات الادباء ص ۳۶۹ -

فارسی صاحب الایضاح والتکملہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ فعلے کے وزن پر کتنی جمعیں آتی ہیں؟ متبنی نے معاً جواب دیا کہ دو۔ حجلی اور ظربی۔ شیخ ابو علی کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد برابر تین دن تک کتب لغت کی ورق گردانی کرتا رہا مگر مجھے ان دو کے سوا اس وزن کی کوئی اور جمع نہ مل سکی۔ حُجلیٰ حجل کی جمع ہے۔ حجل عربی میں چکور کو کہتے ہیں اور ظِربیٰ ظربان کی جمع ہے جو بلی کی قسم کے ایک سخت بدبو جانور کا نام ہے۔ ابوالطیب شعر و سخن کا امام تھا اس کا دیوان جو دیوان متنبیؔ کے نام سے مشہور ہے ہندوستان کے مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ چونکہ یہ دیوان ہر جگہ موجود ہے اس لئے ابوالطیب متنبی کے کلام کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس کے دو شعر جو شیخ تاج الدین کندی سے مروی ہیں اور دیوان متنبیؔ میں نہیں پائے گئے درج کیے جاتے ہیں۔ ان دو شعروں کی لطافت و غرابت ملاحظہ ہو کہتا ہے[۵]

ابعین مفتقر الیک نظرتنی   فاھنتنی وقد فتنی من حالق

لست الملوم انا الملوم لانّنی   انزلت ما آلی بغیر الخالق[۱]

ابوالطیب متنبیؔ کے ایک پیرو ابو عبداللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ابوالطیب ۳۲۰ھ میں جبکہ اس کا آغاز شباب تھا لاذقیہ آیا۔ مجھے اس کی فصاحت و بلاغت کا علم ہوا تو میں از راہِ قدر شناسی عزت و احترام سے پیش آیا۔ جب راہ و رسم بڑھی تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم ایک لئیق نوجوان ہو اگر کسی جلیل القدر والئ ملک کی وزارت تمھیں تفویض ہو تو اس منصب کی عزت و شرافت پر چار چاند لگ جائیں" بولا واہ! تم نے اچھا کہا۔ اجی وزارت کی کیا حقیقت ہے؟ میں تو نبی مرسل ہوں"۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ شاید مذاق کر رہا ہے۔ میں نے کہا آج سے پیشتر میں نے تمھاری زبان سے ہزل و تمسخر کی کوئی بات کبھی نہ سُنی تھی"۔ کہنے لگا نہیں واقعی میں نبی مرسل ہوں"۔ میں نے پوچھا تم کس کی طرف بھیجے گئے ہو؟ کہنے لگا "اس گمراہ امت کی طرف"۔ میں نے کہا تمھارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ بولا جس طرح بسیط زمین ظلم و عدوان سے مملو ہے اسی طرح اس

۱؎ تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۶

کو عدل انصاف سے معمور کر دوں گا" میں نے پوچھا حصول مقصد کی نوعیت کیا ہوگی؟ بولا اطاعت شعاروں کو انعام واکرام سے سرفراز کردوں گا اور سرکشوں کی گردنیں اڑا دوں گا" میں نے کہا "خوف ہے کہ اس مبادرت پر تم خود ہی قعر عدم میں نہ پہونچا دیے جاؤ" یہ سُن کر ابو الطیب نے فی البدیعہ یہ اشعار کہے ؎

ایا عبد الالٰہ معاذ انی — خفیٌ عنکَ فی الھیجا مقامی

ذکرت جسیم مطلبی وانی — اخاطر فیہ بالمھج الجسام

امثلی تاخذ النکبات منہ — ویجزع من ملاقاۃ الحمام

ولو برز الزمان الیّ شخصاً — لخضب شعر مفرقہ حسامی

اذا امتلأت عیونُ الخیلِ منّی — فویل فی التیقظ والمنام[۱]

دعوائے نبوت سے قطع نظر بعض نوادر اور شعبدے بھی تھے۔ جو ابو الطیب کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور جن کی بنا پر لوگوں نے اسے متنبی کہنا شروع کیا مثلاً ایک مرتبہ اس سے کہا گیا کہ یہاں ایک اونٹ ہے جو کسی کو سوار نہیں ہونے دیتا اگر تم اس پر سواری کر دکھاؤ تو ہم تمھیں مرسل مان لیں گے" کہنے لگا بہتر میں دکھا دوں گا کہ کس طرح اس پر سوار ہوتا ہوں" چنانچہ ایک دن پیچھے سے جاکر اس پر سوار ہو لیا تھوڑی دیر تو ناقہ نے شوخی اور شرارت کی لیکن پھر سیدھا ہو گیا اور ابو الطیب نے اسے چاروں طرف خوب چکر دلائے۔ متبنی کے لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابو الطیب ایک آدمی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔ ایک کتا ان پر حملہ آور ہوا۔ ابو الطیب اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ ہم واپسی کے وقت اس کتے کو مرا ہوا پائیں گے" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے مراجعت کے بعد دیکھا کہ واقعی وہ مرا پڑا تھا[۲]

بہت کم متنبی ایسے گذرے ہیں جنھیں دعوائے نبوت سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ ابو الطیب ان بلند طالع افراد میں سے تھا جنھیں جاذبہ لطف الٰہی نے دجل وزور سے تائب ہونے کی سعادت کرامت فرمائی۔ جب ابو الطیب نے

---

[۱] مقدمہ دیوان متنبی مرتبہ مولانا محمد اعزاز علی صاحب بحوالہ الصبح المنبی

[۲] شرح العیون ص ۱۵ - ۱۶

سماوہ (ملک شام) میں نبوت کا دعویٰ کیا اور بنو کلب وغیرہ قبائل نے اس کی متابعت اختیار کی اور اس کی جمعیت یوماً فیوماً بڑھنے لگی تو امیر لو لو کو جو اخشیدیہ کی طرف سے حمص کا حاکم تھا، اس کی طرف سے فکر پیدا ہوئی اس لئے ازراہ مآل اندیشی ضروری جمعیت فراہم کر کے نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کے سر پر جا پہونچا اور اس کو قید کر لیا۔ بنو کلب، بنو کلاب اور دوسرے قبائل اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد وہ طویل عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ جب اس کی زبوں حالی حد سے بڑھ گئی اور صبر و ثبات جواب دے بیٹھا تو قید خانہ میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ تھا ؎

أيا خدّد الله ورد الخدود	وقدّ قدود الحسان القدود

اس قصیدہ میں یہ اشعار بھی تھے ؎

دعوتك لما براني البلى	واوهن رجلي ثقل الحديد
وقد كان مشيهما في النعال	فقد صار مشيهما في القيود
وكنت من الناس في محفل	ها انا في محفل من قرود
تعجل في وجوب الحدود	وحدّي قبل وجوب السجود

(میں نے تم کو اس وقت پکارا جبکہ طول مکث نے مجھے پارہ پارہ کر دیا اور میرے پاؤں بیڑیوں کے بوجھ سے مضمحل ہو گئے۔ یہ پاؤں جوتیوں میں چلا کرتے تھے۔ مگر اب انھیں بیڑیوں پر چلنا پڑتا ہے۔ میں آدمیوں کی محفل میں رہا کرتا تھا لیکن اب ہر وقت بندروں کی محفل نصیب ہے۔ تو حدّ جاری کرنے میں عجلت کر رہا ہے حالانکہ مجھ پر حدّ ابھی واجب ہی نہیں ہوئی یعنی حد بالغ پر واجب ہوتی ہے اور میں تو طفل نابالغ ہوں جس پر ہنوز نماز ہی فرض نہیں ہوئی) ان اشعار پر امیر لو لو کو رحم آ گیا اور متنبی سے کہنے لگا "بہتر ہے کہ تائب ہو کر قید سے رہا ہو جاؤ"۔ اس نے توبہ و انابت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا آخر اس کی طرف سے ایک دستاویز لکھی گئی جس میں بیان کیا کہ "میں اپنے دعوائے نبوت میں جھوٹا تھا۔ نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم ہو گئی۔ اب میں توبہ کر کے از سر نو اسلام کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔ اس وثیقہ پر متعدد

لوگوں کی شہادتیں ثبت ہوئیں اور متبنّی کو قید محن سے مخلصی نصیب ہوئی۔

لوگوں کی توہین و تفضیح کرنا شرارکا عام شیوہ ہے۔ کسی کی طرف سے دل میں ذرا بھی غبار کدورت پیدا ہوا جھٹ اس کو آسمان عزت سے اتار کر قعر مذلت میں گرانے کی سعی نامشکور میں منہمک ہوئے۔ ابوالطیب نے ایک قصیدہ میں ضبۃ بن یزید عینی نام ایک شخص کے خلاف دشنام طرازی کی غلاظت اچھالی تھی۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔ ؎

ما انصف القومُ ضبّہ　　وَ اُمّہ طرّۃ طبّہ

(قوم نے ضبّہ سے اور اس کی ماں سے جو لٹکے ہوئے پستان والی ہے انصاف نہیں کیا) یہ سارا قصیدہ ہجو و دشنام کا طومار ہے۔ ابوالطیب نے اس میں اپنی گندہ دہنی کا مظاہرہ کرکے ضبّہ اور اس کے اقربا کے دلوں میں ناسور ڈال دیئے جب ضبّہ کے ماموں نے جس کی ہمشیر کے خلاف دشنام دہی کی گندگی بکھیر گئی تھی یہ قصیدہ سنا تو اس کا دل پارہ پارہ ہوگیا۔ اور اس نے انتقام جوئی کا عزم مصمم کرلیا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ کوفہ کی طرف واپس آرہا ہے تو فاتک اسدی رمضان ۳۵۴ھ میں اپنے بعض اقربا کی رفاقت میں اس کی جان لینے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ متبنّی کے ساتھ بھی بہت سے آدمی تھے راستہ میں مڈبھیڑ ہوگئی فاتک کی جماعت غالب رہی۔ جب ابوالطیب نے دیکھا کہ دشمن نے غلبہ پالیا اور اس کی جماعت منہزم ہو چلی تو بھاگ کر جان بچانے کا قصد کیا۔ اس کے غلام نے نے کہا دیکھئے آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

الخیل واللیلُ والبیداءُ تعرفنی　　والحربُ والضربُ والقرطاس والقلم

"گھوڑے، رات، دشت و بیابان، حرب و ضرب، کاغذ اور قلم سب مجھے پہچانتے ہیں، اور اب آپ بھاگ رہے ہیں لیکن اطمینان رکھئے میں کسی سے اس فرار کا تذکرہ نہیں کروں گا۔" یہ سن کر ابوالطیب فرار کا ارادہ فسخ کرکے از سر نو مقابلہ پر آڈٹا اور زخم کھا کر قید حیات سے آزاد ہوگیا۔ اس طرح اس کا شعر ہی اس کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔ اس کے بعد فاتک کی انتقام جوئی نے اس کے بیٹے اور غلام کی زندگی کا چراغ بھی گل کردیا۔ متبنّی کی موت پر ابوالقاسم مظفر بن علی طبسی نے ایک دردانگیز مرثیہ کہا جس میں یہ اشعار بھی تھے ؎

لا سمع اللہ سوب ھذا الزمان　اذ دھانا فی مثل ذالک اللسان
ما سمی الناس ثانی المتنبی　ای ثانٍ یریٰ لبکر الزمان
کان من نفسہ الکبیرۃ فی جیش　وفی کبریاء ذی سلطان
ھو فی شعرہ نبی ولکن　ظھرت معجزاتہ فی المعانی

ابو علی منصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ

ابو علی منصور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں مصر کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور حاکم بامر اللہ کا خطاب اختیار کیا۔ یہ شخص شاہان بنو عبید کا چھٹا فرماں روا تھا جو ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک برسر حکومت رہا۔[1] علم نجوم میں اسے دخل تام تھا اور اس کے احکام تاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم و جور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکانِ سلطنت اس کی ہیبت و جلال سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفاء و اعیان بخوف جان و آبرو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے سیوطی نے اس کو "سرتاج زندیقان" کا خطاب دیا ہے۔ اور بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تخت سلطنت پر حاکم سے بدتر کوئی فرماں روا نہیں بیٹھا۔ فرعون کی طرح اس نے بھی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدے کرائے اس نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ بسم اللہ الحاکم الرحمن الرحیم لکھا کریں۔ حاکم نے بہت سے تملق شعار حاشیہ نشین اپنے گرد جمع کر لئے تھے۔ اس کے ایک خوشامدی محمد بن اسماعیل نے ایک کتاب تالیف کی جس میں بیان کیا کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کی روح سب سے پہلے علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد حاکم کے جسم پاک میں داخل ہوئی چنانچہ شاہ حاکم خداوند جل و علا کا ایک مظہر کامل ہے۔ یہ کتاب جامع قاہرہ میں پڑھی گئی اور ممالک محروسہ میں اس کی خوب اشاعت کی گئی۔ ۳۹۶ھ میں حاکم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے بازار ہو یا کوئی اور مقام سننے والا کھڑا ہو کر معاً سربسجود ہو جائے۔ اسی طرح حکم دیا کہ جب خطیب منبر پر میرا نام لے تو تمام لوگ میرے نام کی عظمت اور احترام

---

[1] تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۷۔

کے لئے سرو قد کھڑے ہو جائیں اور صفیں باندھ کر سر سجدے میں رکھ دیں۔[1]

حاکم کو رفض میں بڑا غلو تھا۔ اس نے نماز تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مساجد کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں لکھوا کر آویزاں کیں۔ اپنے عمال کو حکم دیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علیٰ رؤس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ اس نے ۳۹۵ھ میں ملوخیہ نام ایک میوہ اور جرجیر (ترہ تیزک) کے کھانے کی ممانعت کر دی۔ اور اس نہی کی علت یہ قرار دی کہ امیر معاویہؓ کو ملوخیہ کھانے کی رغبت تھی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا میلان طبع جرجیر کی طرف تھا۔ حاکم نے ان مچھلیوں کے کھانے سے بھی لوگوں کو جبراً روک دیا جن پر چھلکے نہ ہوں۔ علمائے حق سے سخت عناد رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مکان آراستہ کر کے علمائے اہل سنت وجماعت کو مدعو کیا۔ جب تمام حضرات تشریف لے آئے تو مکان کو منہدم کرا دیا۔ تمام فقہا و محدثین (کثر اللہ امثالہم) دب کر روضۂ رضوان کو چلے گئے۔ ۳۹۳ھ میں حاکم کے عامل دمشق اسود نام نے اہل سنت وجماعت کے ایک نامور عالم کو جو مغربی کے لقب سے مشہور تھے گرفتار کیا اور انھیں گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا۔ ایک منادی ان کے آگے آگے ندا کرتا جا رہا تھا یہ اس شخص کی سزا ہے جو ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھے۔ اس تشہیر کے بعد تیغ خون آشام سے ان کو بکری کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ رب ذوالمنن شہید کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور ہمیں ان کے قدموں میں اٹھائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آغاز شباب کا عالم ہی اس ظلم آرائی اور خون آشامی کا جواب دہ تھا۔ ورنہ اس کے بعد جوں جوں عمر اور تجربہ میں پختگی پیدا ہوتی گئی اس قسم کی بیداد گری اور خفیف الحرکتی میں انحطاط پیدا ہوتا گیا۔ چنانچہ چند سال کے بعد جب ایک مرتبہ اس سے شکایت کی گئی کہ روافض نے اہل سنت وجماعت سے نماز تراویح اور نماز جنازہ پڑھنے کی حالت میں تعرض کیا اور پتھر برسائے ہیں۔ تو اس نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا جو آئندہ جمعہ کو جامع مصر میں پڑھا گیا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے "اے گروہ مسلمانان ہم لوگ ائمہ ہیں اور تم امت ہو۔ تمام مسلمان

---

[1] سنین الاسلام جلد ۲ ص ۱۰۱ - ۱۰۲ و غیرہ ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۰۸ -

آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں سے میل جول کرو۔ جو لوگ توحید رسالت کا اقرار کریں اور دو شخصوں میں تفاق نہ ڈالیں وہ سب اسی اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ گذشتہ واقعات کو نسیاً منسیا کر دیا جائے۔ صائم اپنے حساب سے روزے رکھیں اور افطار کریں۔ اہل روایت روزہ دار ہونے کی وجہ سے افطار کرنے والوں سے تعرض نہ کریں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے کوئی مانع نہ ہوگا۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے پانچ کہیں اور چار تکبیریں کہنے والے چار سے نہ روکے جائیں۔ مؤذن اذان سے حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلْ پکاریں اور جو مؤذن اذان میں یہ کلمہ نہ کہے اسے ستایا نہ جائے۔ اصحاب کو گالیاں نہ دی جائیں۔ اور ان کی تعریف کرنے والوں سے مؤاخذہ نہ کیا جائے۔ اور اس بارہ میں جو شخص ان کا مخالف ہے وہ مخالف رہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے اعتقادات میں دست اندازی نہ کرے۔"

حاکم کے قتل کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ ابن خلدون اور بعض دوسرے مؤرخوں نے اس کے حادثہ قتل کو یوں لکھا ہے۔ حاکم عموماً رات کے وقت گدھے پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا کرتا تھا اس نے کوہ مقطم پر ایک مکان بنوا رکھا تھا جہاں جا کر کوکب کی روحانیت جذب کرنے کے لیے تنہا رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ۲۷ شوال ۴۱۱ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا اور سوار ساتھ ہو لیے اس نے دونوں سواروں کو یکے بعد دیگرے واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا چند روز تک ارکین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے۔ بالآخر قاضی مظفر صقلی اور بعض دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ مقطم پر چڑھے تو دیکھا ہاتھ پاؤں کٹا مردہ پڑا ہے آگے بڑھے تو حاکم کا پھٹا ہوا کپڑا ملا جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں۔ جب اس کے قتل میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا تو ارکان دولت جمع ہو کر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے جو امور سلطنت میں بہت کچھ دخیل تھی۔ پھر ابن دواس حاضر ہوا۔ بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خورد سال بیٹے علی نام کو سریر سلطنت پر متمکن کیا گیا۔ علی بن حاکم نے بیعت لینے کے بعد "الظاہر لاعزاز دین اللہ" کا خطاب اختیار کیا۔ بیعت کے دوسرے دن ابن دواس سپہ سالار دوسرے فوجی سرداروں کے ساتھ بنت الملک کے پاس حاضر ہوا۔ بنت الملک نے اپنے خادم کو

اشارہ کر دیا اس نے لپک کر ابن دواس کو تلوار پر اٹھا لیا۔ اور انہی عہدہ داروں کی موجودگی میں قصر عدم میں پہونچا دیا۔ بنت الملک برابر کہتی جاتی تھی کہ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے۔ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے کسی نے دم نہ مارا۔"

لیکن علامہ مقریزی نے بہن یا سپہ سالار کی شرکتِ قتل کو بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ محرم ۴۱۵ھ میں قبیلہ بنو حسین کا ایک آدمی گرفتار ہوا جس نے اقرار کیا کہ ہم چار آدمیوں نے جو مختلف بلاد میں منتشر ہو گئے تھے حاکم کی جان لی تھی۔ اس نے حاکم کے جسم کے بعض خشک لوتھڑے بھی نکال کر دکھائے اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ تو کہنے لگا کہ اس کی بے دینی کی بنا پر مجھے اللہ اور اسلام کی خاطر غیرت آگئی۔ پھر پوچھا گیا کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا؟ تو اس نے ایک چھری نکالی اور کہنے لگا دیکھو میں نے اس کو یوں قتل کیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے چھری اپنے پیٹ میں گھونپ لی اور خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔" یہ واقعہ نقل کر کے مقریزی لکھتے ہیں کہ قتل حاکم کا صحیح واقعہ یہی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ اس کی بہن نے اسے قتل کرایا بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ علی بن حاکم کی تخت نشینی کے بعد بنت الملک مہام سلطنت کی نگران ہوئی۔ اور چار برس تک زمام حکومت اپنے دست اختیار میں رکھ کر رہگرائے عالم آخرت ہو گئی۔[1]

عبید اللہ اور اس کی اولاد و احفاد میں سے تیرہ بادشاہ دو سو ستر سال ۲۹۶ھ سے ۵۶۷ھ تک شمالی افریقہ اور مصر کے فرمانروا رہے جن میں سے حاکم بامر اللہ چھٹا تھا۔ حاکم کے بعد آٹھ اور تاجدار بر سر حکومت رہے۔ خلیفہ مستضئ باللہ عباسی کے آغازِ خلافت میں دولت بنو عبید کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا۔

حسن بن صباح حمیری

حسن بن صباح جو مہبطِ وحی ہونے اور خدائے برتر سے احکام پانے کا مدعی تھا ایک ایسے خوفناک فرقہ کا بانی ہے جس کی خفیہ سازشوں کا اور جان ستانیوں کا تصور بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ یہ شخص شہر طوس میں جو علاقہ خراسان

---

[1] ابن خلدون، ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۰۸، تاریخ الخلفاء سیوطی کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ ص ۶۸ - ۷۴ -

میں ہے پیدا ہوا۔ اس کا باپ علی اسماعیلی مذہب کا پیرو اور شہر رے میں بود و باش رکھتا تھا۔ جو عراق عجم کا ایک شہر ہے۔ علی کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری اس لئے اس نے حسن بن علی کے بجائے حسن بن صباح کہلانا پسند کیا۔ حسن کا باپ علی اپنے خبث باطن اور رفض و زندقہ میں بدنام تھا۔ مصلحتاً اپنے بیٹے حسن کو نیشاپور لے جاکر امام مؤفق کے درس میں داخل کرا دیا۔ حسن اس سے پیشتر کئی سال تک عبدالملک بن عطاش نام ایک اسماعیلی سے تحصیل علم کرتا رہا تھا۔ امام مؤفق کی تعلیم و تربیت میں خدائے برتر نے یہ خوبی رکھی تھی کہ ان کے شاگرد عموماً کسی نہ کسی درجہ پر پہونچ جایا کرتے تھے اور یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ امام موفق کا تلمذ جاہ و حشم کا ضامن ہے۔

خواجہ حسن طوسی (جو بعد کو سلجوقی سلطنت کا وزیر اعظم ہو کر نظام الملک کے لقب سے ممتاز ہوا) اور حکیم عمر خیام نیشاپوری بھی حسن بن صباح کے ہم درس تھے نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہر شخص قسمت آزمائی کے میدان وسیع میں نکل کر سمند تدبیر پر سوار ہوا۔ خواجہ حسن بمقام مرو سلطان ملک شاہ کے دادا چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہونچا اور رسائی حاصل کر کے ترقی کے زینے طے کرتے کرتے سلجوقیوں کا وزیر اعظم ہو گیا۔ اس طرح دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ ہاتھ میں رکھ کر نظام الملک طوسی کے معزز لقب سے دنیا میں چمکا۔

چونکہ اکثر احباب تاریخ آل سلجوق سے ناآشنا ہیں اس لئے یہاں مختصراً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سلجوقیوں کا عہد حکومت مسلمانوں کے نہایت عروج و اقبال کا زمانہ تھا۔ چنانچہ جب خلافت بغداد کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تو دولت سلجوقیہ ہی خلافت بنی عباس کا نعم البدل ثابت ہوئی۔ خلافت آل عباس کی کمزوری کے باعث ایک قسم کی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی۔ افغانستان کی مغربی سرحد سے لے کر بحیرہ روم تک از سر نو واحد بادشاہ کے قبضۂ اقتدار میں آ گیا۔ جو اجزائے سلطنت بکھر گئے تھے۔ وہ ایک مرتبہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہو گئے۔ انہی ترک جنگجوؤں نے یورپ کی پیش قدمی کو روکا۔ اور یہ صلیبی مجاہدوں کی ہزیمتوں اور ناکامیوں کا باعث بھی بہ نسبت کسی اور سلطنت کے زیادہ تر یہی پرجوش نو مسلم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلاجقہ کو تاریخ اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ طغرل بیگ، الپ ارسلان اور ملک شاہ میں سے ہر ایک بذات واحد اپنی

وسیع سلطنت پر مدت تک حکمران رہے لیکن ملک شاہ کے انتقال پر اس کے دو بیٹوں محمد اور برکیارق میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلجوقیوں کی متعدد شاخوں نے اس وسیع و عریض سلطنت کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ چنانچہ نیشاپور اور مرو کے علاوہ اس خاندان کے گیارہ بادشاہ کرمان میں، چار تاجدار شام میں، نو فرمانروا عراق و کردستان میں اور اکیس ملوک ایشیا کوچک میں ۷۰۰ھ تک نہایت شان و شوکت سے حکمرانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فضائے روم میں ترکان آل عثمان کا پر غرور جھنڈا لہرایا۔ اور سلجوقی اقبال کے نقش مٹ کر حکومت کے بعض حصے عثمانی عَلَمِ اقبال میں آ گئے۔

حسن صباح ۴۶۵ھ میں نیشاپور آیا۔ نظام الملک نے اس کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ نظام الملک نے جو عہدہ ابن صباح کو دلایا وہ اختیار و اعتبار میں وزارت سے کم نہ تھا لیکن حسن تو ایسے اختیارات چاہتا تھا جن میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اس لئے اسے اس بات کی تمنا ہوئی کہ خواجہ نظام الملک اسے کسی طرح اپنی وزارت میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم بن جائے۔ کسی طرح نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرا کر خود اوج حشم پر پہونچ جائے۔

ایک مرتبہ ابن صباح ارکان سلطنت کے درمیان مختلف امور پر مبادلۂ خیالات کر رہا تھا۔ اس دوران میں کہنے لگا کہ حضرت سلطان المعظم بیس سال سے حکمران ہیں انھیں چاہیئے کہ ممالک محروسہ کے جمع و خرچ سے بھی واقف ہوں۔" یہ آواز شدہ شدہ سلطان ملک شاہ کے کان تک پہونچی اسی بنا پر سلطان نے ایک دن نظام الملک سے پوچھا کہ ایک ایسا مکمل چٹھا کتنے دن میں تیار ہو سکتا ہے جس سے تمام سلطنت کے بست سالہ محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے؟ نظام الملک کہنے لگا "خداوند نعمت! حضور کی سلطنت کاشغر سے لے کر روم اور مصر تک پھیلی ہوئی ہے اگر میں بڑی کوشش کروں تو دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں۔ حسن ابن صباح حصول تفوق کا یہ موقع غنیمت جان کر کہنے لگا کہ " جہاں پناہ میں ایسی فہرست صرف چالیس روز میں پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت اور اس کا تمام عملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔" سلطان نے امتحاناً یہ خدمت ابن صباح کے سپرد

کر دی۔ چالیس دن کے بعد حسن تمام مسودات لے کر حاضر دربار ہوا۔ ملک شاہ نے مسودات کی ورق گردانی کر کے بعض جزئیات کے متعلق حسن سے سوالات کرنے شروع کیے۔ ابن صباح ان کا بالکل جواب نہ دے سکا۔ خواجہ نظام الملک موقع کو غنیمت جان کر آگے بڑھا اور عرض کیا۔ خداوند عالم! انہی مشکلات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس خاکسار نے دو سال کی مدت مانگی تھی۔

"دستور الوزراء" میں خواجہ نظام الملک نے خود لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے حقیقت میں بڑا کمال کیا تھا۔ مگر چونکہ اس نے از راہ حسد و نقض عہد یہ سب کارروائی کی تھی خدا کے فضل و کرم سے بادشاہ کے سامنے اسے خجلت اٹھانی پڑی۔ اور اگر وہ خدانخواستہ ملک شاہ کو مطمئن اور شادروح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو مجھے وزارت سے یقیناً سبکدوش کر دیا جاتا۔" لیکن دبستانِ مذاہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الملک نے کسی ترکیب سے حسن بن صباح کے یہاں سے کاغذات منگا کر اوراق کو بے ترتیب کر دیا تھا اور صاحب تذکرہ دولت شاہی کا بیان ہے کہ نظام الملک کے رکابدار نے حساب کے اوراق منتشر کرادیے تھے یہی وجہ تھی کہ ابن صباح سلطان کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا۔[1]

حسن ابن صباح کا سلجوقی دربار سے ذلت آمیز اخراج کو اس کے لیے نہایت ہمت شکن تھا لیکن حقیقت میں یہی واقعہ اس کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ تھا۔ اس واقعہ نے اس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا۔ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہونچا اور اصفہان سے نکل کر عازم رے ہوا۔

اسماعیلی مذہب کے داعی الکبیر سے مل کر درخواست کی کہ مجھے تبلیغ کی خدمت مفوض فرمائی جائے۔ داعی الکبیر نے اس کو مصر بھیجا۔ وہاں ان دنوں عبیدیوں کی سلطنت تھی جو بظاہر اسماعیلی اور در پردہ باطنی تھے۔ حسن کی وہاں بہت قدر و منزلت ہوئی لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں ایک سازش میں ملوث پایا گیا اس بنا پر امیر الجیوش نے اس کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اسی دن قلعہ کا ایک نہایت مضبوط برج گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو حسن کے باطنی تصرف پر محمول کیا۔ یہ دیکھ کر امیر الجیوش برافروختہ ہوا اور

---

[1] دبستان مذاہب ص ۲۸۶ - ۲۸۸ سنینِ اسلام ص ۱۰۴ - ۱۰۸ -

اس قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلایا اور افریقہ کی طرف خارج کر دیا۔ اتفاق سے سمندر کی طرف طوفان آ گیا۔ تمام مسافر عالم سراسیمگی میں موت کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن حسن کے چہرہ پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ جہاز کپتان نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ اور مسافر تو طوفان کی دہشت انگیزیوں سے بے اوسان ہو رہے ہیں اور تم بالکل مطمئن بیٹھے ہو؟ حسن نے جواب دیا کہ خدا نے اطلاع دی ہے کہ جہاز کو اور اس کے مکینوں کو کچھ نقصان نہ پہونچے گا تھوڑی دیر میں واقعی سمندر پر سکون ہوا اور طوفان جاتا رہا۔ لوگ حسن کے بڑے گرویدہ ہوئے۔ کپتان بھی بڑا معتقد ہو گیا اور حسن کی خواہش کے بموجب افریقہ لے جانے کے بجائے اسے ساحل شام پر ہی اتار دیا حسن نے فی الحقیقت یہ سوچ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا تو پھر یہ اعتراض کرنے والا کوئی نہ رہے گا کہ تمہاری پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور اگر اتفاق سے سچی ہو گئی تو اپنے تعلق باللہ کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جہاز سے اتر کر وہ حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہونچا اور ان تمام بلاد و امصار میں اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا۔

حسن بن صباح الموت کے قریب قیام کر کے لوگوں کے دلوں پر اپنے ریاکارانہ زہد و اتقار کا سکہ جما رہا تھا۔ ان کوششوں کے صدقہ میں بہت سے لوگ حسن کے تابع و منقاد ہو گئے۔ ہزارہا آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ سرزمین جعفری نام ایک امیر کے زیر حکومت تھی جس نے ایک علوی کو اپنی نیابت پر سرفراز کر رکھا تھا۔ ابن صباح علوی سے کہنے لگا کہ میرے نزدیک دوسرے شخص کی مملوکہ زمین پر عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام گوشۂ عافیت میں واقع ہونے کی وجہ سے مجھے بہت مرغوب ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ عبادت الٰہی کے لئے اس قلعہ کی صرف اتنی زمین میرے نام بزبیع کر دو جس پر بیل کا ایک چرسہ محیط ہو سکے۔ میں اس کے لئے تین ہزار دینار سرخ آپ کی نذر کر سکتا ہوں؟ وہ شخص طمع نفسانی سے فریب میں آ گیا اور بیع نامہ کی تکمیل کر دی۔ حسن نے بیل کی ایک کھال منگوا کر اس کی نہایت باریک دھجیاں اور تسمے کاٹ کر ان کو باہم جوڑ دیا اور اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ جس نے سارے قلعہ کو احاطہ میں لے لیا۔ قلعہ دار یہ پیمائش دیکھ کر حیرت زدہ ہوا اور کہنے لگا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں نے صرف نماز کا

مصلیٰ بچھانے کی خاطر صرف اتنی زمین فروخت کی ہے جو ایک چرسہ کے اندر آجائے۔"
حسن نے کہا کہ نہیں چرسہ سے یہی مراد تھی کہ جس شکل میں بھی چرسہ جتنی جگہ پر محیط ہو سکے وہ سب اس بیع میں داخل ہے۔" قلعہ گیر فوج کے بہت سے سپاہی جو درپردہ حسن کے مرید ہو چکے تھے تائید کے لئے کھڑے ہو گئے۔ الغرض مہدی علوی کو بادل ناخواستہ خاموش ہونا پڑا۔ اب زرثمن کے لئے حسن نے اپنے ایک مرید مظفر نام کو جو دامغان کا حاکم اور درپردہ باطنی تھا لکھ بھیجا کہ میں نے یہ قلعہ مہدی علوی سے تین ہزار دینار میں خرید لیا ہے۔ آپ مہدی کو تین ہزار دینار دے دیجئے۔"
چنانچہ مظفر نے قیمت ادا کر دی اور مظفر اور حسن کے دوسرے مریدوں کی کوشش سے قلعہ خالی کرا لیا گیا۔ جب ابن صباح کو الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا تو اس نے صوبۂ رودبار اور قزوین میں بڑے استقلال سے اپنے مذہبی خیالات کی تبلیغ شروع کی۔ مذہب کی آڑ میں تمام صوبۂ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت قائم ہو گئی۔ حسن نے قرب وجوار کے بے مصرف قلعوں کو مرمت کرایا بعض مقامات پر جدید قلعے تعمیر کرائے۔ قلعۂ الموت کو بہ حیثیت مستقر حکومت خوب مستحکم کیا۔ اور اس کے چاروں طرف عالیشان محل تعمیر کرائے اور باغات لگوائے۔ ان عالی شان محلات کی پاکیزگی اور خوشنمائی، باغوں اور مرغزاروں کی نزہت و تر و تازگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ ان کے بیچوں بیچ جنت کے نام سے ایک نہایت خوش سواد باغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان مہیا کئے جو انسان کے لئے موجب تفریح ہو سکتے ہیں۔ ان سب لذائذ و نعائم کے علاوہ دل بہلانے کے لئے پری مثال کمسن نازنینیں موجود تھیں۔ ان ماہ وش اچھوتیوں کی سادگی وضع اور ان کے حسن و جمال کی دلربائی معاً دیکھنے والے کو یہ یقین دلاتی تھی کہ یہ عالم سفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ داخلہ کے بعد زائر کے دل پر فرحت و انبساط کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت و مسرت کو دنیاوی نہیں بلکہ اخروی یقین کرے۔ یہاں کے حور و غلمان کا تمام کاروبار بالکل رازداری سے انجام پاتا تھا ہر وہ چیز جس کے باہر سے مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اس حسن اسلوب سے فراہم کی جاتی تھی کہ کسی کو کبھی سراغ نہ لگ سکتا تھا۔ حسن نے اپنے مریدوں کو تین جماعتوں پر تقسیم کر رکھا تھا ایک تو داعی و مناد تھے جو دور دراز ممالک میں خفیہ

لوگوں کو اس کے مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ دوسرے رفیق جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی۔ تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا جس کے لیے یہ جنت بنائی گئی تھی۔ ابن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ کے خوبصورت تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر بیان کے باور کرنے اور جلد ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی فدائیوں کی جماعت میں بھرتی کرتا۔ ان کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک سرخ دستار اور کمر بند، ہاتھ میں تبر یا چھری اور کمر میں چھری۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے ہر ایک حکم کی بلا عذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے تھے۔ بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں شاید ان ایام میں ایک غیر معلوم چیز تھی۔ اور غالباً حسن بن صباح ہی پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے بھنگ سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہوگا جب فدائی سپاہی امیدواری کا دور ختم کر لیتا تو حسن اسے بھنگ کے اثر سے بیہوش کر کے جنت میں بھجوا دیتا جہاں وہ جان پرور حوروں کی گود میں آنکھ کھولتا۔ اور ہر طرح کے تعیشات میں محو رہتا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ان محبت شعار حوروں کی الفت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ لیتا کہ پھر مدت العمر کبھی مٹ نہ سکے، پھر وہی حوریں بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل کے پاس بھجوا دیتیں جہاں آنکھ کھول کر وہ اپنے تئیں شیخ کے قدموں پر پاتا اور جنت کے چند روزہ قیام کی خوشگوار یاد اس کو سخت بےچین کر دیتی۔ ابن صباح اس کو جنت میں بھیجے جانے کی پھر امید دلاتا اور کہتا کہ جنت کے دائمی قیام کی لازمی شرط جاں ستانی و جاں سپاری ہے۔ فدائی امتثال امر میں اپنے حوصلہ سے بڑھ کر سرگرمی اور مستعدی دکھاتا تاکہ کسی طرح جلد جنت میں پہونچ کر وہاں کی مسرتوں سے ہمکنار ہو۔ یہی وہ خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا اشارہ ہوتا وہ وہاں کوئی روپ بھر کر جاتے رسائی اور آشنائی پیدا کرتے۔ اس کے معتمد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے یہی وہ فدائی تھے جن کی وجہ سے دنیا بھر کے امراء و سلاطین ابن صباح کے نام سے کانپتے تھے۔ ان کی قساوت قلبی اور خونخواری کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو بلی کا گوشت کھلایا جاتا تھا بلی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور مخالف پر سخت

بے جگری کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔ یہی حال فدائیوں کا تھا کہ جس کے قتل کا ایک دفعہ حکم مل جاتا تھا اس کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے تھے[1] میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ فدائیوں کے علاوہ ابن صباح کی دو اور جماعتیں بھی تھیں۔ داعی اور رفیق۔ رفیقوں کے لئے بادام، شہد اور کلونجی کا ناشتہ تیار کرایا جاتا۔ جب یہ چیزیں کھا کھا کر رفیقوں کا دماغ گرما جاتا تو ابن صباح ان سے کہتا کہ حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت پر ایسا ایسا ظلم ہوا ہے پھر ان کو اہلِ بیت اطہار کی مظلومی کے سچے جھوٹے قصے سنا سنا کر جوش دلایا جاتا۔ اس سے کہا جاتا کہ خارجیوں کے فرقہ ازارقہ نے بنو امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تم برسرِ حق ہو کر جان دینے میں بخل کرو اور جان پر کھیل کر اپنے امام کی مدد نہ کرو۔" دونوں جماعتوں میں فرق یہ تھا کہ جہاں تیغ و سنان کی لڑائی ہوتی وہاں رفیق جاکر اپنے امام کی رفاقت کا حق ادا کرتے اور جہاں دھوکے سے جان ستانی مقصود ہوتی وہاں فدائیوں کو بھیج کر مطلب برآری کی جاتی۔

جب حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کرکے گرد و پیش کے شہروں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس کے پیروؤں کی جمعیت بھی دن بدن بڑھنے لگی تو سلطان ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کو لامحالہ اپنی توجہ ادھر معطوف کرنی پڑی لیکن نظام الملک نے فوج کشی کے بجائے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت ابن صباح کے پاس بھیجی گئی۔ جس کا یہ منشا تھا کہ حسن کو سلطان کی شاہانہ سطوت سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ ایلچی نے الموت پہونچ کر حسن سے گفتگو کی اور اس کو تمام نشیب و فراز سمجھایا مگر وہ اطاعت پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ جب ایلچی بے نیل مرام واپس جانے لگا تو حسن نے ایلچی کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ جاکر ملک شاہ سے کہہ دیجئے کہ ہم کو نہ ستائے اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرے کہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی جان بازی میں فرد ہے اس کے نزدیک دوسرے کی جان لینا اور اپنی جان دینا ایک معمولی بات ہے۔ چنانچہ ایلچی کی موجودگی میں اس قطار سے جو سامنے کھڑی تھی

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۱۵۸۔

خطاب کر کے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمھیں تمھارے مولی کے پاس بھیج دوں۔ تم میں سے کون شخص اس کے لئے آمادہ ہے؟ ان میں سے ہر نوجوان جلدی سے آگے بڑھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں اس کے لئے آمادہ ہوں سلطان کا ایلچی سمجھا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجے گا۔ اب اس نے ایک فدائی سے کہا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو۔ اس نے معاً چھری نکال کر اپنے دل پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا دوسرے سے کہا کہ اپنے تئیں قلعہ کی فصیل پر سے گرا دو۔ وہ قلعہ سے نیچے کود پڑا اور پاش پاش ہو گیا۔ تیسرے سے کہا کہ پانی میں ڈوب مرو۔ اس نے بھی فوراً حکم کی تعمیل کی۔ غرض تینوں فدائی ایلچی کے دیکھتے دیکھتے جان سپاری کر کے شیخ الجبل پر قربان ہو گئے۔ جب ایلچی یہ ہیبت ناک منظر دیکھ چکا تو حسن نے اس سے سوال کیا کہ کیا ملک شاہ کی فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا مل سکے گا جو میرے بیس ہزار فدائیوں کی طرح اس درجہ جان نثار ہو؟ ایلچی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا لیکن وہ حسن کے پیرووں کی جان بازی پر سخت حیرت زدہ تھا واپس جا کر یہ ہولناک چشمدید واقعات ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک سے بیان کئے تو انھوں نے دو سال کے لئے فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔

۴۸۵ھ میں ایک لشکر جرار ابن صباح کی پامالی کے لئے روانہ کیا۔ جب حسن کو اس فوجی نقل وحرکت کا علم ہوا تو اس نے ایک فدائی کو بھیجا کہ نظام الملک کی جان لے لے نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد جا رہا تھا۔ جب نصف مسافت طے ہو گئی تو ملک شاہ نے چند روز کے لئے نہاوند میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ خواجہ نظام الملک نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی اور حسب معمول نماز کے بعد فقہاء وعلماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثنائے گفتگو میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام ۲۰ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات بیان کئے جنھوں نے معرکہ نہاوند میں جام شہادت پیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد خواجہ نے نماز تراویح پڑھی اور بعد فراغ ایک محفہ پر سوار ہو کر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہونچا تو فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ارباب ایمان کی ایک کثیر جماعت جرعۂ شہادت پی کر روضۂ رضوان کو چلی

گئی تھی۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ... ۔ ابھی سوار ہی تھا کہ اتنے میں ایک دیلمی نوجوان محفّہ کی طرف بڑھا اور مستغیث کی حیثیت اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی اٹھا کر پڑھنے لگا تو دیلمی نے خواجہ کے دل میں چھری بھونک دی۔ حملہ کے ساتھ ہی تمام لشکر میں کہرام مچ گیا۔ قاتل جس کا نام ابو طاہر تھا۔ خواجہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے قصاص میں قتل نہ کرنا لیکن غلاموں نے اس کی گردن مار دی۔ تھوڑی دیر میں خواجہ نے بھی داعیٔ مرگ میں قدم رکھ دیا۔ بغداد کا شہرۂ آفاق مدرسہ نظامیہ جس میں امام محمد غزالی بھی مدرس رہ چکے ہیں اسی نظام الملک مرحوم کا بنوایا ہوا تھا۔ ۴۵۹ھ میں اس مدرسہ کی تکمیل ہوئی تھی۔

ابن صباح کے اسماعیلی استاد کا نام عبد الملک بن عطاش تھا۔ اس کا بیٹا احمد بن عبد الملک قلعہ شاہ در کا حکمران تھا۔ احمد نے بھی مسلمانوں کے خلاف بڑا ادھم مچا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد نے ۵۰۰ھ میں قلعہ شاہ در پر جو اصفہان کے قریب واقع تھا بہ نفس نفیس یورش کی اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ مدت تک حملے کرتا رہا۔ باطنی طولِ جنگ اور شدتِ محاصرہ سے گھبرا گئے اور فقہائے اہلِ سنت و جماعت کے پاس اپنے متعلق ایک استفسار روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

"کیا فرماتے ہیں سادات فقہا و ائمۂ دین اس گروہ کی بابت جو حق تعالیٰ پر، قیامت پر، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اور ما جاءَ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جانتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن محض مسئلۂ امامت میں اختلاف کرتا ہے۔ کیا سلطان وقت کو اس کی موافقت اور رعایت جائز ہے اور اگر وہ فرقہ اطاعت کرے تو کیا اس کی اطاعت قبول کرنا اور اسے ہر اذیت سے بچانا شرعاً روا ہے؟ اکثر علمائے اہلِ سنت نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور بعض نے توقف اختیار کیا۔ آخر فقہائے اہلِ سنت و جماعت ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ شیخ ابو الحسن علی بن عبد الرحمن سمنجانی نے جو شافعی مذہب کے عالم تھے قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا۔ اور برملا کہہ دیا کہ اس فرقہ کی طرف سے محض اقرار باللسان اور تلفظ بالشہادتین کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر تمہارا امام ایسے امور مباح کر دے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا ہے یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہے جسے شریعت

۱؎ ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۰۸، تلبیس ابلیس ص ۱۵۹۔

ٹھہرے حلال اور جائز ٹھہراتا ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں"۔ ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالاتفاق مباح ہو جاتا ہے۔ اب باطنیوں نے سلطان سے درخواست کی کہ آپ اپنے علماء کو ہمارے مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ فرمایئے۔ سلطان نے قاضی ابو العلاء صاعد بن یحییٰ شیخ الحنفیہ کو جو اصفہان کے قاضی تھے چند دوسرے علماء کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مگر چونکہ باطنیہ کا حقیقی مقصد محض قضیہ کو طول دینا تھا اس لئے حیلے حوالے کرنے لگے اور علماء واپس چلے آئے۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ ہمیشہ سوال کے تابع ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کہے کہ میں خالق کردگار پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوں" نافیٔ ایمان دلائل کا فقدان اس کے مومن قرار دیئے جانے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے تو ایسی حالت میں توحید و رسالت کا اقرار اور ملائکہ کتب سماوی بعث بعد الموت کا اذعان اس کے لئے کچھ بھی فائدہ بخش نہ ہوگا مثلاً ختم نبوت کا اقرار ضروریات دین میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص توحید رسالت کے اقرار کے ساتھ ختم نبوت کا منکر یا مدعیٔ نبوت ہو تو وہ بالاجماع خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع[۲]

ہمارے نبی (حضرت خاتم النبیین) صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔

سلطان محمد کے انتقال پر ۵۱۲ھ میں اس کا چھوٹا بھائی سلطان سنجر صاحب تاج و تخت ہوا سلطان ملک شاہ کے سلطان سنجر نے ارادہ کیا کہ تسخیر الموت کا جو کام ہر مرتبہ تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے اس کو انجام تک پہونچائے۔ چنانچہ تجہیز لشکر کا حکم دے دیا اور بذات خود فوج لے کر روانہ ہو گیا۔ یہ سن کر ابن صباح گھبرایا کیونکہ شاہی لشکر کا مقابلہ اس کے حیطۂ امکان سے خارج تھا۔ اس کے فدائی تو چوروں اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے لہذا حسن

---

[۱] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۵۱ [۲] شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۰۲۔

بن صباح نے سلطان کی خواب گاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گڑوا دیا۔ دستہ خنجر کے اوپر ابن صباح کا ایک خط بھی بندھا ہوا ملا جس میں لکھا تھا:۔

ہاں! اے سلطان سنجر بپرہیز کہ اگر رعایتِ خاطر تو منظور نہ بودے دستے کہ خنجرے بر زمین سخت فرو برد بر سینۂ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد	اے سلطان سنجر! ہماری اذیت سے باز آؤ۔ اگر تمھارا پاس خاطر منظور نہ ہوتا تو سخت زمین میں خنجر پیوست کرنے کی نسبت تمھارے نرم سینہ میں اس کا چبھو دینا زیادہ آسان تھا۔

خنجر اور خط کو دیکھ کر سلطان یہ سمجھا کہ میری فوج اور میرے پہرہ داروں میں ضرور ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں ابن صباح سے نسبت ارادت حاصل ہے ورنہ کس کی مجال تھی کہ میرے خواب گاہ میں قدم رکھتا؟ اسی دن ابن صباح کا قاصد بھی لشکر گاہ میں آپہونچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا لہذا جان کے خوف سے جنگ پر صلح آشتی کو ترجیح دی۔ اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی۔

(۱) اسماعیلی فرقہ کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے (۲) جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خریدے (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔

لیکن ابن صباح کے لئے یہ شرطیں کسی حیثیت سے بھی مضرت رساں نہ تھی کیونکہ اس وقت تک پچاس سے زائد قلعے باطنیوں کے قبضہ میں آچکے تھے جو سب مستحکم اور کارآمد تھے۔ دوسری شرط بھی مضر نہ تھی۔ کیونکہ ابن صباح کے باطنی پیرووں کے لئے صرف ایک چھری کافی تھی جو ہر وقت کمر میں رہتی تھی اور اس معاہدہ کے بعد بھی رہ سکتی تھی۔ تیسری شرط گو بظاہر سخت تھی لیکن فی الحقیقت اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔ حسن کا خود پہلے سے اس پر عمل درآمد تھا۔ کیونکہ اسماعیلی داعی ہر شخص سے مخفی بیعت لیتے تھے۔ جس کا حال کسی پر کھل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر اس دفعہ کی پابندی کی جاتی تو بھی کچھ نقصان نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک باطنی فوج کی تعداد جو قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تھی ستر ہزار تک پہونچ چکی تھی۔

ان واقعات کے بعد ابن صباح نے ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ کو جام مرگ

لہ نظام الملک طوسی بحوالہ نامۂ خسروان ص ۱۰۸ حالات حسن بن صباح۔

نوش کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ پینتیس سال تک قلعۂ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ ابن صباح کے پیروؤں کو جو ترقی نصیب ہوئی "تاریخ آل سلجوق اصفہانی" میں اس کا باعث محکمہ جاسوسی کا فقدان بتایا ہے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فرقہ باطنیہ اندر ہی اندر ترقی کرتا گیا اور سلطنت کو اس کی سازشوں اور خفیہ کارستانیوں کا اس وقت علم ہوا جب ابن صباح نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ ابن صباح نے اپنے عہد حکومت میں قریباً سو قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا جن میں سے یہ گیارہ قلعے نہایت عظیم الشان تھے (۱) الموت (۲) گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ در (۵) دسمکوہ (۶) خالنجان (۷) استون آوند (۸) آردھن (۹) الناظر (۱۰) طنبور (۱۱) خلادخان ان میں چوتھا قلعہ اصفہان کے پاس تھا۔ پانچواں شہر ابہر کے متصل چھٹا اصفہان سے پانچ فرسنگ کے بُعد پر۔ ساتواں شہر رے اور آمل کے مابین نواں خورستان میں۔ دسواں شہر آرجان کے متصل اور گیارہواں فارس اور خورستان کے مابین واقع تھا۔ ان کے علاوہ صوبہ رودبار اور قہستان وغیرہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے جن کو ملا کر مجموعی تعداد سو کے قریب تھی۔

اسماعیلی فرقوں کی تعداد جنھوں نے مختلف ملکوں اور وقتوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا کم از کم اکیس تک پہونچتی ہے جن میں سے حسن بن صباح کا فرقہ حسنی سب سے آخری مسلم آزار فرقہ ہے جس سے عالم اسلام کو سابقہ پڑا۔ پہلا فرقہ ملقب بہ اسماعیلی تو اصل ہے باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے دعاۃ کی طرف منسوب ہو کر یا کسی خاص عقیدہ کے ماتحت کسی نام سے شہرت پذیر ہوئیں۔ دوسرا مبارکی جو محمد بن اسمٰعیل کے غلام مبارک کی طرف منسوب ہوا جس نے کوفہ میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت کی۔ تیسرا بابکی جو بابک خرمی کا پیرو ہے چوتھا محمرہ جو سرخ لباس پہننے کے باعث اس نام سے مشہور ہوا۔ پانچواں میمونی جو عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا پیرو تھا۔ چھٹا خلفی جو عبداللہ بن میمون کے نائب خلف کی طرف منسوب ہوا۔ ساتواں قرمطی جو حمدان اشعث معروف بہ قرمط کی طرف منسوب ہے آٹھواں

؎ [illegible]

برقعی جو محمد بن علی برقعی سے نسبت رکھتا ہے۔ برقعی نے ۲۵۵ھ میں بمقام اہواز خروج کیا اور خورستان اور بصرہ پر قبضہ کرکے ہزارہا لوگوں کو داخل مذہب کرلیا۔ آخر ۲۷۰ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے اسے سولی دی گئی اس نے اپنے عقائد میں مزدکی اور بابکی اصول بھی شامل کرلیے تھے۔ نواں جنابی جو ابوسعید جنابی کی طرف منسوب ہے دسواں مہدوی جو عبید اللہ مہدی بانی دولت بنو عبید کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں گیارھواں نفضلی جو علی بن فضل یمنی کی طرف منسوب ہوا بارھواں بیضیہ جو ملک شام میں اس نام سے مشہور ہوا۔ تیرھواں حسنی جو حسن بن صباح کی طرف منسوب ہوا۔ اسی طرح اسماعیلیوں کے یہ نام بھی مشہور ہوئے۔ (۱۴) تعلیمیہ (۱۵) فدائیہ (۱۶) حشاشین (۱۷) باطنیہ (۱۸) صباحیہ (۱۹) حمیریہ (۲۰) ملاحدہ (۲۱) نزاریہ۔ چونکہ عبیدی فرمانروا مستنصر والئ مصر کے عہد حکومت میں اس کے بیٹے نزار نے اس سے بیعت نہ کرنے پر اسماعیلیہ کے ہواخواہوں کو قتل کیا تھا اور حسن بن صباح نے جو اس کے پاس رہتا تھا اس کے بعد اسماعیلی ائمہ کی امامت سے مصر میں انکار کیا تھا اس بنا پر اس کا گروہ نزاریہ کے نام سے موسوم ہوا۔

ابن صباح کی موت کے بعد قلعہ الموت میں اس کے سات جانشین ایک سو چھتیس سال یعنی ۶۵۴ھ تک حکمران رہے جن کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

(۱) ابن صباح کی وصیت کے بموجب کیا بزرگ امید جو اس کا رفیق تھا ۵۱۸ھ میں شیخ الجبل ہوا۔ ابوعلی اس کا وزیر قرار پایا اور حسن قصرانی سپہ سالار متعین ہوا۔ اس کے عہد میں بہت سے حکمرانوں نے باہم اتفاق کرکے ارادہ کیا کہ باطنی فتنہ کا خاتمہ کردیں۔ چنانچہ سلطان سنجر کا بھتیجا اور جانشین سلطان محمود قلعہ الموت پر چڑھ گیا۔ اور اس کو فتح کرکے باطنیوں کو بری طرح پامال کیا۔ مگر سلطان محمود کے انتقال کے بعد کیا بزرگ پھر الموت پر قابض ہو گیا اور اس کی حکومت تردین تک پھیل گئی۔ اس کے عہد میں تین جلیل القدر بادشاہ باطنی خون آشامی کا شکار ہوئے اور بہت سے دوسرے اکابر ملت بھی عفریت اجل کے حوالے کرکے آغوش لحد میں سلادیئے گئے۔

(۲) کیا بزرگ کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا۔ یہ بالکل جاہل و

ناخواندہ تھا لیکن باطنی الحاد و زندقہ کی پیروی میں ابن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا اس کے عہد میں بھی خونریزی علیٰ حالہا جاری رہی۔ فدائی لوگ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے اس کو لوٹ کر قتل کر دیتے۔ لیکن یہ لوگ مقتولین کے مال و منال پر خود ہرگز تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا شیخ الجبل کے خزانۂ عامرہ میں پہونچا دیتے تھے اور یہ الفاظ ہر وقت ان کی زبان پر تھے کہ ہم دنیائے دنی اور اس کی لذات غانیہ کے خواہشمند نہیں ہیں بلکہ ہم طالبِ مولیٰ ہیں صفحۂ ہستی کو مخالفوں کے خار وجود سے پاک کرنا ہمارا نصب العین ہے۔" محمد بن کیا بزرگ کے آخری ایام دولت ہی میں باطنی ترقی کا دور ختم ہو گیا اور زوال و انحطاط نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی ایذا رسانی اور جان ستانی ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد تھا اس لئے فتنہ و فساد سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ محمد بن کیا بزرگ جو بیس برس آٹھ مہینے حکومت کر کے ۵۵۶ھ میں راہیٔ ملک عدم ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۸۹۔)

(۳) محمد بن کیا بزرگ کے بعد اس کا بیٹا حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی نے تاج حکمرانی سر پر رکھا۔ یہ شخص چالاکیوں میں ابن صباح کا ہم پایہ تھا فرقۂ اسمٰعیلیہ میں حسن ثانی کی اتنی عزت تھی کہ اس کا نام بھی زبان پر لانا بے ادبی خیال کیا جاتا تھا اس لئے نام کی جگہ "علیٰ ذکرہ السلام" کہتے تھے اس نے مسند نشینی کے بعد ۱۷ رمضان ۵۵۷ھ کو دربار عام کرنے کا اعلان کیا اور ان امراء اور ممتاز لوگوں کے نام جو اس کی قلمرو میں سکونت پذیر تھے حکم بھیجا کہ تمام لوگ بلدۃ الاقبال میں جمع ہوں (باطنیوں نے قلعہ الموت کا نام بلدۃ الاقبال رکھ دیا تھا۔ چنانچہ دور و نزدیک کے تمام بڑے بڑے باطنی جمع ہوئے۔ قلعہ کی عیدگاہ میں ایک منبر رکھا گیا۔ منبر کی چاروں طرف چار علم سرخ، سبز، زرد اور سفید رکھے گئے۔ حسن ثانی نے منبر پر چڑھ کر ایک خط نکالا اور کہنے لگا کہ یہ خط امام مستور حضرت امام مہدی علیہ السلام نے میرے نام بھیجا ہے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ حسن ہمارا نائب، ہمارا ایلچی، ہمارا داوزیر ہے۔ جو لوگ ہمارے مذہب کے پیرو ہیں وہ ہر بات میں اس کی اطاعت کریں خواہ وہ بات روحانی ہو یا جسمانی۔ اس کے حکم کو حکم خدا اور وحی منطوق یقین کریں۔ جس امر سے باز رکھے اس سے اجتناب کریں۔ جس کام کا حکم دے اس کی بلا تامل تعمیل

کریں۔ اس کے امر و نہی کو یوں سمجھیں کہ گویا ہم بذاتِ خود امر و نہی کر رہے ہیں"۔ حسن ثانی نے منبر سے اتر کر فریضۂ صوم توڑ دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی پیروی میں روزہ افطار کر دیا۔ تمام شرعی قیود اٹھ گئے۔ عید کی سی خوشی منائی گئی اور اس دن کا نام عید القیام رکھا گیا۔ اکثر مورخوں کے قول کے بموجب یہ وہی دن تھا جس میں امیر المومنین علی مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ) نے کوفہ میں ابن ملجم شقی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ باطنیہ کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰؓ کا یوم شہادت بڑا خوشی کا دن تھا کیونکہ ان کے زعم میں قید خانۂ دنیا سے چھوٹ کر عالم عقبیٰ میں جانا ارواح کاملہ کی لذت اور خوشی کا باعث ہے۔ باطنی لوگ حسن ثانی کو قیامت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں قیامت اسی وقت قائم ہوگی۔ جب کہ رسوم شرعیہ اٹھ جائیں گی اور حسن ثانی نے تمام تکلیفات شرعیہ کو برطرف کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے ؎

برداشت غل شرع بتائید ایزدی　　مخدوم روزگار علیٰ ذکرہ السلام

حسن ثانی چار برس حکومت کر کے ۵۵۹ھ میں اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (سنین اسلام جلد ۲ ص ۱۲۰۔ ۱۲۳)

(۴) محمد ثانی بن حسن ثانی نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور اس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو ہلاک کرا دیا اس کے عہد کا ایک قصہ مشہور ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ وعظ میں فرمایا کرتے تھے خِلَافًا لِلّٰهِ سَمّٰ عِیلِیَّۃِ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَخَذَ لَهُمُ اللّٰه (اسماعیلی اس مسئلہ کے خلاف ہیں خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے جب یہ خبر محمد ثانی کو پہونچی تو اس نے ایک فدائی کو رَے بھیجا یہ فدائی امام صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو گیا۔ اور برابر سات مہینہ تک دوسرے طلبہ کی طرح درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینہ کے بعد اس نے ایک دن امام کو تنہا پایا گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب سخت پریشان تھے کہ میرے شاگرد نے یہ کیا حرکت کی اور کیوں کی؟ امام نے خوف زدہ ہو کر پوچھا آخر تم کیا چاہتے ہو؟ باطنی فدائی نے کہا سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ عوام کے کسی مخالفانہ قول کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی کیونکہ عامۃ الناس کی باتیں نقش بر آب کا حکم رکھتی ہیں۔ مگر آپ جیسے فاضل یگانہ کا ایک ایک مخالفانہ لفظ ہمارے

لیے تیر و نشتر ہے۔ کیونکہ آپ کا کلام صفحۂ روزگار پر ہمیشہ باقی رہے گا۔ دوسرے ہمارے بادشاہ نے آپ سے التماس کی ہے کہ آپ ہمارے قلعہ الموت میں تشریف لاکر ملاقات فرمائیں۔" امام فخر الدینؒ نے فرمایا کہ میں قلعہ میں تو نہیں جا سکتا البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی کلمہ تمھارے بادشاہ کے خلاف میری زبان پر نہ آئے گا۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینہ سے اترا اور گلے سے خنجر ہٹا کر کہنے لگا کہ تین سو مثقال سونا اور دو یمنی چادریں میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگالیں۔ سیدنا محمد بن حسن کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے۔ اور آئندہ بھی اسی قدر تنخواہ رئیس ابوالفضل کے توسط سے آپ کو ملتی رہے گی۔ یہ کہہ کر حجرے سے نکلا اور چلا گیا۔ امام رازیؒ نے آخر تک اس عہد کو نبھاہا۔ باطنیہ کے متعلق امام صاحب کے طرز عمل میں جو غیر معمولی تغیر رونما ہوا اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دیا۔ آخر ایک شاگرد نے اس تغیر کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں ان لوگوں کو برا کہنا پسند نہیں کرتا جن کے دلائل خاردار اور ارادے بہت تیز ہیں۔"[۱]

لیکن میرے خیال میں یہ قصہ بالکل جھوٹ، افترا اور من گھڑت ہے اس کا واضع امام رازیؒ کا کوئی عدو یا اہل حق کا دشمن ہے۔ جس نے اکابر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ایسا مضحکہ خیز افسانہ تراشا۔ ہمارے ائمہ مہتدین ایسے کمزور دل نہیں تھے کہ جان بچانے کی خاطر باطل سے دب جاتے۔

باطنیوں کی سرسبزی اسلام اور اہل اسلام کے زوال و انحطاط کو مستلزم تھی اس لئے شاہان اسلام ان دشمنان دین کے قلع قمع کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے ۵۹۶ھ میں سلطان خوارزم شاہ نے قزوین کے پاس باطنیوں کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا جسے ارسلان کشاد کہتے تھے۔ اس کو فتح کر کے قلعہ الموت کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ باطنیوں نے اس کے انتقام میں علامہ صدر الدین محمد بن وزان کو جو رے میں شافعی مذہب کے ایک بڑے امام تھے جام شہادت پلا دیا خوارزم شاہ کو اس واقعہ ہائلہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ الموت کا عزم فسخ کر کے خوارزم چلا گیا۔[۲]

---

[۱] نظام الملک بحوالہ نگارستان صفحہ ۲۳۳ [۲] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۶۰ ۔

خوارزم شاہ کے حملہ کے چار سال بعد یعنی ۶۰۰ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علاء الدین محمد بن ابو علی کو جو بلاد غوریہ کا حاکم تھا باطنیوں کے تہس نہس کا حکم دیا علاء الدین نے باطنیوں کے شہر قائن پر تاخت کی اور شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ محصورین کی حالت دن بدن مخدوش ہونے لگی۔ لیکن جب علاء الدین نے سلطان شہاب الدین غوری کے انتقال کی خبر سنی تو ساٹھ ہزار دینار لے کر صلح کر لی۔ یہاں سے محاصرہ اٹھا کر باطنیہ کے قلعہ کاخک پر جا پڑا اور اس کو فتح کر کے بہت سا مال غنیمت اور باطنی قیدیوں کے ساتھ مراجعت کی۔[۱] یاد رہے کہ یہ سلطان شہاب الدین وہی سلطان شہاب الدین محمد غوری ہے جس نے ۱۱۹۳ء میں راجہ پرتھی راج والئ دہلی و اجمیر کو شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی تھی۔ رحمۃ اللہ۔

اس کے بعد سلطان جلال الدین بن علاء الدین خوارزم شاہ نے ہندوستان سے واپس جا کر ۶۲۴ھ میں باطنیوں پر فوج کشی کی۔ جس زمانہ سے تاتاریوں نے خروج کیا تھا انہی ایام سے فرقہ باطنیہ نے بلاد اسلامیہ کی طرف قدم بڑھائے تھے مگر جلال الدین ان کی سرکوبی کے لئے پردۂ غیب سے اٹھ کھڑا ہوا جس کے پیہم حملوں نے باطنیوں کی کماحقہٗ گوشمالی کر دی اور جسم اسلام کے اس تکلیف دہ ناسور کا قرار واقعی مداوا ہو گیا۔[۲]

(۵) حسن ثانی بڑا عیاش اور فاسق حکمران تھا۔ اس لئے اس کے بیٹے جلال الدین محمد ثانی نے اس کو زہر دے کر نذر اجل کر دیا اور ۶۰۵ھ میں خود قلعہ الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس حکمران نے مسند حکومت سنبھالتے ہی باطنی طریقہ چھوڑ کر مذہب حق اہل سنت و جماعت کی پیروی اختیار کی۔ اسی بنا پر یہ تاریخ میں جلال الدین نو مسلم کے نام سے مشہور ہے لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جلال الدین اوائل ہی سے فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اور باپ کی بد اعتقادیوں ہی نے اسے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایک لامذہب اور فاسد العقیدہ حکمران کے وجود سے پاک کر دے اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۷۳ [۲] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۹۳، ۱۸۲۔

ہی اپنے سنّی المذہب ہونے کا اعلان کیا اور علمائے اہلِ سنت کو قلعۂ الموت میں مدعو کر کے ان کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اس کے عہد حکومت میں مسجدیں آباد ہوئیں۔ تلاوت قرآن کا چرچہ ہوا۔ تعلیم قرآن کے لئے مدارس و مکاتب جاری ہوئے جلال الدین نے اپنے ہمعصر سلاطین کے پاس ایلچی بھیج کر اطلاع دی کہ میں باطنی طریقہ اور اسماعیلی مسلک سے بیزار اور شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں اور اسی مسلک حق کو اپنی قلمرو میں رائج کر رہا ہوں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا بعض علمائے قزوین کو شک ہوا کہ شاید یہ شخص اس اعلان سے مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہو۔ جب جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو اس نے علمائے قزوین کو قلعہ میں بلوایا اور مجمع عام میں حسن بن صباح کی تمام کتابیں جن میں کفر و زندقہ بھرا ہوا تھا جمع کر کے آگ میں جلوادیں یہ خدا پرست حکمران جس طرح خود نماز اور دوسرے ارکان اسلام کا پابند تھا۔ اسی طرح دوسروں کو بھی پابند بنانے میں کوشاں رہا۔ اس نے اپنی والدہ کو سمجھا بجھا کر مسلمان کیا۔ اور یہ والدہ اور بیوی کو اپنے قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعۂ الموت کا علم شاہ خوارزم جیسے زبردست بادشاہ کے جھنڈے سے بھی آگے کر دیا۔ یہ قافلہ جس قلمرو سے بھی گذرتا وہاں کے حکمران بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اس کے بعد خود جلال الدین نے اسلامی بلاد و امصار کی سیاحت کی۔ ڈیڑھ سال کی مدت اسی سیاحت کی نذر کر دی۔ دوران سفر میں جس ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی اس کی اسلام پرستی اور دینداری پر دنیائے اسلام کو تو خاص مسرت تھی۔ لیکن باطنی لوگ دشمن ہو گئے۔ تاہم گیارہ سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا۔ آخر ۶۱۶ھ میں زہر دے کر دار الجنان میں بھجوا دیا گیا۔[1] رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً جلال الدین کا عہد حکومت عام اسلام کے لئے پیام امن تھا۔ چنانچہ اس کے یازدہ سالہ ایام حکمرانی میں کوئی مسلمان کسی باطنی کے ہاتھ سے نذر اجل نہیں ہوا۔

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث بہ عمر نو سال حکمران ہوا۔ عنان

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۱۱۵ وغیرہ۔

حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ عمائد سلطنت نے جلال الدین مرحوم کے انتقال کے بعد شریعت اسلامی کی جگہ از سر نو باطنی آئین و رسوم جاری کئے ۶۲۴ھ میں باطنیوں نے سلطان جلال الدین بن خوارزم شاہ کے ایک امیر کبیر کو شہید کر دیا۔ سلطان جلال الدین کو اس کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور اس کا انتقام لینے کے لئے علاقہ گرد کوہ پر جا چڑھا جو خراسان میں باطنیوں کا مرکزی علاقہ تھا۔ سلطان نے وہاں پہونچ کر ہزاروں باطنیوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے بلاد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بے شمار باطنی عورتوں اور مردوں کو قید کر کے مراجعت کی۔[1] علاء الدین قریباً پینتیس ۳۵ سال تک برسر حکومت رہا آخر ۶۵۲ھ میں اس کے ایک خادم حسن ماژندرانی نے اس کو قتل کر دیا۔

(۷) رکن الدین خور شاہ باپ کی ہلاکت کے بعد ۶۵۲ھ میں حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں باطنی اقتدار نے آغوش ادبار میں منہ چھپایا اور بغداد کی عباسی خلافت کا آفتاب اقبال بھی غروب ہوا۔ ان ایام میں بغداد اور الموت دونوں جگہ کی سفارتیں شیعی وزیروں کے ہاتھ میں تھیں۔ خلافت آل عباس کی وزارت ابن علقمی کو مفوض تھی اور قلعۂ الموت کا قلمدان وزارت خواجہ نصیر الدین طوسی کے ہاتھ میں تھا۔ ان دونوں حکومتوں کا خود ان کے وزیروں ہی کی سازشوں سے خاتمہ ہوا۔ رکن الدین خور شاہ کو سریر حکومت پر بیٹھے قریباً ڈیڑھ سال ہی گذرا تھا کہ ۶۵۴ھ میں تاتاری افواج کا ٹڈی دل قلعہ الموت پر چڑھ آیا ان دنوں تاتاریوں کا بادشاہ منقو خاں تھا۔ منقو خاں نے اپنے بھائی ہلاکو خاں کو فوج گراں کے ساتھ باطنیوں کی پامالی کے لئے روانہ کیا۔ ہلاکو خاں نے آکر قلعہ الموت فتح کیا اور رکن الدین خور شاہ شیخ الجبل کو گرفتار کر کے منقو خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ لیکن اثنا راہ میں کسی شخص نے اس کو قتل کر ڈالا۔ تاتاریوں نے قلعہ کے تمام ذخائر جو ابن صباح کے زمانہ سے جمع ہو رہے تھے لوٹ لئے۔ الغرض تاتاریوں نے باطنیہ کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکہتر سال کے بعد خاتمہ کر دیا اور ان کے قریباً سو قلعے مسمار کئے اس معرکہ میں بارہ ہزار باطنی قتل ہوئے۔ اسی طرح شام اور مصر میں سلطان ملک الظاہر اور سلطان صلاح الدین

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۱۸۲ -

ایوبی نے باطنیوں کا قلع قمع کر دیا[1] اور خدا کا ملک کا روبند فدائیوں کی شر انگیزیوں سے مامون ہوا۔ ۱۸۷۶ء میں محمد علی جناح پیدا ہوئے جو اسمٰعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں انھوں نے پاکستان کا نعرہ بلند کیا جو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے "فردوس بریں" سے کم ثابت نہیں ہوا۔ آگ اور خون میں ڈوب کر ۱۹۴۷ء میں پاکستان، مشرقی اور مغربی دو حصوں میں نقشہ عالم پر نظر آیا۔ مشرقی حصہ اب "بنگلہ دیش" ہے اور مغربی حصہ اپنی بقا کی جد و جہد میں تا ایں دم مصروف ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محمد بن عبد اللہ بن تومرت حسنی

محمد بن عبد اللہ بن تومرت ۴۸۵ھ میں سوس میں پیدا ہوا جو بلاد مغرب کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد میں سے تھا عالم و فاضل فصیح و بلیغ اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ دعوائے مہدویت ہی کے صدقہ سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو اسلامی تاریخوں میں سلطنت موحدین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے ابن تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالیؒ کا شاگرد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جب امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں مسند درس و افادہ پر سعادت افروز تھے تو ابن تومرت ان کے حلقۂ درس میں پہونچا اور تین برس تک آپ کی صحبت میں رہا۔" لیکن علامہ ابن اثیر نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالیؒ سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں[2] ابن خلکان کا بیان ہے کہ طالب العلمی کے ایام میں ابن تومرت کو علم جفر کی ایک کتاب مل گئی جس کا اس نے نظر تعمق سے مطالعہ کیا۔ جب اس کتاب کے قواعد و احکام پر پوری طرح حاوی ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاندان بنو فاطمہ کا چشم و چراغ ہوگا وہ داعی الی اللہ ہوگا۔ اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام قرار پائے گا جس کے نام میں حروف ت ی ن م ل (تینمل) ہوں گے اسے ایک شخص کی رفاقت حاصل ہوگی جس کے نام میں حروف ع ب د م ن (عبد المومن)

---

[1] سنین اسلام جلد ۲ ص ۱۲۶ وغیرہ [2] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۰۱

ہوں گے۔ اس اطلاع کے بعد وہ اس شہر اور اس نام کے آدمی کی تلاش میں ہمہ تن انتظار بنا رہا۔ ابن تومرت مضافات سوس میں پیدا ہوا تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح وہی وہ شخص ہو جو سوس میں پیدا ہونے والا اور فاطمی النسل ہوگا۔

محمد ابن تومرت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کا راز امر معروف و نہی منکر (نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا) میں مضمر دیکھا۔ اور یہ عمل کچھ تصنع وریا پر موقوف نہیں تھا بلکہ یہ چیز ابتدا ہی سے فطرۃً اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ابن تومرت معاصی و منکرات کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ذرا سی غیر مشروع بات پر ارباب ذوی الاقتدار اور وابستگان حکومت سے لڑ بیٹھتا۔ بڑے بڑے صاحبانِ جبہ و دستار سے الجھ جاتا۔ اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر جری تھا کہ نہ کسی والیٔ ملک کا خوف اس کو مرعوب کرتا تھا اور نہ کسی بڑے سے بڑے فاضل کا پاس و لحاظ مانع تھا۔ حکومت مصر نے اسے اسی قسم کی آزادانہ خود سریوں کی بدولت خارج البلد کر دیا۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا رخ کیا۔ اور ملالہ نام ایک گاؤں میں اترا۔ یہیں عبدالمؤمن سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جو طلب علم کے لئے مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عبدالمؤمن سے اس مقام پر ملا تھا جسے تنزارہ کہتے ہیں۔

عبدالمؤمن کی پیدائش موضع تاجرہ میں ہوئی جو تلمسان کے مضافات میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ عبدالمؤمن کا باپ علی کمہار تھا جو مٹی کے برتن بنا کر بسر اوقات کرتا تھا۔ جب عبدالمؤمن بڑا ہوا تو تنزارہ میں اسے تین لڑکوں کے پڑھانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمؤمن کا بیان ہے کہ میں علی سے زیادہ دیر تک کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس بسیار خوری کی طمع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ پیالہ میں نے اس کے سامنے سے اچک لیا اور تنہا کھانا شروع کیا جب بیدار ہوا تو وہاں کے ایک مشہور عالم عبدالمنعم بن عشیر سے وہ خواب بیان کیا انھوں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کسی دن امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے کچھ حصۂ ملک میں اس کے شریک ہو جاؤ گے اور بعد میں تمام ملک کو مسخر کر کے بلا شرکت غیرے اس کے فرمانروا ہو گے"۔ جب ابن تومرت ملالہ پہنچا تو وہاں ایک

خوش جمال نوجوان کو سڑک پر جاتے دیکھا جس کے چہرے پر ذہانت و ذکاوت کے علاوہ دولت و اقبال کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا۔ ابن تومرت کو عبدالمومن کی دید سے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی اور اب اسے متوقع دولت و سلطنت کے حصول کا کامل وثوق ہو گیا۔ ابن تومرت نے کہا صاحبزادے! علم و فضل، دولت و ثروت سب چیزیں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ خدا نے تمہیں دین و دنیا کی دولت بخشی ہے آؤ میرے ساتھ چلو۔ میں وہ باطنی رموز تم پر ظاہر کروں گا کہ تم کو میرے کہنے کا یقین آجائے گا۔ الغرض عبدالمومن نے اپنی تقدیر اس سے وابستہ کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔

کچھ دنوں تک ملالہ میں تعلیم و تدریس اور دعوۃ الی الخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دنوں کئی آدمی اس کے مرید ہوئے اب اس نے مراکش کا قصد کیا۔ یہی وہ سلطنت تھی جس کو شکار بنانے کا عزم تھا۔ کیونکہ ان دنوں سرزمین مغرب میں اس سے بڑھ کر کوئی پرشکوہ سلطنت نہ تھی۔ حتیٰ کہ اس عہد کے فرماں روان اسپین بھی مراکش کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ محمد بن تومرت اپنے رفقاء سمیت تلمسان پہونچا اور اپنی عادت کے بموجب علماء و فضلاء اور حکومت کے عہدہ داروں پر شرعی نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی وعظ میں بادشاہ ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشفین پر بھی جو نہایت نیک نفس تاجدار تھا۔ لعن وطعن کا دروازہ کھول دیا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح، خدا ترس، قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔

ان ایام میں مراکش میں شاہزادیاں بہت کم پردے کی پابند تھیں۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ اسپین کے نصاریٰ کا مسلمانان مراکش کے ساتھ بہ کثرت اختلاط رہتا تھا لیکن کتاب الدعاۃ میں اس چہرہ کشائی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں وہاں یہ دستور تھا کہ مرد چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے اور عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں گو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ بہر حال ایک دن بادشاہ علی بن یوسف کی بہن اپنی لونڈیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی کسی سڑک پر سے گذری۔ محمد بن تومرت کی غیرت بھلا اس بے حجابی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ عورتوں کے غول پر باز کی طرح جھپٹا اور اکثر لونڈیوں کو مار پیٹ کر زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمان عورتیں اور یوں بے پردہ سیر کرتی پھریں۔ ڈوب مرنے کا

مقام ہے۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ ابن تومرت کی جرأت و دلیری پر عش عش کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ابن تومرت کی ان ستیزہ کاریوں کا علم ہوا تو اسے دربار میں بلا بھیجا۔ علماء و اراکین سلطنت میں مشورہ ہونے لگا کہ اس شخص کی شوریدہ سری کا کیا علاج کیا جائے۔ علامہ مالک بن وُہیب وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص کی باتوں سے بوئے بغاوت آتی ہے۔ اس لیے اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے اور اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم اسے حراست میں رکھا جائے۔ ایک اور وزیر نے یہ رائے دی کہ اس کو خارج البلد کر دینا کافی ہے۔" بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا غرض فرمان شاہی کے بموجب ابن تومرت اپنے پیروؤں سمیت مراکش سے خارج کر دیا گیا۔
تلمسان سے نکل کر یہ چھوٹا سا قافلہ شہر اغمات میں پہونچا۔ یہ شہر بھی مراکش ہی کی عملداری میں واقع تھا۔ ابن تومرت یہاں چند روز اقامت گزیں رہا اس جگہ عبدالحق بن ابراہیم نام ایک شخص سے جو شہر کا ایک بڑا رئیس تھا دوستی ہو گئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اگر تم سلطنت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہو تو تمھیں اغمات میں نہیں رہنا چاہیے یہ شہر کسی طرح تمھاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کارروائیوں کے لیے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑوں کے دشوار گذار دروں میں واقع ہے اور یہاں سے ایک دن کی راہ ہے۔ ابن تومرت نے اس قصبہ کا نام پوچھا تو رئیس نے بتایا کہ اس کو تین مل کہتے ہیں۔ کیونکہ یہی اس شہر کا نام تھا جو علم جفر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا تھا اب اسے حصول مقصد کا یقین ہو گیا فوراً کوچ کیا اور تینمل کی راہ لی۔

اہلِ تینمل نے محمد بن تومرت اور اس کے پیروؤں کو علماء اور درویشوں کے لباس میں دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور خاطر مدارات سے پیش آئے۔ یہاں لوگوں کا بہ کثرت رجوع ہوا۔ قبیلہ المصامدہ کے تمام سردار چند ہی روز کے اندر اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ابن تومرت نے مقامی زبان میں جس میں وہ فصیح ترین شخص مانا جاتا تھا وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا یہاں تک کہ اس کی بزرگی و مشیخیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کرا دیا۔ جب دیکھا کہ باشندگانِ تینمل اور اہلِ مضافات پر اس کا جادو چل چکا تو آغازِ دعوت کا عزم کیا اور اپنے منادی بیرونی قبائل کی استمالت قلوب کے لیے روانہ کیے۔

ابن تومرت کے مبلغ تمام کوہستان میں پھیل گئے۔ یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے سامنے ہر وقت امام منتظر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی روایتیں بیان کر کے ان کی آتش شوق کو مشتعل کرتے اور کہتے کہ حضرت مہدی علیہ السلام بہت جلد ظہور فرما ہوں گے۔ ابن تومرت اور اس کے منادوں نے جو زبردست پروپیگنڈا کیا اس سے لوگوں کو یقین آگیا کہ ابن تومرت ضرور مہدی موعود ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنھوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہ کیا ہو۔ ابن تومرت نے کہا میں اس چیز پر بیعت کر لیتا ہوں جس پر حضور سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب اخیار سے بیعت لی تھی۔ پھر ان کے لیے اپنی دعوت کے متعلق بہت سے رسالے تالیف کئے اور اکثر مسائل کلامیہ میں امام ابوالحسن اشعری کا پیرو تھا مگر مسئلہ اثبات صفات باری تعالیٰ کی نفی اور چند دیگر مسائل میں معتزلہ کا ہمنوا تھا ابن تومرت اپنے پیرووں کو موحدین کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں تمھارے سوا موحد نہیں ہے۔ ان کی دس مختلف جماعتیں قائم کی تھیں جن میں سے اولین جماعت مہاجرین کی تھی جنھوں نے اس کی دعوت کو بلا توقف لبیک کہا تھا۔ ان کا نام الجماعت رکھا۔ ایک جماعت کو مخمسین کہتے تھے۔ یہ تمام طبقے کسی ایک قبیلہ سے مرتب نہ کئے تھے بلکہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ ابن تومرت اپنے پیرووں کو مومنین کہا کرتا تھا اور اس کا بیان تھا کہ سطح ارض پر تمھارے برابر کوئی شخص کامل الایمان نہیں۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کی مخبر صادق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کر کے غالب آتا رہے گا۔ اور اسے کوئی ضرر نہ پہونچا سکے گا یہاں تک کہ امر خداوندی آپہونچے۔" تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعے سے حق تعالےٰ کانے دجّال کو قتل کرائے گا۔ تم ہی میں وہ امیر ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سی عبادت کرتا ہے"۔ غرض مصامدہ روز افزوں اعتقاد کے ساتھ ابن تومرت کے مطیع ہوتے گئے ان کے دلوں میں اس کا ادب و احترام اس درجہ راسخ ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو اس کے باپ یا بھائی یا فرزند عزیز کے قتل کرنے کا بھی حکم دیتا تو وہ بے دریغ اس کی تعمیل کرتا۔

جن ایام میں ملالہ کے مقام پر ابن تومرت عبدالمومن سے ملاقی ہوا۔ انہی دنوں عبداللہ ونشریسی نام ایک ذی علم آدمی بھی اس کا شریک حال ہوا تھا کتاب الاستقصار

میں اس کا نام ابو محشر بشیر ونشریسی لکھا ہے لیکن عبداللہ ونشریسی زیادہ مشہور ہے۔
ونشریسی بڑا ذہین فصیح و بلیغ، لغات عرب و اہل مغرب کا ماہر اور قرآن مجید اور موطا امام مالک کا حافظ تھا۔ ابن تومرت اس کی ذہانت اور جودت طبع دیکھ کر عش عش کرتا تھا اور سوچا کرتا تھا کہ اس شخص کی قابلیت سے کوئی کام نکالنا چاہیے چنانچہ جب دیکھا کہ ونشریسی ہر طرح سے محرم راز ہو گیا تو اس سے کہا کہ وہ لوگوں کے سامنے گونگا بن جائے۔ اور اپنی علمی اور ذہنی قابلیت اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک کہ بطور معجزہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ ہو۔ ونشریسی انتہا درجہ کا مستقل مزاج تھا اس نے اپنے مخدوم و مطاع کا منشاء معلوم کر کے ایسی چپ سادھی کہ لوگ اسے جاہل مطلق گونگا بلکہ دیوانہ خیال کرتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک دن ونشریسی سے کہنے لگا کہ اب تمہارے اظہار کمال کا وقت آ گیا اور اسے سب تدبیر سمجھا دی چنانچہ جب ابن تومرت نماز صبح کے لئے مسجد میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت فاخرہ لباس زیب تن کئے محراب مسجد میں کھڑا ہے اور اس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے اس وقت سیکڑوں کا مجمع تھا، پوچھنے لگا "حضرت آپ کون ہیں؟" کہنے لگا کہ یہ خاکسار عبداللہ ونشریسی ہے۔ پوچھنے لگا آپ کو یہ درجہ کیونکر ملا؟ تم تو گونگے اور مجنون تھے۔" کہا درست ہے لیکن الحمد للہ آج خدائے قدیر نے مجھے تمام جسمانی و روحانی نقائص سے پاک کر دیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر میرے پاس آیا اس نے میرا سینہ شق کر کے ساری کثافتیں اور سارے نقصانات نکال ڈالے اور مجھے ملائکہ مقربین کی طرح بالکل معصوم بنا کر میرے دل کو علوم حکمت سے بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو کل تک جاہل مطلق اور گونگا تھا آج ایک زبردست عالم، کلام پاک اور موطائے مبارک کا حافظ ہوں۔

اب ابن تومرت نے ونشریسی سے کہا اے بزرگ! یہ تو بتا دے کہ میں سعید ہوں یا شقی؟ ونشریسی نے جواب دیا کہ اے ابن تومرت! آپ مہدی قائم بامر اللہ ہیں جو آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی ازلی اور جہنمی ہے واہب العطایا نے حضور کے تصدق سے اس خاکسار کے باطن میں ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے اہل جنت اصحاب نار کو فوراً پہچان لیتا ہوں اور خدائے غیور نے اس نور کے عطا کرتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس مقدس جماعت میں دوزخیوں کا شامل رہنا

قطعاً ناروا ہے لہٰذا ارشاد ہوا کہ دوزخیوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً پہچان کر ہلاک کر دو۔ اور چونکہ اتلاف و استہلاک کا معاملہ نہایت نازک اور قابلِ احتیاط تھا اس لیے خدائے برتر نے تین فرشتے میری تصدیق کے لیے نازل فرمائے ہیں جو اس وقت فلاں کنوئیں میں موجود ہیں۔" اس غرض کے لیے پہلے سے اپنے تین راز دار مرید اس میں بٹھا دیے۔ ان اربابِ ایمان کے اسمائے گرامی کی ایک فہرست پہلے سے مرتب کر لی گئی تھی جنھیں ابن تومرت کی مہدویت سے انکار تھا یا اس کی مخالفت کرتے تھے ابن تومرت وقت معہود پر سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کنوئیں کی طرف گیا۔ مہدی نے پہلے دوگانہ نماز ادا کیا اس کے بعد ان تین "فرشتوں" سے جو کنوئیں کی تہ میں اترے ہوئے بیٹھے باآوازِ بلند کہا " اے ملائکہ! عبداللہ ونشریسی کا دعویٰ ہے کہ خدائے برتر نے مجھے جنتی اور دوزخی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت عطا کر کے حکم دیا ہے کہ تمام دوزخی چن چن کر قتل کر دیے جائیں کیا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے؟ ان چاہ نشین مریدوں نے پکار کر کہا کہ عبداللہ نہایت صادق البیان ہے"۔ اس جواب سے لوگوں کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا۔ اب قتل و استہلاک کا خون آشام ہنگامہ شروع ہوا ونشریسی جس کے پاس منکرین و مخالفینِ مہدی کی فہرست موجود تھی میدان میں کھڑا ہو گیا اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے نام پکارنے لگا۔ یہ شخص اپنے موافقوں لو ہم مشربوں کو جنتی قرار دے کر داہنی طرف کھڑا کرتا اور فہرست سے مخالفوں کے نام دیکھ دیکھ کر انھیں جہنمی کا لقب دیتا اور بائیں جانب کھڑا کرتا۔ کئی جلاد تیغ برہنہ کھڑے تھے جو اصحاب الشمال کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔ کئی دن تک یہ قیامت برپا رہی۔ غرض سیکڑوں ہزاروں عاشقانِ حق تہہ تیغ کیے گئے۔

ابن تومرت نے موحدین کا ایک لشکر جرار مرتب کیا اور ان سے کہا کہ ان کافروں اور دینِ مہدی کے منکروں کی طرف جاؤ جن کو مرابطون کہتے ہیں۔ ان کو بد کرداری سے اعراض، اعمالِ حسنہ کے اختیار، ازالۂ بدعت، قیامِ سنت، اور اپنے مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دو۔ اگر تمھاری دعوت کو قبول کریں تو تمھارے بھائی ہیں۔ ورنہ ان کے خلاف جہاد کرو۔ یہ تمام لشکر مراکش کی طرف روانہ ہوا۔ پرچہ نویسوں نے موحدین کی نقل و حرکت کا سارا حال دار السلطنت کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ ابھی دار السلطنت سے دور ہی تھے کہ بحیرہ نام ایک مقام پر مرابطون کی ایک فوج گراں آتی دکھائی دی۔

بادشاہ کا بیٹا زبیر بن علی اس کا سرعسکر تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں موحدوں کو سخت ذلت آفرین شکست ہوئی۔ عبد المومن اور چند دوسرے آدمی چھوڑ کر موحدین کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ جب اس ہزیمت کی خبر ابن تومرت کو ہوئی تو اس نے اپنے مقتولوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی۔

ابن تومرت نے موحدین کو پھر منظم کرنا شروع کیا اور اس کی جمعیت از سر نو بڑھنے لگی۔ آخر دس ہزار موحدین کے لشکر کے ساتھ بذات خود مراکش پر دھاوا کرنے کا قصد کیا اور عبد المومن کے ذریعہ سے چند قبریں کھدوا کر اپنے بعض پلنے نماز دار پیرووں کو ان میں زندہ دفن کرا دیا۔ اور ہوا کی آمد و رفت کے لئے قبروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھوا دیئے اور ان سے کہہ دیا کہ جب تم سے تمہارا حال دریافت کیا جائے تو کہہ دینا کہ جن امور کا خدائے برتر نے وعدہ فرمایا تھا وہ سب باتیں پوری ہوئیں۔ تم لوگ دشمن کے جہاد میں جانیں لڑا دو۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو ابن تومرت نے اپنے لشکر کو خطاب کر کے کہا اے گروہ موحدین! تم اللہ کا لشکر، دین الٰہی کے انصار اور حق کے معاون ہو۔ عنقریب فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی اور اگر تمہیں کچھ تردد ہو تو چلو اپنے ان اہل قبور بھائیوں سے جو پچھلی مرتبہ درجۂ شہادت پا کر یہاں دفن ہوئے دریافت کر لیں کہ ان پر خدائے قدوس نے کیا کچھ نوازش فرمائی؟ یہ کہکر قبروں پر آیا۔ اور کہنے لگا "اے گروہِ شہداء! تم لوگوں نے منجانب اللہ کیا کچھ مشاہدہ کیا؟ قبروں میں سے آواز آئی خدا نے ہمیں نوازا اور اتنا بڑا اجر عطا فرمایا کہ نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال ہی گذرا اور اگر تم لوگ بھی ان مدارج علیا پر فائز ہونا چاہتے ہو تو امام مہدی کی متابعت کرو، یہ سن کر دام افتادگان مہدویت کو یقین آ گیا کہ واقعی شہداء ان سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ اس بناء پر ہر شخص جانبازی پر آمادہ ہوا اور سربکف لڑنے کو نکلا۔ ۳ شعبان ۵۱۶ھ کو وہاں زبردست لڑائی ہوئی جس میں ابن تومرت کو فتح ہوئی اور بہت سا مال غنیمت موحدین کے ہاتھ آیا۔

اس کے بعد شہر تلمسان کے قریب جبل کیلز پر حملہ کیا یہ ایک نہایت مضبوط پہاڑی قلعہ تھا۔ ابن تومرت نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے تین سال تک یعنی ۵۱۶ھ سے ۵۱۹ھ تک طول کھینچا۔ آخر ابن تومرت محاصرہ اٹھا کر واپس آ گیا۔

لیکن واپسی پر متعدد شہر فتح کر لیے۔ ان مہموں سے فارغ ہو کر ابن تومرت اس غرض سے تینمل چلا آیا کہ لشکر آرام کرے۔ دو مہینہ تک سستانے کے بعد ابن تومرت از سر نو تیس ہزار فوج کے ساتھ شہر ہزرجہ کی طرف بڑھا۔ اس کو فتح کیا اور خدا کی سیکڑوں بے گناہ مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہاں سے اہلِ درن کا رخ کیا۔ اس سرزمین کے سارے قلعے اور حصون فتح کر لیے اور وہاں کے تمام قبائل نے ابن تومرت کی اطاعت کر لی۔ ان تمام معرکوں میں ابن تومرت کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان نظر آتا اسے محض اس "جرم" میں گرفتار کر لیا جاتا کہ وہ "مہدی موعود" کا منکر ہے۔ اور اس پر اس وقت تک رحم نہ کرتا جب تک وہ اس کی مہدویت کو تسلیم نہ کر لیتا اور اگر وہ کسی طرح نہ مانتا تو اسے جرعۂ مرگ پلا دیا جاتا اس کے بعد ابن تومرت نے عبد المؤمن کے زیر قیادت ایک اور زبردست فوج مراکش پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی بادشاہ کا بیٹا ابو بکر بن علی مقابلہ پر آیا لیکن ہزیمت کھائی۔ اس کے بعد موحدین نے جاکر دار السلطنت کا محاصرہ کر لیا لیکن آٹھ روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر تینمل چلے آئے۔ جب ۵۲۴ھ میں یہ لشکر مظفر و منصور واپس آیا تو ابن تومرت نے کہا کہ اب میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ میں اسی سال رفیق اعلیٰ سے جا ملوں گا۔" یہ سن کر سب لوگ رونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے دن کے بعد مرض موت میں گرفتار ہوا۔ عبد المؤمنؒ کو امامِ صلوٰۃ مقرر کیا اور دنیائے رفتنی و گذشتنی کو الوداع کہہ کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ اس نے مرنے سے پہلے عبد المؤمن کو یہ مژدہ سنایا کہ اقلیم مراکش عنقریب تمہارے عمل و دخل میں آئے گی اور تم تمام اسلحہ و خزائن سلطانی کے مالک ہو گے۔

ابن تومرت کی موت کے بعد اس کے ایک فراق زدہ مرید نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سلامٌ علیٰ قبر الامام المجدِ   سلالة خیر العالمین محمدِ

اس صاحب مجد امام کی قبر پر سلام ہو جو تمام عالموں کے بہترین فرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے۔

ومشبهه فی خلقه ثم فی اسمه   وفی اسم ابیه والقضاء المسدد

اپنے اخلاق، اپنے نام اپنے باپ کے نام میں اور اپنی قضاء محکم میں ان کے

مشابہ ہے۔

ومحیی علوم الدین بعد مماتہا ومظہر اسرار الکتاب المسدد

جو علوم دین کی موت کے بعد ان کو حیات تازہ بخشنے والا اور کتاب محکم کے اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے۔

اُنبنا بہ البشرے بان یملأ الدنا بقسطٍ وعدل فی الانام مخلد

ہمیں اس سے یہ خوش خبری ملی ہے کہ وہ مخلوق میں اپنے عدل وانصاف پائندہ سے دنیا کو معمور کر دے گا۔

ویفتح الامصار شرقاً ومغرباً ویملک عُرباً من مغیر ومنجد

وہ مشرق ومغرب میں ہر طرف کے شہروں کو فتح کرے گا اور عرب کے تمام نشیب و فراز کے باشندوں کا مالک ہوگا۔

فمن وصفہ اقنیٰ واجلیٰ وانہ علاماتہ خمس تبین لمھتدی

وہ جس کی تعریف میں اقنیٰ واجلیٰ کہا گیا ہے اس کی پانچ علامتیں ہیں جو ہر ایک طالبِ ہدایت کے لئے ظاہر ہیں۔

زمان واسم والمکان ولنسبتہ وفعل لہ فی عصمۃ وتایید

زمانہ، نام، مکان، نسب اور اس کا وہ فعل جو گناہ سے مبّرا اور خدا کی مدد سے بہرہ ور ہے۔

ویلبث سبعاً او فتسعاً یعیشھا کذا جاء فی نص من النقل مسند

صحیح حدیثوں میں لکھا ہے کہ وہ یعنی مہدی سات یا نو سال تک امر حکومت پر قائم رہے گا۔

فقد عاش تسعاً مثل قول نبیّنا فذا الکم المھتدی باللہ یھتدی

چنانچہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے بموجب نو سال تک رہا تھا اور وہ مہدی یہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھا

وتتبعہ للنصر طائفۃ الھدی فاکرم بھم اخوان ذی الصدق احمد

اس کی مدد کے لئے ارباب ہدایت کی ایک جماعت اس کی پیرو ہے۔ یہ اہل صدق کس قدر قابلِ ستائش ہیں؟

ھم الثلۃ المذکور فی الذکر امرھا وطائفۃ المھدے بالحق تھتدے

یہی وہ جماعت ہے جس کا امر قرآن میں مذکور ہے۔ یہی مہدی کا گروہ ہے جو
حق سے ہدایت کرتا ہے۔

ویقدمها المنصور والناصر الذی — له النصر حزب اذ یروح ویغتدی

اور جس کا امام وہ منصور وناصر شخص ہے کہ فتح ونصرت شام وپگاہ اس کے ہمرکاب ہے (منصور
اور ناصر اُس کے مقدمۃ الجیش ہیں)

هو المنتقى من قیس عیلان مفخرا — ومن مرة اهل الجلال الموطد

وہ بنی قیس عیلان اور اہل جلال بنی مرۃ میں ایک برگزیدہ ہستی ہے اور اسبات پر
اسے فخر ہے۔

خلیفة مهدی الاله وسیفه — ومن قد غدا بالعلم والحلم مرتدی

وہ مہدی خدا کا خلیفہ اور اس کی تلوار ہے۔ جس نے علم حلم کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔

بهم یقمع الله الجبابرة الالی — یصدون عن حکم من الحق مرشد

انہی کے ذریعہ سے خدا ان جابروں کا قلع قمع کرے گا جو ایک مرشد برحق کے حکم احکام
کی پیروی سے روکتے ہیں۔

ویفتتحون الروم فتح غنیمة ⋆ ویقتسمون المال بالترس عن ید

وہ روم کو غنیمت کے طور پر فتح کریں گے اور اپنے ہاتھ سے ڈھال بھر بھر کر مال تقسیم
کریں گے۔

ویغدون للدجال یغزونه ضحا — یذیقونه حد الحسام المهند

وہ دجال سے دن دہاڑے جنگ کریں گے۔ اور دجال کو ہندی تلوار کا مزا
چکھائیں گے۔

وینزل عیسی فیهم وامیرهم — امام فید عوهم لمحراب مسجد

عیسٰی علیہ السلام ان میں نازل ہوں گے۔ اور ان کا امام انہیں محراب مسجد کی
طرف بلائے گا۔

یصلی بهم ذاك الامیر صلاتهم — بتقدیم عیسى المصطفى عن تعمد

مسلمانوں کا امیر مسیح علیہ السلام کی تقدیم کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائے گا۔

ویقتله فی باب لُدّ وتنجلی — شکوك امالت قلب من لم یوحد

وہ اسے باب لُدّ میں قتل کریں گے اور کفار کے وہ شکوک مٹ جائیں گے جو ان کے

دلوں میں موجزن ہیں۔

وما ان یزال الاھ، فیہ وفیھم   الیٰ اٰخرالد ھرالطویل المسرمد

مسیح علیہ السلام اور مسلمانوں کی یہ حالت آخر دہر تک ایسی ہی رہے گی۔

محمد بن تومرت فضائل اخلاق کا مجسمہ تھا۔ مال غنیمت، بیت المال اور قومی محاصل و مداخل میں سے اس نے مدت العمر ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ اس کی بہن چرخہ کات کر سوت بیچا کرتی تھی۔ اس پر بھائی بہن دونوں کی گذر اوقات کا مدار تھا۔ ابن تومرت آٹھ پہر میں ایک ہلکی سی روٹی پر اکتفا کرتا۔ جس کے ساتھ تھوڑا سا مکھن یا روغن زیتون ہوتا تھا۔ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور اس کے سامنے مال غنیمت اور محاصل کے ڈھیر لگے رہتے تھے تو اس وقت بھی اس نے اپنی سابقہ غذا میں کچھ اضافہ نہ کیا مدت العمر حصور رہا اور شادی نہ کی۔ ابن تومرت میں جہاں بیسیوں خوبیاں تھیں وہاں دعوائے مہدویت سے قطع نظر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہزارہا بے گناہ کلمہ گوؤں کو تیغ بے دریغ سپرد کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اسے حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک اور جفا کیش لکھا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس نے جو جانشین چھوڑے وہ عدل و انصاف کا پیکر اور ترویج اسلام میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دھندلا سا عکس تھے۔ ابن تومرت نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک توحید اور عقاید پر مشتمل تھی جس کا نام "مرشدۃ" تھا۔ ایک کا نام کنز العلوم تھا۔ ایک "اعز ما یطلب" کے نام سے موسوم تھی۔ موخر الذکر کتاب الجزائر میں چھپ چکی ہے۔

کسی داعی کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آتی ہے وہ انتخاب خلیفہ کا مسئلہ ہے۔ ابن تومرت کے مرنے پر یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ وابستگان اسوۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عشرہ مبشرہ سب سے زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبہ اصحاب ہیں۔ اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ابن تومرت نے بھی اپنے دس بڑے حواری بنا رکھے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد دس ممتاز حواریوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ یہ سب مختلف قبائل سے تعلق

رکھتے تھے۔ ان میں اپنی اپنی خلافت کے متعلق "رسہ کشی" شروع ہوئی۔ ہر امیدوار کا قبیلہ اپنے آدمی کی تائید پر تلا ہوا تھا اور کوئی قبیلہ غیر قبیلہ کی خلافت و اطاعت پر راضی نہ تھا۔ آخر بہت سی کش مکش کے بعد عبدالمؤمن پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کا مہدی اس کو اپنے مرض موت میں نماز کا امام مقرر کر گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عبدالمؤمن غریب الدیار تھا قبائل کی باہمی آویزش سے یہی سمجھا گیا کہ ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے جس کا تعلق کسی قبیلہ سے نہ ہو۔

حسین بن حمدان خصیبی

حسین بن حمدان ایک خانہ ساز نبی تھا جو خصیب نام عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا کتاب الدعاۃ میں اس شخص کا زمانہ متعین کرنے میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کے اواخر میں ظاہر ہوا جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ظہور ساتویں صدی کے اوائل یا وسط میں ہوا۔ کیونکہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتاری غارتگروں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں وحشت سرائے عالم سے رخصت ہوا تھا۔ آگے چل کر بتایا ہے کہ امیر سیف الدولہ بن حمدان نے اس کو قید کیا۔ حالانکہ احمد بن حسین متنبی شاعر کے ممدوح امیر سیف الدولہ بن حمدان نے حسب بیان ابن خلکان ۳۵۶ھ میں انتقال کیا تھا۔ غرض دونوں مدتوں میں قریباً تین سو سال کا بعد ہے۔ صاحب کتاب الدعاۃ نے حسین بن حمدان کو فرقہ نصیریہ کا موسس بتایا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صواعق محرقہ کے بیان کے بموجب فرقہ نصیریہ کا بانی ایک شخص محمد بن نصیر فہری تھا۔ بہر حال خصیبی کے مختصر حالات یہ ہیں کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا۔ اس نے مدعی نبوت ہونے کے بعد بغداد اور بصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ حکام نے اس پر سختی شروع کی اس لئے بھاگ کر پہلے سوریہ اور پھر دمشق چلا گیا موخر الذکر مقام پر بھی اپنی من گھڑت نبوت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ حکام نے اس کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ مدت تک قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتا رہا۔ اس دوران میں اس نے داروغہ جیل پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور یہ دونوں بھاگ کر حلب چلے گئے۔ ان دنوں حلب امیر سیف الدولہ بن حمدان کے زیر حکومت تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی دعوت

کی طرح ڈالی۔ لیکن سیف الدولہ نے اسے زیادہ دن تک اغوا کوشیوں کی مہلت نہ دی۔ چند ہی روز کے بعد گرفتار کر کے سجن میں ڈال دیا حالت قید میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ سیف الدولہ کو معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان ہے قید سے نکال کر اپنے مداحوں اور حاشیہ نشینوں میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد خصیبی نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام بدایہ رکھا اور اس کو سیف الدولہ کے نام نامی پر معنون کیا۔ کتاب الدعاۃ میں اس کے جو حالات درج ہیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیف الدولہ بھی انجام کار اس کے متنبیانہ ہتیاروں کا گھائل ہو گیا تھا۔ یا کم از کم اس کی اغوا کوشیوں میں مداہنت کرتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شہر و مضافات حلب میں اس کا مذہب جڑ پکڑ گیا۔ بلکہ کوہ حماہ اور لاذقیہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے پیرووں کی تعداد تین لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی اور اس کی موت کے بعد اس کے پیرو بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہونچ گئے۔ کتاب الدعاۃ میں لکھا ہے کہ اس کے پیرو آج بھی دمشق، حماہ، حلب، عراق، سوریہ اور کیلیکیہ میں پائے جاتے ہیں اس کے پیشرووں کی طرح اس کی تعلیمات بھی الحاد و زندقہ سے ہمکنار ہیں۔ اس نے حج کی فرضیت اڑا دی اور بتایا کہ اولاد علیؓ کے سوا کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے پیرو میری تعلیمات کا علی الاعلان اظہار نہ کریں۔ بلکہ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کی تبلیغ کریں۔ اور لوا لعجبی دیکھو کہ اس نے عورتوں کو اوامر دین سے مطلع کرنا حرام کر دیا تھا۔[1]

محمود واحد گیلانی

جو معاندین اسلام و دشمنان دین خاک ایران سے اٹھے۔ ان میں محمود واحد گیلانی ممتاز حیثیت رکھتا ہے یہ شخص موضع مسجوان علاقہ گیلان کا رہنے والا تھا اس نے دعوائے مہدویت کے ساتھ ۶۰۰ھ میں ظہور کیا۔

محمود اپنی ذات کو شخص واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ مفخر موجو

---

[1] کتاب الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۹۲-۹۳۔

حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین منسوخ ہو گیا۔ اب یہ محمودی دور ہے۔ ارض و سما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ عربوں کے لیے جناب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی باعثِ صد فخر و مباہات تھی اور اس فضیلت کی وجہ سے اہلِ عرب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر قصۂ پارینہ ہو گیا۔ چنانچہ بڑے ناز و بخترے سے کہا کرتا تھا ؎

رسید نوبتِ رندانِ عاقبت محمود　　گزشت آں کہ عرب طعنہ بر عجم مے زد

لیکن اسی محمود کے ایک ہم وطن حضرت غوث الثقلین سید عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی غلامی کے طفیل وہ مقبولت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی کہ نو صدیاں گذر جانے کے باوجود عرب و عجم میں ان کی عظمت کا ڈنکہ بج رہا ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ محمود گیلانی کس کھیت کی مولی تھا؟ کب پیدا ہوا اور کب مرا؟ محمود کا وجود اور اس کا مذہب دراصل اس قدیم مخالفت و عداوت کا ایک مظہر تھا جو ایرانیوں کو عربوں کے ساتھ علی العموم چلی آتی ہے۔ محمود نے علانیہ کوشش کی کہ عرب کی فوقیت پر خطِ تنسیخ کھینچ کر ایران کو دنیا کا مذہبی مرجع بنا دے۔ اس تحریک کی بنیاد مذہب شیعہ نے جس کا گہوارہ سرزمین ایران ہے پہلے ہی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ نجف و کربلا کو حرمین شریف پر اور آبِ فرات کو آبِ زمزم پر فضیلت دے دی گئی جیسا کہ مستند شیعی مجتہدوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اب دوسرے محمودی خرافات ملاحظہ ہوں:۔ کہتا تھا کہ جب جسد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کمال کو پہونچ گیا تو میں پیدا ہوا چنانچہ قرآن کی آیت عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اے محمد! آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ ۱۷:۷۹) میں میری ہی بعثت کا ذکر ہے۔ اپنے دعویٰ کی تشریح یہ کرتا تھا کہ عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے معدنی صورت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کی استعداد مزید ترقی کرتی ہے تو اس پر صورت نباتی فائض ہوتی ہے پھر قوت کو اور ترقی و نمو حاصل ہوتا ہے۔ تو اسے صورت حیوانی ملتی ہے۔ پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی اور آگے ترقی کرتی ہے تو اسے انسانی صورت بخشی جاتی ہے۔ پھر ان عناصر نے

جن کو صورت انسانی حاصل ہوچکی تھی ایسی ترقی کی کہ اس سے انسان کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے اجزاء حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی میں تھے یہاں تک کہ ان کو درجہ محمدی عطا ہوا۔ اس کے بعد جب یہ اجزاء صاف و شفاف ہوکر انتہائی کمال کو پہونچ گئے تو محمود کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اسی دعویٰ کی بنا پر کہتا تھا ؎

از محمد گریز در محمود کاندراں کاست واندریں افزود

محمود کا بیان تھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا انا و علی من نورٍ واحدٍ (میں اور علیؓ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں) اور یہ بھی علیؓ سے فرمایا تھا لحمک لحمی و جسمک جسمی (اے علیؓ تمہارا اور میرا گوشت اور تمہارا اور میرا جسم ایک ہی ہیں) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے اجزائے اجساد کی صفوت و قوت مل گئی تو اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی کرم اللہ وجہہٗ کا جسم تیار ہوا پھر ان دونوں بزرگوں کے اجزائے جسم جمع ہوئے تو ان سے جسم محمود بنا۔ محمود خاک کو نقطہ کہتا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عناصر خاک سے پیدا ہوئے اور نقطۂ خاک ہی واجب اور مبدء اول ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ سورج آگ سے چاند پانی اور آسمان ہوا ہے۔

محمود ہنود کی طرح تناسخ کا قائل تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ آدم اور عالم کے دورے چونسٹھ ہزار سال میں تمام ہوتے رہیں گے۔ اور کہتا تھا کہ جب ذی روح مر کر مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزاء نباتات یا جمادات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں اور وہ نباتات انسان یا جانور کی غذا بن کر پھر وہی حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے اور جب کوئی جسم انسانی سے حیوانی میں اور حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی میں یا اس کے برعکس تناسخ کرتا ہے تو اس کے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں پہچان لی جاتی ہیں اور اس شناخت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے پچھلے جسم میں اس کے جو عادات ہوتے ہیں ان سے اگلے جنم کے عادات معلوم ہوجاتے ہیں واحدیہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت رکھنے والے آدمی کو محصی کہتے ہیں اور اسی بنا پر انھوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں آئے اور موالید ثلثہ میں سے جس چیز کا نام اس شخص کے منھ سے نکلے تو سمجھ لینا چاہئے کہ

پہلے جنم میں وہ وہی چیز تھا۔ کہتا تھا کہ پیدائش اول میں امام حسینؑ حضرت موسیٰؑ تھے اور یزید فرعون تھا اس جنم میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رودنیل میں غرق کر دیا۔ اس پیدائش میں حضرت موسیٰؑ امام حسینؑ ہو گئے اور فرعون یزید بنا اور یزید نے امام حسینؑ کو فرات کا پانی نہ دیا اور انھیں شہید کر دیا۔ اور کہتا تھا کہ کتا پہلی پیدائش میں قزلباش تھا۔ اور اس کی ٹیڑھی دم تلوار ہے۔ اس کے نزدیک لوہے کا کمال کو پہونچ جانا یہ ہے کہ اس سے کوئی نبی یا ولی شہید کیا جائے اور کہتا تھا کہ تمام فریب پیشہ حاجی جو عبائی (ایک قسم کا دھاری دار کپڑا) پہنے پھرتے ہیں اور مکر و تزویر ان کا خاصہ ہے جب مریں گے تو آئندہ جنم میں اگر جسم انسانی میں منتقل ہونگے تو گلہری بنائے جائیں گے۔ اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا تو دھاری دار تربوز بنیں گے اور اگر پتھر کے جسم میں منتقل ہوئے تو سنگ سلیمانی بنائے جائیں گے۔ کہتا تھا کہ کرم شب تاب یعنی جگنو مشعلچی ہے جو بتدریج نزول کر کے اس جسم میں آیا ہے اس کا دعویٰ تھا کہ حیوانات نباتات اور جمادات میں سے جن کا رنگ کالا ہے وہ پہلے سیاہ فام تھے۔ اور جو اب سفید ہیں سپید رو آدمی تھے۔ محمود نے تمام آیات قرآنی کی تاویل و تحریف کر کے اپنے مذہب پر استدلال کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل ضلالت کے مذہب کی بنیاد ہی ان بعید تاویلوں پر قائم ہے کیونکہ اگر وہ قرآن و حدیث کے مطلب و مفہوم کے بگاڑنے سے احتراز کریں تو ان کی دکانداری ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

واحدی لوگ گو خال خال دنیا کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں مگر ایران میں زیادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں مخفی رکھتے ہیں۔ ان کا قبلہ آفتاب ہے اس لئے وہ آفتاب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان میں ایک دعا رائج ہے جسے آفتاب رو ہو کر پڑھتے ہیں۔ ان کا سلام اللہ اللہ ہے۔ اس فرقہ کے ممتاز آدمی امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ درویش صفا، درویش بقائے واحد، درویش اسمٰعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ، شیخ شہاب، تراب، اور کمال اس فرقہ کے مشہور امین تھے۔ بلکہ جتنے علماء و صلحائے امت محمود کے عہد میں تھے یا جو اس کے بعد ہوئے ان سب کو بھی واحدی لوگ افتراءً محمود ہی کے پیرو بتاتے ہیں۔ ایک واحدی کا

قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازیؒ کا بھی (معاذ اللہ) یہی مذہب تھا۔ چونکہ محمود زیادہ تر ساحلِ رودِ اَرَس پر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ؎

اے صبا گر بگذری بر ساحلِ رودِ اَرَس   بوسہ زن بر خاکِ آں وادی و مشکیں کن نفس

جب واحدیوں کی شر انگیزیاں زیادہ وسعت پذیر ہوئیں تو شاہ عباس بن شاہ خدا بندہ صفوی نے دار و گیر کا سلسلہ شروع کیا اور ان میں سے ہزاروں کو دار البوار پہونچا دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ باوجود اس اخذ و بطش کے شاہ عباس نے بھی تراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کر لیا تھا۔ مگر پھر دنیا داری اور شہرت کی غرض سے ان دونوں کو مروا ڈالا۔ شاہ عباس اپنے آپ کو پہچان گیا لیکن کامل نہیں تھا کیونکہ اس نے دنیا کی خاطر اور اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی غرض سے واحدیوں کو قتل کرا دیا۔ لیکن اس کے برخلاف ایک واحدی امین کا مقولہ تھا کہ شاہ عباس امین کامل تھا وہ جس کسی کو دیکھتا کہ دینِ واحد میں پوری طرح رسائی نہیں حاصل کر سکتا اسے ہلاک کرا دیتا۔ امین مذکور کا بیان ہے کہ شاہ عباس میری صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ میں آپ کو اصفہان لے چلوں گا؟" میں نے اصفہان جانا پسند نہ کیا تو مجھے سفر ہند کا زادِ راہ اور توشہ دے کر رخصت کر دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ جب شاہ عباس پا پیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہنے لگا کہ مجھے پیدل چلنے کی وجہ سے بہت تکلیف پہونچ رہی ہے۔ تراب نے جواب دیا کہ یہ تمھاری دنارتِ طبع ہے کیونکہ یہ امام جس کے تم جادہ پیما ہو۔ اگر پیوستہ بحق ہے تو اسے اس کے مزار میں ناحق تلاش کرتے ہو۔ اور اگر حق سے پیوستہ نہیں تو تم اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم زندہ امام کی خدمت میں پہونچو۔" شاہ عباس پوچھنے لگا زندہ امام کہاں ہے کمال نے کہا زندہ امام میں ہوں۔ شاہ عباس بولا اچھا میں تجھے نشانۂ بندوق بناتا ہوں۔ اگر گولی نے کوئی اثر نہ کیا تو میں تمھاری طرف رجوع کروں گا۔" تراب نے جواب دیا کہ تمھارے امام رضاؒ ایک دانۂ انگور سے جان بحق ہو گئے تھے میں بندوق کی گولی کھا کر کیونکر زندہ رہ سکتا ہوں؟ شاہ عباس نے تراب کو گولی کا نشانہ بنا کر نذرانۂ اجل کر دیا۔ اور چونکہ کمال نے بھی تراب کی ہمنوائی اختیار کی تھی اس کو بھی اسی

کے ساتھ ملحق کر دیا۔[۱]

عبدالعزیز طرابلسی

ابن عماد نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز نے ۷۱۷ھ میں مہدویت کا دعویٰ کیا بہت سے جہلا رخصوصاً نصیریہ فرقہ کے پیروؤں نے اس کی متابعت اختیار کی۔ یہانتک کہ اس کی جمعیت تین ہزار تک پہونچ گئی۔ کبھی تو کہتا کہ میں محمد مصطفےٰ ہوں۔ کبھی کہتا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں۔ اور کبھی مہدیٔ منتظر بن بیٹھتا۔ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ نصیریہ کے سوا دنیا بھر کے ادیان باطل ہیں۔ اس کے پیرو نعرۂ تکبیر کی جگہ یہ آواز بلند کیا کرتے تھے لاالٰہ الاّ علیؑ لاحجاب الاّ محمدؐ لاباب الاسلمان (علیؑ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی حجاب نہیں اور سلمانؓ فارسی کے سوا کوئی دروازہ نہیں) یہ شخص شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار مسجدیں مسمار کر دیں اس کے پیرو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے پاس لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے معبود کو سجدہ کرو۔ جو کوئی اس نابکار کے سامنے سربسجود ہو جاتا اس کی جان بخشی کی جاتی ورنہ معاً علفِ تیغ بنا دیا جاتا۔ جب حاکم طرابلس کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیا۔ فوج نے آ کر اس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا۔ اور اس کی جماعت کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ (کتاب الدعاۃ ص ۱۱۳-۱۱۴)

سید محمد جونپوری

سید محمد جونپوری مدعیٔ مہدویت کی ولادت ۸۴۷ھ میں بمقام جونپور ہوئی جو صوبہ اودھ کا ایک مشہور شہر ہے اس کے پیرو جو مہدویہ کہلاتے ہیں اپنے مقتدا کو "میراں سید محمد مہدی موعود" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سید محمد کے باپ کا نام سید خان اور والدہ کا نام بقول مؤلف مطلع الولایت بی بی آغا ملک تھا لیکن متاخرین مہدویہ نے کچھ زمانہ کے بعد جب کہ محمد جونپوری کے آبا و اجداد کا جاننے والا کوئی نہ رہا محمد

---

[۱] دبستان مذاہب ص ۳۰۰ - ۳۰۳ وغیرہ

کے باپ کا نام سید عبد اللہ لکھنا شروع کر دیا تاکہ سید کا دعویٰ مہدویت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے رو سے باطل نہ ٹھہرے۔ بلکہ برہان الدین مہدوی مؤلف شواہد الولایت نے تو ماں کا نام بھی آمنہ تجویز کر کے اپنے پیرِ مغاں کو پوری طرح مہدویت کے قالب میں ڈھال دیا۔ حالانکہ خود سید محمد نے مدت العمر کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا کہ اس کے والد کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ یواطئ اِسْمُہٗ وَاِسْمُ اَبِیْہِ اِسْمَ اَبِیْ (مہدی علیہ السلام کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہو گا) اور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے تو جواب دیا کہ "کیا خدائے قادر و توانا اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سید خاں کے بیٹے کو منصب مہدویت پر سرفراز فرمائے؟" اسی طرح ایک مرتبہ اس کے ایک حریف نے اسے اپنے زورِ استدلال سے مغلوب کرنا چاہا تو سید محمد سخت برہمی کے عالم میں کہنے لگا کہ تم خدا سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ اس نے سید خاں کے لڑکے کو مہدی بنا دیا؟ سید محمد موزون اندام، کشیدہ قامت اور نہایت خوبرو تھا۔ بچپن ہی سے طباعی اور فطانت کا جوہر جبہ بخت پر چمک رہا تھا۔

سات ہی سال کی عمر میں کلام الٰہی حفظ کر لیا اور بارہ کے سن میں تمام علوم درسیہ سے فراغت پا کر دستارِ فضیلت باندھ لی۔ شیخ دانیال چشتی اور علمائے وقت نے اس کی وقت نظری اور علمی موشگافیوں کو ملحوظ رکھ کر اسے "اسد العلماء" کا خطاب دیا۔ ان ایام میں ہندوستان کی فضا پر اہلِ تصوف کے خیالات چھائے ہوئے تھے چنانچہ شیخ دانیال چشتی کے دستِ حق پرست پر خانوادہ چشتیہ میں بیعت کی۔ شیخ کے فیضِ صحبت نے اس جوہر کو اور جلا دے کر علوم حالی میں بھی مالا مال کر دیا۔ اب سید علائق دنیوی سے آزاد ہو کر انتہائی تبتل و انقطاع کے ساتھ ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ ذکر و فکر کے سوا کسی کام کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ عقیدت مند پروانہ وار ہر طرف سے ہجوم کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ سید کی ذات مرجع خواص و عوام بن گئی۔

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب اقبال لبِ بام تھا۔ احمد آباد گجرات

میں سلطان محمود بیکرہ جیسے با اقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک بحری سریر آرائے سلطنت تھے ان کے علاوہ چند دیسی خود مختار ریاستیں تھیں جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضۂ اقتدار میں تھیں۔ جونپور کا علاقہ ریاست دانا پور کی عملداری میں داخل تھا جہاں کا مسلمان حاکم ایک ہندو راجہ دلیپ رائے نام کا باجگذار تھا! میر حسین والئ دانا پور نے سید محمد کے فضل و کمال کا شہرہ سنا تو دل میں زیارت کا شوق سر سرایا۔ چنانچہ ایک روز سیر و شکار کے بہانے جونپور آیا اور سلک مریدین میں منتظم ہو کر عنایت و التفات میں ممتاز ہوا۔ سید نے اس کے جذبۂ محبت اور اخلاص عقیدت سے متاثر ہو کر دانا پور جا کر ایوان سلطانی میں سکونت اختیار کی۔ سید کو دانا پور میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا بہت زریں موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں دانا پور اور مضافات کے ہزارہا ہنود شرف اسلام سے مستعد ہوئے۔ یہ سب خبریں دلیپ رائے کو پہونچتی تھیں لیکن وہ زہر کا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتا۔ دلیپ رائے ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم سپہ سالار اور انتہا درجہ کا مدبر فرمانروا تھا۔ شجاعت و بسالت اس کا ذاتی جوہر تھا۔ دشمن کا خوف و ہراس اس کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ لیکن وہ امر جس کی بدولت اس نے نمایاں شہرت حاصل کر رکھی تھی وہ اس کی مذہبی راسخ الاعتقادی اور بت پرستی کا شغف تھا۔

ایک دن سید محمد مریدان باصفا کے حلقہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور آیات و روایات کے حوالوں سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر کھینچ دی کہ مسلمان اس سرائے فانی میں محض اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ عزت کے ساتھ غالب رہ کر جیئے ورنہ جان دے دے۔ اس کے بعد سید باواز بلند کہنے لگا اے عیش پرست کاہلو اور اے نفس امارہ کے غلامو! اٹھو اور کمر ہمت کو مضبوط باندھو۔ آؤ ہم سب مل کر خدائے برتر کی راہ میں سربکف ہو جائیں اور ملک خدا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے پاک کر کے نور توحید سے منور کر دیں اس پیام میں حق و صداقت کی جو روح تھی اس نے بڑا کام کیا۔ تمام حاضرین نے اس پیام کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ یہ اعلان برقی قوت و سرعت کے ساتھ اکناف ملک میں پھیل گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر تیس ہزار جوانوں کا لشکر جرار امیر حسین کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گیا۔ امیر نے اس جمعیت کے ساتھ گوڑ کی طرف

پیش قدمی کی جو دلیپ راؤ کا صدر مقام تھا۔ سید محمد بھی اپنے ڈیڑھ ہزار فقرا کے ساتھ جنھیں فوج بیراگیاں کہتے تھے۔ عقب لشکر میں روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عجلت پسندی اس جوش و ولولہ کا نتیجہ تھی جو شوق جہاد میں پیدا ہو گیا تھا۔

جب راجہ نے حسین کی آمد آمد سنی تو سخت حیرت زدہ ہوا۔ کیوں کہ اسے امید نہ تھی کہ امیر حسین جیسا کار آزمودہ حکمران اس قلیل فوج کے ساتھ برسر مقابلہ ہونے کی جرأت کرے گا۔ غرض راجہ نے بھی کالی گھٹا کی طرح اپنی جگہ سے جنبش کی اور والئ دانا پور کے مقابلہ میں بڑھتا چلا آیا۔ راجہ کی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت کوہ پیکر ہاتھی اور ستر ہزار جری سپاہی اور ہزاروں جرار سوار راجہ کے ہمرکاب تھے راجہ کی فوج اس دھوم دھام اور آرائش و نمائش سے نکلی کو دیکھنے والے محو حیرت رہ گئے۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور ہنگامۂ رزم گرم ہوا دونوں طرف کے بہادر دیر تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔

تھوڑی دیر میں امیر حسین کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اس کے آدمی دلیپ رائے کے پُر زور حملوں کی تاب نہ لاکر نہایت ابتری اور سراسیمگی کے عالم میں پسپا ہونے لگے۔ حسین نے سید کو اشارہ کیا کہ بھاگ کے جان بچالیں۔ مگر سید نے خشمناک ہو کر منھ پھیر لیا اور نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر ڈیڑھ ہزار صوفیوں نے بھی اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ کوہ و دشت گونج اٹھے یہ لوگ سید کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور برق خاطف کی طرح پہلے ہی حملہ میں غنیم کے میمنہ کو فنا کر دیا۔ ہزیمت خوردہ اسلامی فوج کے لئے یہ ایک غیبی کمک تھی جس سے گئے ہوئے ہوش ٹھکانے آگئے اور وہ پسپا ہوتے ہوتے پھر ٹھہر گئی اور ترت مجتمع ہو کر حریف کے قلب پر ہلہ بول دیا۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر دلیپ راؤ نے اپنے بہادر راجپوتوں کو للکارا اور ایسا پُر جوش خطبہ دیا کہ ہر راجپوت اپنا آخری قطرۂ خون بہانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر دونوں فوجیں لڑتے لڑتے باہم اتنی قریب آگئیں کہ معاملہ تیر و تفنگ سے گزر گیا اور دست بدست لڑائی ہونے لگی سید محمد اسی جوش و خروش کے ساتھ غنیم پر حملے کر رہا تھا۔ گو اس کے پیروؤں کی تھوڑی سی جمعیت گھٹتے گھٹتے اب ایک ہزار رہ گئی تھی تاہم اس کے پے در پے حملوں

نے غنیم کی صفیں الٹ دیں۔ صوفیوں نے اتنی تلوار چلائی کہ ہنود کی فوج گراں کے دھوئیں بکھیر دئے۔ آخر سید دلیپ راؤ کے قریب پہونچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب سید اور راجہ حریف مقابل تھے۔ راجہ کا شمشیر بکف ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لئے بلند ہوا مگر وار خالی گیا۔ مہدوی کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ ہوا میں ملائکہ نے تھام لیا تھا۔ اس اثنا میں سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ لشکر نے اپنے سر پر راجہ کو نہ دیکھا تو اس میں تلاطم مچ گیا۔ اور سپاہی بے سر وسامان بھاگ نکلے۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حسین کو نہ صرف اپنی عملداری میں مطلق العنان حکومت نصیب ہوئی بلکہ مقتول راجہ کی تمام ولایت پر بھی اس کا عمل ودخل ہو گیا۔ اب سید محمد کا حلقۂ ارادت اس قدر وسیع ہوا کہ چند ہی روز میں اس کے ارادتمندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہونچ گئی۔ راجہ کا خواہر زادہ مشرف بہ اسلام ہوا سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔ میاں دلاور کچھ عرصہ ذکر وفکر میں مصروف رہ کر سید کے خرقۂ خلافت سے بھی ممتاز ہوا۔

اس معرکہ آرائی کے پانچ سال بعد سید نے ہجرت کا قصد کیا اور وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر زن و فرزند اور چند مریدانِ جاں نثار کی معیت میں جہاں گردی اور بادیہ پیمائی کا طریقہ اختیار کیا۔ یہاں سے سید کی زندگی کا نیا دور اور اس کے مشن کا تاریک ترین حصہ شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ سید نے اسی موقع پر داناپور کے جنگل میں پہونچ کر پہلی مرتبہ اپنی مہدویت کے الہام ہم راہوں سے بیان کئے جنھوں نے بے چون وچرا ان کی تصدیق کی۔

وطن کو الوداع کہہ کر سید چندیری گیا۔ وہاں کے لوگوں میں اس کے فضل و کمال کا شہرہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اہلِ چندیری نے بڑی آؤ بھگت کی اور سیکڑوں عقیدتمند اس حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ مگر جب علمار ومقتدیانِ ملت کو اس کے دعوائے مہدویت کا علم ہوا تو سید کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ وہاں سے شہر مندو دار السلطنت مالوہ میں آیا وہاں بھی اس کے وعظ دبیان میں ہجوم خلائق حد سے زیادہ ہوا سلطان غیاث الدین جسے اس کے فرزند سلطان ناصر الدین نے ان ایام میں قصر شاہی کے اندر نظر بند کر رکھا تھا نہایت درجہ کا اعتقاد بہم پہنچا کر

سید کا مرید ہو گیا۔ اس نے سید کے دو مریدوں سید سلام اللہ اور ابو بکر کو بلا کر
با اعزاز تمام رخصت کیا۔ اور بیش قیمت تحائف سید کی خدمت میں بھیجے۔ یہاں
سلطان غیاث الدین کا ایک مصاحب الہ داد نام بھی ترک امارت کرکے سید کا
مرید ہو گیا۔ وہ سید سے اس درجہ مانوس ہوا کہ سفر و حضر میں تادم مرگ اس کے
ہم رکاب رہا۔ الہ داد صاحب تصانیف تھا۔ اس نے رسالہ بار امانت، رسالہ ثبوت
مہدویت مرثیہ شیخ اور دیوان غیر منقوط لکھ کر فصاحت و بلاغت کو حیات جاوید
بخشی۔ یہ شخص سید محمد کا چھٹا خلیفہ شمار کیا جاتا ہے۔ صاحب دیوان مہری بن خواجہ
طہٰ اسی شاگرد ہے۔ اسی شہر میں سید محمد کا چھوٹا فرزند سید اجمل کھانے کی دیگ میں
گر پڑا اور رہگرائے عالم بقا ہوا۔ سید محمد نے منڈو سے روانہ ہو کر چمپانیر کا عزم
کیا جو گجرات کا دار السلطنت تھا۔ منڈو سے بہت سے لوگ معتقد ہو کر سید کے
ہمراہ ہو لیے۔ یہاں پہونچ کر سید نے جامع مسجد میں قیام کیا۔ یہاں بھی سید کے
ترک و انقطاع کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بیکرہ ایسے اولوالعزم اور
خدا پرست بادشاہ نے بھی سید کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ مریدین میں داخل
ہونے کی ٹھان لی۔ لیکن چند علماء و مقتدایان ملت جو حسب الحکم پہلے آکر سید سے
ملاقات کر گئے تھے مانع آئے اور بتایا کہ "یہ شخص مہدویت کا مدعی ہے"۔ اس لئے
بادشاہ نے مرید ہونے کا عزم فسخ کر دیا اسی جگہ سید کی بیوی کا پیمانۂ حیات بھی
آب مرگ سے لبریز ہو گیا تو سید نے امور خانہ داری کے مخمصوں سے نجات پا کر
فتوحات میں تقسیم بالسویہ کا طریقہ جاری کیا وہاں سے احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام
شاہیہ کا پایہ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسر اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ یہ مقام
بیشتر ہی مہدویت کی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا اس وجہ سے دار السلطنت احمد نگر
میں سید کا استقبال نہایت گرم جوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت
یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ بحری سید کا مرید ہو گیا۔ بادشاہ کے
قبول مہدویت کا ساحرانہ اثر یہاں تک جاری و ساری ہوا کہ اچھے اچھے عقلائے دہر
اپنے قوائے ذہنیہ کو بدعت و ضلالت کے مہدوی مندر پر قربان کر بیٹھے اور مذہب
مہدویہ دکن میں بالاستقلال قائم ہو گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعض مقامات

سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا۔ لیکن بعض سے خود ہی رخصت ہو جاتا تھا کیونکہ اس کا نصب العین تو اطراف واکناف ملک میں پھر کر اپنی خانہ ساز مہدویت کی تبلیغ کرنا تھا۔ اس لیئے وہ احمد نگر میں بھی نہ ٹھہرا اور یہاں سے کوچ کر کے شہر احمد آباد بیدر پایۂ تخت برید شاہیہ میں آیا۔ اس وقت ملک قاسم برید یہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء اور قاضی علاء الدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لیئے۔ یہاں سے سید نے عنان عزیمت گلبرگہ کو پھیر دی جو خاندان بہمنہ کا پایۂ تخت تھا۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے وعدوں نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال دیا ہے تو یہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔

یہاں سے روانہ ہو کر شہر نہر والہ پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب حوض مقام کیا۔ یہاں بھی ڈیڑھ سال تک اقامت گزیں رہا۔ لطف یہ ہے کہ سید جدھر کا رخ کرتا تھا ہر طرف سے طلبہ مناظرہ ومباحثہ کے لیئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ باوجودیکہ سید یہاں مناظرہ میں بری طرح مغلوب ومقہور ہوا۔ تاہم ایک دنیا پرست مولوی میاں خوندمیر یہیں حاضر خدمت ہو کر مرید وتربیت پذیر ہوا اور ملک بخن برخوردار اور ملک الہ داد اور ملک حماد بھی دامن مہدویت سے وابستہ ہو کر ہمراہ ہوئے۔ سید محمد کی عادت تھی کہ جب کسی حاکم کی طرف سے حکم اخراج پہنچا تو کہنے لگتا کہ مجھے خدا کا حکم یہاں سے رخصت ہونے کے لیئے پہلے ہی سے آچکا ہے اس لیئے میں خود بخود حسب ارشاد خداوندی جاتا ہوں۔ پیران پٹن سے نکل کر وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں نزول کیا۔ غرض یہاں سے بھی خارج ہو کر آوارۂ دشتِ ادبار ہوا۔ چلتے وقت عالم آشفتگی میں کہنے لگا کہ اگر میں حق پر تھا تو میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور اگر باطل پرست تھا تو کیوں قتل نہ کیا۔ اب سید جالور پہونچا۔ اس جگہ کے بے شمار باشندے اس کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایت سندھ کے شہر نصرپور میں داخل ہوا۔ یہاں پہونچ کر میاں نعمت اور میاں خوندمیر کو تو گجرات واپس جانے کی خود اجازت دی لیکن سید کے کثیر التعداد پیرو جو اس دین جدید کی سختیوں کو جھیلتے جھیلتے سخت بیزار اور بداعتقاد ہو گئے تھے۔ ترک رفاقت کر کے گجرات کو

واپس چلے آئے۔ بی بی شکر خاتون سید کی ایک اہلیہ بھی انہی میں داخل تھی۔

علمائے سندھ حدوث مہدویت کے آغاز سے ہی لوگوں کو جونپوری فتنہ سے متنبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں مہدویت کو کوئی فروغ نصیب نہ ہوا بلکہ اس بنا پر کہ سید کے قدوم سے پیشتر ہی یہاں اس کے خلاف غیظ و غضب کی لہر دوڑ رہی تھی۔ سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین کرنے سے باز آؤ ورنہ یاد رکھو کہ اناج کا ایک دانہ بھی تمھارے حلق میں نہ پہونچنے دیں گے۔ سید نے اس پیغام کی کوئی پروانہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ سید کے رفقار میں سے چوراسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے جان دیدی۔ شاہ سندھ سید کے ہفوات و مزخرافات کی اطلاع پاکر اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سید اور اس کے تمام رفقار کے حق میں حکم قتل صادر کیا۔ لیکن دریا خان مصاحب سلطانی کی سعی سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔ انجام کار جب سید نے دیکھا کہ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا لوگ ہر جگہ خشونت و درشتی سے پیش آتے ہیں اور ہندوستان کی کوئی اسلامی سلطنت اسے اپنے یہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں چنانچہ سندھ کو الوداع کہہ کر خراسان کا رخ کیا۔ خراسان فارس و عراق کے مشرقی حصہ کو کہتے ہیں۔ مہدیوں کا بیان ہے کہ اس وقت بھی قریباً نوسو آدمی سید کے ہمراہ رکاب تھے جن میں سے تین سو ساٹھ ایسے منتخب تھے جن کا لقب اصحاب و مہاجرین خاص تھا۔ غرض یہ قافلہ بہزار خرابی و بربادی قندھار پہونچا۔ مرزا شاہ بیگ حاکم قندھار سید کے دعاوی سے مطلع ہوا تو حکم دیا کہ سید ہندی کو جمعہ کے دن مسجد جامع میں طلب کر کے علمائے اسلام سے بحث کرائی جائے علمار نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی لیکن سید کی طرف سے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ جواب دیا گیا۔ شہ بیگ حاکم قندھار جوان بست سالہ تھا سید کے بیان پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے حسن اخلاق فروتنی اور سحر بیانی سے گرویدہ ہو کر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ سید محمد نے علمائے قندھار کے چنگل سے مخلصی پاکر شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر حزن و غم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی بے کسی قابلِ رحم تھی۔ لیکن ع۔ ہر کس کہ چنیں کند چناں آید پیش۔ سید چھ مہینے تک اور زندہ رہا بروز پنجشنبہ ۹۱۰ھ میں

جب کہ اس کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی سالہا سال کی خانہ بردوشی کے بعد غریب الوطنی و درماندگی کے عالم میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی اس وقت موت کا پیغام سید کے لیے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ سید اپنے دعوائے مہدویت کے بعد سے جسمانی اور روحانی صدمے اٹھاتے اٹھاتے سخت بد حال ہوگیا تھا۔ انتقال کے بعد سید کی نماز جنازہ پرانی عیدگاہ میں پڑھی گئی اور شہر فراہ اور موضع رج کے مابین ایک مقام پر نعش سپرد خاک کی گئی۔ میاں الہ داد بن جنید مہدوی نے سب کے سامنے قبر پر مرثیہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

فضلش کہ بر جمیع ہمیں شد از خدا باد ا بروز حشر شفاعت گر از خدا

۹۸۰ھ میں شاہ قاسم عراقی حاکم فراہ نے قبر پر ایک گنبد عالی کی تعمیر و تاسیس شروع کی لیکن گنبد نامکمل رہا۔ اس کے بعد پکان سلطان حاکم فراہ نے اس کی تکمیل کی۔

سید محمد کے فرزند کلاں سید محمود نے ایک سال فراہ کی سختیاں جھیلنے کے بعد گجرات میں آکر مقام کھلوٹ میں توطن اختیار کیا۔ اب سید کے تمام خلفاء و مریدین سید محمود کی طرف رجوع ہوئے۔ جب سلطان محمود بیکرہ کو مہدویہ کے بدعات و استبداد کا حال معلوم ہوا تو سید محمود کو احمد آباد کے مجلس میں قید کر کے نہایت وزنی زنجیر اس کے پاؤں میں ڈلوائی۔ اکتالیس روز کے بعد راجی سون اور راجی مرادی خواہران بادشاہ کی سفارش سے کہ دونوں سید محمد کی معتقد تھیں قید محن سے نجات ملی۔ لیکن زخم زنجیر کی وجہ سے پاؤں سڑ گیا۔ یہاں تک کہ ڈھائی مہینہ کے بعد پاؤں کی تکلیف سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور والد کی رحلت کے نو سال بعد ۹۱۹ھ میں جب کہ اس کی عمر پچاس سال کی تھی موضع کھلوٹ میں محنت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر ملک بقا کی راہ لی۔

جن ایام میں سپاہ گجرات مہدیوں کا ستھراؤ کر رہی تھی انہی دنوں سلطنت احمد نگر میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ سلاطین احمد نگر کو سید اور اس کے پیروؤں سے اس درجہ عقیدت و شیفتگی ہوئی کہ برہان نظام شاہ بحری نے اپنی قمر جمال لڑکی سید محمد جونپوری کے پوتے کے عقد ازدواج میں دے دی۔ لیکن ۹۲۸ھ میں جب شاہ طاہر نام ایک عالم احمد نگر آکر برہان نظام شاہ کے سلک وزارت

میں منتظم ہوا۔ تو اس نے بادشاہ کے سامنے حضرت مہدی آخرالزماں علیہ السلام کے
متعلق احادیث نبویہ پیش کرکے مہدویت کا سارا طلسم توڑ دیا اور اس مذہب
کا بطلان ایسے مدلل پیرایہ میں ثابت کیا کہ برہان شاہ کا مزاج اس فرقہ کی طرف
سے سخت برہم ہوا اور بادشاہ نے سید جونپوری کے پوتے سے اپنی بیٹی کی طلاق
حاصل کی اور حکم دیا کہ تمام مہدوی میرے حدود مملکت سے نکل جائیں" شاہان
اسلام کے محکمۂ احتساب نے انھیں کبھی ایک جگہ ٹھہر کر اغوا کوشیوں کا موقع نہ دیا۔
اس لئے اطراف واکناف ملک میں منتشر ہو کر دام تزویر بچھاتے اور سادہ لوح
عوام کو اپنے "تقدس" کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے۔ اس آتش فتنہ کی چنگاریاں
گجرات اور دکن سے اڑاڑ کر دہلی اور آگرہ تک جا پہونچیں بلکہ ایک بگولہ بنگالہ میں
بھی گرا۔ لیکن ارباب حکومت کی بروقت مداخلت نے شراروں کو زیادہ بھڑکنے
کا موقع نہ دیا۔ یہاں ان دو ممتاز سربرآوردہ مہدویوں کے حالات درج کئے
جاتے ہیں جن کے انقطاع و مہاجرت الی اللہ کے واقعات تواریخ ہند کی زینت
بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبد اللہ نیازی ہے اور دوسرا شیخ علائی۔

میاں عبد اللہ نیازی افغان حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ کے مرید وخلیفہ
تھے۔ آپ ہی سے خدا شناسی کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ عبد اللہ حج بیت اللہ کو
گئے۔ واپسی پر جونپوری کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے فقروں میں آکر
مہدوی مذہب قبول کر لیا۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی کہ حضرت سلیم چشتیؒ کو اطلاع
دیئے بغیر مہدوی پنتھ اختیار کر لیا۔ اگر ان سے مشورہ لے لیتے یا کم از کم اپنے شبہات
ان کے سامنے پیش کرتے جنھوں نے ان کو ورطۂ ہلاکت اور قعر ضلالت میں گرایا تھا
تو بچ جاتے آخر خود رائی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہو کے رہا۔ شیخ عبد اللہ نے
مہدوی مذہب اختیار کرکے قصبہ بیانہ ریاست جے پور میں آبادی سے دور ایک
باغ کے پاس سکونت اختیار کی۔ دل عشق ومحبت کی حرارت سے گداز اور تصوف
سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لئے ایک مبتدع فرقہ میں داخل ہو جانے کے باوجود بے نفسی
کی اب تک یہ حالت تھی کہ خود حوض سے گھڑے بھر کر سر پر اٹھا لاتے۔ نماز کے
وقت راہ گیروں، کسانوں اور دوسرے لوگوں کو جو ادھر آنکلتے جمع کرکے نماز
باجماعت ادا کرتے۔ اور جس کسی کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں تامل ہوتا اس کی

تالیف قلب کے لئے کچھ اپنے پاس سے دے کر اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ جب بیانہ کے بالمقابل بھر سور کی منزل پر پہونچا تو مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری نے بادشاہ سے کہا کہ فتنۂ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو کچھ مدت کے لئے نجات ملی لیکن فتنۂ کبیر یعنی شیخ عبداللہ نیازی جو شیخ علائی کا پیر اور نیازیوں میں ایک ممتاز و سربرآوردہ شخص ہے ہنوز سلطنت کو چشم نمائی کر رہا ہے۔" یہ سن کر اس کی آتش خشم شعلہ زن ہوئی اور حاکم بیانہ کو جو شیخ عبداللہ نیازی کا مرید تھا حکم دیا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔" حاکم بیانہ شیخ عبداللہ کے ہمراہ علی الصباح بادشاہ کے کوچ کے وقت لشکر سلطانی میں پہونچ گئے۔ اس وقت بادشاہ سوار ہو چکا تھا شیخ عبداللہ بے باکانہ گردن اٹھائے سامنے جا کھڑے ہوئے اور السلام علیکم کہا۔ حاکم بیانہ نے جو شیخ کو بادشاہ کے غضب سے بچانا چاہتا تھا شیخ کی گردن پکڑ کر نیچے کو جھکا دی اور کہنے لگا کہ بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ عبداللہ برافروختہ ہو کر کہنے لگے "میں تو سلام مسنون کا پابند ہوں اس کے سوا میں کوئی سلام نہیں جانتا۔" لشکریوں نے سلیم شاہ کے ایما سے شیخ کو پیٹنا شروع کیا جب تک حواس بجا تھے کلام الٰہی کی یہ آیت ورد زبان تھی رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ سلیم شاہ نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ مخدوم الملک نے جواب دیا کہ آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے۔" بادشاہ کو اور زیادہ طیش آیا اور مکرر زدوکوب کا حکم دیا۔ شیخ عبداللہ کی بہت دیر تک مرمت ہوتی رہی۔ آخر سلیم شاہ لشکر سمیت روانہ ہوا اور لوگ شیخ عبداللہ کو اٹھا لے گئے۔ شیخ عبداللہ نے بیانہ کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ہمایوں بادشاہ نے ایران سے مراجعت کی اور خاندان سوری کا چراغ سلطنت گل کر کے ہندوستان کو از سر نو اپنے حوزہ تصرف میں لایا۔ شیخ عبداللہ نے بیانہ سے رخصت ہو کر جہان گردی اختیار کی۔ اور عرصہ تک اطراف و اکناف عالم کی سیاحت میں مصروف رہے لیکن انجام کار قائد توفیق الٰہی نے آخر عمر میں مہدویت سے تائب کر کے اہل حق کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اور سرہند میں عزلت گزیں ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہوئے۔ اگر شیخ علائی

اس وقت تک زندہ ہوتا تو بہت بڑی امید تھی کہ اپنے پیر و مرشد کی توبہ و انابت کے پیش نظر وہ مہدویت سے تائب ہو جاتا لیکن افسوس کہ وہ ایسے وقت میں دنیا سے گذر گیا جب کہ شیخ عبد اللہ ہنوز مہدویت کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ عبد اللہ کو سرہند سے طلب کیا اور تنہائی میں صحبت رکھی۔ بادشاہ نے شیخ عبد اللہ سے ان کے مہدوی ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے مہدویت سے اظہار برارہ کیا اور کہا کہ شروع شروع میں مجھے یہ فرقہ بہت بھلا معلوم ہوا تھا اس لئے مہدوی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو میں بیزار ہو کر علحدہ ہو گیا۔" بادشاہ نے انھیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے بعد ۹۹۳ھ میں جب اکبر شاہ عازم اٹک ہوا تو سرہند پہنچ کر شیخ عبد اللہ نیازی کو دوبارہ بلا بھیجا اور کچھ زمین مدد معاش کے طور پر دینی چاہی لیکن انکار کیا۔ اکبر نے زبردستی فرمان معافی لکھ دیا۔ مجبوراً فرمان لے لیا لیکن ہمت بلند تھی زمین پر قبضہ کر کے اس سے خود ہرگز متمتع نہ ہوئے۔ اور ساری عمر توکل و قناعت میں گزار دی آخر ۱۰۰۰ھ میں عمر کی نوّے منزلیں طے کر کے موت سے ہم آغوش ہو گئے[1] رحمۃ اللہ

شیخ علائی کے والد شیخ حسن جو حضرت خواجہ سلیم چشتی رح کے خلیفہ تھے سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ افغان سوری کے عہد سلطنت میں بیانہ کے اندر سجادہ مشیخت و ارشاد پر متمکن تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو ان کا فرزند شیخ علائی جو علمی و عملی فضائل سے متصف تھا عالم شباب میں باپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھا۔ لیکن سوء اتفاق سے انھی ایام میں میاں عبد اللہ نیازی نے مذہب مہدویہ اختیار کرنے کے بعد قصبہ بیانہ میں بود و باش اختیار کر لی۔ ایک دن باغ جوانی کے اس نونہال کا بھی اس باغ کی طرف گزر ہوا جس کے پاس میاں عبد اللہ سکونت پذیر تھے۔ وہاں شیخ عبد اللہ نیازی سے ملاقات ہو گئی۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو کر ان سے بیعت کر لی۔ اسباب دنیوی جو کچھ تھا یہاں تک کہ کتابیں

---

[1] منتخب التواریخ بدایونی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۸ء ص ۲۹۳ - ۲۹۴ -

بھی محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیں اور بیوی سے کہا کہ اگر فقر و فاقہ منظور ہو تو بسم اللہ
میری متابعت کرو ورنہ اپنا حصہ اس مال سے لو اور جہاں چاہو جا رہو مگر بیوی نے
علیحدگی پر غربت و مسکنت کی نعمت گرامی کو ترجیح دی اور شوہر کے ایما سے تمام زر و زیور
اہل حاجات میں بانٹ کر اپنا دامن توکل آلائش دنیا سے پاک کر لیا۔ شیخ علائی ہر روز
نماز صبح کے بعد تفسیر قرآن کے درس و افادہ میں مصروف ہوتا فرشتہ لکھتا ہے کہ
طرز بیان ایسا موثر و دل نشین تھا کہ جو کوئی ایک دفعہ سن لیتا قطعاً اہل و عیال
کو ترک کر کے دائرہ مہدویت میں داخل ہو جاتا نہ شادی ہست سے دل شاد
نہ غم نیست سے دل فگار کنج عزلت میں آسودہ دل اور بافراغ بیٹھتا۔ اگر زیادہ
توفیق نہ ہوتی تو مناہی و معاصی سے تائب ہو کر سید جونپوری کے قرب روحانی کا
معترف اور گرویدہ ہو جاتا۔ باپ نے بیٹے سے بھائی نے بھائی سے اور بیوی
نے شوہر سے مفارقت اختیار کر کے فقر و قناعت کا شیوہ اختیار کیا۔ علائی کے
متوسلین میں سے کسی کو حرفہ تجارت یا ملازمت سے سروکار نہ تھا۔ اس کے پاس
جو کچھ نذر و فتوح آتی اس میں سب خورد و کلاں برابر کے شریک و سہیم تھے اور
اگر کوئی کسب معاش بھی کرتا تو اس میں سے کم از کم دسواں حصہ راہ خدا میں صرف
کرتا۔ یہ لوگ ایسے متوکل تھے کہ اگر بھوک کے مارے انزہاق روح تک نوبت پہونچتی
تو فاقے کرتے مگر اس کا اظہار نہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ فقر و فاقہ ہمیشہ مسلح رہتے۔
بازاروں میں امر معروف و نہی منکر کی غرض سے گشت لگاتے۔ شہر کے گلی کوچوں
میں یا جہاں کہیں کوئی نامشروع بات دیکھتے پہلے نرمی سے سمجھاتے۔ اگر رفق و مدارا
مفید نہ ثابت ہوتا تو جبر و تشدد کر کے منکرات سے باز رکھتے۔ حکام و رؤسائے شہر میں
سے جو لوگ ان کے موافق تھے وہ تو ان کی ہر طرح معاونت کرتے۔ لیکن مخالفین جو
ان کو اس تشدد آمیز طریق عمل سے روکنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے وہ خون
کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ اس طرح اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔
جب میاں عبداللہ نیازی نے دیکھا کہ اس کے پیرووں کا تشدد بہت بڑھ گیا اور
عنقریب فساد برپا ہوا چاہتا ہے تو شیخ علائی سے کہا کہ ہجوم خلائق سے میرے اوقات
میں خلل واقع ہوتا ہے اور حق گوئی اس زمانہ میں حنظل سے بھی زیادہ تلخ ہے اس
لئے بہتر ہے کہ یا تو خاموش رہ کر کنج عزلت اختیار کرو یا سفر حج کی تیاری کرو۔" شیخ

علائی زیارت بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا۔ ستر گھرانے بھی اس بے سروسامانی کے
عالم میں ساتھ ہوئے۔ جب یہ قافلہ خواص پور میں جو جودھ پور کے حدود میں واقع ہے
پہونچا تو خواص خاں خیر مقدم کے لئے آیا اور مہدی مذہب قبول کیا۔ لیکن جب چند
روز کے بعد مذہب مہدویت کی برائی اس پر روشن ہو گئی تو تائب ہو گیا۔ شیخ علائی
نے اس کی برگشتگی کا لحاظ کر کے یہ حیلہ تراشا کہ خواص خاں امر معروف و نہی منکر میں
میری موافقت و اطاعت نہیں کرتا۔ غرض اس سے بگاڑ پیدا کر کے خواص پور
سے رخصت ہوا اور سفر حجاز کی عزیمت فسخ کر کے بیانہ کو لوٹ آیا۔

سلیم شاہ سوری بادشاہ دہلی انہی دنوں آگرہ میں اورنگ سلطنت پر بیٹھا تھا۔
مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری نے سید رفیع الدین محدث، میاں ابوالفتح
تھانیسری اور بعض دوسرے علماء کو جمع کر کے بادشاہ سے شیخ علائی کی فتنہ انگیزیوں
کا شکوہ کیا۔ بادشاہ نے شیخ علائی کو آگرہ میں طلب کیا۔ شیخ علائی اپنے مریدوں
کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو ہر وقت ہتھیار لگائے رہتے تھے بیانہ سے روانہ
ہو کر حاضر دربار ہوا اور بادشاہوں کے رسوم و آداب کو بالائے طاق رکھ کر سنت
نبوی کے مطابق تمام حاضرین مجلس کو السلام علیکم کہا۔ سلیم شاہ نے بڑی نفرت و
استکراہ کے ساتھ "وعلیک السلام" جواب دیا۔ شیخ کی یہ جسارت مقربان درگاہ پر
سخت شاق گذری۔ اعیان دولت نے سلیم شاہ کے پہلے ہی کان بھر رکھے تھے کہ حضرت
مہدی علیہ السلام روئے زمین کی بادشاہت کریں گے اور یہ مبتدع خود بھی مہدویت
کا مدعی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اس شخص کی نیت بھی خروج و بغاوت کی ہو۔ عیسیٰ
خاں نے جو بادشاہ کے منہ لگا ہوا تھا شیخ علائی کی شکستہ حالی، رنگین کپڑوں اور پھٹی جوتی
دیکھ کر پھبتی اڑائی کہ یہ حالت و ہیئت اور بادشاہی کی امنگیں؟ اور بادشاہ کو خطاب
کر کے کہنے لگا کیا ہم افغان دنیا سے نابود ہو گئے ہیں کہ ایسے ایسے گدا بھی بادشاہی کی
ہوس کریں۔" شیخ علائی کے دل پر درباریوں کے طعن و تعریض اور بادشاہ کی برافروختگی
کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور مجلس بحث منعقد ہونے سے پہلے بموجب عادت معہود کلام الٰہی
کی چند آیتیں پڑھ کر ایک نہایت برجستہ اور فصیح و بلیغ تقریر شروع کر دی جس میں
دنیا کی بے ثباتی، احوال حشر و نشر کی تصویر ایسے رنگ میں کھینچی کہ دل پانی ہو گئے سلیم
شاہ اور مقربان درگاہ جن کے جذبات سخت مشتعل ہو رہے تھے۔ بجائے قہر و غضب

کی بجلیاں گرانے کے زار و قطار رونے لگے آخر بادشاہ اٹھ کر محلسرا میں چلا گیا اور وہاں سے شیخ علائی اور اس کے رفقا کے لئے خود اپنے سامنے کھانا بھجوایا مگر نہ تو شیخ نے کھانا تناول کیا اور نہ بادشاہ کی آمد پر تعظیم بجالایا اپنے ساتھیوں سے صرف اتنا کہا کہ جس کا جی مانے وہ کھائے۔ جب بادشاہ نے کھانا نہ کھانے کا سبب پوچھا تو شیخ علائی بے دریغ کہنے لگا "بادشاہ! تیرا خزانہ بیت المال ہے جس پر سب مسلمانوں کا یکساں حق ہے اور تو حکم شرع کے خلاف اپنے حق سے زیادہ پر متصرف ہو رہا ہے اس لئے تیرے ہاں کا کھانا حرام و ناجائز ہے"۔

سلیم شاہ سخت ضغطہ میں تھا کہ شیخ علائی کی نسبت کیا حکم صادر کرے؟ آخر شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم جونپوری کو مہدی موعود ماننے سے باز آجاؤ اور آہستہ سے میرے کان میں اس عقیدہ سے اظہار براءۃ کر دو تو اپنی قلمرو میں تمہیں محتسب مقرر کر دیتا ہوں۔ اب تک میری اجازت کے بغیر امر معروف و نہی منکر کرتے رہے اب میرے حکم سے کرتے رہو۔ ورنہ علماء تمہارے قتل و صلب کا فتویٰ دے ہی چکے ہیں گو میں نہیں چاہتا کہ تمہارا خون گراؤں"۔ علائی نے جواب دیا کہ تمہارے کہنے سے میں اس عقیدہ کو نہیں بدل سکتا۔ شیخ چند روز آگرہ میں رہا۔ جاسوس سلیم شاہ کو پل پل کی خبریں پہونچا رہے تھے کہ آج فلاں افغان سردار نے مذہب مہدویہ قبول کیا اور آج فلاں امیر نے شیخ کا مرید ہو کر ترک علائق کیا اور آج شیخ کے حلقۂ ارادت کو اس قدر وسعت ہوئی۔ سلیم شاہ مخدوم الملک کے فتویٰ کے باوجود حکم قتل میں مبادرت نہ کرتا تھا۔ آخر بصد مشکل قصبہ ہندیہ کی طرف جو سرحد دکن پر واقع تھا جلاوطنی کا حکم دیا۔ جب شیخ علائی یہاں پہونچا تو یہاں کا حاکم جس کا نام بہادر خاں اور لقب اعظم ہمایوں شروانی تھا۔ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا اور اس کا نصف سے زیادہ لشکر بھی مہدوی ہو گیا بادشاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو بڑا تململایا۔ مخدوم الملک نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ علائی کو ہندیہ سے طلب کر کے اس پر شرعی حد لگائی جائے"۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ مخدوم الملک علائی سے بغض عناد رکھتا ہے اور ہر طرح سے کوشاں ہے کہ کسی طرح اس کی تخریب و بیخ کنی میں کامیاب ہو اس لئے چاہتا

تھا کہ کسی دوسرے عالم بے غرض سے اس قضیہ کا فیصلہ کرائے۔ ان ایام میں دہلی اور آگرہ کے اندر اس پایہ کا کوئی جامع عالم نہیں تھا۔ جس کی طرف رجوع کیا جا سکتا اس لیے بادشاہ نے مخدوم الملک کے فتوائے قتل کو نظر انداز کر کے ۹۵۵ھ میں حکم دیا کہ شیخ علائی کو علامہ بڈھ طبیب کے پاس بہار لے جائیں تاکہ ان کے فتوے کے بموجب عمل کیا جائے۔ ان دنوں علامہ شیخ بڈھ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شیخ بڈھ صاحب تصنیف تھے۔ قاضی شہاب الدین جونپوری کی کتاب "الارشاد" پر ایک اچھی شرح لکھی تھی۔ شیر شاہ سوری ان کا ایسا معتقد تھا کہ ان کے پاؤں کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ جب شیخ علائی بہار پہنچا تو اتفاقاً شیخ بڈھ کے ہاں کوئی خوشی کی تقریب تھی۔ گانے بجانے کی آواز گھر سے آرہی تھی اور ایسے رسوم ادا ہو رہے تھے جو شرعاً ممنوع ہیں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر صحبت سے سیکھے ہیں۔ علائی نے جوش غضب میں آکر شیخ بڈھ کو ملامت شروع کر دی۔ شیخ اس وقت اس قدر معمر اور کہن سال تھے کہ یارائے گفتار بھی نہ تھا۔ علامہ کے بیٹوں نے جواب دیا کہ ملک میں ایسے عادات و رسوم رائج ہیں کہ اگر ان سے روکا جائے تو ناقص العقل عورتیں خیال کرتی ہیں کہ جان یا مال یا بدن میں ضرور کوئی آفت آئے گی۔ اور اگر سوء اتفاق سے کوئی خرابی ظہور پذیر ہو جائے تو کہنے لگتی ہیں کہ سارا وبال فلاں رسم کے ادا نہ کرنے کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے عقیدہ پر کافر ہو جاتی ہیں۔ اور کافر ہونے سے ان کا فاسق رہنا غنیمت ہے۔" شیخ علائی نے جواب دیا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب شروع ہی سے یہ اعتقاد ہے کہ گناہ نہ کرنے سے وبال آتا ہے اور سنت نبوی کی پیروی موجب ہلاکت ہے تو ایسا اعتقاد رکھنے والی عورتیں شروع ہی سے کافر ہیں تو پھر ان کے اسلام کا لحاظ کیا ضرور ہے بلکہ ان کی صحت نکاح میں کلام ہے چہ جائیکہ ان کے اسلام کا غم کھایا جائے۔ اور جب ایسے مرجع انام اور فاضل دہر کا یہ حال ہو تو عوام کا تو بس خدا ہی حافظ ہے۔" شیخ بڈھ خوف خدا کا درد دل میں رکھتے تھے استغفار کر کے اشکبار ہو گئے اور شیخ علائی کی تحسین و آفرین کر کے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ حسب بیان عبد القادر بدایونی شیخ بڈھ نے اب سلیم شاہ کے نام خط لکھا کہ مسئلہ مہدویت ایمان کا موقوف علیہ نہیں

ہے اور تعیین علامات مہدی علیہ السلام میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اس بنا پر شیخ علائی کے کفر و فسق کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ شیخ علائی کے شبہات دور کیے جائیں وہاں علماء کے کتب خانوں میں حدیث کی کتابیں بکثرت ملیں گی۔ احادیث مہدی علیہ السلام نکال کر ان کے ذہن نشین کی جائیں۔ یہاں کتابیں کمیاب ہیں ورنہ میں شیخ پر اس کی غلطی اور کج روی واضح کر دیتا۔" شیخ بڈھ کے لڑکوں نے باپ کو سمجھایا کہ مخدوم الملک صدر الصدور ہیں ان کے خلاف رائے دینا کسی طرح مناسب نہیں ایسی حالت میں اگر انھوں نے بادشاہ سے کہہ کر آپ کو اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے آگرہ طلب کرایا تو اس پیرانہ سالی میں ناحق سفر کی زحمت اٹھاؤ گے۔" یہ بات شیخ بڈھ کے دل پر اثر کر گئی چنانچہ پہلی چٹھی چاک کر کے دوسرا مراسلہ اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ مخدوم الملک طبقۂ علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور انتہا درجہ کے محقق ہیں اس لئے ان کا قول اور فتویٰ قابلِ اعتماد ہے۔"

لیکن بدایونی نے منتخب التواریخ کے مختلف مقامات پر مہدویہ کی تعریف میں جس مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے مہدوی گم کردگانِ راہ کی زبان سے جو کچھ رطب و یابس سنا اسی کو وحیِ منطوق سمجھ کر بلا تحقیق اپنی تاریخ میں درج کر لیا۔ خود عبد القادر کو تسلیم ہے کہ شیخ بڈھ اس وقت اعلم علمائے ہند تھے اور ان کی علمی عظمت و عملی تقدس کے نقش دلوں پر اس درجہ مرتسم تھے کہ شہنشاہ ہند سلطان شیر شاہ سوری ان کی جوتیاں اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے میں اپنا فخر سمجھتا تھا ظاہر ہے کہ اتنا بڑا علامۂ دہر ایسی لغو اور تمسخر انگیز بات زبانِ قلم پر کیونکر لا سکتا تھا کہ "تعیین علامات مہدی علیہ السلام میں اختلاف ہے"۔ اس سے قطع نظر اتنے بڑے عالم حق اور وراثت علوم نبوت سے یہ بھی بعید تھا کہ وہ آگرہ تک کا سفر اپنے دوش ہمت پر قبول نہ کرے لیکن کسی "عالم حق" کے بے گناہ ہلاک و برباد ہو جانے کو چپ چاپ گوارا کر لے۔ الغرض شیخ بڈھ کی دو چٹھیوں کا افسانہ محض لغو اور حامیانِ شریعت کے دشمنوں کا دماغی اختراع ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد مورخ نے تاریخ طبقات اکبری میں پہلی چٹھی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:۔ "سلیم خاں گوش بسخن مخدوم الملک نکردہ باز شیخ علائی را در بہار

التفات سمجھ کر اس کا کچھ جواب نہ دیا مہدویوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ علمائے اہلِ سنت نے ہماری کتاب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جب ان کی زبان درازیاں حدِ اعتدال سے متجاوز ہوئیں تو مولانا محمد زمان خاں شاہجہانپوری رحؒ نے جو مولانا عبدالحیٔ مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور اعلیٰ حضرت شاہ دکن کے استاد تھے ۱۲۸۵ھ میں ان کی غرور شکنی اور احقاقِ حق کا عزم فرما کر ایک کتاب بنام "ہدیۂ مہدویہ" تصنیف کی جس میں مہدوی اقوال کو خود انہی کے مسلمات سے مسترد کر کے ان کے مذہب کا بطلان واضح فرمایا۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف تھی کہ اس نے مہدوی حلقوں میں ہلچل ڈال دی۔ چونکہ مہدویہ کے پاس "ہدیۂ مہدویہ" کی تحریروں کا کوئی علمی جواب نہ تھا انھوں نے زبانِ قلم کے بجائے زبانِ تیغ سے اس کا جواب دینا چاہا۔ چنانچہ مہدوی پیشوایانِ مذہب نے اپنے پیرووں میں اعلان کیا کہ جو کوئی (مولوی) زمان خان (صاحب) کو جامِ مرگ پلائے گا ہم اسے جنت میں مروارید کے دو عالی شان محل اور خرما کے چار سو درخت دیں گے"۔ اس ابلہ فریبی پر ایک مہدوی نوجوان مولانا ممدوح کی جان کے درپے ہوا۔ چنانچہ بتاریخ ۶ر ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مولانا زمان خاں حسبِ معمول دو خدمت گاروں کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور بعد نماز مغرب دوزانو بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مصروف ہوئے اس وقت مہدوی نوجوان ستون مسجد کی آڑ میں موقع کا منتظر کھڑا تھا۔ جب ایک خدمت گار کسی کام کے لئے مسجد سے باہر گیا تو مہدوی نابکار نے بڑھ کر زور سے ایک کٹار مولانا ممدوح کے مونڈھے پر مارا پھر ایک کٹار سر پر اور دو شاہ رگ پر مارے۔ مولانا نے کلام اللہ پر سر رکھ کر شربت شہادت نوش فرمایا۔ یہ فرقہ حیدر آباد دکن، ریاست ٹونک، پالنپور وغیرہ مقامات میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں پایا جاتا ہے اور مرزائیوں کی طرح بڑا مفسد گروہ ہے۔ اس نے گذشتہ زمانہ میں جو فساد انگیزیاں کی ہیں اس کی تفصیل کتاب "ہدیۂ مہدویہ" (صفحات ۴۶ - ۵۷) میں موجود ہے اس گمراہ فرقہ کے چند عقائد و خیالات "ہدیۂ مہدویہ" سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

مہدویہ کہتے ہیں کہ (۱) سید محمد جونپوری کی مہدویت کی تصدیق فرض ہے اس کا انکار کفر ہے اور ۹۰۵ھ سے جب کہ جونپوری صاحب نے دعوائے مہدویت

کیا آج تک جس قدر اہل اسلام دنیا میں گذرے یا قیامت تک پیدا ہوں گے
بہ سبب اس انکار کے کافر مطلق ہیں (۲) گو سید محمد جونپوری امت محمدی میں داخل
ہیں لیکن خلفائے راشدین اور تمام دوسرے صحابہ سے افضل ہیں (۳) سید
جونپوری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء و مرسلین حضرت
ابراہیم خلیل، حضرت موسیٰ کلیم، حضرت عیسیٰ روح اللہ وغیرہم (علیہم السلام) سے
افضل ہیں (۴) گو سید محمد جونپوری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں لیکن رتبہ
میں حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں دونوں میں سر مو کمی بیشی
بھی نہیں ہے (۵) احادیث رسول اللہ گو کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی
ہوں لیکن وہ اس وقت تک صحیح اور قابل اعتماد نہیں جب تک سید جونپوری
کے اقوال، احوال، اور الہامات کے مطابق نہ ہوں (۶) سید محمد جونپوری اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پورے مسلمان ہیں ان کے سوا دوسرے لوگ حضرت آدم،
ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰ (علیہم السلام) ناقص الاسلام تھے۔ کوئی پیغمبر نیم
مسلم تھا کوئی ثلث مسلمان کوئی ربع مسلمان۔ چنانچہ کتاب پنج فضائل میں
شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی کہ آدم علیہ السلام ناک کے نیچے سے
بالائے سر تک مسلمان تھے۔ نوح علیہ السلام زیر حلق سے بالائے سر تک مسلمان
تھے۔ ابراہیم و موسیٰ زیر سینہ سے سر تک مسلمان تھے اور عیسیٰ علیہ السلام زیر
ناف سے بالائے سر تک مسلمان تھے البتہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوسری مرتبہ دنیا
میں آئیں گے تو پورے مسلمان ہو جائیں گے۔ اور مہدوی کتاب "انصاف نامہ"
کے بارھویں باب میں لکھا ہے کہ میاں خوندمیر نے سید محمد جونپوری سے کہا کہ تمام
دنیا میں دو مسلمان معلوم ہوتے ہیں ایک محمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے
آپ۔ میراں محمد جونپوری نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ بعض انبیاء کا سر
مسلمان ہوا تھا۔ بعض کا داہنا پہلو۔ کسی کے دونوں پہلو۔ مگر دونوں از سرتاپا
مسلمان ہوئے ہیں (۷) تصحیح مہدی علیہ السلام کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ تصحیح
کے یہ معنی ہیں کہ انبیاء رسل اولیاء اور تمام مومنین و مومنات کی روحیں آدم
علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سید جونپوری کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں
اور وہ ان کا داخلہ اور موجودات دیکھتے ہیں حق تعالیٰ ان ارواح کو حکم دیتا

ہے کہ تم نے جس خزانہ سے بوز لیا تھا۔ پھر اس محل سے مقابلہ کرکے تصحیح کردیں جو شخص یہاں مقبول ہوا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول ہے۔ اور جو یہاں مردود ہوا وہ عنداللہ بھی مردود ہے اور کتاب "پنج فضائل" میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے اپنے داماد خوندمیر سے فرمایا کہ جس طرح بندہ کے پاس ارواح کی تصحیح ہوتی ہے میاں خوندمیر کے پاس بھی ہوا کرے گی (۸) سید محمد جونپوری رسول صاحبِ شریعت ہیں ان کی شریعت شرع محمدی کے بعض احکام کی ناسخ ہے (۹) سید جونپوری منصب نبوت و رسالت کے علاوہ بعض صفات الوہیت میں حق تعالیٰ کے شریک ہیں۔ چنانچہ کتاب شواہد الولایت کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس بندے کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور اسے ہر طرف پھرا کر کماحقہ پہچانے اور واقف ہو اور مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم ہیں جس طرح صراف سونے چاندی کو ہاتھ میں لے کر ہر طرف پھراتا ہے اور کماحقہ، پہچانتا ہے اور فضائل میں لکھا ہے کہ سید جونپوری نے اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حق میں فرمایا کہ میاں دلاور پر عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اس طرح روشن ہے جس طرح ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو (۱۰) عالم کائنات میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا خالق خدا نہیں۔ کائنات میں بعض چیزیں من کل الوجوہ غیر مخلوق ہیں۔ بعض من وجہٍ مخلوق اور من وجہٍ غیر مخلوق ہیں۔ چنانچہ سید قاسم مہدوی نے لکھا کہ جوہر اول و روح حقیقی و ولایت محمدی و جملہ کتب و صحائف ایں ہمہ غیر مخلوق اند و من دون ہذا کل اشیاء بری و بحری علوی و سفلی مخلوق اند الاختی خاتمین (یعنی خاتم الرسالۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم الولایۃ مہدی جونپوری) فی المعنی غیر مخلوق و فی الصور مخلوق اند بیں اہل تمیز ہمہ علمائے اہلِ شریعت ولایت را مخلوق گویند و ہمہ اولیائے اہلِ حقیقت قدیم و غیر مخلوق گفتہ اند"۔ مہدویہ کا یہ عقیدہ آریوں کے خیال سے ملتا ہے جو روح اور مادہ کو خالق کردگار کی مخلوق نہیں سمجھتے بلکہ ایزد متعال کی طرح قدیم خیال کرتے ہیں (۱۱) مہدی جونپوری کے اصحاب کا درجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے چنانچہ کتاب "شواہد الولایت" کے اکتیسویں باب کی سینتیسویں خصوصیت میں لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مہدی

کے اصحاب کا مرتبہ اپنے مرتبے کے برابر فرمایا ہے۔ اور "پنج فضائل" میں لکھا ہے کہ ایک روز میاں عبدالرحمٰن نے یہ حدیث پڑھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی کے اصحاب میرے بھائی اور مرتبہ میں میرے برابر ہیں۔ شاہ نظام نے سن کر کہا کہ یہ صفت عوام اصحاب مہدی کی ہے۔ بڑے اصحاب کا مرتبہ اس سے بھی اور آگے ہے اور "پنج فضائل" میں لکھا ہے کہ ایک دن سب آدمی صف بستہ بیٹھے تھے۔ شاہ دلاور خلیفہ جونپوری نے اپنی بیوی خوند بوا سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو مرسلین کا مقام رکھتے ہیں اور کہا کہ مرسل اسے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ اس پر وحی لائیں لیکن بارہ آدمی ان سے بھی فاضل تر ہیں (۱۲) اگر دربار نبوت میں ایک صدیق (حضرت ابوبکرؓ) تھے تو مہدی کے دربار میں دو ہیں۔ سید محمود، اور خوند میر اور اگر خلفائے راشدین وہاں چار تھے تو یہاں پانچ ہیں سید محمودؒ خوند میر، میاں نعمت، میاں نظام اور میاں دلاور۔ اور اگر وہاں عشرہ مبشرہ تھے تو یہاں بارہ مبشرہ ہیں (۱۳) مہدی جونپوری کے نواسے سید محمود بن خوند میر کے ساتھ لڑکپن میں (معاذ اللہ) خدا ہمیشہ کھیلا کرتا تھا۔ (۱۴) شواہد الولایت کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ شیخ مہاجر نے مردہ زندہ کیا۔ اور حضرت مہدی موعود نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام بتایا۔ مصنف کتاب مذکور لکھتا ہے کہ ذات مہدی کے فیض یاب کو چاہیے کہ مقام عیسیٰ علیہ السلام پر فائز ہونے کے باوجود قم باذن اللہ سے احتراز کرے۔[1]

مولانا زمان خاں شہید نے اس قسم کے مہدوی خرافات اور بھی جمع کئے ہیں لیکن میں بصد اختصار انہی پر اکتفا کرتا ہوں جو حضرات ان کفریات کے جوابات معلوم کرنا چاہیں وہ کتاب "ہدیہ مہدویہ" (صفحات ۱۶۔۳۳) کا مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] یہ باب "ہدیہ مہدویہ" منتخب التواریخ اور دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اکثر مندرجات کا ماخذ مہدوی بیانات ہیں اس لئے ان میں مبالغہ کا رنگ نمایاں ہے۔ "ہدیہ مہدویہ" کے منقولات کتاب مذکور کے صفحات ۳۴-۴۴ پر ملاحظہ ہوں

جلال الدین اکبر شاہ

جلال الدین اکبر شاہ بھی ان ائمۂ فساد میں سے ہے جنھوں نے ملّت اسلام میں رخنہ اندازیاں کر کے ناموس شریعت کو چرکا لگایا۔ اکبر ۹۴۹ھ میں سندھ کے ریگستان میں امرکوٹ کے مقام پر اس وقت پیدا ہوا جب کہ اس کا باپ سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ سلطان شیر شاہ کے ہاتھ سے آوارۂ دشت غربت تھا۔ ہمایوں بادشاہ خود تو ایران چلا گیا لیکن اکبر کو جو اس وقت پورا برس دن کا بھی نہیں ہوا تھا اپنے بھائی عسکری مرزا حاکم قندھار کے ہاتھ میں چھوڑ گیا۔ اکبر قریباً بارہ سال تک قندھار میں اپنے چچا کے دست اختیار میں رہا۔ جب ۹۶۱ھ میں ہمایوں بادشاہ فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا تو اس وقت اکبر ۱۲ برس ۸ مہینے کا تھا۔ اور جب ۹۶۳ھ میں ہمایوں بادشاہ نے دہلی میں کوٹھے پر سے گر کر داعئ حق کو لبیک کہا اور اکبر تخت نشین ہوا تو اس وقت اکبر کی عمر پونے چودہ سال کی تھی۔ اکبر کے ایام طفلی میں اس کے والدین دشت ادبار میں پڑے تھے اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوا اور وہ بالکل جاہل و امی رہ گیا۔ تخت نشینی کے بعد اکبر قریباً اکاون سال تک بر سر حکومت رہا۔ میں اس زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلا وہ آوان سعید تھا جب کہ اکبر بادشاہ دائرۂ اسلام میں داخل تھا۔ دوسرا وہ عصر جہل و فساد جس میں اس نے اسلام کا ربقۂ عقیدت گلے سے اتار کر کھلم کھلا کفر وارتداد اختیار کیا۔ ان میں سے پہلے زمانہ کا دورہ انیس سال کا تھا اور دوسرے عہد ظلمت کی مدت قریباً بائیس سال تھی۔

اکبر بادشاہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا اور اسے مذہبی امور میں بصیرت حاصل نہ تھی۔ علماء و مشائخ اسے دین کی طرف کھینچتے تھے اور اہل الحاد اسے آزادی اور مطلق العنانی کی راہ دکھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ آہستہ آہستہ ان کا اثر بھی قبول کرنے لگا اور اس کی طبیعت قیود شریعت کو توڑ کر آزادی کی طرف مائل ہونے لگی۔ ان ایام میں بادشاہ نے علماء سے کہا کہ میں اپنے حرم شاہی میں کتنی عورتیں

رکھ سکتا ہوں انھوں نے کہا آپ چار تک رکھ سکتے ہیں۔ کہنے لگا میں نے تو ایک مرتبہ شیخ عبدالنبی سے سنا تھا کہ بعض کے نزدیک نو تک کی اجازت ہے۔" بادشاہ کو بتایا گیا کہ اگر راہ خلاف اختیار کی جائے تو بعض لوگوں نے اٹھارہ تک بھی حلال بتائی ہیں۔ بادشاہ نے شیخ عبدالنبی سے دوبارہ پچھوا بھیجا۔ شیخ عبدالنبی نے جواب دیا کہ میں نے چار سے زیادہ کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا بلکہ صرف اختلاف کا ذکر کیا تھا۔" یہ جواب بادشاہ کی طبع پر شاق گذرا اور کہنے لگا کہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شیخ نے ہم سے نفاق برتا تھا جب کچھ اور کہا تھا اور اب کچھ اور بتا رہے ہیں۔" علماء میں سے جو لوگ دنیا پرست تھے وہ بادشاہ کی خوشنودی خاطر رطب و یابس جمع کرکے فتوے دیا کہ بادشاہ جس قدر عورتوں کو چاہے بطریق متعہ رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ کے مذہب میں متعہ جائز ہے اور شیعہ تو اہل سنت و جماعت کی مخالفت میں منکوحہ بیوی کی اولاد کی نسبت اس اولاد کو عزیز رکھتے ہیں جو متعہ سے پیدا ہوئی ہو نقیب خان مؤطا امام مالکؒ اٹھا لائے اور ایک مرفوع حدیث نکال کر دکھائی جس میں صراحتہً متعہ کی ممانعت تھی۔ ابوالفضل متعہ کے جواز پر زور دینے لگا۔ عبدالقادر بدایونی نے کہا کہ اتنی مختلف روایات اور مذاہب گوناگوں کا مآل ایک بات میں تمام ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ متعہ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک اور شیعوں کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اور گو امام اعظم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حرام ہے لیکن اگر مالکی مذہب کے قاضی سے فتویٰ لے لیا جائے تو حضرت امام اعظمؒ کے مذہب میں بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب قیل و قال اور جنگ و جدال ہے۔" یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ قاضی یعقوب نے جواز متعہ سے انکار کیا۔ لیکن عبدالقادر بدایونی نے اسے فسوں و فسانہ سے رام کر لیا۔ قاضی حسین بھی ایک دنیا پرست مولوی تھا۔ اس نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ اور بادشاہ نے ان تمام علمائے حق کو جنھوں نے اسے متعہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی نظروں سے گرا دیا۔ بادشاہ نے قاضی یعقوب کو گور بھیج دیا اور ان کی جگہ مولانا جلال الدین ملتانی کو آگرہ سے طلب کرکے ممالک محروسہ کا عہدۂ قضا تفویض فرمایا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شیعوں نے تو متعہ جائز کر رکھا ہے لیکن حضرت امام مالک

رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں متعہ زنا کی طرح قطعاً حرام ہے اور جواز متعہ کے متعلق جو روایت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ یکسر موضوع و مردود ہے۔ غرض ائمۂ اربعہ اور اہلِ سنت و جماعت کے تمام دوسرے امام اس مسئلہ میں متفق ہیں۔

انہی دنوں میں متھرا کے قاضی نے شیخ صدر (شیخ عبدالنبی) کے پاس استغاثہ کیا کہ مسجد کی جگہ پر ایک شورہ پشت برہمن نے قبضہ کرکے شوالہ بنا لیا اور جب روکا گیا تو اس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی اور مسلمانوں کو بھی بہت گالیاں دیں۔ شیخ صدر نے طلبی کا حکم بھیجا وہ نہ آیا آخر نوبت بادشاہ تک پہونچی بادشاہ نے خاص قاصدوں کے ہاتھ اس کو دارالسلطنت میں بلوا بھیجا۔ جب وہ آیا تو معتبر شہادتوں سے ثابت ہوا کہ اس نے واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ چونکہ اسلام میں نبی کی توہین کی سزا قتل ہے اس لئے شیخ صدر بادشاہ سے قتل کی اجازت چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ صاف حکم نہ دیتا تھا اتنا کہہ کر ٹال دیتا تھا کہ شرعی احکام تمہارے متعلق ہیں ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ برہمن مدت تک قید رہا۔ آخر جب شیخ نے بار بار پوچھا تو اکبر کہنے لگا کہ بات وہی ہے جو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جو مناسب جانو وہ کرو۔" غرض شیخ نے وہاں سے جاکر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ انوپ تلاؤ کے دربار میں اس مقدمہ کا تذکرہ چھڑا۔ ابوالفضل اور فیضی نے آتش فتنہ پر تیل ڈالنا شروع کیا۔ بعض نے یہ کہنا شروع کیا "شیخ سے تعجب ہے کہ وہ اپنے تئیں امام اعظمؒ کی اولاد کہتے ہیں حالانکہ امام اعظمؒ کا فتویٰ ہے کہ اگر ذمی (یعنی غیر مسلم رعایا) پیغمبر علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد نہیں ٹوٹتا اور ابرار ذمہ نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ کتب فقہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ شیخ نے اپنے جدامجد کی مخالفت کیوں کی؟" بادشاہ نے شیخ عبدالقادر بدایونی کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے بھی سنا ہے کہ اگر ننانوے روایتیں قتل کی مقتضی ہوں اور ایک روایت رہائی کی اجازت دیتی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ مؤخرالذکر روایت کو ترجیح دے انھوں نے کہا کہ ہاں درست ہے حدود ادنیٰ شہادت سے مرتفع ہو جاتی ہیں۔" بادشاہ نے افسوس کے ساتھ پوچھا کہ کیا شیخ کو اس مسئلہ کی خبر نہ تھی کہ بیچارے برہمن کو مار ڈالا؟ بدایونی نے کہا کہ شیخ:

بہت بڑے عالم ہیں اس روایت کے باوجود انھوں نے دیدہ و دانستہ قتل کا حکم دیا ضرور کوئی وجہ اور مصلحت ہوگی"۔ بادشاہ نے پوچھا وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے؟ بدایونی نے کہا یہی کہ فتنہ کا سدّباب ہو اور عوام میں جرأت کا مادہ نہ رہے بادشاہ نے بگڑ کر بدایونی سے کہا "تم کیا نامعقول باتیں کرتے ہو؟ بدایونی خوف زدہ ہو کر پیچھے کو ہٹ گیا۔ اس دن سے شیخ عبدالنبی سلوب الاختیارات ہونے لگے۔

ابوالفضل اور فیضی کا باپ مبارک ناگوری ایک بڑا فتنہ انگیز ملحد تھا پہلے فیضی اور پھر ابوالفضل کی دربار تک رسائی ہو گئی تینوں باپ بیٹوں کی یہ حالت تھی کہ شب و روز علمار سے انتقام لینے کے لئے دانت پیس رہے تھے اور ایسے منصوبے سوچتے رہتے تھے کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور کو نیچا دکھائیں۔ ان ایام میں مبارک کی بھی دربار میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مبارک سے کہا کہ جہاں علمار باہم مختلف الخیال ہوں وہاں کون سا مسلک اختیار کرنا چاہیے؟ اس نابکار کو شر انگیزی کا سنہری موقعہ ہاتھ آ گیا کہنے لگا کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہیں اختلافی مسائل میں حضور جو مصلحتِ وقت دیکھیں حکم فرمائیں حضور کو ان ملاؤں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے اور جھٹ ایک مسودہ تیار کر کے اکبر کے پاس بھیج دیا۔ اس محضر میں لکھا تھا کہ عادل بادشاہ مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دیدے معاملات شرعی میں اسے ہر طرح کا تصرف حاصل ہے اور کسی کو اس کی رائے سے اختلاف و انکار کی مجال نہیں پس جو شخص اس کی رائے سے اختلاف کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں عذاب و عقاب کا سزاوار ہے۔ امام عادل اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم بھی نافذ کر سکتا ہے جو نصوص اور احکام قطعی الثبوت کے خلاف ہو بشرطیکہ اس کی نظر میں اس کے اندر خلق کی رفاہیت ہو اور ایسے اجتہادی احکام میں ہر شخص پر امام عادل کا اتباع واجب ہے۔ اور اس امام عادل سے مراد اکبر کی ذات تھی علمار کو اس محضر پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اسلام اور علمار اسلام کے حق میں اس فتنہ کی بھی وہی حیثیت تھی جس میں علمار مامون عباسی کے عہد میں مبتلا کئے گئے تھے۔ اکبری محضر پر مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی صدر الصدور قاضی القضاۃ قاضی جمال الدین ملتانی، صدر جہاں۔ شیخ مبارک ناگوری اور

غازی بدخشی کی مہریں اور دستخط ثبت کرائے گئے۔ ان میں سے بعض نے تو طیب خاطر سے اور بعض نے طوعاً و کرہاً دستخط کئے تھے۔ اس محضر کے رو سے نہ صرف حاملین شریعت عضو معطل بن کر رہ گئے بلکہ سرے سے شریعت مطہرہ ہی بالائے طاق رکھ دی گئی۔ کیونکہ احکام شرع کی جگہ اکبر کا حکم ناطق ہو گیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو مبارک اور اس کے بیٹوں کو اپنے حریف علماء کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔ اس دن سے ابوالفضل اور فیضی دربار کے سیاہ و سپید کے مالک ہو گئے۔ علماء کی مسند عزت الٹ گئی۔ اور مبارک کے گھر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

اکبر نے یہ فتویٰ حاصل کر کے نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے گمراہ مصاحبوں کی مدد سے احکام الٰہی میں قطع و برید شروع کر دی۔ اور انسانی عقل نارسا کو وحی الٰہی پر ترجیح دی گئی۔ اسلام پر تعریض کرتے ہوئے دین حق کو تقلیدی مذہب سے تعبیر کرنے لگے۔ گمراہی کی طرف ایک اور قدم یہ تھا کہ اکبر کے دل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے سوء ظن پیدا کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس فساد عقیدہ کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص ملا یزدی خراسان کی طرف سے آکر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں بہت کچھ دریدہ دہنی کرنے لگا۔ اور بکمال ڈھٹائی سے بہت سی ناروا باتیں ان نفوس قدسیہ کی طرف منسوب کیں۔ یہ اتہامات سن کر بادشاہ صحابہ کرام کی طرف سے بدعقیدہ ہو گیا۔ یزدی نے چاہا کہ بادشاہ کو رافضی بنالے لیکن جب ابوالفضل حکیم ابوالفتح اور بیربل کو معلوم ہوا تو وہ آدھمکے اور بادشاہ سے کہنے لگے جہاں پناہ! آپ سنی شیعہ کے قصوں میں نہ پڑیئے سرے سے نبوت وحی معجزہ کرامت وغیرہ ہی بے بنیاد اور ملاؤں کے ڈھکوسلے ہیں۔ یہ سن کر جاہل بادشاہ کو خود مذہب ہی کی طرف سے شک پڑ گیا۔ ابوالفضل نے بادشاہ سے کہا کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ سب تقلیدی اور غیر معقول چیزیں ہیں۔ دین کا مدار تو نقل کے بجائے عقل پر ہونا چاہیے۔"

چنانچہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ ابوالفضل اور دوسرے اشقیاء نے اکبر کو احمق بنا کر جو مضحکہ خیز عقلی مذہب بنام دین الٰہی بنایا تھا اور جس کی بنا محض چند ملحدانہ خیالات اور عقلی ڈھکوسلوں پر رکھی تھی وہ اکبر کی آنکھیں بند ہوتے ہی کس طرح قعر گمنامی میں مستور ہو گیا!!!

اکبر شاہ نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال اعلان کیا کہ بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزار سال کا زمانہ جو دین محمدی کی مدت بقا تھی گذر چکا اس لئے (معاذ اللہ) اسلام کے احکام و ارکان باطل ہو گئے اور ان کی جگہ اکبری دین کے ضوابط و قواعد نافذ ہوتے ہیں۔" ہجرت کے ہزارویں سال جو سکے تیار ہوئے حکم دیا کہ ان پر ہزار سال کی تاریخ ثبت کریں۔ رعایا کے لئے اکبر بادشاہ کو سجدہ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ مے خواری جائز ہوگئی لیکن اس جواز کی یہ شرط قرار دی گئی کہ مستی مفرط نہ ہو اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص شراب نوشی میں حد اعتدال سے تجاوز کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھنے کے لئے شراب فروشی کی سرکاری دکان کھولی گئی اور آب حرام کا سرکاری نرخ مقرر ہو گیا بایں ہمہ بڑے بڑے فتنے اور فساد رونما ہوتے رہتے تھے۔ دین اکبری میں زنا بالکل جائز فعل تھا۔ شہر فتح پور سے باہر ایک بازار تعمیر کر کے اس میں رنڈیاں بٹھائی گئیں اور اس جگہ کا نام "شیطان پورہ" رکھا گیا۔ اس اہتمام کے لئے ایک داروغہ متعین کیا گیا تاکہ جو کوئی ان سے صحبت کرے یا ان میں سے کسی کو اپنے مکان پر لے جائے اپنا نام درج کرائے ڈاڑھی منڈانا بھی شریعت اکبری کا ایک مؤکد حکم تھا۔ ریش تراشی کی مضحکہ انگیز دلیل یہ پیش کی گئی کہ ڈاڑھی خصیوں کی رطوبت جذب کر لیتی ہے اور اس طرح قوت مردانگی کمزور ہو جاتی ہے۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابتدائے ملازمت میں حکیم ابوالفتح نے میری ڈاڑھی مقدار معہودہ سے چھوٹی دیکھی تو میر ابوالغیث بخاری کی موجودگی میں مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے لئے ڈاڑھی کا کم کرانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ میں نے کہا کہ حجام نے غلطی سے زیادہ کاٹ دی ہے۔" کہنے لگا اچھا آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ نہایت نازیبا حرکت ہے اور چہرہ بدنما ہو جاتا ہے اس کے بعد خود اس ناصح نے اکبری احکام کے ماتحت ڈاڑھی بالکل صفاچٹ کرادی۔ غسل جنابت کی فرضیت بھی اڑادی گئی۔ اس پر دلیل یہ پیش کی گئی کہ انسان کا خلاصہ نطفہ منی ہے۔ جو نیکوں اور پاکوں کا تخم آفرینش ہے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ پیشاب اور پاخانہ سے تو غسل واجب نہ ہو۔ اور منی جیسی لطیف شے کے اخراج سے غسل ضروری ہو جائے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے غسل کریں اس کے بعد مجامعت میں مشغول ہوں اکبری شرع میں خنزیر اور شیر کا گوشت کھانا مباح تھا۔ اباحت کی علت یہ قرار دی گئی

کہ ان کے کھانے سے انسان میں شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ شجاعت و بسالت میں خنزیر خور قومیں دوسروں سے فائق نہیں ہیں اور اس کا کھانے والا دیوث و بے غیرت ہو جاتا ہے اگر یہ اور بہت سی دوسری مضرتیں جو کتب طب میں مذکور ہیں اس میں موجود نہ ہوتیں تو بھی اس کا کھانا کسی طرح روا نہ تھا کیونکہ سور نہایت کثیف جانور ہے اور شیر کا گوشت کھانے والا اس حد تک درشت خو، سنگ دل اور قسی القلب ہو جاتا ہے کہ انجام کار اس میں اور خونخوار بھیڑیے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

اکبر کے شریعت گردوں نے چچا پھوپھی ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا تھا کیونکہ اس سے ان کے زعم میں میلان کم ہوتا ہے۔ آئین اکبری میں مستطیع مردوں کے لئے سونے چاندی کا زیور اور ریشمین لباس ضروری قرار دیا تھا۔ ہجری تاریخ برطرف کر دی گئی اور ملوک عجم کی طرح اکبر کی ابتدا رجلوس یعنی ۹۶۳ھ سے تاریخ شروع کی گئی۔ زرتشیوں (پارسیوں) کی طرح عیدیں سال میں چودہ مقرر کی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی البتہ جمعہ کا دن بحال رہنے دیا گیا تاکہ ضعیف العلم لوگ جا کر اکبر شاہی خطبہ سن لیا کریں۔ برس اور مہینہ کا نام سال الٰہی اور ماہ الٰہی رکھا گیا۔ مہروں پر اس غرض سے ہزار کی تاریخ ثبت کی گئی کہ وہ (معاذ اللہ) انقراض دین متین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرے۔ عربی زبان فقہ، تفسیر حدیث کا پڑھنا پڑھانا اور جاننا عیب میں داخل ہو گیا اور علوم نجوم طب ریاضی شعر گوئی، تاریخ و افسانہ کی ترویج ہوئی۔ عربی زبان کے خاص حروف مثلاً ثا حا عین صاد ضاد طا قاف تلفظ سے برطرف کر دئے گئے۔ عبداللہ کو ابداللہ اور قوم کا کوم تلفظ کیا گیا۔ یہ دشمنان دین شاہنامہ کے دو بیت جنھیں فردوسی طوسی نے بطریق نقل درج کیا ہے اپنے استدلال میں پیش کرتے تھے۔ ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسیدہ است کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو	تفو باد بر چرخ گرداں تفو

تمام اسلامی عقاید مثلاً نبوت، کلام، رؤیت، تکلیف و تکوین، حشر و نشر سے تمسخر و استہزا کیا جاتا اور اگر کوئی مسلمان جواب دینا چاہتا تو اکبری ملاعنہ

اسے شکنجۂ عذاب میں کس دیتے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں دریدہ دہنی کی جاتی تھی۔ ارباب تصنیف خطبۂ کتاب میں حمد الٰہی کے بعد بادشاہ کے لمبے چوڑے القاب لکھتے تھے اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھ سکے۔ گو مذہب کا مذاق اڑایا جاتا تھا تاہم اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں رفض کی تائید کی جاتی تھی۔ اس بنا پر شیعہ غالب اور اہلِ سنت مغلوب تھے۔ اور عام حالت یہ تھی کہ اخیار خائف اشرار ایمن، مقبول مردود، مردود مقبول نزدیک دور، اور دور نزدیک ہوگئے تھے۔ عامۃ الناس بات بات میں اللہ اکبر کہتے تھے اور یہ تکبیر خالق کردگار کی کی تکبیر نہیں تھی بلکہ اکبر اکفر کے نام کی تکبیر بلند کی جاتی تھی۔

اکبری ملاحدہ نے اکبر شاہی دین اختراع کیا تھا۔ لیکن ہر ذی ہوش اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ وہ محض فواحشات کا مجموعہ اور بدمعاشیوں کا مصدر و معدن تھا۔ اس سال قاضی جلال الدین ملتانی کو فتح اللہ خاں بدخشی کے ساتھ جو نہایت متعصب اور بد مذہب رافضی تھا بدیں خیال دکن بھیج دیا گیا کہ وہاں کے حکام کو رفض میں بڑا تعصب و غلو ہے وہ لوگ قاضی جلال الدین کو انواع عقوبت و رسوائی کے ساتھ قعر ہلاک میں ڈال دیں گے لیکن جب انہی روافض نے دیکھا کہ قاضی جلال الدین اسلام میں راسخ قدم اور کذابوں کے خلاف کلمۂ حق کے اظہار میں سیف قاطع ہیں تو رفض کو چھوڑ کر ان کے معتقد ہوگئے۔ یہاں تک کہ انھیں مدد معاش کے لئے متعدد گاؤں دیئے اور ان کی خدمت گذاری کو سعادت اور ان کی خاک پا کو سرمۂ چشم یقین کرنے لگے۔ اکبری دین میں دوسرے فواحش کی طرح جوا بھی حلال تھا۔ دربار میں ایک قمار خانہ قائم کیا گیا اور قمار بازوں کو خزانۂ عامرہ سے سود پر روپیہ قرض دیا جاتا تھا۔ شیخ تاج الدین نام ایک مبتدع کو اہلِ تصوف کے شطحیات پر بڑا عبور تھا۔ بادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا۔ اس کو بلا بھیجا۔ رات کو اس سے شطحیات سنا کرتا۔ اسی طرح مسئلہ وحدت وجود جو عوام الناس کو اباحت و الحاد کی طرف لے جاتا ہے درمیان میں لایا گیا اور اس سے ملحدانہ استدلال کئے جانے لگے۔ اور لطف یہ کہ گم کردگانِ راہ ان خرافات و کفریات کو دینِ الٰہی کے نام سے موسوم کرتے

تھے۔ جگا برعکس نہند نام زنگی کافور۔

اکبر نے منادی کرادی تھی کہ کوئی مسلمان پندرہ سال کی عمر سے پہلے اپنے بیٹے کا ختنہ نہ کرے تاکہ اس عمر پر پہونچ کر وہ اپنے لئے جس دین کو چاہے پسند کرے۔ پادری پییئر کا بیان ہے کہ اکبر بادشاہ نے ۳ ستمبر ۱۵۹۵ء کو پادری بنہیرو کے نام ایک خط لاہور سے بھیجا جس میں لکھا کہ میں نے اس ملک میں اسلام کا نام و نشان نہیں چھوڑا یہاں تک کہ لاہور میں ایک بھی ایسی مسجد نہیں رہی جسے مسلمان استعمال کر سکیں تمام مسجدیں میرے حکم سے اصطبل اور گودام بنادی گئی ہیں اکبر بادشاہ فتح کشمیر کے بعد لاہور چلا آیا تھا اور سالہا سال یہیں رہ کر فتنہ انگیزیوں میں مصروف رہا۔ پادری پییرے لکھتا ہے کہ لاہور میں جمعہ کے دن جو مسلمانوں کا متبرک دن ہے اکبر کے سامنے چالیس پچاس خنزیر لاکر باہم لڑائے جاتے تھے۔ اس نے ان کے اگلے دانتوں پر سونے کے پترے چڑھوا رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سوروں کی لڑائی کا مقصد محض اسلام کی تحقیر تھی کیونکہ مسلمان خنزیر کو نہایت ناپاک سمجھتے ہیں[1]۔ یہ بدنصیب جس قعر ہلاک میں خود پڑا تھا دوسروں کو بھی اسی ورطہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اکبر اور اس کے ندیم قطب الدین خاں اور شہباز خاں سے جو اعلیٰ عہدہ دار تھے کہنے لگے کہ دین اسلام کی تقلید چھوڑ دو۔" انھوں نے اس سے انکار کیا قطب الدین خاں اکبر سے کہنے لگا کہ دوسرے ملکوں کے بادشاہ مثلاً سلطان روم وغیرہ جو دین اسلام کے عاشق زار ہیں یہ باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے"۔ اکبر کہنے لگا کہ تو سلطان روم کا نمائندہ بن کر اس کی طرف سے ہمیں دھمکی دیتا ہے؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے جاکر سلطان کے پاس کوئی عہدہ حاصل کر لوگے۔ اگر یہی خیال ہے تو اچھا وہیں چلے جاؤ۔ جب شہباز خاں کو دین اسلام سے دست بردار ہونے کی ترغیب دی گئی تو وہ بڑا بگڑا۔ بیربر لعین دین حنیف کے خلاف زبان طعن دراز کرنے اور علانیہ گالیاں دینے لگا۔ شہباز خاں کی رگِ غیرت جوش میں آگئی اور ڈانٹ کر کہا اے کافر ملعون! تو بھی اسلام کو ملعون کرنے کا منہ رکھتا ہے؟ اچھا ہم تجھے سمجھ لیں گے" غرض

---

[1] اکبر اینڈ دی جیزئٹس مطبوعہ پلائی ماؤتھ ص ۶۷۔

دربار میں بہت ہلچل مچی اور تو تو میں میں ہوئی۔ ایک مرتبہ عظم خاں جو خانِ اعظم کے لقب سے مشہور تھا۔ گجرات سے فتح پور آیا اور یہ دیکھ کر کہ دربار اکبری کا مذہبی زمین و آسمان ہی کچھ سے کچھ ہو گیا ہے اسے سخت حیرت ہوئی آخر اس سے نہ رہا گیا اہل دربار کے مارقانہ اقوال و افعال پر بے تحاشہ اعتراض کر کے صدق گوئی اور نہی منکر کا حق ادا کیا۔ اکبر کو یہ "مداخلت" سخت ناگوار ہوئی۔ حکم دیا کہ خانِ اعظم اتنے دن تک کورنش کے لئے نہ آئے اور اس پر اس غرض سے چوکیدار مقرر کر دئے کہ عمائد سلطنت میں سے کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے۔ اس کے بعد محض اس "جرم" میں کہ کلمۂ حق زبان پر لایا، معزول کر کے اسے آگرہ بھیج دیا۔ وہ بیچارہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے باغ کے ایک زاویۂ تنہائی میں جا بیٹھا۔ غرض اس سیل الحاد میں کشتی شکستگانِ اسلام کا ملجا و ماوی بجز ذات رب العالمین کے اور کوئی نہ تھا۔

اکبر نے مشائخ طریقت کے نام فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص کسی سے بیعت نہ لے اور اگر کسی کی نسبت معلوم ہوتا کہ وہ پیری مریدی کرتا ہے یا اس کے ہاں مجلس سماع قائم ہوتی ہے تو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا یا بنگالہ کی طرف جو اس زمانہ میں کالے پانی کا حکم رکھتا تھا جلاوطن کر دیا جاتا۔ مشائخ کی جگہ بادشاہ لوگوں سے خود بیعت لینے لگا۔ اکبر کے مرید جو چیلے کہلاتے تھے ترک چہارگانہ کا اقرار کرتے تھے۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین جو شخص صفات چہارگانہ سے متصف ہوتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کا مکمل مرید خیال کیا جاتا تھا اور جس میں ایک یا دو یا تین صفات ہوتے تھے وہ چوتھائی آدھا یا پون مرید ہوتا تھا بیربر کا دعویٰ تھا کہ میں صفات چہارگانہ کا حامل اور پورا مرید ہوں۔ بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی آ کر اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھی۔ بعض مشائخ طریقت میں شجرہ کا رواج ہے۔ اکبر شجرہ کی جگہ مریدوں کو اپنی تصویر دیتا تھا اس تصویر کا پاس اور زیب زیارت رکھنا بہت کچھ رشد و سعادت اور ترقی اقبال کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ اکبر نے اسلامی سلام کو بھی برطرف کر دیا تھا۔ سلام کی جگہ معمول تھا کہ جب اکبری مرید آپس میں ملاقات کرتے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ پکارتا۔ رعایا میں سے ہر شخص سجدہ کا مامور تھا۔

سجدہ کو یہ لوگ زمین بوس کہتے تھے۔ رعایا کو سجدہ پر سخت مجبور کیا جاتا تھا۔ ارتداد و بے دینی نے یہاں تک خوفناک صورت اختیار کر لی کہ بہت سے اہلِ ارتداد جیسے میرزا جانی حاکم ٹھٹھ اور دوسرے اعدار اللہ نے اس مضمون کے خطوط لکھ کر اکبر کے پاس بھیج دئے کہ میں جو فلاں بن فلاں بن فلاں ہوں۔ طوع و رغبت اور شوقِ قلبی کے ساتھ دینِ اسلام سے کہ مجازی اور تقلیدی ہے اور اپنے آبار و اجداد سے حاصل کیا تھا اظہار بیزاری کرتا ہوں اور اس سے کلیۃً منقطع ہو کر دینِ الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوتا ہوں اور اخلاص کے چہار گانہ مراتب ترکِ مال، ترکِ جان ترکِ ناموس ترکِ دین کو قبول کرتا ہوں"۔ اس مضمون کے لعنت نامے جن لوگوں نے لکھ کر مجتہد جدید (اکبر) کو دئے تھے وہ دربار اکبری میں بڑے معزز و محترم تھے۔

اپنے اختراعی دین کے علاوہ اکبر بہت سی باتوں میں ہنود کا ہم رنگ و ہمنوا تھا۔ ان کے اصول دھرم اپنے مذہب میں داخل کرئے تھے۔ پرکھوتم نام ایک برہمن سے موجودات کے ہندی نام سیکھے۔ اسی طرح ایک برہمن کو جو مہابھارت کا معبر و مفسر تھا ایک چارپائی پر بٹھا کر اوپر کو اٹھوایا اور اپنی خواب گاہ کے پاس معلق رکھ کر اس سے ہندی افسانے سیکھے اور اس سے بت پرستی، آتش پرستی، آفتاب پرستی اور تعظیم کواکب کی تعلیم لی۔ اسی طرح برہما، مہادیو، بشن، کشن، رام وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا طریقہ معلوم کیا۔

بیربر نے یہ بات اکبر کے ذہن نشین کی تھی کہ آفتاب مظہر تام ہے۔ غلہ زراعت، میوہ اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی اور اہلِ عالم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے بجائے مشرق کی طرف منھ کرنا چاہیے۔ اسی طرح آگ، پانی، پتھر، درخت اور گئے اور اس کے گوبر تک جملہ مظاہر کا احترام اور قشقہ اور زنار کی جلوہ گری چاہیے۔ اور بتایا کہ حکمار فضلار کے ارشاد کے بموجب آفتاب نیر اعظم، تمام عالم کا عطیہ بخش اور بادشاہوں کا مربی ہے ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ آدھی رات اور طلوعِ آفتاب کے وقت تسخیر آفتاب کی

سے مالا مال کر دیا۔ لیکن یاد رہے کہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے بلکہ یہ محض اسرائیلی ڈھکوسلہ ہے۔ شریف نے اکبر کے مہدی موعود ہونے کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھ مارا شیعوں نے بھی اسی قسم کی بعض خرافات امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے اکبر کو مہدی بنانے کی کوشش کی۔ بعض لوگوں کی زبان پر یہ رباعی تھی جو حکیم ناصر خسرو کی طرف منسوب ہے۔ رباعی

درنہ صد و ہشتاد و نہ از حکم قضا — آیند کواکب از جوانب یک جا

در سالِ اسد ماہِ اسد روزِ اسد — از پردہ بروں خرامد آں شیر خدا

حکیم ناصر خسرو کی یہ رباعی بھی دامِ افتادگانِ الحاد کے وِردِ زبان تھی رباعی

درنہ صد و نسعین دو قراں می بینم — وز مہدی و دجال نشاں مے بینم

یا ملک بدل گردد یا گردد دین — سرّے کہ نہاں است عیاں می بینم

جن ایام میں اکبر کو مہدی بنانے کی کوششیں ہو رہی تھیں ایک دنیا طلب خوشامدی نے کہیں سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی پرانا کرم خوردہ رسالہ حاصل کر کے اس پر بخط مجہول لکھ لیا کہ صاحب زمان مہدی علیہ السلام کی کثیر التعداد بیویاں ہوں گی اور ڈاڑھی منڈائے گا۔ اسی طرح خلیفۃ الزمان علیہ السلام کے بعض اور من گھڑت صفات درج کر کے اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو باریافتگانِ پایۂ قرب کے سلک میں منسلک کر لیا۔ اسی طرح ایک حاجی صاحب نے شیخ امان پانی پتی رحمۃ اللہ کے برادر زادہ ملا ابو سعید کی کتابوں میں سے ایک پرانا رسالہ حاصل کیا اور اپنے دماغ سے یہ حدیث گھڑ کر اس میں درج کر لی کہ ایک صحابی کا بیٹا ڈاڑھی منڈوا کر بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اہلِ جنت کی یہی وضع ہو گی"۔ بہر حال یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے اکبر کو دعوائے نبوت پر مائل کیا۔ چنانچہ وہ مدعیٔ نبوت بن بیٹھا۔

اکبر کی کفر پسندیوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں آتشِ غیظ شعلہ افگن ہوتی اور حامیانِ اسلام اکبر کے خلاف علم مخالفت بلند کرتے۔ چنانچہ غیور مسلمان ملک کے مختلف حصوں میں مدت تک ستیزہ جو رہے۔ لیکن چونکہ حکیم علی الاطلاق جل اسمہٗ کو یہی منظور تھا کہ اکبری فتنہ کو پوری طرح نشو و نما پانے کا موقع دیا جائے اس لئے

کرنا چھوڑ دیا جس کی برکت قدوم نے سمک سے سماک تک کفر و ظلمت کا نام نہ چھوڑا تھا تو تمام غیر اسلامی مذاہب کے منھ سے رال ٹپکنے لگی کہ جس طرح ہو اس تر نوالہ کو منھ میں ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے اوپر پڑھا کہ کس طرح برہمنوں اور مجوس کے مذہبی مقتداؤں نے اس صید پر توسن ڈال کر اپنے کام و دھان کی تواضع کی گوآ کے پرتگیزی گورنر کو معلوم ہوا کہ اکبر نے اسلام سے علاقہ توڑ کر بدمذہبی کے دامن میں پناہ لی ہے تو اسے بھی یہ ہوس دامن گیر ہوئی کہ اکبر کو نصرانی بنا کر ہندوستان میں تثلیث کی حکومت قائم کرے چنانچہ اس کوشش میں چند پادری دارالسلطنت فتح پور روانہ کئے۔ پادریوں کا پہلا مشن ۱۷ر نومبر ۱۵۷۹ء کو گوآ سے چل کر بتاریخ ۲۸ر فروری ۱۵۸۰ء فتح پور پہونچا اس مشن کا سرگروہ پادری مانسریٹ تھا۔ اکبر نے بڑی گرمجوشی سے اس وفد کا استقبال کیا اور ابوالفضل اور حکیم علی جیلانی کو ان کی مہمانداری تفویض کی۔ اکبر نے وفد کو جو اعزاز بخشے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے اپنے منجھلے بیٹے مراد کی اتالیقی مانسریٹ کے تفویض فرمائی۔ یہ وفد قریباً دو سال تک مصروف دعوت رہا آخر اپریل ۱۵۸۲ء کو بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ اس کے بعد خود اکبر نے گورنر گوآ کے نام چٹھی بھیج کر ایک اور وفد بھیجے جانے کی خواہش کی۔ اس درخواست کے بموجب دوسرا مشن ایک سخت بدلگام پادری ریوڈولفو نام کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ اکبر نے پہلی ہی مجلس میں پادری سے کہا کہ میں یہ سن کر حیرت زدہ ہوں کہ آپ لوگوں کے زعم میں ایک خدا کی تین شخصیتیں ہیں اور خدا رحم مادر سے پیدا ہوا اور اسے یہود نے قتل کر دیا" پادریوں سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ بن پڑا اس لئے انھوں نے رفع خجالت کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا نغمہ چھیڑ دیا۔ خیر یہ مجلس تو جوں توں گذری۔ دوسری نشست میں پادری ریوڈولفو نے اپنی سیاہ باطنی اور بدگوہری کا خوب مظاہرہ کیا اور بجائے اس کے کہ مسیحیت کی صداقت کا کوئی پہلو پیش کر سکتا اس نے بازاری لفنگوں کی طرح حضرت سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے خلاف دریدہ دہنی شروع کر دی۔ عفونت بیان پادری کے اس لفنگا پن کی تصدیق کرنا چاہو تو انگریزی کتاب موسومہ بہ "کومینٹری آف فادر مان

میں لے جانا مسیح کی تعلیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ اس لئے اے بادشاہ! آپ کو اعجاز بینی کی خواہش کر کے ان یہودیوں کے نقش قدم پر نہ چلنا چاہیے جن کو مسیح (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں سرزنش فرمائی تھی کہ شریر اور حرامزادے مجھ سے معجزے طلب کرتے ہیں۔ اور یہ مسلمان جو آگ میں داخل ہونے کی شرط لگا رہے ہیں مجھے ان کے متعلق یقین ہے کہ ان میں سے ایک بھی اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر کا اس درجہ شیدائی اور معتقد نہ ہوگا کہ ایسے جانبازانہ امتحان کو اپنے دوش ہمت پر لے۔"

اس بیان[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانے کی نوبت نہیں آئی لیکن عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ۹۸۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ شیخ قطب جلیسری نام ایک مجذوب کو شیخ جمال بختیار کے ذریعہ سے بلاکر پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بہت سے ممتاز و ذی اقتدار لوگ بھی جمع کیے گئے۔ شیخ قطب نے کہا کہ آگ جلاؤ تاکہ میں اور میرا فریق مقابل آگ میں داخل ہوں۔ دونوں میں سے جو زندہ سلامت نکل آئے گا وہ بر سرِ حق ہوگا۔" چنانچہ آگ جلائی گئی۔ شیخ قطب نے جاکر فرنگی پادری کو کمر سے پکڑ لیا اور آگ کی طرف کھینچ کر کہنے لگا کہ ہاں بسم اللہ! چلو آگ میں داخل ہوں۔" لیکن کسی پادری کو آگ کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر شیخ قطب اور چند دوسرے فقراء کو بھکر کی طرف جلاوطن کر دیا۔"

پادریوں نے اپنی ہزیمت کے بعد بادشاہ سے کہا کہ انھیں اجازت دی جائے کہ جو لوگ عیسائی ہونا چاہیں ان کو عیسائی بنائیں اور نیز ایک خیراتی ہسپتال جاری کریں۔ اکبر نے دونوں درخواستیں منظور کیں اور پادریوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص تمھارے کام میں مزاحم ہو تو اس کی اطلاع دو۔" پادری کچھ عرصہ تک اپنے کام میں مصروف رہے اس کے بعد گوآ واپس جانے کی اجازت چاہی لیکن اکبر نے اجازت نہ دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تمھارے مذہب کی خوبیاں مجھ پر واضح ہوتی رہیں۔ اکبر بہت دن تک پادریوں کو اپنے قبول نصرانیت کے سبز باغ دکھاتا رہا۔ لیکن پادریوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود آفتاب پرستی چھوڑ کر دائرۂ مسیحیت میں داخل نہ ہوا۔ اس اثنا میں پادریوں نے ملک میں جابجا گرجے اور تبلیغی مشن قائم کیے پانچ سال اسی حالت میں گذر گئے انجام کار گوآ سے

---

[1] کومینٹری اوف فادر مانسریٹ مطبوعہ کٹک ص ۴۰، ۴۳۔

پادریوں کے نام حکم آیا کہ تمھیں اکبر بادشاہ کے پاس گئے پانچ سال گذر گئے اور تم نے وہاں کی زبان بھی سیکھ لی۔ اکبر بادشاہ دائرۂ مسیحیت میں داخل ہوتا ہے تو بہتر ورنہ واپس چلے آؤ۔ یہ لوگ بادشاہ سے ملے اور کہا کہ یہ امر ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ہے کہ کوئی کام انجام دیئے بغیر آپ کے دربار میں پڑے رہیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ آپ حسب وعدہ دین مسیحیت کو قبول فرمایئے۔ اس پر نہ صرف آپ کی اپنی نجات منحصر ہے بلکہ آپ کو دیکھ کر جو لاکھوں کروڑں بندگان خدا عیسائی ہوں گے ان کو بھی نجات ابدی نصیب ہو گی۔" اکبر ان دنوں لاہور میں تھا کہنے لگا میں ابھی لاہور سے دکن جا رہا ہوں۔ وہاں جاکر گو آسے بالکل قریب ہی کسی مقام پر فروکش ہوں گا۔ میں اس جگہ دوسرے جھمیلوں سے فارغ رہ کر آپ لوگوں کی طرف زیادہ توجہ معطوف کرسکوں گا۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ کیا کہا کہ ہم اتنی مدت تک یہاں بے مصرف پڑے رہے؟ کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ملک میں اگر کوئی شخص منھ سے یہ الفاظ نکال دیتا تھا کہ یسوع مسیح (معاذاللہ) خدا کا بیٹا ہے تو اسی وقت قتل کر دیا جاتا تھا لیکن اب تم نے جا بجا گرجے اور تبلیغی مشن قائم کرلئے اور تم لوگ اپنی تبلیغ میں بالکل آزاد ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ تمھاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔" پادریوں نے تسلیم کر لیا کہ واقعی ہمارے قیام سے مسیحیت کو کافی رونق نصیب ہوئی۔ پادریوں نے لاہور میں بھی گرجا بنا رکھا تھا۔ یہاں ۱۵۹۶ء تک سینتیس آدمی عیسائی بنائے جا چکے تھے جن میں بڑی تعداد جاروب کشوں کی تھی۔[1]

متذکرہ صدر واقعات سے قارئین کرام اس نتیجہ پر پہونچے ہوں گے کہ اکبر کا وجود شریعت الٰہی کی توہین اور دین خداوندی کی سب سے بڑی تذلیل تھا۔ اس نے احکم الحاکمین کے آسمانی آئین سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور خالق کردگار کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی گمراہی میں گرفتار تھا۔ بادۂ سلطنت و فرمانروائی نے اسے اس درجہ متوالا کر رکھا تھا کہ اپنی چند روزہ عظمت کے مقابلہ میں خدا کی کبریائی اور رسولوں کی قدوسیت کو بالکل بھول گیا تھا اس کی مملکت میں خدا

---

[1] اکبر اینڈ دی جیزوٹس مطبوعہ پلائی ماؤتھ ص ۹۱

کے نیک بندے ستائے جا رہے تھے گمراہیاں اور تاریکیاں تمام سطح ارضی پر چھائی ہوئی تھیں۔ دین حنیف بے کسی اور مظلومی کی حالت میں مبتلا تھا اور مملکت فطرت میں ہر جگہ ابلیس اور نفس شریر کی حکومت جاری و ساری تھی۔ اس لئے ضرور تھا کہ مالک الملک عزاسمہ کی طرف سے کبھی نہ کبھی اس کے جسد غفلت دبے حستی پر عبرت کا تازیانہ رسید کیا جاتا۔ چنانچہ ۱۵۹۷ء (۱۰۰۵ھ) سے لے کر یوم مرگ تک وہ برابر ہموم و مصائب میں مبتلا رہا۔ خدا کے وہ بندے نہایت خوش نصیب ہیں جو خدائی تنبیہ کے وقت سنبھل جاتے ہیں اور رب العالمین کے ساتھ اپنا رشتہ عبودیت استوار کرنے میں توقف و اہمال گوارا نہیں کرتے لیکن بدنصیب اکبر ان حوادث و نوازل سے جو اس پر پڑے کچھ بھی سبق آموز نہ ہوا۔ ان پریشانیوں میں جن سے اکبر کو دوچار ہونا پڑا سب سے پہلی لاہور کی آگ تھی۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں بیالیسویں جلوس کے زیر عنوان اس آگ کا اجمالی تذکرہ کیا ہے لیکن کتاب "اکبر اینڈ دی جیزوٹس" میں اس کو ذرا کھول کر بیان کیا ہے۔ مؤخرالذکر کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر لاہور کے قصر شاہی کے برآمدے میں تھا۔ شاہزادہ سلیم اور تمام عمائد سلطنت موجود تھے نوروز کا جشن منایا جا رہا تھا کہ اتنے میں آسمان کی طرف سے ایک شعلہ نمودار ہو کر قصر شاہی کی طرف آیا سب سے پہلے شاہزادہ سلیم کے پرتکلف خیمہ کو اس سرعت کے ساتھ جلا کر خاک سیاہ کیا کہ کسی کو آگ بجھانے کے لئے وہاں تک پہونچنے کی مہلت نہ دی اس کے بعد تمام خیموں کو اور شاہی محل کو جس میں چند تخت اور بڑی بڑی بیش قیمت چیزیں تھیں جلایا۔ ان تختوں میں ایک طلائی تخت بھی تھا جس کی لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ اشرفی (سولہ لاکھ روپیہ) کیا جاتا ہے اس کے بعد بادشاہ کے قصر خاص کی طرف بڑھا جو خالص لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کو آناً فاناً جلا کر کوئلوں کا ڈھیر بنا دیا غرض تمام سرکاری عمارتیں آگ بھبھوکا ہو گئیں۔ اکبر کو اس آتش زدگی کا بڑا قلق ہوا۔ کیونکہ تمام خزانے اور جواہرات اور یادگاریں بھی نابود ہو گئیں۔ اس روز چاندی سونا اور دوسری دھاتیں پگھل پگھل کر لاہور کی گلیوں میں اس طرح بہہ رہی تھیں جس طرح پانی بدررو میں چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ آگ کئی دن کے بعد بمشکل بجھائی جا سکی۔ اس آگ نے اکبر کو

اس درجہ وحشت زدہ کر دیا کہ لاہور سے جھٹ کشمیر کا رخ کیا لیکن وہاں پہونچنے کی دیر تھی کہ کشمیر میں ایسا عالمگیر قحط رونما ہوا کہ ماؤں نے اپنے کمسن بچوں تک کو جدا کر دیا اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہونے لگے یہ مصیبت ہنوز دور نہ ہوئی تھی کہ اکبر بیمار پڑ گیا اور زندگی کی طرف ناامیدی ہو گئی جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور آیا لیکن یہاں آنے کے بعد دکن سے اطلاع آئی کہ اس کا جوان بیٹا مراد جس کی عمر ستائیس سال کی تھی دامن فنا میں غائب ہو گیا۔ اکبر کے دل پر اس کے مرنے کا ایسا گہرا زخم آیا کہ کسی مرہم سے التیام پذیر نہ ہو سکا۔ یہ صدمہ ابھی بھولا نہ تھا کہ ۱۰۱۱ھ میں اکبر کا تیسرا بیٹا دانیال بھی سرائے دنیا کو الوداع کہہ کر داغ مفارقت دے گیا۔ اور پھر انہی ایام میں خبر ملی کہ اکبر کا دست راست ابوالفضل بھی رخت زندگی باندھ کر گٹھڑی کی گٹھڑی لعنتیں ہمراہ لے گیا۔ اسے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) نے قتل کرایا تھا۔ یہ وہ صدمے تھے جنھوں نے اکبر کو بالکل نڈھال کر دیا[1]۔ لیکن اس کے دل پر بے حسی کی ایسی موٹی تہیں چڑھی ہوئی تھیں کہ توجہ الی اللہ کی توفیق نہ ہوئی اور بدستور اپنی شقاوت پسندیوں کے گرداب میں پڑا رہا ؎

اے کہ دستت می رسد کارے بکن　　پیش ازاں کز تو نیاید ہیچ کار

عہد اکبری کے تمام مسلمان یا مرتد مؤرخ بدایونی، ابوالفضل، نظام الدین احمد وغیرہم اکبر کے ایام واپسیں سے پہلے پہلے ملک بقا کا سفر اختیار کر چکے تھے اس لئے ان میں سے کوئی بھی اس کے حالات مرگ قلمبند نہ کر سکا۔ پس میں اس کے لئے ان پادریوں کے بیانات پر اعتماد کرتا ہوں جو اکبر کی موت کے وقت فتح پور میں موجود تھے اور جن میں ایک تو پانچ سال تک سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ اکبر نے قریباً بائیس سال تک ایوان مذہب میں تزلزل ڈالے رکھا اس مدت میں کوئی شخص بالیقین معلوم نہ کر سکا کہ یہ شخص کس مذہب و مسلک کا پیرو ہے۔ تناسخ اور بہت سے دوسرے عقائد میں ہنود کا ہمنوا تھا۔ اسے آفتاب پرستی سے زیادہ شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی مؤرخ اسے عام طور پر

---

[1] اکبر اینڈ دی جیزئٹس ص ۷۴-۷۷۔

آفتاب پرست لکھتے ہیں۔ بہرحال ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء (۱۰۱۴ھ) کو وہ وقت آن پہونچا جب کہ اس کی اجل گریباں گیر ہوکر کشاں کشاں دارالجزا میں لیگئی محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر کو دو بیٹوں کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ رات دن اسی غم میں گھلتا رہتا تھا یہاں تک کہ کمزور و ناتواں ہوتے ہوتے اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔ لیکن پادری ایگزیویر نے جو چٹھی ۲۶ ستمبر ۱۶۰۶ء کو فتح پور سے گوآ بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ اکبر کی موت زہر سے ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ اکبر نے غلطی سے وہ جام زہر پی لیا جو اس نے دوسروں کے لئے مہیا کیا تھا۔

سر ٹامس رو نے ۱۶۱۶ء میں اجمیر سے اطلاع دی تھی کہ اکبر حالت اسلام میں مرا۔ ان پادریوں نے جو اس وقت فتح پور میں موجود تھے رپورٹ کی تھی کہ مسلمان بوقت نزع اسے کلمۂ شہادت پڑھ پڑھ کر سناتے رہے لیکن اس نے کلمہ نہیں پڑھا البتہ ایک آدھ مرتبہ خدا کا لفظ زبان پر لایا۔ ایک روایت کے بموجب شاہزادہ سلیم (سلطان نورالدین جہانگیر) نے بیان کیا تھا کہ مفتی میراں صدر جہاں کی تلقین کے بعد میرے والد نے صاف لفظوں میں زور سے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد صدر جہاں اس کے تکیہ کے ساتھ لگے ہوئے سورۂ یٰس بار بار پڑھتے رہے۔ ایک فرانسیسی سیاح بیرر ڈ ڈے لاول نے اکبر کی موت کے چھ سات سال بعد بیان کیا کہ اکبر نے پادریوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ بشرطیکہ مجھے تمام عورتیں (جن کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی) رکھنے کی اجازت دی جائے لیکن ہنوز ایفائے عہد کا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ دنیا سے چل بسا۔ پادری انتھونی بوٹلہو جس نے آگرہ اور بیجاپور میں کئی سال گزارے تھے ۱۶۷۰ء میں لکھا تھا کہ بیجاپور میں ہر شخص اس عقیدہ پر راسخ تھا کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا چنانچہ سلطان عادل شاہ والی بیجاپور نے ایک مرتبہ پادری مذکور سے کہا تھا کہ کیا یہ بیان درست ہے کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا؟ تو پادری نے جواب دیا کہ خدا کرے وہ مسیحیت قبول کر کے مرا ہو لیکن اصل یہ ہے کہ اس نے ہمیں قبول مسیحیت کے وعدوں میں رکھا۔ آخر اس کا خاتمہ دین اسلام پر ہوا لیکن اس کے برخلاف پادری ایگریوئیر نے ۱۶۱۵ء میں لکھا تھا کہ اکبر بوقت مرگ نہ تو مسلمان تھا اور نہ عیسائی بلکہ ہندو تھا چنانچہ ۱۷۳۵ء تک جبکہ پادری فگرے ڈو نے اس

موضوع پر ایک مضمون شائع کیا اسی روایت نے عالمگیر حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ اکبر مرتے دم تک ہندو رہا اور اس کا خاتمہ بت پرستی پر ہوا۔[۱] بہر حال یہ چیز بالکل مشتبہ ہے کہ مرتے وقت وہ کس دین کا پیرو تھا لیکن خاکسار راقم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ یا تو وہ بدستور آفتاب پرست تھا یا ہر مذہب وملت سے منقطع ہوکر دہریہ قسم کا لامذہب سا رہ گیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال معلوم ہوتا ہے کہ اسے غسل اور کفن بھی نصیب نہیں ہوا بلکہ اس کی لاش محض ایک چادر میں لپیٹ دی گئی۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ نہ تو کوئی مسلمان اسے اپنے مذہب میں داخل کرنے پر آمادہ تھا اور نہ عیسائی یا ہندو ہی اس کی لاش کے دعویدار بنتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی ہندو یا عیسائی ہی کی طرف سے کوئی مذہبی رسم ادا ہوئی۔ شاہزادہ سلیم اور خاندان کے بعض افراد خود ہی لاش چارپائی پر ڈال کر لے گئے۔ اور باغ میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔ بہت کم لوگوں نے جنازہ کی مشایعت کی۔ اکبر پر کسی نے ماتم نہ کیا۔ البتہ ایک شاہزادہ نے اسی دن شام تک ماتمی لباس پہنے رکھا۔[۲]

سید محمد نوربخش

سید محمد نوربخش جونپوری اولیائے مغلوب الحال میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے عالم حال و وجد میں دیکھا کہ ایک شخص خطاب کر رہا ہے اَنْتَ مَھْدِیٌّ یعنی تو مہدی ہے وہ یہ سمجھے کہ میں مہدی موعود ہوں۔ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کر بیٹھے کچھ زمانہ تک اس دعویٰ پر قائم رہے۔ ہزارہا لوگوں نے ان کی متابعت کی۔ آخر حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اثنائے راہ میں ان کو کشف ہوا کہ وہ مہدی موعود نہیں بلکہ بایں معنی مہدی ہیں کہ عبادت الٰہی کی طرف خلق خدا کی رہنمائی

---

[۱] دی جیزٹس اینڈ دی گریٹ مغل مؤلفہ سر ایڈورڈ میکلیگن مطبوعہ لندن ص ۶۴-۶۵ [۲] اکبر اینڈ دی جیزٹس مطبوعہ پلائی ماؤتھ ص ۲۰۸۔

کرنے میں ہدایت یافتہ ہیں اس کشف کے بعد دعوائے مہدویت سے تائب ہوئے اور اپنے مریدوں اور ہمراہیوں کو بھی ہدایت کی کہ اس اعتقاد سے توبہ کریں اور کہا کہ سفر حج سے واپس چل کر اعلان عام کردوں گا کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں" لیکن اثنائے سفر میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ اور مرید جو رفقائے سفر تھے جب وطن کو لوٹے تو انھوں نے آکر بتایا کہ سید نور بخش نے سفر واپسیں سے پیشتر دعوائے مہدویت سے رجوع کیا تھا۔" بعض لوگ اس عقیدہ پر اڑے رہے۔[۱] مؤخر الذکر جماعت کو نور بخشیہ کہتے ہیں۔ مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ پہلے اہلِ کشمیر تمام حنفی المذہب تھے لیکن فتح شاہ کے زمانہ میں عراق سے ایک شخص جس کا نام شمس الدین تھا کشمیر آیا اور اپنے آپ کو میر محمد نور بخش کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو مذہب نور بخشیہ کی دعوت دینے لگا۔ یہ مذہب کفر و زندقہ سے ہمکنار ہے۔ اس کے پیرو روافض کی طرح خلفائے ثلاثہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دیتے ہیں میر سید محمد نور بخش کو صاحب الزمان اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے تمام عبادات اور معاملات میں بڑے بڑے تصرفات کئے ہیں۔ حالانکہ میں نے بدخشاں وغیرہ مقامات میں جن نور بخشیوں کو دیکھا تھا وہ شریعت ظاہری سے آراستہ اور سنن نبویہ سے پیراستہ تھے۔ وہ لوگ ہر بات میں اہلِ سنت و جماعت سے متفق تھے۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ میر سید محمد نور بخش کی اولاد میں سے ایک شخص نے ان کا ایک رسالہ بھی مجھے دکھایا تھا اس میں بعض باتیں خوب بھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ سلاطین، امرا اور جہال کا گمان ہے کہ ظاہری سلطنت طہارت و تقویٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی"۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ اعظم انبیاء و رسل صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت کے ساتھ بر سرِ حکومت تھے۔ اسی طرح حضرات یوسف سلیمان داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی فرماں روا تھے۔ شمس الدین مذکور نے نور بخشی مذہب میں تصرفات کرکے اپنے مذہب کی جو کتاب کشمیر میں رائج کی اس کو حوطہ (یا احوطہ) کہتے تھے۔ میں نے یہ کتاب بغرض

---

[۱] ہدیہ مہدویہ" ص ۲۰۲ نا قلاً عن معارج الولایت"۔

تنقید کشمیر سے ہندوستان تک بھیجی علمائے ہند نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ اس کتاب کا مصنف باطل مذہب کا پیرو اور سنت مطہرہ سے دور ہے اسے فرقہ حقہ اہلِ سنت و جماعت سے کوئی واسطہ نہیں اور اس کا یہ دعویٰ ان اللہ امرنی ان ارفع الاختلاف من بین هذہ الامة اولاً فی الفروع سنن الشریعة المحمدیة کما کانت فی زمانه من غیر زیادة ونقصان وثانیاً فی الاصول من بین الاسم وکافة اهل العلم بالیقین (خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ امت کے اختلاف مٹادوں) بالکل جھوٹا ہے اس کتاب کا مؤلف زندقہ کی طرف مائل ہے جن لوگوں کو قدرت ہو ان پر لازم ہے کہ اس کتاب کو تلف کر دیں اور اس کے پیروؤں کو اس مذہب باطل سے ہٹا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب حق کی متابعت پر مائل کریں میرزا حیدر لکھتے ہیں کہ جب یہ فتویٰ میرے پاس کشمیر پہونچا اور میں نے اس کا اعلان کیا تو بہت سے نور بخشی تائب ہو کر حنفی مذہب میں داخل ہو گئے اور بعض تصوف کا لبادہ اوڑھ کر صوفی کہلانے لگے حالانکہ وہ قطعاً صوفی نہیں بلکہ ملحد اور زندیق ہیں جن کا کام لوگوں کے متاعِ ایمان پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ (رباعی)

قومے نہ ظاہر نہ باطن آگاہ   انگہ ز جہالت بہ بطالت آگاہ
مستغرق کفر ندو حقیقت گویند   لاحول ولاقوۃ الا باللہ

انھیں حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ انھوں نے شب بیداری اور کم خواری کو تقویٰ طہارت سمجھ رکھا ہے کہ کرامات کی لاف زنی کرتے ہیں غیب کی جھوٹی خبریں بتایا کرتے ہیں کہ اس سال یوں ہوگا اور فلاں سال یہ ہوگا۔ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور باوجود اس رسوائی کے چلے کھینچتے ہیں۔ علوم شریعت کو نہایت مذموم و مکروہ خیال کرتے ہیں۔ انھوں نے شریعت سے الگ ہو کر اپنی خانہ زاد طریقت کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کیا سروکار؟ واقعی ان کی طریقت کو شریعت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نور کا وجود آفتاب سے وابستہ ہے اور آفتاب ہماری صفائی عقیدہ سے قائم ہے اور ہمارا وجود اسی کی نورانیت کا مرہون منت

ہمیشہ اسی لقب سے یاد کرتے تھے مگر عامۃ المسلمین میں وہ تاریک پیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ بایزید صاحب تصانیف تھا بہت سی کتابیں عربی، فارسی ہندی اور پشتو چار زبانوں میں لکھا تھا۔ کہتا تھا کہ "خیر البیان" کلام الٰہی ہے۔ اس میں صرف وہی باتیں ہیں جو رب العالمین نے مجھے مخاطب کر کے کہیں اسی بنا پر اس کے پیرو اس کے صحیفۂ الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس کی ایک اور کتاب کا نام "حال نامہ" تھا۔ اس میں اپنے سوانح حیات قلمبند کئے تھے۔

بایزید کو خورد سالی سے تحقیق کا شوق تھا اکثر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ زمین و آسمان تو موجود ہیں مگر ان کا پیدا کرنے والا کہاں ہے۔ ہمدردی و رفاہ خلائق اس کا مایۂ خمیر تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس شخص کی ذات سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہونچتا اس میں اور کتے بلی میں کیا فرق ہے؟ یہ شخص اوائل سے متعبد و پرہیزگار تھا۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتا تھا ان دنوں میں اس کے اقربا میں سے خواجہ اسمٰعیل نام ایک صوفی جالندھر میں مسند ارشاد پر متمکن تھا۔ بہت سے لوگوں نے اس کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بایزید نے بھی اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر اس کا باپ عبداللہ مانع ہوا اور کہنے لگا۔ "میرے لئے یہ ننگ و عار ہے کہ تم اپنے ہی خویشوں میں سے ایک فرومایہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہتر ہے کہ ملتان جاکر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے کسی کو اپنا ہادی بناؤ۔ بایزید وطن مالوف کو الوداع کہہ کر گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لئے سمرقند گیا اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر ہندوستان لایا۔ کالنجر پہونچ کر ملا سلیمان کالنجری نام ایک ملحد کی صحبت میں رہا۔ ملحد مذکور تناسخ کا قائل تھا۔ بایزید اس کے اثر صحبت سے تناسخی العقیدہ ہو کر نعمت ایمان سے محروم ہو گیا۔ جب کالنجر سے لوٹ کر کالی کرم پہونچا تو اپنے عقیدہ تناسخ کی نشر و توزیع شروع کر دی عبداللہ کو جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا بیٹے کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی۔ یہاں تک کہ غیرت دینی سے مجبور ہو کر بیٹے پر چھری سے حملہ کر دیا اور اسے بری طرح مجروح کیا۔ بایزید کالی کرم سے ننگرہار کو چلا گیا اور وہاں علاقہ مہمند میں سلطان احمد کے مکان پر رہنے لگا۔ جب علماء کو اس کی بد مذہبی کا حال معلوم

ہوا تو مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہاں سے بے نیل مرام پشاور کی طرف گیا اور غوریا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں علماء عنقا کا حکم رکھتے تھے مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ اس سرزمین میں بلا شرکت غیرے پیری و پیشوائی کا تاج و تخت حاصل کر لیا جب بایزید کی مذہبی غارتگری کا حال محسن خاں نے سنا جو ان دنوں اکبر بادشاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک وہاں زندان بلا کی مشقتیں سہتا رہا۔ آخر رہا ہو کر ہشت نگر واپس آیا اور اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مشغول رہا۔ وہاں سے تیراہ کی سیاحت کو آیا۔ اور وعظ و تذکیر کے فسوں پھونک کر آفریدی اور اورکزئی پٹھانوں کو بھی اپنے دام مریدی میں پھانس لیا۔ اہل سرحد کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس طرح دوڑنے لگی جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

سرحدی عقیدت مندوں سے قوی پشت ہو کر بایزید نے سرحد میں اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جما لئے یہاں تک کہ اکبر شاہ کی اطاعت سے باہر ہو کر اس کا حریف مقابل بن گیا۔ بایزید اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ مغل ظالم اور جفا پیشہ ہیں۔ انھوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم توڑے ان سب باتوں سے قطع نظر اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت ہر کلمہ گو پر حرام ہے"۔ ان کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ ہر جگہ آتش ہیجان مشتعل ہوئی اور اکثر سرحدی قبائل اکبر سے منحرف ہو گئے۔ جب بایزید کی چیرہ دستیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اکبر کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک لشکر جرار اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خاں صوبہ دار کابل جلال آباد سے تیار ہو کر بایزید پر چڑھ آیا۔ اور ادھر سے افواج شاہی نے اس پر یورش کر دی۔ غرض ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ اور ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہر چند کہ افغانستان کے مختلف حصوں سے سربکف جانباز بایزید کی تائید میں امڈے چلے آ رہے تھے لیکن چونکہ بایزید کا ستارہ رو بزوال ہو گیا تھا دو طرفہ فوجوں کے مقابلہ سے

عہدہ برآ نہ ہوسکا اور شکست فاش کھائی اگر بعض اتفاقی امور نے مساعدت نہ کی ہوتی تو بس بایزید کا خاتمہ ہی تھا۔ اس کے اکثر پیرو مارے گئے۔ اور بعض دشوار گذار پہاڑیوں پر چڑھ گئے خود بایزید نے ہشت نگر کی طرف بھاگ کر جان بچائی اب بایزید از سر نو فراہمی لشکر میں مشغول ہوا مگر عمر نے وفا نہ کی اور موت کے فرشتہ نے پیامِ اجل آسنایا۔ افغانستان کے سلسلہ کوہ میں بھتہ پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے۔

بایزید کے متصوفانہ اقوال جن کی بنا پر بعض سادہ لوح ظاہر بین اس کو عارف باللہ یقین کرتے تھے بایزید کی کتاب "حالنامہ" میں درج ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں زبان سے کلمۂ شہادت کہنا اور اس کی تصدیق کرنا شریعت کا فعل ہے اور زبان کو ہر وقت تسبیح و تہلیل اور ذکر خداوندی میں مصروف رکھنا اور دل کو وساوس و خطرات سے پاک رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنا اور کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور بروزۂ نفل سیری سے بچنا کم خوری کی عادت کرنا اور جسم کو برائیوں سے محفوظ رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ مال کی زکوٰۃ اور عشر دینا شریعت کا فعل ہے اور فقیر اور روزہ دار کو کھانا کپڑا دینا اور درماندوں کی دستگیری کرنا طریقت کا فعل ہے۔ بیت خلیل کا طواف کرنا اور ہر قسم کے گناہ اور لڑائی جھگڑے سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور خانۂ خدا یعنی دل کا طواف کرنا اور نفس امارہ سے جنگ کرنا اور ملائکہ کی سی طاعت کرنا طریقت کا فعل ہے۔ دائم یادِ حق میں مصروف رہنا۔ ماسوی اللہ کا پردہ دل سے دور کرنا اور جمال دوست کا نظارہ کرنا حقیقت کا فعل ہے۔ نورِ عقل کے ذریعہ سے اس کو ہر جگہ معلوم کرنا اور مخلوقات میں سے کسی کو مضرت نہ پہونچانا معرفت کا فعل ہے اور حق کو پہچاننا اور تسبیح کی آواز سننا اور اس کو سمجھنا قربت کا فعل ہے اور اپنے وجود کو ترک کرنا اور ہر فعل کا مصدر ذات باری کو یقین کرنا اور فضولیات سے بچنا وصال کو سمجھنا وصلت کا فعل ہے اپنی ذات کو حق مطلق میں فانی کر دینا اور باقی مطلق ہو جانا اور احد کے ساتھ متوحد ہو جانا شر سے پرہیز کرنا توحید کا فعل ہے اور مسکین اور ساکن ہونا صفات باری تعالےٰ اختیار کرنا اور اپنے وصف کو چھوڑ دینا سکونت کا فعل ہے

اور سکونت سے بالاتر کوئی درجہ نہیں۔ قربت، وصلت، وحدت اور سکونت وغیرہ اصطلاحیں خاص بایزید کی تراشی ہوئی ہیں۔ وہ ان مراتب کو شریعت طریقت اور معرفت سے فائق جانتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ حسب دلخواہ عربی عبارتیں لکھ کر ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور پھر بات بات میں کہنے لگتا کہ حدیث میں یوں آیا ہے مثلاً کہتا تھا کہ رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ اَلشَّرِیعَۃُ کَمِثْلِ اللَّیْلِ وَالطَّرِیقَۃُ کَمِثْلِ النُّجُومِ وَالْحَقِیقَۃُ کَمِثْلِ الْقَمَرِ وَالْمَعْرِفَۃُ کَمِثْلِ الشَّمْسِ وَلَیْسَ فَوْقَ الشَّمْسِ شَیْئٌ (شریعت رات کی مانند ہے طریقت ستاروں کا حکم رکھتی ہے حقیقت قمر کی طرح ہے اور معرفت آفتاب کی مانند ہے اور آفتاب سے فائق و برتر کوئی چیز نہیں) حالانکہ یہ دعویٰ بدیہی البطلان ہے کہ شریعت رات کی مانند ہے ان خرافات کا قائل ملحدوں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

یہ تو اس کے متصوفانہ اقوال تھے۔ اب اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ بایزید مسلمانوں کا ذبیحہ حرام بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ جو شخص مجھے میرے تمام دعووں میں سچا نہیں جانتا اور وحدت وجود کے مسئلہ پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں اس لئے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام و نجس ہے۔ بایزید خود نماز کا پابند تھا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی تاکید کرتا تھا مگر قبلہ کی تعیین کا پابند نہ تھا بلکہ جدھر چاہتا منھ کر کے نماز پڑھ لیتا۔ بایزید نے غسل جنابت اڑا دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ پانی کے ساتھ غسل کرنے کی حاجت نہیں ہوا لگنے سے بدن خود بخود پاک ہو جاتا ہے کیونکہ چاروں عنصر پاک کرنے والے ہیں"۔ اس کا بیان تھا کہ جو کوئی خدا کا اور اپنی ذات کا عارف نہ ہو وہ انسان نہیں بلکہ بھیڑیئے، شیر، سانپ، بچھو وغیرہ درندوں اور موذیوں کے حکم میں ہے ایسے شخص کا مار ڈالنا واجب ہے اور اگر نیک کردار، عابد اور نماز گذار ہے تو وہ گائے، بکری، بھیڑ کے حکم میں ہے اس کا مار ڈالنا جائز ہے مگر واجب نہیں اگر ایسے شخص کو نظر انداز کر دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ یہ تو قول تھا لیکن عمل یہ تھا کہ اس کے پیرو ہر اس شخص کی لوح ہستی کو جو بایزید کی خانہ ساز نبوت و مہدویت کا منکر ہوتا نقش حیات سے پاک کر دیتے۔ اس اقدام پر بایزید اس آیۃ سے استدلال

کرتا تھا۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں) حالانکہ یہ آیت کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی مسلمان بایزید کے حدود عملداری میں موت کے نقاب میں منہ چھپاتا تو اس کے وارثوں کو اس کا ترکہ نہ دیتا بلکہ متوفی کے وارث اس کے مرید قرار پاتے تھے۔ اور اس ظلم و بیداد کی دلیل جواز یہ بیان کرتا تھا کہ جو کوئی خود شناس نہیں اور حیات جاوید سے بے خبر ہے وہ مردہ ہے ایسے شخص کے وارث وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو خود بھی مردہ ہیں بلکہ اس کی میراث زندوں (روشنیوں) کو پہونچتی ہے وہ بسا اوقات مسلمانوں پر خود شناس ہونے کا فتویٰ لگا کر ملک عدم میں بھجوا دیتا تھا اور اس کی جائداد پر خود قبضہ کر لیتا تھا اور اگر اپنے زعم فاسد میں کسی ہندو کو خود شناس پاتا تو خود ناشناس مسلمان پر اس کو ترجیح دیتا۔ اس نے اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک مسلمانوں پر لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا۔ ڈاکہ زنی اور غارتگری ان کے نزدیک کار ثواب تھا۔ یہ لوگ راستوں میں جس مسلمان کو پاتے لوٹ لیتے۔ بایزید ایسے مال میں سے خمس نکال کر بیت المال میں جمع کرتا۔ بایزید کہا کرتا تھا کہ میں خدا ناشناسوں کے قتل کے لئے منجانب اللہ مامور ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے تین بار حکم دیا کہ ان لوگوں کو قتل و غارت کروں۔ مگر میں نے ہتھیار نہ اٹھائے آخر جب چوتھی مرتبہ بھی حکم ہوا تو مجبوراً جہاد کو مستعد ہوا۔

بایزید اپنے بعد پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ مرا۔ بیٹوں کا نام شیخ عمر، کمال الدین، خیر الدین، جلال الدین اور نور الدین تھا۔ اور بیٹی کو کمال خاتون کہتے تھے۔ بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔ پیر روشن کے تمام اصحاب اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی چونکہ یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند درویزہ تھے اس لئے ان کی اور شیخ عمر کی کچھ زمانہ سے چشمک تھی۔ یوسف زئیوں نے جمع ہو کر دریائے سندھ کے کنارے شیخ عمر پر حملہ کیا۔ اس معرکہ میں شیخ عمر اور اس کے کئی ایک مخلص احباب کام آئے جلال الدین قید ہوا خیر الدین میدان کارزار میں مردہ پایا گیا اور بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا نور الدین ہشت نگر کو بھاگ گیا۔ مگر وہاں کے گوجروں نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اکبر بادشاہ نے جلال الدین اور اس کے تمام متعلقین کو یوسف زئیوں

سے بے کر رہا کر دیا۔ جلال الدین وہاں سے فتح پور گیا اور اکبر سے ملاقات کی اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا جلالہ فتح پور سے واپس آکر تیراہ کے پہاڑوں میں غارہ زنی کرنے لگا اور کابل کا راستہ قطعاً مسدود کر دیا یہ دیکھ کر اکبر نے ۹۹۴ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں جلالہ سے لڑنے کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک برسر مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ زمانہ کے بعد جلالہ کا بھائی کمال الدین پکڑا گیا۔ اکبر نے تادم واپسیں اس کو قید رکھا جلالہ علاقہ غزنی میں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کا سر اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد بایزید کا پوتا احداد بن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ احداد ۱۰۳۵ھ میں سلطان نور الدین جہانگیر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرید کہتے تھے کہ قرآن کی سورہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" احداد ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ہزارہا افغان اس کے پیرو تھے پھر احداد کا بیٹا عبد القادر باپ کا جانشین ہوا لیکن یہ ترک مخالفت کر کے سلطان شہاب الدین شاہ جہاں کے دربار میں حاضر ہوا اور امرائے شاہ جہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہداد شاہ جہاں بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہوا تھا۔

احمد بن عبد اللہ سلجماسی

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ عباسی سلجماسی مغربی معروف بہ ابن ابی محلی مؤلف کتاب "عذراء الوسائل وہودج الرسائل" مہدویت کا مدعی تھا۔ ۹۶۰ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک مغرب میں ہے۔ پیدا ہوا۔ عنفوان شباب میں فاس گیا اور ابو القاسم بن قاسم بن قاضی اور ابو العباس احمد قدوسی اور سید محمد بن عبد اللہ تلمسانی، ابو مجبر، ابو محمد شقرون تلمسانی اور دوسرے علماء سے اکتساب علوم کرتا رہا۔ وہاں سے مشرق کا سفر کیا۔ حج کر کے مصر گیا اور سنہوری، لقانی، طنانی، طہ بحیری اور دوسرے علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کیے۔ اس کے بعد اس نے حضرت مہدی منتظر علیہ السلام کے ظہور کے متعلق ایک کتاب لکھی

جس میں ان کے اوصاف اور علامات درج کیے۔ گو اس میں ضعیف روایتوں کی بھرمار تھی تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔ یہ تالیف گویا دعوائے مہدویت کی تمہید تھی۔ آخر ۱۰۲۱ھ میں دعوائے مہدویت کر دیا۔ ہزارہا لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کی عادت تھی کہ رو سائے قبائل و عمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج بھیج کر ان کو نیکیوں اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور خط کے اخیر میں یہ لکھ دیتا کہ میں وہی مہدی منتظر ہوں جس کے ظہور کی حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی جو شخص میری متابعت کرے گا وہ مفلح و کامگار ہوگا۔ اور جو کوئی تخلف کرے گا وہ قعر ہلاک میں جا پڑے گا"۔ یہ شخص حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے افضل ہو۔ کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لیے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرامؓ زمن حق میں کھڑے ہوئے تھے"۔ جب اس کے پیرووں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی از منکر کا وعظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ مریدوں کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔

مراکش کی سرزمین سلطان زیدان کے زیر نگین تھی۔ جب زیدان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیاں دیکھیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے نکلا۔ ابن ابی محلیٰ اس کے مقابلہ میں صرف چار سو مریدوں کو لے کر آیا۔ لڑائی ہوئی جس میں حاج میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابن ابی محلیٰ کے پیرووں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا مزاحمت سلجماسہ پر قبضہ کر لیا۔ اہل تلمسان اور راشدیہ کے وفد اس کو مبارکباد دینے آئے۔ ان وفود میں فقیہ علامہ ابو عثمان سعید جزری معروف بہ قدورہ شارح مسلم بھی تھے۔ جب سلطان زیدان کو اس ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور معروف بہ زبدہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ورعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ بن منصور کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد ابن ابی محلیٰ کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی چنانچہ ابن ابی محلیٰ لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زیدان ایک لشکر

جمار ے کر مقابلہ پر آیا۔ پر تگالی نصاریٰ نے سلطان زیدان کی کمک پر بلا طلب ایک دستۂ فوج روانہ کیا سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے مدد لے۔ لڑائی شروع ہوئی ابن ابی محلیؒ نے اس کو شکست دی اور شہر مراکش میں داخل ہو کر وہاں قابض و متصرف ہو گیا۔ زیدان جان بچا کر برالعدوہ کی طرف بھاگ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان زیدان ایک مشہور عالم فقیہ ابوزکریا یحییٰ بن عبد اللہ داؤودی کے پاس گیا جو کوہ درن میں اپنے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے فقیہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہونچتی تھی۔ زیدان نے جا کر کہا کہ آپ لوگ میری بیعت میں ہیں۔ اب میں آپ کے پاس اپنی حاجت لیکر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے ملک سے بے دخل کر دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابوزکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور ہر طرف سے فوجیں جمع کرنے لگے جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو ۸ رمضان ۱۰۲۲ھ کو مراکش کی طرف کوچ کر دیا علامہ ابوزکریا یحییٰ نے موضع جیلیر مضافات مراکش کے پاس پہونچ کر کوہ مطل پر قیام کیا۔ اور حرب و ضرب کی تیاریاں شروع کیں دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ فقیہ کا لشکر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اسے فنا کر دیا غرض نسیم فتح فقیہ کے رایت اقبال پر چلنے لگی۔ ابن ابی محلیؒ کو ہزیمت ہوئی۔ اور وہ میدان جانستاں کی نذر ہوا۔ فقیہ ابوزکریا نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دیں۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کی فوج کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دئے گئے اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی مملکت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس چلے آئے ابن ابی محلیؒ اور اس کے ساتھیوں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلیؒ کے پیرو کہتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ کچھ عرصہ کے لئے نظروں سے غائب ہوئے ہیں۔

شیخ یوسی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلیؒ اپنے استاد ابن مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں اچانک یہ کہنا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ استاد

نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا اس دن سے سباتائی کے پیرو دونمہ (یعنی خارجی یا رافضی) کے مکروہ لقب سے یاد کئے جانے لگے مگر دونمہ خود اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اس تسمیہ کی شاید یہ وجہ ہو کہ دونمہ بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور انھوں نے بہت سے اسلامی عقائد و اصول کو اپنے معتقدات میں داخل کر رکھا ہے جب سباتائی پر کفر کے فتووں کی بھرمار ہوئی اور ہر راسخ العقیدہ یہودی اس کے خون کا پیاسا نظر آیا تو سمرنا کو خیرباد کہہ کر یورپ کا رخ کیا پہلے یورپی ترکی کے شہر سلونیکا میں پہونچا جہاں یہود کی بہت زیادہ آبادی ہے۔ یہاں اس نے کسی قدر کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ سباتائی سلونیکا سے یونان گیا وہاں سے اٹلی کی راہ لی اور شہر لیگ ہورن میں ایک اور یہودیہ سے نکاح کیا اس کے بعد اپنے خیالات کی تبلیغ و تلقین کرتا اور طرابلس الغرب اور شام ہوتا ہوا بیت المقدس میں آیا جہاں ناتھن نام ایک یہودی سے ملاقات ہوئی جسے ہم مذاق پا کر اپنے راز میں شریک کر لیا اور اب یہ دونوں اپنی متحدہ کوششوں سے ہمہ تن ایک نیا مذہب قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ ناتھن نے جس میں سباتائی ہی کی سی جودتِ طبع ودیعت تھی مسیح کا بشیر و بننے کی خدمت اپنے ذمہ لی اور اس سے جدا ہو کر ہر طرف منادی کرنے لگا کہ مسیح موعود کے ظہور کا وقت آن پہونچا اب تم لوگ شریعت کے ناگوار احکام سے آزاد ہو جاؤ گے نہایت اطمینان اور گرم جوشی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا استقبال کرو۔ ان ایام میں عامۂ یہود کے دل ایک اخلاقی اور مذہبی انقلاب کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اور ان میں ۱۶۶۶ء کے سال میں اہم اور عظیم الشان واقعات رونما ہونے کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں چلی آتی تھیں اس لئے بہت سے یہودی جہلا اس کے پیرو بن گئے دوسری طرف خود سباتائی کو جو شہر غزہ میں اپنے دین کی منادی کر رہا تھا نمایاں کامیابی ہوئی اور اس قرب و جوار کے یہودی غیر مذہب کی غلامی سے چھوٹنے اور آل اسرائیل کے جدید اوج و عروج کے اشتیاق میں اپنی معیشت کے مشاغل کو چھوڑ کر زہد اور عبادت گذاری

میں منہمک ہوئے اور بڑی بڑی فیاضیاں دکھانی شروع کیں۔ اس عقیدہ نے
کہ اسرائیلیوں کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح موعود مبعوث
ہوچکا عام شورش پیدا کر دی۔ یہود اس شوق میں کہ انھیں عنقریب غلامی
سے نجات ملے گی اور حضرت مسیح موعود انھیں ساتھ لے کر بیت المقدس میں
داخل ہوں گے اپنے دینوی معاملات اور تجارتی کاروبار سے بالکل دست
بردار ہوگئے۔ آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ سلطنت عثمانیہ میں دول یورپ
کے سفیر جو موجود تھے انھیں ان کی سلطنتوں نے حکم دیا کہ اس نئی مذہبی تحریک
کے متعلق تحقیقات کر کے کیفیت پیش کریں۔ عثمانی عمال نے قسطنطنیہ کے باب
عالی میں رپورٹ کی کہ ہماری ولایتوں میں کاروبار تجارت بالکل بند ہوگیا ہے۔
اب یہ تحریک ایک وبائی مرض کی طرح ممالک یورپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اٹلی ہالینڈ
اور جرمنی کے اکثر یہودی اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اپنی جائدادوں کو بیچ کر یا
یونہی چھوڑ کر حضرت "مسیح موعود" کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اب ان
حالات سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ نمودار ہوئی کہ یہودی ترک حکام
کی اطاعت سے باہر ہونے لگے۔ کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ عنقریب مسلمان
ہمارے غلام اور محکوم ہو جائیں گے۔

یہ سلطان محمد رابع کا عہد خلافت تھا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک دارالخلافہ نہیں
بنایا گیا تھا سلطان محمد کا مستقر خلافت ان ایام میں ادرنہ (اڈریانوپل) تھا۔ جب
سباتائی فتنہ نے خطرناک نوعیت اختیار کی تو سلطان المعظم نے سباتائی کے
حاضر کیے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ ادرنہ کے قصر شاہی میں تخت کے آگے حاضر
ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ جب تم "مسیح موعود" ہو تو (مسیح علیہ السلام کی طرح) معجزے
بھی دکھا سکتے ہو گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بے شک دکھا سکتا ہوں۔"
سلطان نے کہا اچھا میں اپنے تیر اندازوں کو حکم دیتا ہوں کہ تمھیں ہدف سہام
بنائیں اگر تیروں نے تمھیں کوئی صدمہ نہ پہونچایا تو سمجھا جائے گا کہ تم واقعی مسیح
ہو بارگاہ خلافت کی یہ جان ربا تجویز سن کر سباتائی کے اوسان خطا ہوئے اور
گھبرا کر سوچنے لگا کہ اب بچاؤ کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو ترک سپاہیوں کے
تیروں کا نشانہ بن کر جان دوں یا اسلام قبول کر کے جان بچاؤں اتنے میں

تیراندازوں کا ایک دستہ بھی سامنے آموجود ہوا۔ سباتائی تیراندازوں کو ملک الموت یقین کرکے عرض پیرا ہوا کہ خلیفۃ المسلمین! ان تمام سرگرمیوں سے میرا حقیقی مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کی توحید اور جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی طرف بلاؤں اور کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ان کو مانوس کروں۔ یہی پاک کلمہ میرا شعار ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ روئے زمین کے اسرائیلیوں کو اس کا قائل اور پیرو بنا دوں" سلطان نے کہا جس قدر اطلاعیں باب عالی میں پہونچیں ان سے تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی" سباتائی عرض پیرا ہوا جہاں پناہ! میں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ظل سبحانی کے دربار میں رسائی ہوگی اس وقت اپنے ایمان کو برملا ظاہر کروں گا" آخر سباتائی نے حلف اٹھایا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ محض ہنگامہ آرائی اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے تھا۔

سلطان نے مستقبل کے ممکن الوقوع فتنہ کی روک تھام کے لئے سباتائی کو بلغراد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کا حکم دیا جو آج کل ملک سربیا (سرویہ یا نہ یکو سلاواکیا) کا پایۂ تخت ہے۔ اور ان دنوں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سباتائی جان کے خوف سے مسلمان ہوگیا ہے مخالف یہودی اور دوسرے لوگ اس کے عقیدت مندوں پر لعن طعن کرنے لگے مگر سباتائیوں کے دلوں پر اس کی مسیحائی کے نقش کچھ اس طرح مرتسم ہوئے تھے کہ "حسن اعتقاد" کی رسی کو کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کہنے لگے کہ اسلام کا ظاہری اعتراف بھی حضور مسیح موعود کی ایک شان مسیحائی ہے۔ آخر ۱۶۷۶ء میں بلغراد ہی کے قیدخانہ میں اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دے گیا مگر اس کے معتقدوں میں سے اکثر نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے اور کسی روز پھر دنیا میں نزول فرما کر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کرے گا"۔ یہ خیال سباتائیوں کے دلوں میں ایسے وثوق کے ساتھ قائم تھا اور ہے کہ سلونیکا کی زمین دوز مخفی عبادت گاہوں میں جو فرقہ دونمہ نے بنا رکھی ہیں ہر وقت ایک نہایت صاف اور اجلا بچھونا تیار رہتا ہے کہ ہمارے مسیحا صاحب عالم بالا کے سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو انھیں اس قدر طویل سفر کی ماندگی دور کرنے کے

لئے استراحت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے یہ یقین تھا کہ مسیحا سلونیکا کے پھاٹکوں میں سے "باب دروازہ" سے شہر میں داخل ہوگا۔ مگر جس زمانہ سے سلونیکا میں ریل جاری ہوگئی۔ یہ خیال پختہ ہوگیا ہے کہ ان کا مسیحا ریل پر سوار ہو کر آئے گا۔ چنانچہ ابتک سلونیکا کے آخری اسٹیشن پر ہر ریل گاڑی کی آمد کے وقت مسیحا کے استقبال کے لئے کوئی نہ کوئی دونمہ موجود رہا کرتا ہے۔ بعینہ یہی حالت چند صدیوں پیشتر شیعوں کی صاحب الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کے انتظار میں تھی۔ جبکہ بغداد کے قریب شہر سرمن رائے کے غار پر ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا ساز و سامان سے تیار، روزانہ جلوس اور باجوں کے ساتھ جاتا اور مغرب کے بعد حضرت امام کے ظہور کا انتظار کرکے نامراد واپس آیا کرتا تھا۔ سباتائی کی ہلاکت کے بعد اس کی ایک بیوہ نے بیان کیا کہ امام سباتائی میرے بھتیجے یعقوب کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے جسے میں نے دس سال کی عمر میں گود لیا تھا دونمہ نے سباتائی کی جگہ یعقوب کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسے بھی مظہر ربانی ماننے لگے۔

سلطان المعظم کے سامنے سباتائی کے اسلام قبول کرنے کا یہ انجام ہوا کہ دونمہ تہ خانوں میں عبادت کدے بنا کر وہاں تو اپنی مخصوص عبادت کرتے ہیں مگر بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں مساجد میں جاکر نماز باجماعت ادا کرتے ہیں مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں اور انہی کا سا لباس اور وضع و ہیئت اختیار کر رکھی ہے عورتوں کی وضع بھی مسلم خواتین کی سی ہے۔ ان کے چہروں پر بھی مسلمات کی طرح نقاب پڑی رہتی ہے غرض ان کے تمدن و معاشرت میں اسلامی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے اہل اسلام کی طرح سباتائی کے پیرو بھی حج کعبہ ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ یعقوب مذکور اپنے عقیدتمندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ آیا اور واپس جاتے ہوئے راستے میں طعمۂ اجل ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا برشیجا مقتدائے امت قرار پایا۔ سباتائیوں نے اسے بھی مظہر شان خداوندی تسلیم کیا۔ سلونیکا میں دونمہ کے قریباً ایک ہزار خاندان موجود ہیں جن کی کل تعداد قریباً دس ہزار نفوس کی ہے۔ یہ لوگ جس طرح اپنے کنیسوں میں عبادت کو جاتے ہیں ویسے ہی مسجدوں میں بھی جاکر نماز پڑھتے اور شریک جماعت ہوتے ہیں، سباتائی لوگ روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض

روزے یہودی شریعت کے مطابق ہیں اور بعض اسلامی احکام کے موافق۔ ان کی دوشیزہ لڑکیاں عموماً مسلمان ہمسایوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں خصوصاً ترکوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان سے پیشتر سلونیکا کی حکومت تھی لیکن انجام کار جب ساتائیوں کو شدت سے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کچھ زمانہ میں ان کی جماعت مسلمانوں میں مدغم ہو کر بالکل معدوم ہو جائے گی تو انھوں نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کرنی چاہی۔ چنانچہ ساری قوم اس کوشش میں منہمک ہوئی کہ ان کی لڑکیاں دوسری قوموں میں شادی بیاہ نہ کرنے پائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس بندش کے کچھ عرصہ بعد ایک دونمہ لڑکی کا ایک نوجوان ترک پر بے اختیار دل آگیا۔ ترک بھی شادی کرنے پر راضی ہو گیا لیکن لڑکی کے اعزا و اقارب اس تعلق کے اس قدر خلاف تھے کہ جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس ترک کو چار ہزار پونڈ کی گراں رقم بطور نذرانہ دے کر نکاح کے ارادہ سے باز رکھا۔" کہتے ہیں کہ اگر دونمہ لڑکی کسی دوسری قوم والے کے ساتھ نکل جائے تو پہلے اس کے واپس بلانے میں کوئی تدبیر اور کوشش اٹھا نہیں رکھی جاتی اور جب وہ ہاتھ آجاتی ہے تو ایک مخفی قومی عدالت کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں وہ ملزم ٹھہرائی جاتی ہے اور ارتکاب جرم کی سزا میں اندر ہی اندر اس کا سفینۂ حیات دریائے عدم میں اتار دیا جاتا ہے۔

ساتائی تین متمائز گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اول سمرنی (سمرنا والے) کہلاتے ہیں۔ یہ کرامیہ یعنی معزز و شریف کے لقب سے بھی مشہور ہیں کیونکہ اسپین سے آنے والے اسرائیلیوں میں سے اکثر معزز اور عالی نسب خاندان اسی جماعت میں شامل ہیں ان لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ ٹھڈیاں منڈاتے ہیں۔ دوسرے یعقوبی جو یعقوب مذکور کی طرف منسوب ہیں۔ تیسرے قونیوسی گروہ کا بانی ایک دوسرا یعقوب ملقب بہ قونیو تھا اور اسلامی نام عثمان تو آب سے شہرت رکھتا تھا ہر چند کہ ان تینوں گروہوں میں بالکل معمولی فروعی اختلافات ہیں تاہم ان میں سے ہر ایک دوسرے فرقہ والوں کو اپنی مخفی عبادت گاہوں میں شریک نہیں ہونے دیتا مندرجہ ذیل اصولی عقائد میں

تمام دونمہ متفق ہیں (۱) تمام انبیائے کرام رب العزت کے مظہر تھے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی گذرے اسی ہستیٔ مطلق کے مظہر تھے (۲) ان کا عقیدہ تھا کہ ساری دنیا پیروان سباتائی کے لئے ہے اور ترک حکمران صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں ان کا مقولہ ہے کہ کوئی انڈا چھلکے کے بغیر نہیں ہوتا اسی طرح پیروان سباتائی اصل انڈا اور ترک اس کا چھلکا ہیں (۳) کہتے ہیں کہ جنت کی بادشاہی کے وارث صرف پیروانِ سباتائی ہیں دوسرے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اور ابدالاباد رہیں گے (۴) تمام یہود جو ابتک سباتائی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ایمان لے آئیں گے جب انھیں یہ حقیقت نظر آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء سباتائی ہی کی روح کی چنگاریاں تھیں۔

مسلمانوں کی بصیرت میں اضافہ کرنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ کمال اتاترک جس نے خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کیا اور ترکی جمہوری حکومت بنایا، دونمہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنے دور حکومت میں ترکوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی بھرپور کوششیں کیں، عربی زبان واسلامی شعائر کا خاتمہ کیا، شریعت اسلامیہ کا مذاق اڑایا اور تہذیب جدید کے نام پر ترکوں کو اسلام سے اتنا دور کر دیا کہ ان کا قومی مزاج تک بدل گیا۔ "اسلام سے فرار" کے نتائج ترک قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

ان واقعات میں مسلمانوں کے لئے عبرت کے سامان پوشیدہ ہیں۔

میر محمد حسین مشہدی

میر محمد حسین رضوی مشہدی معروف بہ "نمود" و "فربود" مدعیٔ وحی و بیگوگیت کو سلطان محی الدین عالمگیر اورنگ زیب غازی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور حکومت میں ہزارہا روپے کے نفیس و بے بہا عطریات کابل اور پشاور سے خرید کر دہلی کو روانہ ہوا لیکن ابھی لاہور ہی میں پہونچا تھا کہ سلطان محی الدین عالمگیرؒ کے رحمت حق میں واصل ہونے کی خبر آپہونچی جس سے اس کی امید کا چراغ گل ہو گیا اور تمام عطریات و روائح طیبہ جو بادشاہ کے لئے فراہم کئے تھے لاہور میں فروخت کر کے فقیری لباس پہن لیا اور مروائج الوقت مذاہب کی پیروی کو باعثِ عار و ننگ سمجھ کر ایک نیا ڈھونگ

رچانے کا قصد کیا۔ محمد حسین نے ایک کتاب لکھی جس کو فارسی کے جدید غریب الفاظ سے مزین کیا۔ اس میں متروک و غیر مانوس الفاظ کی خوب بھرمار کی۔ اور بہت سے پرانے فارسی الفاظ عربی طریقہ پر ترخیم کر کے درج کئے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد نزول وحی اور بیگوگیت کا دعویٰ شروع کر دیا اور بیان کیا کہ یہ رتبہ نبوت اور امامت کے مابین ہے اور کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو بیگوگ تھے چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی نو بیگوگ تھے۔ اول بیگوگ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ تھے دوسرے امام حسن رضؓ تیسرے امام حسین رضؓ چوتھے امام زین العابدین رضؓ پانچویں امام محمد باقر رضؓ چھٹے امام جعفر صادق رضؓ ساتویں امام موسیٰ کاظم رحؒ آٹھویں امام علی رضا رضؓ امام علی رضا تک امامت اور بیگوگیت دونوں جمع رہیں۔ پھر یہ دونوں منصب علیحدہ ہو گئے چنانچہ امام علی رضا کے بعد درجہ بیگوگیت میری طرف منتقل ہو گیا۔ اور امامت امام محمد تقی کو تفویض ہوئی اور میں خاتم بیگوگیت ہوں اور بیگوگیت کی تعداد اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کا اوپر ذکر آیا شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا لیکن جب اہل سنت و جماعت سے ملتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے چار پرہیزگار و نیک کردار خلفاء کے نام لے کر نواں بیگوگ اپنی ذات کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی خاص مذہب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ میں تو تمام مذاہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا جو حمل ساقط ہوا تھا اور جس کا نام محسن رکھا گیا تھا وہ میں ہی تھا۔

محمد حسین نے چند قاعدے مقرر کر کے بعض ایام مخصوصہ کو عید ہائے اسلام کی طرح قابل احترام اور جشن مسرت قرار دیا اور اپنے پیروؤں کو جن کا لقب فرودی رکھا تھا یہ ہدایت کی کہ ان ایام معدودات کا احترام کریں اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ایک تو قرص آفتاب پر جب نظر کرتا ہوں تو اس پر کلمات منقوش نظر آنے لگتے ہیں ان سے اکتساب علم کر لیتا ہوں اور آخر کار اس کا نور اس قدر محیط ہو جاتا ہے کہ تحمل و برداشت مشکل ہو جاتی ہے بلکہ ہوش و حواس ہی بجا نہیں رہتے دوسرے اس طرح کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے چنانچہ وہ کلمات جو ارادت مندوں سے بیان کرتا ہوں اسی آواز سے اخذ

کرتا ہوں۔ اور جس روز اس کے حسب بیان اس پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی اس کا نام روزِ جشن قرار دیا۔ اس روز نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ اس کے پیرو جمع ہو کر خوشیاں مناتے۔ خوشبو اور عبیر ایک دوسرے پر چھڑکتے۔ یہ خود روزِ جشن کو دو علم ساتھ لے کر تاتاری وضع کی ٹوپی سے کسی قدر اونچی ٹوپی اوڑھتا اور اپنے مریدوں کو ساتھ لیے ہوئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات دھوبی بھٹیاری کے نام سے مشہور ہیں جاتا اور عالمِ مسرت میں جھوم جھوم کر بیان کرتا کہ پہلی مرتبہ مجھ پر خاص اسی جگہ وحی نازل ہوئی تھی اسی مقام کو غارِ حرا سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ یہی تمھارے بیگوگ کا مہبطِ وحی ہے۔۔ یہی تمھارے قبلۂ حاجات کے کسبِ سعادت کا گہوارہ ہے۔ روزِ جشن سے چھ روز قبل شروع ذی الحجہ سے روزے رکھتا جن میں کسی سے بات تک نہ کرتا تاکہ امم سابقہ کے روزۂ صُمت سے مشابہت ہو جائے ایسے روزے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام سے بوقت تولدِ جناب مسیح علیہ السلام بھی مذکور ہیں۔ ساتویں روز جشن کو ختم کر دیتا تھا اس نے اپنے پیرووں پر نماز پنجگانہ کی جگہ ہر روز تین بار دید یعنی اپنی زیارت فرض کی تھی۔ دید کا پہلا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد تھا۔ دوسرا دوپہر کا وقت جب کہ آفتاب نصف النہار ہو متعین کیا۔ تیسرا غروبِ آفتاب کا وقت جب کہ کسی قدر شفق آسمان پر باقی ہو مقرر تھا اور دید کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود مع اپنے خلفاء کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ مریدوں کو حکم تھا کہ اس کے چاروں طرف مربع صف بستہ کھڑے ہوں اس طرح کہ سب کے منھ ایک دوسرے کے مقابل رہیں پھر ہر صف اس کی طرف منھ کر کے چند کلمے جو اس کے اختراعی تھے پڑھتی۔ اس کے بعد یہ لوگ سر جھکا کر داہنی جانب کو گھوم جاتے تھے۔ اس طرح جو صف شمال کی طرف ہوتی تھی مغرب کی جانب۔ اور مغرب رخ کی صف جنوب رویہ ہو جاتی تھی جب چاروں صفوں کے آدمی چاروں سمتوں کا مقابلہ تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھنے لگتے پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے پھر شش جہت کو دیکھتے اس اثناء میں انہی کلمات کا تکرار کرتے رہتے جو ان کے پیر و مرشد نے ان کے لئے تجویز کر رکھے تھے۔

اب زیارت ختم ہو جاتی اور سب منتشر ہو جاتے۔ محمد حسین نے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نقالی کرتے ہوئے اپنے بھی چار خلیفہ مقرر کیے تھے پہلا خلیفہ منشی نزادہ جو اس کا شاگرد قدیم اور محرم راز تھا۔ اور اس کا نام اپنی مخترع زبان میں "ددجی" رکھا تھا۔ میر باقر اس کا نسبتی بھائی دوسرا خلیفہ تھا اسی طرح دو خلیفہ اور تھے اور اپنے نام زبود نبود اللہ اور نمود وا نمود رکھے تھے۔ اسی طرز پر اپنے اور اپنے پیرووں کے عجیب و غریب نام تجویز کرتا رہتا تھا۔ جو شخص بھی اس کے حلقے میں داخل ہوتا اسے اسی طرز کے انوکھے نام سے موسوم کرتا اور اس تسمیہ کو لفظ "نشان" سے تعبیر کرتا۔ اس کے تین لڑکے تھے اول نمانمود دوم فغار سوم دید اور دو لڑکیاں نمامہ کلاں اور نمامہ خورد کے نام سے موسوم تھیں۔ اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور نمودیار اور نماد وغیرہ تجویز کیے تھے اور فغار کے بیٹے کا نام نمودید رکھا تھا اور اس کے بعد عزیزوں کے نام حق نما نما فرنمود فر تھے غرض اسی قسم کے اور بھی بہت مضحکہ خیز نام رکھے تھے۔ فزودی تحریک کے لئے لاہور کی آب و ہوا کچھ زیادہ سازگار نہ ثابت ہوئی تو دہلی جاکر دھونی رمانے کا قصد کیا۔ وہاں پہونچ کر مستقل بود و باش اختیار کر لی۔

فرخ سیر بادشاہ بھی لوگوں کے جوشِ عقیدت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ دہلی کے بزرگان دین اور مقتدایان ارباب یقین نے بہتیری جہد و جہد کی لیکن لوگوں کے اعتقاد کی گرمجوشی میں ذرا فرق نہ آیا۔ فرخ سیر بادشاہ نے تخت دہلی پر قدم رکھتے ہی اس کی زیارت کا قصد کیا چنانچہ چند امراء کو ساتھ لے کر اس کے کاشانۂ زہد کی طرف روانہ ہوا۔ نمود نے ہرن کی کھال بیٹھنے کو دی اور یہ شعر پڑھا ؎

پوست تخت گدائی و شاہی ہمہ داریم آنچہ مے خواہی

فرخ سیر اس کی بے نیازی اور استغناء کو دیکھ کر پھڑک گیا اور ہزار ہا روپیہ اور اشرفیاں جو نذرانہ کے طور پر لایا تھا پیش کر دیں۔ مگر اس گرگ باراں دیدہ نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ کیا مسلمانوں کا بادشاہ ایک عزت نشین فقیر بے نوا کو زخارفِ دنیا کی طرف ملتفت کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتا؟ غرض نذرانہ قبول نہ کیا۔ آخر بادشاہ کے اظہار خلوص و نیاز مندی پر اپنے

ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف کے عوض میں ستر روپے لئے جو اس کی مقررہ قیمت تھی۔ فرخ سیر نے اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف مقدس کو بڑی تعظیم کے ساتھ بوسہ دے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ نمود نے بادشاہ کی روانگی کے بعد یہ روپیہ بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کے حسن اعتقاد اور نمود کے طرز عمل نے لوگوں کو اور بھی زیادہ والہ و شیفتہ بنا دیا۔

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ محمد امین خاں اس کا وزیر تھا۔ جب وزیر با تدبیر کو نمود کی اغوا کوشیوں کا علم ہوا تو نمود کو گرفتار کرنے کے لئے پیادے بھیج دئے لیکن تقدیر الٰہی کی نیرنگیاں دیکھو کہ محمد امین خاں اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہی مرض قولنج میں مبتلا ہو گیا۔ محمد امین خاں کو بدترین قسم کا قولنج یعنی ایلادس کا عارضہ تھا۔ اس وقت وہ درد کے مارے لوٹ رہا تھا۔ اور عالم مدہوشی طاری تھا۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو کوتوال سے پوچھا کہ نمود کو پکڑ لائے کوتوال نے کہا کہ ہم حضور کی علالت کی خبر سن کر بدحواس ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ محمد امین خاں نے غیر متزلزل اور خود اعتمادی ناقابل فسخ قوت ارادی کے ساتھ کہا کہ اب تو بے وقت ہو گیا ہے صبح کو ضرور گرفتار کر لانا۔ رات کو بیماری کی شدت بڑھ گئی اور صبح تک حالت نے ناامیدی کے آثار دکھائے ادھر ہادی علی خاں جو کابل سے اس کا ہوا خواہ چلا آتا تھا لحظہ بہ لحظہ محمد امین خاں کے جاں بلب ہونے کی خبریں نمود کو پہونچا رہا تھا۔ پہلے تو نمود نے دہلی سے بھاگ جانے کا قصد کر لیا تھا مگر اشتداد مرض کی خبریں سن کر رک گیا۔ محمد امین خاں کی حالت ساعت بہ ساعت نازک ہو رہی تھی اور نمود کا پژمردہ دل دم بدم بشاش ہوتا جاتا تھا۔ جب نمود نے اس کے قریب المرگ ہونے کی خبر سنی تو اپنے مکان سے باہر آ کر مسجد میں جو اس کے گھر کے قریب واقع تھی بیٹھ گیا۔

قمر الدین پسر محمد امین خاں نے جب اپنے والد کا یہ حال دیکھا تو بہت گھبرایا اور یقین ہو گیا کہ یہ نمود کی ناراضی کا اثر ہے اپنے دیوان کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ اس کی نذر کے لئے بھیجا اور عفو تقصیر کی درخواست کے بعد تعویذ کی التجا کی۔ نمود کو پہلے ہی سے محمد امین کی حالت نزع کا علم ہو چکا تھا۔ بڑے غرور

سے کہنے لگا کہ میں نے اس کافر کے جگر پر ایسا تیر مارا ہے کہ کسی طرح جانبر نہ ہوگا اور میں بھی شوقِ شہادت میں اس مسجد میں آبیٹھا ہوں اور میرے جدِّ بزرگوار (امیر المومنین علیؓ) بھی مسجد ہی میں شہید ہوئے تھے۔ گو میرا شہید ہونا امکان سے باہر ہے کیونکہ ایک دفعہ پہلے ہی شہید ہو چکا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ (معاذ اللہ) حمل سے ایک بار ساقط ہو چکا ہوں۔" دیوان نے وہ روپیہ نمود کی نذر کرکے قمر الدین کی طرف سے محمد امین خاں کے لیے معافی کی درخواست کی اور تعویذ بھی مانگا نمود نے جواب دیا کہ گوشہ نشین گداؤں کو ستانے کا یہی ثمرہ ہے پانی سر سے گذر گیا اور تیر کمان سے نکل چکا اب اس کا واپس آنا غیر ممکن ہے جب دیوان نے بہت منت سماجت کی تو دوجی کو مخاطب کرکے کہا کہ لکھ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ جب یہ لکھا جا چکا تو دیوان کو دے کر کہنے لگا کہ اسے لے جا لیکن میں جانتا ہوں کہ جب تک تو وہاں پہونچے گا وہ رختِ زندگی باندھ کر ملکِ عدم کی جانب کوچ کر چکا ہوگا۔" دیوان چلا گیا تو محمد حسین نمود عقیدتمندوں سے کہنے لگا کہ اس کی نجات کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ ہے کہ خلوصِ دل سے حلقۂ ارادت منداں میں داخل ہو۔ اگر ایسا کرے تو پھر دیکھنا کہ میری قوتِ اعجاز کس طرح اس کے قالبِ بے جان میں از سر نو زندگی کی روح پھونکتی ہے؟ دیوان ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اسے محمد امین کے انتقال کی خبر مل گئی۔ اس حادثہ نے فرو بودی گم کردگانِ راہ کے جسموں کو ایک حیاتِ تازہ بخش دی۔ اس "کرامت" کا دہلی میں بڑا چرچا ہوا۔ شجرِ بدعت و الحاد نئے برگ و بار لایا اور اس کے مذہب کی ترقی ساتویں آسمان تک پہونچنے لگی۔ عقیدت شعاروں کا پایۂ خوش اعتقادی متزلزل ہونے کے بجائے اور زیادہ مضبوط ہوا۔

نمود کا کوسِ اَنَا وَلَا غَیرِیْ محمد امین کی رحلت کے بعد دو تین سال تک غلغلہ اندازِ عالم رہا۔ آخر موت نے اسے یہ پیغام سنا کر فضائے پر شور و شیون میں سکون پیدا کر دیا کہ اب میری حکومت ہے۔ نمود کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نما نمو مسند نشین ہوا۔ اس نے نذر و نیاز کے ان حصوں میں جو دوجی کے لئے کابل میں باہمی تصفیہ سے مقرر ہوئے تھے۔ اور نمود مرتے دم تک باقاعدہ دیتا رہا تھا۔ از راہ کوتہ اندیشی دست اندازی کرنی چاہی۔ اس بنا پر دوجی اور نما نمو کی آپس

میں بگڑ گئی۔ دوجی نے بہتیری منت خوشامد کی اور لاکھ سمجھایا کہ میرے ساتھ جھگڑا کرنا خوب نہیں۔ مگر نما نمو کے سر پر حرص و طمع کا بھوت سوار تھا کسی بات کو خاطر میں نہ لایا۔ دوجی نے اس نوجوان صاحب سجادہ کو تخلیہ میں یہاں تک سمجھایا کہ اوّل اوّل کابل میں نمود نے کس طرح یہ تجویز پیش کی تھی کہ تقدس کی ایک دکان کھولیں اور ایک نیا مذہب جاری کر کے زر اندوزی کا ڈھنگ نکالیں؟ اور بیان کیا کہ گو میں شروع ہی میں تمہارے باپ کا شریک کار ہو گیا تھا تاہم بہت دن تک کذب و زور کی تائید کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا۔ آخر نفسانی خواہش غالب آئی اور ان حصوں کی طمع میں جو شروع میں مقرر ہوئے تھے مدت العمر تمہارے باپ کے جھوٹے دعووں کی تائید و تصدیق کرتا رہا اور نما نمو کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو رونق و ترقی بھی اس مذہب کو آج تک نصیب ہوئی اس میں اس خاکسار کی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ پس اگر ضد چھوڑ کر وہ حصص جو شروع سے میرے لئے چلے آتے ہیں بے تامل ادا کرنے کا عہد کرو تو بہتر ورنہ ابھی بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔" لیکن نما نمو نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ جب دوجی نے نخل آرزو کے تمام رگ و ریشے نما نمو کے تیشۂ بیداد سے کٹتے دیکھے تو ناچار اجتماع جشن کی تقریب پر جبکہ فر بودی بکثرت جمع ہوتے تھے اور دوسرے تماشائیوں کا بھی بڑا ہجوم ہوتا تھا کھڑے ہو کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فر بودی مذہب کی بنیادیں ہلا دیں۔ نمود کی عیاری اور اپنی شرکت کا سارا ماجرا اول سے آخر تک تمام حاضرین کو سنا کر راز سربستہ کے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور کہنے لگا دوستو! کیا تم میرا اور نمود کا خط پہچان سکتے ہو؟ بہت سے آدمیوں نے اقرار کیا کہ ہم دونوں کا خط پہچانتے ہیں۔ دوجی نے وہ مسودات جو نمود نے اور دوجی نے باہم صلاح و مشورہ سے مرتب کئے تھے اور دونوں نے اپنے اپنے قلم سے ان میں ترمیم کی تھی نکال کر دکھائے اور کہا یہ مذہب محض میری اور نمود کی عیاری سے عرصۂ وجود میں آیا۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہ ہوتی۔ لوگوں نے ان مسودات کو غور سے دیکھا اور حرف بہ حرف دوجی کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی وقت ہزارہا آدمی جن کو خدائے واہب نے فطرت سلیمہ عطا کی تھی اس باطل

مذہب سے منحرف ہو گئے۔ ناچار بما نمو اس گاؤں میں جو ہادی علی خاں نے اپنی جاگیر میں دوآبہ کے اندر دیا تھا جا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد بما نمو تیر قضا کا شکار ہو گیا اور نضار اس کا جانشین مقرر ہوا۔ چونکہ اس مذہب کے تیر اقبال کو گھن لگ چکا تھا نضار کی دکان مشیخت کسی طرح نہ چل سکی۔ اکثر نزبودی اس مذہب سے بیزار ہو کر اسلام کے سواد اعظم سے جا ملے۔ آخر نصف صدی سے بھی پہلے یہ مذہب کس مپرسی کی گور میں دفن ہو گیا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ نضار کے بعد نمود کے چند اقربا دہلی چھوڑ کر بحالت تباہ بنگالہ پہونچے۔ وہاں نواب میرن بن نواب جعفر علی خاں نے جو ان ایام میں وہاں کا ناظم تھا ان مسافران خستہ پا کو آل رسول سمجھ کر اپنے آغوش عاطفت میں جگہ دی اور پانچ روپے روزانہ وظیفہ مقرر کر کے بسر اوقات کی سبیل پیدا کر دی۔[1]

مرزا علی محمد باب شیرازی

مرزا علی محمد یکم محرم ۱۲۳۵ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء) کو شیراز میں متولد ہوا۔ اس کا باپ مرزا محمد رضا اوائل عمر ہی میں موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لئے محمد علی اپنے ماموں مرزا علی کے پاس شیراز ہی میں جو بزازی کا کام کرتا تھا چلا آیا حاجی مرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ڈیڑھ دو سال بعد ۱۲۶۸ھ میں مقتول ہوا کتاب "نقطۃ الکاف" میں لکھا کہ انبیاء کرام امّی تھے اور باب بھی امّی یعنی ناخواندہ تھا۔[2] لیکن بہائیوں کی کتاب "دور بہائی" میں لکھا ہے کہ علی محمد باب نے بچپن میں ابتدائی تعلیم شیخ محمد سے جن کا لقب عابد تھا حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد جب علی محمد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی تو بوشہر میں پہلے ماموں کی شراکت میں تیل کا کاروبار شروع کیا لیکن تھوڑے دن کے بعد ماموں سے علیحدگی اختیار کر کے مستقلاً مصروف تجارت رہا اس نے بوشہر ہی میں شادی کی۔ اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صغر سنی میں مر گیا۔ پانچ سال تک

---

[1] سیر المتاخرین ۱۲ [2] نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن ص ۱۰۹۔

تجارتی مشاغل میں مصروف رہنے کے بعد نجف کا سفر کیا ایک سال وہاں اقامت گزیں رہا۔ نجف سے کربلا جاکر تین مہینے رہا۔ یہاں سے ارض فارس میں وارد ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس نے بعض محرکات کی بنا پر دعوائے مہدویت کا عزم صمیم کرلیا۔

جب اس کے دعوی کو شہرت ہوئی تو عقیدت شعار لوگ اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ لیکن جمہور نے اس سے شدید انکار کیا۔ البتہ شیخیہ فرقہ کے شیعوں نے جو حضرت مہدی علیہ السلام کی جستجو میں ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے اس کو "مہدی موعود" یقین کیا منجملہ ان لوگوں کے جنھوں نے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا "فخر" اولیت حاصل کیا قابلِ ذکر یہ لوگ تھے ملا حسین بشرویہ، مرزا احمد ازغندی، ملا صادق مقدس، شیخ ابو تراب اشتہاردی، ملا یوسف اردبیلی، ملا جلیل اورردمی، ملا مہدی، کندی، مومن ہندی جو اندھا تھا اور ملا علی بسطامی باب نے ان لوگوں کو اپنے نشریہ کے لیے اکناف ایران میں پھیلا دیا اور خاص خاص قاصدوں کو سلاطین عالم کے پاس بغرض دعوت روانہ کیا۔ اس کے بعد مکہ معظمہ کا قصد کیا مراجعت حرم کے بعد جب اس کے ورود ابوشہر کی خبر شیراز پہونچی، تو یہاں اس کے خلاف بڑا جوش پھیلا۔ شیعہ مذہب کے علماء نے اس کی تکفیر کی اور قتل و تدمیر کا فتوی دیا۔ عامۃ الناس اور طبقہ علماء میں جو برہمی پھیل رہی تھی، اس نے حسین خان آجودان حاکم فارس کو اسبات پر آمادہ کیا کہ باب کے سرگرم داعی ملا صادق مقدس کو تازیانہ کی سزا دے اس کے علاوہ ملا صادق مرزا محمد علی بارفروشی اور ملا علی اکبر اردستانی تینوں کی ڈاڑھیاں منڈواکر انھیں کوچہ و بازار میں تشہیر کیا گیا۔ اس کے بعد حاکم فارس نے علماء کی صوابدید پر باب کو طلب کیا اور علماء و فضلاء کی موجودگی میں بڑی سرزنش کی۔ اس کے جواب میں باب نے بھی سخت کلامی کی۔ حاکم نے پیادوں کو اشارہ کردیا۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے باب کی تواضع کرنے لگے اور اہانت و تحقیر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ زد و کوب کا اثر باب کے چہرے پر بھی نمایاں ہوا۔ آخر باب کے ماموں علی بزاز کی ضمانت و کفالت پر اس کو گھر بھیج کر خویش و بیگانہ کی ملاقات سے روک دیا گیا۔

محمد شاہ تاجدار ایران نے ایک شیعہ مولوی سید یحییٰ دارابی کو اس بات پر متعین کیا کہ شیراز جا کر باب سے ملاقات کرے اور اس کے دعووں کی حقیقت معلوم کرکے اطلاع دے۔ یحییٰ دارابی نے باب سے تین ملاقاتیں کیں۔ تیسری صحبت میں اس سے خواہش کی کہ سورۂ کوثر کی تفسیر کرے۔ باب نے اسی مجلس میں سورۂ کوثر کی تفسیر لکھ دی۔ یہ دیکھ کر دارابی اس کا گرویدہ ہو گیا۔ ملا محمد علی نام ایک شیعی مجتہد نے اپنے ایک معتمد کو تفحص حالات کے لئے شیراز روانہ کیا۔ اس نے باب کی بعض تالیفات سے کر مراجعت کی۔ جب ملا مذکور نے باب کی تحریریں پڑھیں تو اس کا والہ و شیدا ہو گیا اور کتابوں کو طاق میں جمع کرکے کہنے لگا طلب العلم بعد الوصول الی المعلوم مذموم (حصول مقصد کے بعد تحصیل علم مذموم ہے) اور باب کے نام ایک مکتوب بھیج کر اس کے دعاوی کی تصدیق کی۔ ملا محمد علی کی دعوت و تبلیغ نے اکثر اہل زنجان کو بابیت کا پیرو بنا دیا۔ شاہ نے ملا محمد علی کو طہران طلب کرکے علماء کی مجلس میں حاضر کیا۔ علماء نے بہتیری کوششیں کیں مگر اس کو مغلوب اور لاجواب نہ کر سکے۔ یہ حالت دیکھ کر شاہ نے ایک عصا اور پچاس تومان زر نقد دے کر اسے مراجعت کی اجازت دی۔

باب کے مرید خاص حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب "نقطۃ الکاف" میں لکھا ہے کہ حاکم شیراز نے حکم دے رکھا تھا کہ باب کسی شخص سے ملاقات نہ کرے۔ حمام کے سوا کہیں باہر نہ جائے۔ نہ کسی کا کوئی نوشتہ وصول کرے اور نہ کسی تحریر کا جواب دے۔ ان امتناعی احکام کے باوجود باب لوگوں سے مخفی ملاقاتیں کرتا اور ہر وقت اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا۔ جب مخالفوں کو اس کا علم ہوا تو ۱۵ رمضان کی شب کو اس کے مکان میں گھس پڑے اور دشنام دہی کے بعد باب کو بہت کچھ مارا پیٹا۔ اس کے بعد اس کے پیروؤں کو بھی زد و کوب کیا اس لئے باب نے شیراز کو الوداع کہنے کے قصد سے اپنے ایک مرید آقا محمد حسین اردستانی کو پچاس تومان (قریباً ہزار روپیہ) دے کر تین گھوڑے خریدنے کو کہا۔ اس نے گھوڑے خریدے اور باب نے اپنے دو فدائیوں کے ساتھ شیراز سے اصفہان

---

[۱] بابیوں کی کتاب "مقالۂ سیاح" مطبوعہ یونیورسٹی پریس کیمبرج ص ۷ - ۹۵ - ج

کا راستہ لیا۔ حاجی مرزا جانی مؤلف "نقطۃ الکاف" آقا محمد حسین اردستانی کے اخلاص کے متعلق لکھتا ہے کہ تیر اسی کے پاس تھے۔ شاہی لشکر نے محمد حسین کو گرفتار کر لیا اور اسے تیروں سمیت اپنے فوجی سردار کے پاس لے گئے بابیوں نے اس وقت ایک قلعہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ سردار نے اس سے قلعہ اور قلعہ گیر بابیوں کے حالات دریافت کئے۔ لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ فوج کے افسروں نے بہتیرا سر مارا لیکن اس نے مہر سکوت نہ توڑی اس سے کہا گیا کہ اگر تو نہیں بتاتا تو ہم ابھی تیری گردن مارے دیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی کہ حضرت قائم علیہ السلام (باب) کی راہ میں مارا جاؤں" سردار پوچھنے لگا اچھا بتاؤ تمھیں کس طرح ہلاک کیا جائے؟ کہنے لگا وہ طریقہ اختیار کرو جو میرے حق میں سب سے زیادہ تکلیف دہ ہو، بندوق اس کی داہنی آنکھ کے ساتھ ملا کر چلادی گئی اور اس نے آناً فاناً قضا کا جام پی لیا۔[1]

جب باب اصفہان پہونچا تو معتمد الدولہ منوچہر خاں حاکم اصفہان اس کا معتقد ہوگیا اور درپردہ اس کا مذہب قبول کر لیا معتمد الدولہ نے شیعی علمار کو مغلوب ولاجواب کرانے کے خیال سے ایک مجلس مناظرہ قائم کی۔ شیعوں کی طرف سے مرزا سید محمد آغا محمد مہدی، اور مرزا محمد حسن مباحثہ کے لئے منتخب ہوئے آغا مہدی نے باب سے سوال کیا کہ مجتہد لوگ خود ہی قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن جنھیں اتنی قابلیت نہیں ہوتی وہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں آپ ان دونوں میں سے کس گروہ میں شامل ہیں؟ باب، میں کسی کی تقلید نہیں کرتا اور نہ مجتہدین کی طرح قیاس سے کام لیتا ہوں میرے نزدیک قیاس فقہی حرام و ناجائز ہے۔ آغا مہدی" آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے جس سے ثابت ہوا کہ آپ مجتہد ہیں۔ لیکن آپ مجتہد بھی نہیں بنتے اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن مسائل پر آپ کا عمل ہے اور جن کا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاسی نہیں یقینی ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کی حجت (مہدی علیہ السلام) غائب ہے لہذا جب تک امام آخرالزماں کا ظہور نہ ہولے اور کوئی شخص خود ان کی زبان

---

[1] نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن صہ ۱۱۵ -

مبارک سے مسائل فقہ کو نہ سن لے وہ اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مسائل مستخرجہ یقینی ہیں۔ پس آپ پر اپنے مسائل کے یقینی ہونے کا ثبوت لازم ہے "باب" تیری کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جس کا مقام قلبی ہے مباحثہ کر سکے یہ باتیں تیری عقل کی رسائی سے دور ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ فضول بکواس کرے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہ"۔ مرزا محمد حسن، شاید آپ کو بھی اس امر سے انکار نہ ہوگا کہ جو شخص مقام قلب پر پہونچ جاتا ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جب آپ بھی اس مقام پر پہونچے ہیں تو ضرور ہے کہ جو بات آپ سے پوچھی جائے آپ اس کا جواب دیں۔ باب، بیشک تمھارا خیال درست ہے جو پوچھنا چاہو پوچھو جواب دوں گا"۔ محمد حسن" حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام ایک ہی رات میں بیک وقت چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے اگر یہ صحیح ہے تو اس کو عقلی دلائل سے ثابت کیجیے" اسی طرح چند اور امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں سوال کیا۔ باب" یہ باتیں نہایت دقیق ہیں اگر چاہو تو اس کو نہایت تفصیل سے لکھ دیتا ہوں"۔ محمد حسن اچھا لکھ دیجیے"۔ باب نے لکھنا شروع کیا۔ اتنے میں کھانا آگیا اور سب لوگ کھانا کھانے لگے جس وقت لوگ فارغ ہو کر جانے لگے تو اس وقت باب نے اپنی تحریر ان کے حوالے کی۔ مرزا محمد حسن نے اس کا مطالعہ کر کے کہا کہ یہ تو ایک خطبہ ہے جس میں کسی قدر حمد اور نعت اور باقی مناجات ہے۔ لیکن جن امور کی نسبت سوال کیا گیا تھا ان میں سے کسی کا جواب نہیں۔ باب معتمد الدولہ کے پاس نہایت عیش و راحت کے دن کاٹنے لگا۔ معتمد الدولہ نے باب سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو میرے مال و اسباب میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق ہے۔ چار ماہ کی مدت اسی طرح گذر گئی۔ اتنے میں معتمد الدولہ نے ملک عدم کو نقل مکان کیا اور مرنے سے پہلے اپنی ساری جائداد باب کے نام ہبہ کر گیا۔ جب معتمد الدولہ کے بھتیجے مرزا گرگین خاں نائب الحکومت کو جو معتمد الدولہ کے بعد اصفہان کا حاکم مقرر ہوا تھا معلوم ہوا کہ باب خلوت میں موجود ہے تو باب کی موجودگی اور باب کے نام معتمد الدولہ کے جائداد ہبہ کر جانے کی کیفیت حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم کو طہران لکھ بھیجی۔ وزیر اعظم نے حکم دیا، کہ باب کو بہ تبدیل

وضع وہیئت بھیجا جائے، اور معتمد الدولہ کی جائداد کا اس کو ایک حبہ نہ دیں۔
غرض حاکم نے بارہ سوار متعین کر کے حکم دیا کہ وہ باب کو جلد اصفہان سے لے جائیں چنانچہ بڑی عجلت کے ساتھ اسباب سفر درست کر کے باب کو رخصت کر دیا گیا۔ راستہ میں وزیر اعظم کی طرف سے باب کو تبریز اور ماکو لے جانے کا دوسرا حکم آپہونچا۔ باب کو کاشان سے موضع خانلق اور وہاں سے تبریز پہونچایا گیا۔ یہاں آکر باب کو معلوم ہوا کہ ہماری منزل مقصود تبریز نہیں بلکہ ماکو ہے۔ باب نے چلنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک سوار اس غرض سے آگے بڑھا کہ باب کو پکڑ کر اٹھائے اور گھوڑے پر لاد دے۔ یہ رنگ دیکھ کر باب چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر ماکو پہونچے اور اسے پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ میں رکھا گیا۔[۱]
علی خاں حاکم ماکو نے باب کو لوگوں سے ملنے اور خط و کتابت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود باب کے پاس عقیدت شعاروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور باب اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہا۔ یہ دیکھ کر حاکم نے حکام بالا کو لکھ بھیجا کہ یہاں باب لوگوں سے کھلم کھلا ملتا ہے اور اس جگہ اس کی حفاظت کے سامان بھی ناکافی ہیں اس لئے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ باب کو سہ سالہ قیام کے بعد قلعہ چہریق کو بھیج دیا گیا۔ جب باب ماکو سے روانہ ہوتے وقت سوار ہوا تو علی خان حاکم ماکو معذرت کرنے لگا کہ میری حقیقی خوشی اس میں تھی کہ آپ یہیں رہتے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو یہاں سے منتقل ہونا پڑا۔ باب نے جواب دیا اے ملعون! کیوں جھوٹ بکتا ہے؟ خود ہی لکھ بھیجتا ہے اور خود ہی عذر کرتا ہے۔ غرض چہریق کا راستہ لیا۔[۲] قلعہ چہریق شہر ارومیہ کے پاس ہے۔ ارومیہ کے حاکم کا نام یحییٰ خان تھا۔ باب چہریق لا کر یحییٰ خاں کے سپرد کیا گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ مجتہدین کے فتووں اور انواع و اقسام کی ضرب اور نفی و حبس کے باوجود بابی فرقہ روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ کیونکہ حق کی طرح شجرۂ باطل بھی برابر نشو نما پاتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ اس وقت ایران میں ہر طرف

---

[۱] نقطۃ الکاف ص ۱۲۲ - ۱۳۰ - [۲] نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن ص ۱۳۳ -

بحث وجدال کا بازار گرم تھا اور ملک کے طول وعرض میں کوئی مجلس ایسی نہ ہوگی
جس میں بابی تحریک کے سوا کوئی اور گفتگو ہوتی ہو۔ اس اثنار میں باب کے
پیرووں نے ملک کے مختلف حصوں میں فساد برپا کرکے بعض مقامات پر مسلسل
کامیابیاں حاصل کرلی تھیں۔ چنانچہ ۱۲۶۳ھ میں یعنی باب کے ادعائے مہدویت
کے تین سال بعد محمد شاہ والیٔ ایران نے اپنے ولیعہد ناصرالدین شاہ کو جو اس
وقت آذربائیجان کا گورنر تھا لکھ بھیجا کہ باب کو قلعۂ چہریق سے بلوا کر علمار سے اس کا
مناظرہ کراؤ۔ اسی مضمون کا ایک خط حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم نے بھی ولیعہد
کو لکھا جس میں شاہ کے حکم کی تعمیل پر بڑا زور دیا تھا۔ ولیعہد نے حکم دیا کہ باب
کو تبریز میں حاضر کریں۔ جب باب تبریز آیا تو اس سے اتنی رعایت کی گئی
کہ قید خانہ میں رکھنے کے بجائے کاظم جان داروغۂ فرش کے مکان میں اتارا گیا۔

دوسرے دن تبریز کا مجتہد اعظم ملا محمود جس کا خطاب نظام العلمار تھا ملا
محمد ماماقانی، مرزا احمد امام جمعہ، مرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور دوسرے شیعی مجتہدین
بھی جمع ہوئے۔ باب بھی بلایا گیا اور مباحثہ شروع ہوا۔ نظام العلمار ”آپ کس
منصب کے مدعی ہیں؟“ باب ”میں وہی ہوں جس کا ہزار سال سے انتظار کیا جا رہا
تھا۔ نظام العلمار ”آہا! آپ صاحب الامر (مہدی علیہ السلام) ہیں؟“ باب ”بیشک
نظام العلمار ”آپ کے مہدی موعود ہونے کی کیا دلیل ہے؟“ باب نے اپنی مہدویت
کے ثبوت میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور بعض دوسری عبارتیں پڑھ دیں
اور کہنے لگا کہ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کی ہر آیہ میرے دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔
”نظام العلمار ”آپ کا کیا نام ہے، باپ کا کیا نام تھا؟ ولادت کہاں ہوئی؟ عمر کتنی ہے؟“
باب ”میرا نام علی محمد ہے۔ والد کا نام مرزا رضا ہے۔ ولادت شیراز میں ہوئی اور
عمر ۲۵ سال کی ہے“۔ نظام العلمار ”صاحب الامر کا نام محمد، ان کے والد کا نام حسن،
ان کی جائے ظہور سرمن رائے اور ان کی عمر ہزار سال ہے۔ اس لئے آپ کسی طرح
صاحب الامر نہیں ہو سکتے“۔ (معلوم ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ
شیعوں کا ہے اہل سنت وجماعت کے نزدیک حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی
محمد، والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوں گے“)۔ شیعہ کہتے ہیں کہ
مہدی موعود حضرت حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں جو بچپن میں لوگوں کی نظروں سے

مخفی ہو گئے تھے۔ وہی وقت موعود پر ظاہر ہوں گے"۔ لیکن اہل سنت و جماعت کے نزدیک مہدی علیہ السلام ہنوز پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے وقت پر پیدا ہوں گے"۔ لیکن یاد رہے کہ شیعوں نے جو محمد بن حسن عسکری کو مہدی موعود سمجھ لیا تو یہ ان کی من گھڑت تجویز ہے) باب اپنی ذات میں حضرت مہدی علیہ السلام کی کوئی علامت اور خصوصیت ثابت نہ کر سکا۔ ناچار کرامت کی ڈینگیں مارنے لگا اور کہا میں اپنی ایک کرامت تم سے بیان کرتا ہوں کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ حاضرین" ہاں کہیے۔" باب" میری کرامت یہ ہے کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار بیت لکھتا ہوں۔" حاضرین" اگر یہ بیان صحیح بھی ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہو گا کہ تم ایک زود نویس کاتب ہو"۔ ناصر الدین شاہ۔" اگر تم کرامت دکھا سکتے ہو تو نظام العلماء کا بڑھاپا زائل کر کے ان کو جوان کر دو"۔ باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔ نظام العلماء" صحیفۂ سجادیہ کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں کیا وہ نئی الواتیع تمھاری تصنیف ہیں؟" باب" یہ سب خدا کی پاک وحی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے"۔ "نظام العلماء" جب تم صاحب وحی ہو تو اس آیۃ کی تفسیر کر دو۔ هُوَ الَّذِی یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ الخ (وہی خدائے برتر (بارش کے وقت) تم کو بجلی دکھاتا ہے جس (کے گرنے) کا ڈر بھی ہوتا ہے اور (بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور گراں بار بادلوں کو بلند کرتا ہے اور رعد (کا موکل فرشتہ) اس کو حمد و ستائش کے ساتھ یاد کرتا ہے اور دوسرے ملائکہ بھی رب جلیل کے خوف سے حمد و ثناء میں مستغرق ہیں اور وہ (بادل سے نکلنے والی ناری) بجلیاں بھی مسلط کرتا ہے پھر جس کسی پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔ لیکن (با ایں ہمہ قدرت) منکر لوگ (پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے) خدائے واحد کے متعلق مخاصمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور شدید البطش ہے ۱۳ : ۱۳) اور ساتھ ہی اس کی نحوی ترکیب بھی بتاؤ"۔ باب سوچنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء" اچھا سورۂ کوثر کی شان نزول بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ اس سورہ سے پیغمبر علیہ السلام کی کیا تسلی ہوئی جس کا سورہ میں ذکر ہے؟" باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔ نظام العلماء علامہ حلّی کے اس قول کا کیا مطلب ہے إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ عَلَى الْخُنْثٰی عَلَى الْاُنْثٰی وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَى الْخُنْثٰی دُوْنَ

اللَّذَ کَرِ دَا الْاُنْثَیٰ باب نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلمار" اچھا بتاؤ کہ فصاحت و بلاغت کی کیا کیا تعریف ہے؟ اور ان میں نسبت اربعہ میں سے باہم کیا نسبت ہے"؟ باب نے کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلمار" اچھا بتاؤ منطق کی شکل اول کیوں بدیہی الانتاج ہے۔ باب اس کا بھی جواب نہ دے سکا۔ نظام العلمار ناصر الدین شاہ سے خطاب کر کے" جناب یہ شخص جملہ علوم سے عاری ہے کسی علم سے اس کو مس نہیں"۔ ایک مجتہد باب کو خطاب کر کے" کیوں صاحب! خدا نے تو کلام الٰہی میں فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (اللہ کے لیے خمس ہے) فرمایا ہے اور تم نے اپنے کلام وحی میں خمس (پانچواں حصہ) کی جگہ ثلث (تیسرا حصہ) لکھا ہے۔ کیا قرآن کی آیت منسوخ ہو چکی ہے؟ باب" ثلث اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے یہ سن کر تمام حاضرین کھل کھلا کر ہنسے۔ ملا محمد ماما قانی" فرض کیا کہ ثلث خمس کا نصف ہے لیکن اس سے سوال کا جواب نہیں نکلتا۔ آپ وجہ بتایئے کہ جب خدائے قدوس نے قرآن میں خمس فرمایا تو پھر ثلث کیوں دینا چاہیئے؟ باب" میری ایک کرامت یہ ہے کہ میں فی البدیہہ خطبہ پڑھتا ہوں"۔ یہ کہہ کر پڑھنے لگا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰت وَالْاَرْض (باب نے ت کو مفتوح اور ض کو مجرور پڑھا حالانکہ صحیح اس کے بالعکس ہے) یہ سن کر حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

ناصر الدین شاہ نے کہا اس جہالت و کوری کے باوجود تم صاحب الامر بنے پھرتے ہو؟ تم ایک مخبوط الحواس آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لہٰذا میں تمھارے قتل کا حکم نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہو تنبیہ و تادیب لابد ہے"۔ یہ کہہ کر پیادوں کو اشارہ کیا۔ حکم کی دیر تھی کہ مار پڑنے لگی۔ باب جان بچانے کے لئے پکارنے لگا توبہ کردم۔ توبہ کردم۔ جب اچھی طرح پٹ چکا تو اس کو دوبارہ قلعہ چہریق میں بھیج دیا گیا۔[1]

اعیان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ باب کو نذرانۂ اجل کر دینا چاہیئے۔ جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنے اور فساد ہوتے رہیں گے"۔ علمار نے بھی اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آخر باب کو چہریق سے تبریز لائے اور مجلس علمار

---

[1] مذاہب اسلام ص ۷۴۴ — ۴۵۱ بحوالہ" ناسخ التواریخ"

میں دوبارہ حاضر کیا سید محمد حسین عزیزاور آقا محمد علی تبریزی بھی ساتھ تھے علماء نے بہتیرا سمجھایا کہ تم اپنے الحاد و زندقہ اور دعوائے مہدویت سے توبہ کر کے سیدھا راستہ اختیار کرو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ حشمتہ الدولہ نے باب سے کہا کہ تمھیں حامل وحی ہونے کا دعویٰ ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ کوئی آیت نازل ہو" باب نے فوراً سورۂ نور کی ایک آیت کا کچھ ٹکڑا سورۂ ملک کی ایک آیت کے ٹکڑے سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمتہ الدولہ نے وہ کلمات لکھوائیے۔ پھر باب سے پوچھا کہ کیا یہ وحی آسمانی ہے؟ بولا جی ہاں۔ حشمتہ الدولہ نے کہا کہ وحی مہبطِ وحی کے دل سے فراموش نہیں ہوتی اگر فی الواقع یہ وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو" جب باب نے اسے دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں ردوبدل ہو گیا حشمتہ الدولہ نے کہا کہ یہ تمھارے جھوٹ اور جعل کی بین دلیل ہے[1] آخر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اب یہ صلاح ٹھہری کہ اسے مجمع عام میں قتل کیا جائے کیوں کہ اگر اسے علیحدگی میں ہلاک کیا تو عوام دھوکے میں پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ خدا نے اسے آسمانوں پر اٹھا لیا۔ ۲۸ر شعبان ۱۲۶۶ھ کا دن قتل کے لئے مقرر کیا گیا۔ باب کو چاہیئے تھا کہ ارباب حکومت جس طرح بھی چاہتے اسے موت کے گھاٹ اتارتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا اور کسی ذلت و تصدیع کی پروا نہ کرتا۔ جب مرنا ہی ہے تو پھر موت سے کیوں ڈرنا؟ مگر باب نے اپنے مریدوں کے ذریعہ سے خودکشی کا قصد کیا۔ مؤلف "نقطۃ الکاف" لکھتا ہے کہ جس دن باب قتل کیا جانے والا تھا اس سے پہلی رات کو اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ کس صبح بصد ذلت و خواری شہید کیا جاؤں گا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی شخص میری شہادت میں اقدام کرے تاکہ میں اعداء کے ہاتھوں ذلت نہ سہوں مجھے دوست کے ہاتھ سے مارا جانا اس سے کہیں زیادہ مرغوب ہے کہ دشمن کے ہاتھ سے جرعۂ مرگ نوش کروں۔ آقا محمد علی تبریزی تلوار اٹھا کر آمادۂ قتل ہوا تاکہ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ پر عمل ہو جائے مگر دوسرے بابیوں نے مضطرب ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آقا محمد علی نے کہا کہ میں تو آپ کا حکم ماننے کو تھا اور چاہتا تھا کہ آپ کو شہید کر کے خودکشی کر لوں لیکن انھوں نے روک دیا۔ باب نے مسکرا کر خوشنودی کا اظہار کیا۔

---

[1] مذاہب اسلام ص ۱۵۴

۲۸ شعبان کی صبح کو سب سے پہلے آقا محمد علی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ وہ ایسی جگہ باندھا جا رہا تھا جہاں اس کی پیٹھ باب کی طرف ہو گئی تھی۔ اس لئے حکام سے التجا کرنے لگا کہ مجھے ایسی جگہ باندھو جہاں میرا منھ اپنے محبوب (باب) کی طرف رہے۔ اس کی یہ التماس پوری کی گئی۔ اسے ہزار سمجھایا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو توبہ کر کے رہا ہو جاؤ۔ لیکن اس نے توبہ نہ کی۔ اور کہنے لگا عشق حق سے توبہ کرنا بڑا گناہ ہے۔" محمد علی کے اقربا یہ کہہ کر حکام کی خوشامد کر رہے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور دیوانے کا قتل کسی طرح مناسب نہیں ہے۔" لیکن وہ ہر مرتبہ اپنے اقارب کے بیان کی تردید کرتا تھا اور کہتا تھا نہیں نہیں میں جوہر عقل سے آراستہ ہوں۔ میں حضرت حق کا دیوانہ ہوں مجھے قتل کرو۔ کیونکہ قتل ہی سے حیات ابدی کا مستحق ٹھہرتا ہوں۔" جب باڑھ مار کر ہلاک کیا جانے لگا۔ تو باب نے اس سے خطاب کر کے کہا۔ اَنْتَ فِی الْجَنَّۃِ مَعِی[1] (تو جنت میں میرے ساتھ رہے گا) آقا محمد علی تبریزی اور باب دونوں بندھے ہوئے تھے۔ حمزہ مرزا گورنر آذربائیجان نے ارمن سپاہیوں کو جو عیسوی المذہب تھے۔ حکم دیا کہ باڑھ ماریں۔ یہ لوگ بابیوں کے من گھڑت قصوں اور فسادات سے متاثر تھے۔ گولیاں ہوا میں چلا دیں۔ اتفاق سے ایک گولی محمد علی کے جا لگی۔ اس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ کیا اب آپ مجھ سے راضی ہوئے؟ اور جان دے دی۔ باب حاضرین کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی بوچھار ہے مگر میرے کوئی گولی نہیں لگی۔ ایک گولی باب کی رسی میں لگی تھی اس سے وہ رسی کٹ گئی جس سے باب بندھا تھا۔ باب کھل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھری میں جا چھپا اور کہنے لگا لوگو! یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک گولی بھی نہیں لگی بلکہ الٹا رہا ہو گیا۔ اس وقت سیکڑوں عورتیں اور مرد اس میدان میں غل مچا رہے تھے کہ باب پر گولیوں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے حاکم کے ایما سے باب کو پکڑا اور چند گھونسے رسید کر کے گولی کا نشانہ بنا دیا۔[2]

باب کے حادثۂ قتل کے بعد بارہ بابیوں نے ناصر الدین شاہ والی ایران سے باب

---

[1] نقطۃ الکاف ۲۴۵ — ۲۵۰۔ [2] مذاہب اسلام ص ۵۲۴ بحوالہ ناسخ التواریخ ۱۲

کے قتل کا انتقام لینے کی سازش کی جن میں سے نو اخیر وقت میں علیحدہ ہو گئے۔ باقی تین عازمین قتل یہ تھے۔ ملا فتح اللہ قمی، صادق زنجانی اور باقر نجف آبادی۔ بتاریخ ۳۰ ذیقعدہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۸۵۲ء شاہ شکار کے لئے سوار ہوا تو یہ تینوں شاہ کی طرف بڑھے۔ شاہ سمجھا کہ شاید مظلوم و ستم رسیدہ لوگ ہیں جو اپنی کوئی درخواست لے کر آئے ہیں۔ اس لئے ان کو نزدیک آنے کی اجازت دی۔ جب قریب پہونچے۔ تو صادق زنجانی نے جیب میں سے پستول نکال کر شاہ پر چلا دیا۔ شاہ زخمی ہوا لیکن بدستور گھوڑے پر سوار رہا۔ یہ دیکھ کر فتح اللہ قمی نے اس نیت سے جھپٹ کر شاہ کو گھوڑے سے کھینچا کہ زمین پر گرا کر گلا کاٹ دے۔ شاہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر شاہ کے ایک ملازم نے بڑھ کر فتح اللہ کے منھ پر زور سے ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ گھونسا کھا کر گر پڑا اب ملازم نے میان میں سے تلوار نکال لی اور صادق زنجانی کی گردن مار دی۔ اسی اثنا میں شاہی دربار کا ایک منشی بھی پہونچ گیا۔ اور اس نے اپنے آپ کو شاہ کے جسم کی ڈھال بن گیا۔ اتنے میں اور پیادے بھی پہونچ گئے۔ اور انھوں نے زندہ حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو اور تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو انھوں نے اقبال جرم کیا اور بتایا کہ ہم نے اپنے قائم علیہ السلام (باب) کے قتل کا انتقام لیا ہے۔ صادق زنجانی، ملا شیخ علی بابی کا نوکر تھا جسے بابی "جناب عظیم" کے لقب سے یاد کرتے ہیں صادق نے طمنچہ اسی سے لیا تھا۔ شاہ کو گولی کا جو زخم لگا وہ مہلک نہیں تھا۔ قاآنی شیرازی نے شاہ کے زندہ سلامت رہنے کی خوشی میں دو قصیدے لکھے جن میں سے ایک کے دو شعر یہ تھے ؎

آخرِ شوال خسرو شد سوار از بہرِ صید — آسمانش در عنان و آفتابش در رکاب
کز کمیں ناگہ سہ تن جنبید و انگندند زود — تیرہائے آتشیں زی خسرو مالک رکاب

دوسرے قصیدہ کے تین شعر یہ تھے:۔

آخرِ شوال را ہر سال زیں پس عید کن — چاکرانِ شاہ را دعوت نما از ہر کراں
ہی بگو شاہد بیا زاہد برو خازن ببخش — ہی بگو ساقی بدہ چنگی بزن مطرب بخواں
عید قربانِ شہنشہ کن نام و ہمچوں گوسفند — دشمناں را سر ببر در راہِ شاہ کامراں

اس واقعۂ ہائلہ پر طہران کی پولیس نہایت مستعدی سے ان تمام مجرموں کی تلاش

میں سرگرم عمل ہوئی جو اس سازش سے تعلق رکھتے تھے۔ پولیس نے حاجی سلیمان خاں بابی بن یحییٰ تبریزی کے مکان پر چھاپہ مار کر ایک درجن بابیوں کو گرفتار کیا اسی طرح طہران میں جہاں کہیں بھی مشتبہ بابی مل سکے۔ ان کو زیر حراست کر لیا گیا۔ اس طرح گرفتاروں کی تعداد چالیس تک پہونچ گئی۔ ان میں سے بعض بابی جو بالکل بے تصور ثابت ہوئے وہ رہا کر دئے گئے۔ انجام کار اٹھائیس بابیوں پر فرد قرار داد جرم عائد ہوئی اور وہ قتل کئے گئے۔ یہ سب اس سازش میں شریک تھے یا شرکائے سازش کے معاون تھے۔ "تاسخ التواریخ" میں سب کے نام گنوائے ہیں قرۃ العین بھی انہی مقتولین میں تھی۔ بعض بابی قتل کا حکم سن کر گاتے اور ناچتے تھے۔ جو گیت وہ گا رہے تھے ان میں سے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

بازآمدم بازآمدم ازراہ شیراز آمدم	باعشوہ وناز آمدم ہذا جنون العاشقی
یک دست جام بادہ ویک دست زلف یار	رقصے چنیں میانۂ میدانم آرزوست[۱]

زرّیں تاج عرف "قرۃ العین" ایک اعجوبۂ روزگار عورت گذری ہے۔ اس کا باپ حاجی ملّا صالح قزوین کا ایک مشہور شیعی عالم تھا۔ باپ نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث تفسیر اور فقہ کے علاوہ الٰہیات وفلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی اس کے حقیقی چچا مجتہد العصر ملّا محمد تقی کے فرزند ملّا محمد کے ساتھ ہو گئی جو جملہ علوم میں تبحر رکھنے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا جب زرّیں تاج نے علی محمد باب کے حالات سُنے تو خفیہ طور پر باب کو خط لکھا۔ باب نے اسے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب مستطاب بھی عطا کیا۔ قرۃ العین بابیت میں ایسی راسخ العقیدہ نکلی کہ اس نے باب کی راہِ محبت میں حبِ مال وعیال اور اسم ورسم کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ قرۃ العین بابی سلک کے نشر وابلاغ میں اور براہین وادلہ مذہب کے پیش کرنے میں اس درجہ پر پہونچی ہوئی تھی کہ باب کے بڑے بڑے پیرو بھی جن میں سے بعض تو صفوۂ دہر اور سرآمدِ روزگار تھے۔ اس کے ادراک سے عاجز تھے۔

---

[۱] ایپی سوڈ اوف دی باب مطبوعہ کیمبرج ص ۳۲۳ - ۳۲۴ -

قرۃ العین نے بغیر اس کے کہ شوہر اور خسر کی اجازت یا عدم اجازت کی کچھ پروا کرے اپنے گھر میں ملتِ بابیہ کی دعوت و تبلیغ کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں۔ جن میں خلقت کثیر جمع ہو جاتی۔ جب شوہر اور خسر کی طرف سے اس کام میں مزاحمتیں شروع ہوئیں تو کربلا چلی گئی۔ وہاں اس نے ایک مجلسِ درس قائم کی۔ اس مجلس میں پردہ کا بڑا اہتمام تھا۔ مرد پسِ پردہ اور عورتیں پردہ کے اندر بیٹھ کر استفادۂ وعظ کرتی تھیں اور خود بھی پسِ پردہ بیٹھ کر مصروفِ درس ہوتی تھی۔[1] قرۃ العین نے کربلا میں جو درس قائم کر رکھا تھا گو وہ بادی النظر میں مجلسِ درس و تدریس تھی۔ لیکن فی الحقیقت وہ اس کی آڑ میں بابیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شہرہ ہوا۔ اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ اس کے شرکائے درس بابیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو حاکم نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا کہنے لگی میں مقام علم کی مدعی ہوں۔ تم اپنے علماء کو جمع کرو تاکہ میں ان سے گفتگو کروں۔ آخر حاکم کربلا نے حکم دیا کہ جب تک اس کے متعلق بغداد سے حکم نہ آجائے کربلا سے باہر نہ جانے پائے لیکن وہ کسی ترکیب سے کربلا چھوڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں سے اس نے سیدھا بغداد کا رخ کیا۔

بغداد پہونچ کر اس نے مفتیٔ اعظم سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ بابی تحریک پر روشنی ڈال کر باب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد مفتیٔ اعظم سے درخواست کی کہ وہ انھیں تبلیغ بابیت کی اجازت دیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا مفتی بھلا اسے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ وہ کھلے بندوں مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالتی رہے۔ مفتیٔ اعظم سے ناامید ہو کر وہ گورنر سے ملی اور تبلیغ کی اجازت چاہی گورنر نے حکم دیا کہ تم ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ ناچار بغداد کو الوداع کہا لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے بابیت کے ہنگامے برپا کر دیئے اور بغداد سے کرمان شاہ اور کرمان شاہ سے ہمدان جاتے جاتے اس نے بہت لوگوں کو دائرۂ بابیت میں داخل کیا۔ ایک موقع پر اس نے حسب بیان حاجی میرزا کاشانی توحید کے بعض اسرار ایسے مغلق و مبہم الفاظ میں بیان

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۱۳۹۔

کیے رفقائے سفر میں سے شیخ صالح عرب، شیخ طاہر واعظ، ملا ابراہیم محلاتی اور آقا سید محمد گلپائیگانی ملقب بہ ملیح کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ جو لوگ اس کے فہم و ادراک سے قاصر رہے انھوں نے زبانِ ردّ و طعن دراز کرتے ہوئے علی محمد باب کے نام شکوہ آمیز خطوط روانہ کئے۔ باب نے ان شکووں کے جواب میں قرۃ العین کو طاہرہ کے خطاب سے مفتخر کیا۔ اور اس کے آثار توحید کو منتسب الی اللہ گردانا۔ یہ دیکھ کر تمام منکر بابی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے۔ قرۃ العین نے ہمدان سے طہران جا کر محمد شاہ والئ ایران کو وعظ و نصیحت کرنے کا قصد کیا۔ جب اس کے باپ حاجی ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا آیا اور بیٹی کو اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ قرۃ العین تھوڑے دن تو بہ سکون سے رہی لیکن اس نے پھر حسب معمول بابیت کی رٹ لگانی شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر میں پھر چپقلش شروع ہوئی اس نے فتویٰ دے دیا کہ ملا تقی اور ملا محمد دونوں کافر اور واجب القتل ہیں کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں مانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ فتویٰ سنکر بابیوں میں بلا کا جوش پیدا ہوا اور ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز فجر سے پہلے ہی چند سر بکف بابی فدائی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی محراب مسجد میں نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے بابی کمین گاہ سے نکلے اور نرغہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ اور صرف جاں ستانی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ناک کان اور تمام اعضاء و جوارح جدا کر کے صورت کو بالکل مسخ کر دیا اس خوفناک حادثہ پر شہر میں آگ سی لگ گئی قرۃ العین کے خلاف ہر طرف طوفانِ غضب امنڈ آیا۔ لوگ ہتھیار لئے پھرتے تھے کہ قرۃ العین اور اس کے بابی پیروؤں کو جہاں پائیں ٹھکانے لگا دیں۔ یہ رنگ دیکھ کر قرۃ العین نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ قزوین سے خراسان میں داخل ہوئی جہاں ملا حسین بشرویہ نے سلطنت کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

اسی اثناء میں اس نے سنا کہ باب کا زبردست داعی ملا محمد علی بارفروشی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی طرف آ رہا ہے جب بارفروشی وہاں پہونچا تو دونوں بڑی گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں بار ہا دونوں میں تخلیہ ہوا اور زرین تاج کمال آزادی سے بارفروشی سے بے حجاب ملتی رہی۔ چنانچہ بابیوں کے اکثر مخالف واقعہ نگار اس کی اور بارفروشی کی تخلیہ کی ملاقاتوں کو ناجائز

اور فاسقانہ تعلقات پر محمول کرتے ہیں۔ اب زرین تاج اور ملا بار فروشی نے ایک ہی محمل میں سوار ہو کر آگے کا سفر کیا۔ جب بدشت کے صحرا میں پہونچے تو رمات کو قزاقوں نے لوٹ لیا۔ یہاں سے تمام بابی بحال تباہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا اس طرف کو چلا گیا۔ اسی افراتفری میں ملا بار فروشی اور زرین تاج کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ ملا محمد علی تو بار فروش چلا گیا اور زرین تاج اِدھر اُدھر سرگردان پھرنے لگی۔ جب بابیوں کے لٹنے اور بحالت تباہ منتشر و پراگندہ ہونے کی خبر مازندران پہونچی تو لوگ بہت خوش ہوئے اب تو یہ حالت ہو گئی کہ بابی جدھر کا رُخ کرتے اور جس شہر میں جاتے سخت رسوائی کے ساتھ نکال دئے جاتے۔ حاکم ساری کو تاج زرین کا حال معلوم ہوا تو پیادے بھیج کر اسے ساری میں طلب کرنا چاہا لیکن وہ نور کو چلی گئی۔ کچھ مدت نور میں رہی۔ آخر باشندگان نور نے اسے گرفتار کر کے حکام کے حوالے کر دیا۔ حکام نے اسے طہران بھیج دیا۔ یہاں وہ محمود خاں کلاں ترکی کی حراست میں رکھی گئی اور اگست ۱۸۵۲ء تک جبکہ وہ قتل ہوئی ہے اسی مکان پر رہی۔ گو محمود خاں کے مکان پر بظاہر نظر بند تھی لیکن وہ مختلف بابیوں کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں بارہا دیکھی گئی جہاں وہ طرح طرح کے حیلے حوالے کر کے چلی جاتی تھی۔ دو ڈھائی سال اسی طرح گذر گئے۔ آخر جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو یہ بھی ان اٹھائیس ماخوذین میں داخل تھی جو واجب القتل ٹھہرائے گئے تھے۔ تاریخ نگار اس میں باہم مختلف البیان ہیں کہ قرۃ العین کس طرح ہلاک کی گئی؟ بعض کہتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کی نعش جلا دی گئی۔ بعض کا بیان ہے کہ باغ ایلخانی میں لے جا کر تانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے باغ "لالہ زار" میں ہلاک کیا گیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اسے قصر شاہی کے ایک باغ میں جسے "نگارستان" کہتے تھے لے جا کر دھکیل دیا گیا اور اس کنوئیں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔[1] ایک بیان یہ ہے کہ اس کی زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں۔ اور چندیا کے گرداگرد سر مونڈ ڈالا گیا۔ پھر سر کے بیچ کے بال ایک خچر کی دم میں باندھے گئے اور لوگ اس طریقہ سے کھینچتے ہوئے

---

[1] اے بی سوڈاون دی باب مطبوعہ کمبرج ص ۳۱۳۔

اسے دارالقضا میں لائے۔ محکمۂ قضا نے حکم نافذ کیا کہ زندہ آگ میں جلادی جائے۔ لیکن قاتلوں نے گلا گھونٹ کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش آگ میں پھونک دی گئی۔ لیکن میرے نزدیک موخرالذکر روایت ناقابلِ اعتماد ہے۔

قرۃ العین بحیثیت قادر الکلام شاعرہ

قرۃ العین بحیثیت شاعرہ ایران میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ پروفیسر براؤن وغیرہ کو باوجود تفحص بسیار اس کے دو ہی قصیدے مل سکے جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ باب نے اس کو طاہرہ کا لقب دیا تھا۔ اس نے اسی کو اپنا تخلص قرار دے لیا تھا۔

قصیدۂ اول

نفحاتُ وصلکَ اَوقدت جمراتِ شوقکَ فی الحشا — زغمت بہ سینہ کم آتشے کہ نہ زد زمانہ کما تشا
جذباتِ شوقکَ اَلجمتْ بسلاسلِ الغمِ والبلا — ہمہ عاشقانِ شکستہ دل کہ دہند جاں بہ رہِ بلا
لمعاتُ وجہکَ اَشرقتْ وشعاعُ طلعتکَ اعتلیٰ — زچہ رو الستُ بربکم نزنی؟ بزن کہ بلیٰ بلیٰ
اگر آن صنم زرہِ ستم پے کشتنِ منِ بے گناہ — لقد استقامَ بسیفہٖ فلقد رضیتُ بما رضیٰ
توکہ غافل از مے و شاہدی پے مردِ عابدِ زاہدے — چہ کنم کہ کافرِ جاحدی زخلوصِ نیت اصطفا
تو و ملک جاہِ سکندری، من و رسم و راہِ قلندری — اگر آں خوش ست تو درخوری وگر ایں بد ست مرا سزا
من و عشق آن مہِ خوبرو کہ خوزد صلائے بلا برو — کہ نشاط و قہقہہ شد فرو کہ انا الشہید بکربلا
بجوابِ طبلِ الستِ تو زولا چو کوسِ بلیٰ زنند — ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم و بلا
چہ شود کہ آتشِ حیرتے بزنی بقلّۂ طورِ دل — فَسککتہٗ وَدککتہٗ متدکدکاً متزلزلاً
پے خوانِ دعوتِ عشق او ہمہ شب زخیلِ کروبیاں — رسد ایں صفیرِ مہیمنے کہ گروہِ غمزدہ الصّلا
ہلہ اے گروہِ امامیاں بکشید و لولہ رامیاں — کہ ظہورِ دلبرِ ما عیاں شدہ فاش و ظاہر و برملا
گرتاں بود طمعِ بقا درتاں بود ہوسِ لقا — زوجودِ مطلق مطلقا بر آن صنم بشویدلا
طلعت ز قدس بشارتے کہ ظہورِ حق شدہ برملا — بزن اے صبا تو بحضرتش بگروہ زندہ دلاں صدا
چو شنید نالۂ مرگِ من پے ساز من شد و برگِ من — فمشیٰ الیٰ مُہرِ ولاً وبکیٰ علیٰ مجلجلاً
ہلہ اے طوائفِ منتظر زعنایتِ شہِ مقتدر — مہ مفتخر شدہ مشتہر متشعشعاً متہلّلاً
دو ہزار احمدِ مجتبیٰ زبروق آل شہ صفا — شدہ مختفی شدہ در خفا متدثّراً متزمّلاً
تو کہ فلسِ ماہیٔ حیرتی چہ زنی ز بحرِ وجود دم — بنشیں چو طاہرہ دمبدم بشنو خروشِ نہنگِ لا

طلعات قدس بشارتی که جمال حق شده برملا بزن ای صبا تو بساحتش بگروه غمزدگان صلا
شده طلعت صمدی عیان که بیا کند علم بیان ز گمان و وهم جهانیان جبروت اقدس اعتلا
بسریر عزت و فخر شان بنشسته آن شه بی‌نشان بزدان صلا ببلاکشان که گردد مدعی الولا
چو کسی طریق مرا رود کنمش ندا که خبر شود که هر آن که عاشق من شود نه هد ز محنت و ابتلا
کسی ار نه کرد اطاعتم نه گرفت حبل ولایتم کنمش بعید ز ساحتم و همش بقهر بباد لا
صمدم ز عالم سرمدم احدم ز منبع او حدم پی اهل افئده آمدم هلم الینا مقبلا
قبسات نار مشیتی نادت الست بربکم بگذر بساحت قدسیان بشنو صفیر بلی بلی
منم آن ظهور مهیمنی منم آن منیت بی منی منم آن سفینهٔ المینی ولقد ظهرت مجلجلا
شجر مرتع جان منم ثمر عیان و نهان منم ملک الملوک جهان منم ولی البیان وقد علا
شهدای طلعت نار من بدوید سوی دیار من سر و جان کنید نثار من که منم شهنشه کربلا
بزنید نغمه ز هر طرف که زوجه ما طلع ما عرف رفع القناع وقد کشف ظلم اللیال قد انجلی
برسید با چه طرب صنمی عجم صمدی عرب بدمید شمس هدی غرب بدوید الیه نهر دلا
فوران نار ز ارض فا نوران نور ز شهر طا ظهران روح ز شطرها ولقد علا وقد اعتلا
طیر العماء تکفکفت ورق البهاء تصفصفت دیک الضیاء تذورقت متجملاً متجللاً
ز ظهور آن شه اله ز الست آن مه ما له شده آله همه واله متغنیات بلی بلی
بتموج آمده آن یمی که بکربلاش بحر می متظهر است بهر دمی دو هزار وادی کربلا
ز کمان آن رخ پر دله ز کمند آن مه ده وله دو هزار فرقه و سلسله متفرقاً متسلسلا
همه موسیان عمائش همه عیسیان سمائش همه دلبران بقائش متولها متزملا
بحر الوجود تموجت لعل الشهود تولجت صعق الجمود تلجلجت بلقائه متجملا
تلل جمال ز طلعتش قلل جبال ز رفعتش ودل جلال ز سطوتش متخشعا متزلزلا
دلم از دو زلف سیاه او ز فراق روی چو ماه او بتراب مقدم راه او شده خون من متبلبلا
ز غم تو ای مه مهربان ز فراقت ای شه دلبران شده روح هیکل جسمیان متخففا متخلخلا
تو و آن تشعشع روی خود تو و آن ملمع موی خود که رسانیم تو بکوی خود متزعاً متعجلاً
نه چو زلف غالیه بار او نه چو چشم فتنه شعار او شده نافه بهمه ختن شده کافی بهمه خطا
سحر آن نگار ستمگرم قدمی نهاده به بسترم واذا رایت جماله طلع الصباح کانما
بر او زلف معلقی پی اسپ و زین معرقی همه عمر منکر مطلقی ز فقیر فارغ بی‌نوا

بگذر ز منزل ما و من بگزیں بملک فنا وطن ۔۔۔ فاذا فعلت بمثل ذا فلقد بلغت بما تشا
چو شکنج زلف تو پر شکن گرہے فتادہ بکار من ۔۔۔ بگرہ کشائی زلف خود کہ ز کار من گرہے کشا

ہمہ اہل مسجد و صومعہ پئے ورد صبح و دعائے شب
من و ذکر طرہ طلعت تو من الغداۃ الی العشا

قصیدہ دوم

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ رو برو ۔۔۔ شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ مو بمو
از پے دیدن رخت ہمچو صبا افتادہ ام ۔۔۔ خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو
دور دہان تنگ تو عارض عنبریں خطت ۔۔۔ غنچہ بغنچہ گل بگل لالہ بلالہ بو بہ بو
میرود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام ۔۔۔ دجلہ بدجلہ یم بیم چشمہ بچشمہ جو بجو
مہر ترا دل حزیں بافتہ بر قماش جاں ۔۔۔ رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو

در دل خویش طاہرہ گشت و ندیافت جز ترا
صفحہ بصفحہ لا بلا پردہ بپردہ تو بتو

یہ قصاید علی محمد باب کی حمد و ثنا اور اس کے اشتیاق ملاقات میں کہے گئے ہیں۔ ان اشعار میں جو فصاحت و بلاغت، بلند خیالی اور شوکتِ الفاظ ہے۔ یقین ہے کہ وہ قارئین سے خود خراج تحسین وصول کرے گی۔

مومن خاں اُچّی

مومن خاں اچی جسے حاجی میرزا جانی کاشانی اور دوسرے بابیوں نے مومن ہندی کے نام سے یاد کیا ہے۔ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ میں سے تھا۔ جو اُچ میں ممکین عرفا میں سے گذرے ہیں سات سال کی عمر میں چیچک یا کسی دوسرے عارضہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس کا رجحان طبع دین کے بجائے دنیا کی طرف زیادہ تھا۔ اس لئے اوائل عمر میں دینی علوم کی تحصیل میں منہمک رہا۔ علم طب، نجوم جفر اور صناعت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ متعدد زبانیں جانتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب بمبئی پہونچا تو بدنصیبی سے وہاں کسی بابی سے ملاقات ہو گئی۔ اس بابی نے بتایا کہ ایران میں ایک جلیل القدر ہستی نے مقام بابیت کا دعویٰ کیا ہے"۔ بابی نے اپنے مقتدا کے من گھڑت فضائل

میں اتنا مبالغہ کیا کہ مومن دام فریب میں آگیا اور بن دیکھے اس کا والہ وشیدا ہو گیا۔ "خوبیٔ قسمت" نے کہا کہ جس طرح تو آنکھوں کا اندھا ہے اسی طرح دل کا بھی اندھا کر کے چھوڑوں گی۔ سوءِ اتفاق سے باب بھی اس سال مکہ معظمہ آیا ہوا تھا پہلی ہی ملاقات میں اس کو نقد ایمان دے بیٹھا دوسرے لوگ بیت اللہ جا کر کسب سعادت کرتے اور اپنی مغفرت کے سامان مہیا کرتے ہیں لیکن اس بدنصیب نے وہاں جا کر شقاوت وضلالت سے اپنے جیب و داماں بھر لئے اس نے باب بیت کیا پائی گویا اس کو گم گشتہ جواہر لآلی مل گئے۔ مراجعت وطن کا خیال ترک کر کے ایران کا قصد کیا اور ہمیشہ کے لئے وہیں کا ہو رہا۔ وہاں صبح ازل اور بہاء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ بہاء اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ باب کے طریقۂ محبت میں صادق ہے بہت کچھ نوازشیں کیں۔ صبح ازل نے اسے برعکس نہند نام زنگی کافور کے حسب مصداق بصیر (بینا) کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مومن "رجعت حسنی" کا دعویدار ہوا۔ اور اپنے اس دعوے کے متعلق صبح ازل اور بہاء اللہ کو اطلاع دی۔ صبح ازل نے اس دعویٰ کی تصدیق کی اور جواب خط میں "ابصر الابصر" (بیناؤں میں سب سے بڑا بینا) کا خطاب دیا۔ صبح ازل نے اندھے کے نام جو عربی خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے یَا حَبِیْبُ اِنَّا قَدِ اصْطَفَیْنَاکَ بَیْنَ النَّاسِ (اے حبیب! ہم نے تمھیں لوگوں میں سے منتخب و برگزیدہ بنا لیا ہے)، اس دعویٰ کے بعد ارض قاف کا رخ کیا۔ وہاں بھی بہت سی مخلوق اس کی حرارت محبت میں جذب ہو کر گمراہ ہوئی۔

حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ شجرۂ مبارکہ ازلیہ کے ظہورات میں سے دوسرا ظہور آقا سید مومن ہندی کا تھا اس نے جو کچھ دعوے اور پیشین گوئیاں کیں ان کا ظہور ضرور ہوگا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دورہ میں مقدر نہیں تو پھر کسی دوسرے ہیکل ورجعات میں جو امام کا مظہر ہوگا ظاہر ہونگی۔ کیونکہ مومن نے جو کچھ دعوے کئے لسان حق سے کئے حق ہی اس کے اندر بول رہا تھا۔ پس چونکہ لسان اللہ تھی اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کے بموجب وہ خدائی وعدے کسی نہ کسی دن ضرور پورے ہوکے رہیں گے۔[1]

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۱۲ - ۲۱۴ -

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل علی محمد باب کا وصی و جانشین تھا۔ موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا اس کا باپ میرزا عباس جو شاہ ایران کی مجلس وزارت کا ایک رکن تھا میرزا بزرگ نوری کے لقب سے مشہور تھا۔ میرزا بزرگ نوری کے دو بیٹے تھے جن مائیں الگ الگ تھیں بڑے کا نام میرزا حسین علی ملقب بہ بہار اللہ اور چھوٹے کا نام میرزا یحییٰ ملقب بہ صبح ازل تھا۔ ازل کی ماں اس کی طفولیت میں مر گئی۔ گو اس کے باپ نے اپنی دوسری بیوی کو تاکید کر رکھی تھی کہ ازل کو اپنے بچے کی طرح پرورش کرے مگر وہ اس سے سوتیلی ماؤں ہی کا سا سلوک کرتی رہی۔

حاجی میرزا جانی بابی "نقطۃ الکاف" میں لکھتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیر المؤمنین علیؓ اس کے گھر تشریف لائے۔ ازل کا منہ چوما اور فرمایا یہ طفل ہمارا بچہ ہے۔ اس کی اس وقت اچھی حفاظت کر و جب تک وہ ہمارے قائم علیہ السلام (علی محمد باب) کے پاس نہ پہونچ جائے۔" اس رویا کے بعد وہ اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہنے لگی[1] مگر ظاہر ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور کسی بابی کا دماغی اختراع ہے کیونکہ علی محمد باب اور اس کے تمام پیرو انتہا درجہ کے زندیق اور بنائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن تھا کہ حضور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی رافضیہ کے خواب میں آکر کسی بے دین کی کفالت و خبر گیری کی تاکید فرماتے۔ گو حاجی میرزا جانی نے لکھا ہے کہ صبح ازل ہی من یظہرہ اللہ تھا۔[2] لیکن معلوم نہیں کہ خود ازل بھی کبھی اس منصب کا مدعی ہوا تھا یا نہیں؟ بابی لوگ مرزا یحییٰ کے صبح ازل سے ملقب ہونے کی یہ مضحکہ خیز اور من گھڑت وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے صبح ازل سے درخشندگی پائی تھی۔

صبح ازل نے اپنے بابی ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جن دنوں علی محمد نے باب ہونے کا دعویٰ کیا میرا آغاز بلوغ تھا۔ ان ایام میں میرے دل میں یہ خیال موجزن

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۳۸-۲۳۹ [2] ایضاً ص ۲۴۴۔

تھا کہ کسی عالم دین کی تقلید کروں۔" میں علماء کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا ان ایام میں باب کے ظہور کا بڑا غلغلہ بلند ہوا۔ میرے بھائی (بہاء اللہ) کو اس تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ باب کی تحریریں پڑھا کرتا اور میں بھی اکثر ان تحریروں کو سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت (باب) کی ایک مناجات پڑھی گئی جس میں فآہ آہ یا الٰہی کے الفاظ بکثرت تھے۔ اس کلمہ کی روح نے مجھے اپنی طرف جذب کر لیا اور باب کی محبت دل میں راسخ ہو گئی"[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح ازل کو اسی مناجات کے الفاظ نے گھائل کر دیا اور اس بدنصیب نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ باب کے دعووں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ائمۂ اہلِ بیت کی تصریحات کی روشنی میں دیکھ لیتا۔ جب علی محمد نے بابیوں کو خراسان آنے کا حکم دیا تو صبح ازل بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ طہران گیا۔ اثنائے راہ میں قرۃ العین سے ملاقات ہوئی۔ جن دنوں ملا محمد علی بار فروشی قلعہ میں تھا اس نے صبح ازل سے مدد چاہی تھی۔ صبح ازل اپنے بھائی اور چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ عون و نصرت کی غرض سے عازم قلعہ ہوا لیکن راستہ میں حاکم آمل نے گرفتار کر لیا۔ جب صبح ازل کو گرفتار کر کے آمل میں لائے تو مشتعل شہریوں نے بازاروں اور کوچوں میں اس کی بڑی فضیحت کی۔ لوگ لعنت کرتے پتھر برساتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑے دن تک قید رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ صبح ازل طہران سے باب کے نام عرائض بھیجتا رہا۔ باب نے اپنا قلم دان، کاغذات اور نوشتہ جات، لباس انگوٹھی اور بعض دوسری چیزیں صبح ازل کے لئے روانہ کیں۔ اور اپنی جانشینی کی وصیت کر کے حکم دیا کہ کتاب "بیان کے آٹھ واحد لکھ کر کتاب کی تکمیل کر دے۔ اور اگر من یظہرہُ اللہ عظمت و اقتدار کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو پھر بیان کو منسوخ سمجھے۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ "من یظہرہ اللہ" سے خود صبح ازل کی ذات مراد تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا شخص اس منصب کا اہل نہیں ہے۔[2] باب کی ہلاکت کے بعد تمام بابی بلا استثنار

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ [2] ایضاً ص ۲۴۴۔

صبح ازل کو واجب الاطاعت اور اس کے احکام وادامر کو مفروض الامتثال یقین کرتے تھے صبح ازل ان ایام سے لے کر مذبحۂ طہران کے واقعہ تک جبکہ اٹھائیس عظمائے بابیہ نے اس واقعہ میں شربت مرگ نوش کیا گرمی کا موسم شمیران میں جو حوالیٔ طہران میں ایک سرد مقام ہے اور موسم زمستان مازندران میں گزارتا تھا اور اپنے تمام اوقات بابی مذہب کے نشر و ابلاغ میں صرف کرتا تھا۔

جب بابیوں نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا اور بابیوں کے خلاف دار و گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ازل جو اس وقت نور میں تھا فوراً بتبدیل ہیئت بغداد کو بھاگ گیا۔ حکومت ایران نے اس کی گرفتاری پر ہزار تومان انعام کا اعلان کیا۔ ایک سرکاری جاسوس سے اس کی ملاقات بھی ہوئی اور جاسوس نے پہچانے بغیر اس سے بہت دیر تک باتیں بھی کیں تاہم صبح ازل درویشی کے لباس میں عصا و کشکول کے ساتھ حدود ایران سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی بہاء اللہ طہران میں قید ہو گیا۔ صبح ازل ۱۲۶۸ھ یا اوائل ۱۲۶۹ھ میں وارد بغداد ہوا۔ اس کے چار ماہ بعد بہاء اللہ بھی زندان طہران سے مخلصی پا کر صبح ازل کے پاس بغداد پہونچ گیا۔ اب دوسرے بابیوں نے بھی آہستہ آہستہ بغداد کا رخ کیا یہاں تک کہ بغداد میں ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے ۱۲۷۹ھ تک یعنی دس سال کی مدت عراق عرب میں بسر کی اور جیسا کہ خود بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے بہاء اللہ اس عرصہ میں صبح ازل کا تابع فرمان اور مطیع و منقاد رہا۔ اور گو اس دوران میں چند بابیوں نے مختلف اوقات میں من یظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تاہم جدید التاسیس بابی مذہب کے پیرو صبح ازل کے جھنڈے تلے متفق الکلمہ اور متحد المقصد رہے اور ان کے درمیان کسی تفرقہ و انقسام کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

بقول مصنف "ہشت بہشت"[1] اقامت بغداد کے آخری ایام میں بہاء اللہ کے طرز عمل میں بہت کچھ تغیرات رونما ہوئے یہ حالت دیکھ کر بعض بابی قدماء مثلاً

---

[1] "ہشت بہشت" حاجی شیخ احمد کرمانی شہیر بروحی کی تالیف ہے اس کتاب میں "بیان" کا فلسفہ اور مسلک ازلیاں کی تائید کی گئی ہے ۱۲

ملا محمد جعفر نراقی ملا رجب علی قاہر، حاجی سید محمد اصفہانی، حاجی سید محمد جواد کربلائی، حاجی میرزا احمد کاتب حاجی میرزا محمد رضا وغیرہ سخت مضطرب ہوئے اور بہاء اللہ کو اس طرز عمل پر تہدید کی۔ ان لوگوں نے بہاء اللہ کو صبح ازل کا اطاعت شعار رہنے کی اتنی تاکید کی کہ وہ تنگ آکر بغداد سے باہر چلا گیا اور دو سال تک سلیمانیہ کے اطراف میں پہاڑوں میں رہا۔ اس عرصہ میں بغداد کے بابیوں کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ بہاء اللہ کہاں ہے۔ آخر جب پتہ چلا تو صبح ازل نے اس کو بغداد مراجعت کرنے کے لئے چٹھی لکھی بہاء اللہ امتثال امر کر کے بغداد واپس گیا۔ انہی ایام میں میرزا اسد اللہ تبریزی ملقب بہ دیان نے کہ باب نے اس کو آیات صبح ازل کا کاتب مقرر کیا تھا اور عبرانی اور سریانی زبانوں میں ید طولیٰ رکھتا تھا "من یظہرہ اللہ" ہونے کا دعویٰ کیا بہاء اللہ نے ان کے ساتھ بڑے بڑے مناظرے کئے آخر وہ بابیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بابیوں نے اس کے پاؤں میں ایک وزنی پتھر باندھ کر اس کو شط العرب میں غرق کر دیا۔ اسی طرح میرزا عبد اللہ غوغا، حسین میلانی معروف بہ حسین جان، سید حسین ہندیانی اور میرزا محمد زرندی معروف بہ نبیل میں سے ہر ایک بابی من یظہرہ اللہ ہونے کا مدعی ہوا آخر بابیوں کے بازار ہوا و ہوس میں اس جنس کی اتنی ارزانی ہوئی اور بقول "ہشت بہشت" معاملہ اس حد تک پہونچ گیا کہ ہر بابی جو صبح کے وقت بیدار ہوتا تھا تن کو اسی دعویٰ کے لباس کے ساتھ آراستہ کرنے لگتا تھا۔

اب بابیوں نے ایران کے ہر گوشہ سے بغداد کا رخ کیا۔ ان کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ کربلا اور نجف کے شیعی علماء، یہ دیکھ کر کہ بابی لوگ مشاہد متبرکہ کے قریب آ جمع ہوئے ہیں اور ان سے اور عامہ مسلمین سے ان کے جھگڑے قضیے رہتے ہیں بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگے۔ دولت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر میرزا حسین خان مشیر الدولہ کو ہدایت کی کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کر دے "باب عالی" نے دولت ایران کی خواہش کی تکمیل کی اور بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے آنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینہ تک قسطنطنیہ میں رہے لیکن چونکہ ان کا قیام امن عامہ کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا۔ اس لئے تمام بابی رجب سنہ ۱۲۸۰ھ

میں قسطنطنیہ سے ادرنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ تک ادرنہ میں رہے۔ ادرنہ میں صبح ازل اور بہاءاللہ میں جھگڑے قضیئے برپا رہتے تھے اور فریقین میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ اپنے حریف کو زک دے۔ جب باب عالی نے ان میں ہیجان و اضطراب کے آثار مشاہدہ کئے اور یقین ہوا کہ فریقین آمادہ پیکار ہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قصہ میں پڑنے کے بغیر کہ فریقین میں سے برسر حق کون ہے اور خطاکار کون؟ ۱۲۸۵ھ میں تمام بابیوں کو ادرنہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بہاءاللہ اور اس کے پیرووں کے لئے عکہ علاقہ شام میں قیام کرنے کا حکم دیا اور صبح ازل کو اس کے اتباع سمیت جزیرہ قبرس میں جو اس وقت ترکی عملداری میں داخل تھا قیام کرنے کا فرمان جاری ہوا۔ صبح ازل ۵ ستمبر ۱۸۶۸ء جزیرہ قبرس پہونچا۔ ترکی حکومت کی طرف سے اسے ساڑھے اڑتیس پیاسٹر وظیفہ روزانہ ملتا تھا[1] صبح ازل کے مزید حالات انشاءاللہ العزیز بہاءاللہ کے واقعات میں درج کئے جائیں گے۔" انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" میں مرقوم ہے کہ صبح ازل ۱۹۰۵ء تک جزیرہ قبرس میں زندہ سلامت موجود تھا۔

بہاءُاللہ نوری

مرزا حسین علی معروف بہ بہاءاللہ ۱۸۱۷ء میں موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا اپنے سوتیلے بھائی صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا اس کی ابتدائی زندگی بالکل پردۂ خفا میں ہے۔ بہاءاللہ بھی ان چالیس بابیوں میں تھا جو ناصر الدین شاہ والئ ایران پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ جب بابیوں نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی تو بہاءاللہ اس وقت موضع افجہ میں تھا۔ جو طہران سے ایک منزل کے بعد پر ہے جب اس حادثہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہاءاللہ نیاوران کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن جھٹ گرفتار کر لیا گیا اور پولیس نے لاکر اسے طہران کے محبس میں ڈال دیا۔ چار مہینہ کے بعد جب ثابت ہوا کہ

---

[1] یہ واقعات مقدمہ "نقطۃ الکاف اور اپی سوڈ آف دی باب" سے ماخوذ ہیں۔

اسے شاہ کی حملہ آور جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو قید خانہ سے مخلصی نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد اپنے بھائی صبح ازل کے پاس بغداد چلا گیا۔ چونکہ باب صبح ازل کو اپنا جانشین مقرر کر گیا تھا اس لئے تمام بابی جو ایران سے بھاگ بھاگ کر بغداد میں جمع ہو رہے تھے صبح ازل کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر بہار اللہ کو بھی حصول رفعت کی طمع دامنگیر ہوئی۔ اس کے بعد گو بہار اللہ بہت دن تک بحکم ضرورت بظاہر صبح ازل کا فرمان بردار اور خدمت گذار رہا لیکن دل میں ہر وقت اپنی علیحدہ دکان آرائی کے منصوبے سوچا رہتا تھا۔ آخر جب علی محمد باب کا ہر ممتاز پیرو من یظہرہ اللہ بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو بہار اللہ نے بھی اس جامہ کو اپنی قامت پر راست کرنا چاہا۔ اتفاق سے بہار اللہ کو اسی بابی جماعت میں ایک ایسا شخص ہاتھ آگیا جو بہار اللہ کے ہر قول پر آمنّا وصدقنا کہنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ اس شخص کو میرزا آقا جان کاشانی کہتے تھے۔ آقا جان بہار اللہ کو "من یظہرہ اللہ" کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ چنانچہ بہار اللہ کی طرف سے بھی اس دعویٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے آخر ایک دن بر ملا کہنے لگا کہ میں ہی "من یظہرہ اللہ" اور قوموں کا موعود اور نجات دہندہ ہوں۔ روسا و قدمائے بابیہ نے بہار اللہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہو جائے لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ آخر خود صبح ازل نے بہار اللہ سے کہا کہ باب نے بیان میں بوضاحت لکھ دیا ہے کہ میرا مذہب اطراف واکناف ملک میں پھیل جائے گا۔ اور میرے پیرو صاحب حکومت ہوں گے تب کہیں سال غیاث یا مستغاث میں "من یظہرہ اللہ" ظہور کرے گا۔ اور ابھی ان میں سے کوئی بات پوری نہیں ہوئی اس لئے تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر بہار اللہ پر عظمت و اقتدار کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس اثنا میں تمام بابی بغداد سے قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے۔ اور چار مہینہ کے بعد انہیں موخر الذکر مقام بھی ادرنہ (اڈریانوپل) کو منتقل کر دیا گیا۔

ادرنہ پہونچ کر اس نے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں خطوط واشتہارات بھیج بھیج کر اپنا نشریہ شروع کر دیا وہ من یظہرہ اللہ ہونے کے دعوی کے ساتھ اس بات کا بھی مدعی تھا کہ خدا کی روح اس میں حلول

کر گئی ہے [1] اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ بابی لوگ دھڑا دھڑ بہاء اللہ کے دائرہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ اور صبح ازل کی طرح اس کی بھی ایک جماعت بن گئی۔ مثل مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ صبح ازل اور بہاء اللہ کے پیروؤں میں تصادم شروع ہوا اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوئیں لیکن ان میں سے بہائی بڑے تیز نکلے۔ انھوں نے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے وہی طور طریقے اختیار کئے، جو کسی زمانہ میں ان کے پیش رو باطنیوں نے اسلام کے خلاف استعمال کر رکھے تھے۔ ازلی مورخوں کے بیان کے بموجب صبح ازل کے تمام مشہور حامیوں کی فہرست تیار کی گئی اور دنیا کو ان کے خار وجود سے پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اس اس فیصلہ کے بموجب بغداد میں ملا رجب علی قاہر حاجی مرزا احمد رضا اور بہت سے دوسرے ازلی یکے بعد دیگرے بہائی خون آشامی کا شکار ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ "ہشت بہشت" کے مصنف نے مرزا حسین علی (بہاء اللہ) پر اس سے بھی زیادہ سنگین الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہاء اللہ نے (کسی حیلہ سے) صبح ازل کو ایک ضیافت پر بلانے کا انتظام کیا۔ بہاء اللہ نے اپنے رازدان مصاحبوں کو سمجھا دیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھیں گے۔ کھانے کی سینی میں ایک طرف مسموم کھانا رکھ دینا اور صبح ازل کو اس کے سامنے بٹھانا۔ جب سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو صبح ازل نے اس مسموم سینی کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس پلاؤ میں پیاز کا بگھار ہے اور مجھے پیاز کی بو سے طبعی نفرت ہے۔ بہاء اللہ نے یہ سمجھ کر صبح ازل کا منصوبہ تاڑ گیا ہے رفع اشتباہ کے لئے سینی کے اس حصّہ میں سے بھی تھوڑا سا کھانا کھا لیا جو صبح ازل کی اگلی طرف تھا۔ کھانا کھاتے ہی اس کو قے آنے لگی اور زہر خوری کے دوسرے آثار ظاہر ہوئے لیکن بہاء اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے الٹا یہ کہنا شروع کیا کہ صبح ازل نے مجھے زہر دیا ہے۔

ازلی تاریخ نگاروں کے بیان کے بموجب اس کے تھوڑا عرصہ بعد بہاء اللہ نے صبح ازل کی جان لینے کی سازش کی وہ یہ تھی کہ محمد علی حجام کو گانٹھ کر اسے اس

---

[1] ایپی سوڈ آف دی باب ص ۳۵۹۔

بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ صبح ازل کے حلق کے بال مونڈتے وقت اس کا گلا کاٹ دے۔ حسن اتفاق سے صبح ازل پر یہ راز منکشف ہو گیا اور جب حجام اس کے پاس آیا تو اس نے دور ہی سے کہہ دیا کہ میرے پاس نہ آنا۔ اس کے بعد صبح ازل اپنے تمام پیروؤں کو ساتھ لے کر ادرنہ کے کسی دوسرے محلہ میں چلا گیا۔ اور بہائیوں سے منقطع ہو کر وہاں بود و باش اختیار کی۔ انہی ایام میں دو بہائیوں نے ادرنہ کے حاکم سے جسے پاشا کہتے تھے اجازت لئے بغیر گھوڑے فروخت کرنے کا حیلہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہاں سے صبح ازل کی تردید کے لئے کتاب لائیں اور ازلیوں کے خلاف ایک مذہبی اکھاڑہ قائم کریں۔ پاشا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس غرض کے لئے گئے ہیں؟ پاشا نے فوراً اس منزل پر جہاں سے وہ گذرنے والے تھے تار بھیج کر حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کر لیا جائے چنانچہ وہ گرفتار کر کے ادرنہ واپس لائے گئے۔ بہائیوں نے یہ یقین کر کے کہ صبح ازل نے مخبری کی ہے اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ صبح ازل کا ایک ایرانی پیرو آقا جان بیگ قسطنطنیہ کے رسالہ میں ملازم تھا اور رسالہ کے افسروں یا سواروں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ بابی ہے بہائیوں نے پاشا کے پاس مخبری کی کہ قسطنطنیہ کے رسالہ کا فلاں سوار بابی ہے اور وہ نہایت رازداری کے ساتھ بابی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں آقا جان بیگ کا شانی کی تلاشی ہوئی۔ اس کے پاس سے چند بابی کتابیں برآمد ہوئیں۔ اصل میں یہ کتابیں اس کو بغداد بھیجنے کے لئے کسی نے دے رکھی تھی۔ اور بہت دنوں سے اس کو کوئی ایسا شخص نہ مل سکا تھا جس کے ہاتھ کتابیں بغداد بھیج دیتا۔ اس لئے یہ خیال کر کے کہ کہیں حکام کو ان کتابوں کا پتہ نہ چل جائے ان کے تلف کر دینے کی فکر میں تھا۔ کبھی تو یہ سوچتا تھا کہ انھیں گڑھا کھود کر دفن کر دوں۔ کبھی یہ ارادہ کرتا کہ ساحل بحر پر جا کر سمندر میں پھینک دوں۔ اسی سوچ بچار میں تھا کہ اچانک اس کے قیام گاہ کی تلاشی ہونے لگی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ آقا جان بیگ کو ترک حکام اور قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اقبال کیا کہ ادرنہ کی جماعت سے میرا تعلق ہے اور میں بابی المذہب ہوں۔ آقا جان بیگ کو ساڑھے چار مہینہ قید کی سزا ہوئی اور وہ نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ آقا جان بیگ کو اس حادثہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کی ڈاڑھی

اور سر کے بال قید خانہ میں یک بیک سفید ہو گئے۔ جب قید سے رہا ہوا اور بابیوں کی دونوں حریف جماعتیں جزیرہ قبرس اور عکہ بھیجی گئیں تو آقا جان بیگ کاشانی بھی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ روانہ کیا گیا۔ لیکن وہاں پہونچتے ہی بہائیوں نے اسے موت[1] کے گھاٹ اتار دیا۔

اب بہاء اللہ نے صبح ازل کے خلاف ایک اور سازش کی۔ مرزا آقا جان مشکین قلم عباس افندی اور چند دوسرے بہائیوں نے ایک ایک چٹھی ترک عمایدِ سلطنت کے نام لکھی۔ ان چھٹیوں کا مضمون یہ تھا کہ ہم قریباً تیس ہزار بابی شہر قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں بہ تبدیل ہیئت چھپے ہوئے ہیں ہم تھوڑے عرصہ میں خروج کریں گے۔ سب سے پہلے ہم قسطنطنیہ پر عمل ودخل کریں گے اگر سلطان عبدالعزیز اور ان کے وزرار نے بابی مذہب قبول نہ کیا۔ تو ہم سلطان اور ان کے اعیان دولت کو علیحدہ کر کے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔ یہ چٹھیاں مختلف دستخطوں سے لکھ کر قصر سلطانی اور تمام بڑے بڑے ارکان دولت کے مکانات پر پہونچائی گئیں۔ ترکی حکومت نے بابیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور ان سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا جارہا تھا۔ حکام ان چٹھیوں کو پڑھ کر ملول ہوئے۔ آخر یہ چٹھیاں قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کی گئیں اس کے بعد ترکی حکام اور ایرانی سفیر کی مشاورۃ باہمی سے یہ بات طے پائی کہ تمام سرگروہ بابیوں کو دور دست مقامات پر بھیج کر نظر بند رکھا جائے[2]۔ اس اثناء میں ترکی حکام کو یہ بھی بتایا گیا کہ بابیوں کی دونوں جماعتوں میں بری طرح سر پھٹول ہو رہا ہے۔ اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ان حالات کے پیش نظر "باب عالی" نے فیصلہ کیا کہ مرزا یحییٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کو دو مختلف مقامات پر بھیج دیا جائے چنانچہ صبح ازل کے لئے حکم ہوا کہ وہ اپنے اہل وعیال سمیت جزیرہ قبرس کے شہر ماغوسا میں جو اس وقت دولت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا جا کر اقامت گزیں ہو اور بہاء اللہ کے لئے یہ فرمان جاری ہوا کہ اسے اس کے اہل وعیال سمیت عکہ (واقع ملک شام)

---

[1] ایپی سوڈ آف دی باب ص ۹۹ [2] ایضاً ص ۳۵۸ - ۳۶۰ -

میں بھیجا جائے" "باب عالی" نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ بہاء اللہ کے چار پیرو مشکیں قلم خراسانی، میرزا علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبدالغفار تو صبح ازل کے ساتھ قبرس جائیں اور صبح ازل کے چار پیرو حاجی سید محمد اصفہانی آقا جان بیگ کاشانی میرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی میرزا نصر اللہ تفرشی بہاء اللہ کے ہمراہ عکہ کا رخ کریں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ مخالف عناصر دولت عثمانیہ کے لئے جاسوسی کی خدمات انجام دیں اور جو کوئی صبح ازل یا بہاء اللہ سے ماغوسا یا عکہ میں ملاقات کرنے آئے یہ مخالف لوگ اس کے ورود حرکات و سکنات اور خیالات کے متعلق "باب عالی" کو اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن بابیوں کی دونوں حریف جماعتوں نے ابھی ادرنہ سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ مرزا حسین (بہاء اللہ) نے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین آدمی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ گئے اور انھوں نے چھاؤنی کے پاس ایک مکان لیا لیکن وہ بھی بہت جلد بہائیوں کے ہاتھوں سے نذر اجل ہو گئے بہائیوں نے صرف انہی چار ازلیوں پر ہاتھ صاف نہ کیا۔ بلکہ وہ تمام قدما و فضلائے بابیہ جو صبح ازل کی وفاداری اور پیروی میں ثابت قدم رہے اور جن میں سے بعض تو علی محمد باب کے رفیق خاص تھے ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانے میں سلا دیئے گئے۔ آقا سید علی عرب تبریز میں مارا گیا۔ ملا رجب علی کو کربلا میں ہلاک کیا گیا۔ آقا محمد علی اصفہانی اور حاجی میرزا احمد کاشانی بغداد میں اور حاجی میرزا محمد رضا، حاجی ابراہیم حاجی جعفر تاجر حسین علی آقا ابو القاسم کاشانی میرزا بزرگ کرمان شاہی وغیرہ مختلف مواضع میں بہائیوں کے خنجر بیداد کی نذر ہو گئے[1] ازلی وقائع نگاروں نے بہائیوں کی بے شمار اور بھی خون آشامیاں بیان کی ہیں جو صاحب ان کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ کتاب "ایپی سوڈ اوف دی باب (صفحات ۳۶۱-۳۶۴) کا مطالعہ کریں لیکن اگر یہ بیانات واقعیت پر مبنی ہیں تو حیرت ہے کہ ترکی حکومت نے بہاء اللہ اور اس کے خون آشام پیروؤں کو کیفر کردار تک کیوں نہ پہونچایا؟ مسٹر ایڈورڈ جی براؤن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے کتاب "نقطۃ الکاف"

---

[1] ایپی سوڈ اوف دی باب ص ۳۶۰-۳۶۳۔

کے دیباچہ میں لکھا کہ مجھے بابی مذہب کے حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا۔ آخر صفر ۱۳۰۵ھ میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ میں نے ایران کا سفر اختیار کیا اور قریباً ایک سال تک تبریز، زنجان، طہران، اصفہان، شیراز، یزد، کرمان کی سیاحت میں مصروف رہا۔ اس اثنار میں شیعہ، بابی اور زردشتی فضلاء سے ملاقاتیں کرکے ان کے مذاہب کے معلومات حاصل کیے۔ آخر پورے ایک سال کے بعد یعنی صفر ۱۳۰۶ھ میں انگلستان کو مراجعت کی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۳۰۷ھ میں جزیرہ قبرس اور شہر عکہ کا سفر کیا۔ اور دو رقیب بھائیوں مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل کو قبرس میں مرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ کو عکہ میں دیکھا۔ جزیرہ قبرس کے شہر ماغوسا میں میں پندرہ دن تک اقامت گزیں رہا۔ اس اثنار میں ہر روز صبح ازل کی ملاقات کو جاتا رہا۔ میرا معمول تھا کہ ظہر سے غروب آفتاب تک معلومات حاصل کرکے مراجعت کرتا تھا۔ صبح ازل ہر موضوع پر نہایت بیباکی اور آزادی سے گفتگو کرتا تھا لیکن جب میں بابیوں کے تفرقہ اور بہاء اللہ اور بہائیوں کا تذکرہ چھیڑتا تھا تو اس کی صاف گوئی مبدل بہ سکون ہو جاتی تھی میں نے اس حالت سے یہ استنباط کیا کہ اس قسم کے سوالات طبع پر شاق گذرتے ہیں اس لئے حتی المقدور اس موضوع پر گفتگو کرنے سے اجتناب کیا۔ میں پانچ ہی دن عکہ میں قیام کر سکا۔ اس اثنار میں اپنے تمام اوقات قصر بہجہ میں نہایت خوشی کے عالم میں گزارے۔ میرے ساتھ ہر طرح سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بہاء اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہر مجلس ۲۰ دقیقہ سے نیم ساعت تک رہتی تھی۔ یہ تمام مجلسیں ظہر سے قبل منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہاء اللہ کا ایک نہ ایک بیٹا ضرور موجود رہتا تھا۔

پروفیسر براؤن نے "نقطۃ الکاف" کے مقدمہ میں بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا نظر آئے گا جس کے اندر بابی مذہب کی طرح ۶۹ سال (۱۲۶۰ھ۔ ۱۳۲۹ھ) کی قلیل مدت میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں۔ بابی لوگ دو فرقوں ازلی اور بہائی میں تو پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے۔ دوسرا اختلاف بہاء اللہ کی وفات (۲ ذی القعدہ ۱۳۰۹ھ) کے بعد خود بہائیوں میں بھی رونما ہوا۔ بعض بہائیوں نے تو بہاء اللہ کے فرزند عباس آفندی یا عبد البہاء کے ہاتھ پر بیعت کی

اور دوسروں نے بہاراللہ کے دوسرے بیٹے میرزا محمد علی کا دامن پکڑا۔ ان اختلافات کی بدولت بابی آج کل چار گروہوں میں منقسم ہیں۔ اول وہ ہیں جو کل شئ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باب اور آنے والے "من یظہرہ اللہ" پر ایمان لائے ہیں انھیں اس قصہ سے کوئی سروکار نہیں کہ باب کا وصی کون ہے۔ یہ لوگ بہت قلیل التعداد ہیں۔ دوسرے ازلی جو میرزا یحیٰی نوری ملقب بہ صبح ازل کو باب کا وصی اور جانشین مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ من یظہرہ اللہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی قلیل التعداد ہے اور ان کی جمعیت دن بدن رو بہ زوال ہے۔ سوم بہائی جو صبح ازل کے بھائی میرزا حسین علی نوری ملقب بہ بہاراللہ کو "من یظہرہ اللہ" گمان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بہاراللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا ظہور نہیں ہوگا۔ چوتھے وہ بہائی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہے گا یہ لوگ عبدالبہار کے دعاوی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔ بابیوں کی کثرت تعداد آج کل اسی آخری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بہاراللہ کی تاریخ نے میرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے یعنی جس طرح صبح ازل اور بہاراللہ دونوں بھائی باہم دست و گریبان تھے اسی طرح بہاراللہ کے دونوں بیٹوں میں جنگ آزمائی ہو رہی ہے

اس کے بعد پروفیسر براؤن لکھتا ہے "سچ یہ ہے کہ اس آخری تفرقہ اور حسد اور جنگ و جدال نے جو بہاراللہ کے بعد بہائیوں میں رونما ہوا مجھے بہائی تحریک کی کی طرف سے کچھ بدظن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے بہائی دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ وہ نفوذ اور قوتِ تصرف اور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمۃ اللہ کی اولین علامت اور اس کی لاینفک خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہیے؟ بہاراللہ کو حکم خداوندی تو یہ ہو چکا تھا کہ عاشروا مع الادیان بالروح والریحان (تمام مذاہب سے محبت اور رواداری کا سلوک کرو) اور بہاراللہ کا مقولہ ہے کہ "ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے برگ و بار ہیں"۔ لیکن خود بہاراللہ کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادہ کے اعضاء و جوارح کو کاٹتے ہیں اور ان کے باہم تلخی و عداوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے

بھی ایسی درندگی کا سلوک نہ کرے گا۔

بہائی لوگ بہاء اللہ کو "من یظہرہ اللہ" اور مسیح موعود بلکہ کل ادیان کا موعود مانتے ہیں بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا بھی مدعی تھا۔ چنانچہ کتاب "اقتدار" (صفحہ ۳۶) میں لکھتا ہے کذالک نطق القلم اذ اکان مالک القدم فی سجنہ الاعظم بما کسبت ایدی الظلمین (جب مظلوموں کا قدیم مالک ظالموں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں پڑا ہوا تھا تو قلم نے اس طرح نطق فرمایا) اور اسی کتاب کے (صفحہ ۱۱۴) میں لکھتا ہے اذا یراہ احد فی الظاہر یجدہ علے ھیکل الانسان بین ایدی اھل الطغیان و اذا یتفکر فی الباطن یراہ مھیمنا علےٰ من فی السمٰوات والارضین (جب کوئی شخص اس (بہاء اللہ کو) دیکھتا ہے تو اسے اہل طغیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے لیکن جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا نگہبان پاتا ہے) اور کتاب اقدس (صفحہ ۲۲۵) میں لکھتا ہے الذی ینطق فی السجن الاعظم انہ لخالق الاشیاء وموجدھا حمل البلاء بالاحیاء العالم وانہ لھوالاسم الاعظم الذی کان مکنوناً فی ازل الآزال (جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق و موجد ہے وہ دنیا کو زندگی بخشنے کے لئے بلاؤں اور مصیبتوں کا متحمل ہوا وہی اسم اعظم ہے جو ازل سے مخفی تھا) اور کتاب مبین کے (صفحہ ۲۸۶) میں لکھتا ہے لا الٰہ الا انا المسجون الفرید (مجھ بہاء اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد و یگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں) معلوم ہوتا ہے کہ ان دعووں کی وجہ سے اس کے مرید بھی اس کو عموماً خدا ہی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بہائی شاعر (دیوان نوش صفحہ ۹۳) کہتا ہے ؎

رُخ سوئے تو آوردم اے مالکِ جان الٰہی
زاں رُو کہ تو در عالم معبودی و سلطانی

مرزا حیدر علی اصفہانی بہائی نے کتاب بہجۃ الصدور (صفحہ ۸۲) میں تصریح کی ہے کہ بہاء اللہ (اپنے دعوائے الوہیت کی وجہ سے) اپنے پیرووں کا مسجود بنا ہوا تھا۔ اور اسی کتاب کے (صفحہ ۲۵۸) میں لکھا ہے کہ زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہائی کہتے ہیں کہ حدیث لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجلٌ من ابناء فارس (اگر بالفرض ایمان ثریا پر بھی چلا گیا ہو گا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئیگا)

بہاء اللہ کے حق میں پیشین گوئی ہے۔ بہائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا حکم نہیں۔ البتہ اس کی جگہ ۹۵ مرتبہ اللہ ابہیٰ وظیفہ پڑھنا بتایا ہے جاڑوں میں تیسرے دن اور موسم گرما میں ہر روز ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم ہے اور ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں بلکہ دن بھر میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہہ لینا چاہیے۔ بہائی شریعت میں نماز کا قبلہ کعبہ معلیٰ نہیں بلکہ عکہ اور بہاء اللہ کی قبر ہے اور نمازوں میں قرآن وغیرہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ بہاء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز پنجگانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر، مغرب فرض کی گئی ہیں اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی مقرر کیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز باجماعت حرام ہے۔ مریضوں اور بوڑھوں کو نماز بالکل معاف ہے صیام رمضان کی جگہ موسم بہار میں انیس روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزے میں صبح صادق کے بجائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی ہے۔ عید الفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ چار اور عیدیں ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر کی ہے۔ لیکن بہاء اللہ نے سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال یعنی پانچویں حصہ سے کسی قدر کم مقرر کی ہے۔ بہاء اللہ کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ اسی تعداد کے پیش نظر اس نے دو عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ زیادہ کو حرام کر دیا۔ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس میں لکھا قَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اَزْوَاجُ اٰبَاءِكُمْ اِنَّا نَسْتَحِيُ اَنْ نَذْكُرَ حُكْمَ الْغِلْمَانِ (تم پر تمھارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئی ہیں اور لونڈوں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے) بہاء اللہ کا صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کی حرمت بیان کرنا اور دوسرے محرمات کو چھوڑ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے نزدیک بیٹی، بہن، خالہ و پھوپھی وغیرہ محرمات سے عقد کرنا جائز تھا۔ اور حسب بیان میرزا مہدی حکیم (کتاب مفتاح الابواب) یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں عبد البہار اور میرزا محمد علی میں اختلاف رہا۔ میرزا محمد علی کے نزدیک بہاء اللہ کا یہی منشا رتھا کہ باپ کی بیویوں کے سوا تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے اور عبد البہار نے بہاء اللہ کے حکم میں ترمیم کرکے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ کتاب بدائع الآثار (جلد اوّل صفحہ ۱۵۴) میں جو عبد البہار کا سفر نامہ ہے لکھا ہے کہ عبد البہار نے ایک تقریر میں کہا کہ بہائیوں کے لئے ہر مذہب و ملت کے مرد کو لڑکی دینا

اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ بہار اللہ نے شہروں میں انیس مثقال سونا اور دیہات میں انیس مثقال چاندی مہر مقرر کیا۔ اور اس مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شہریوں کے لئے ۹۵ مثقال سونا اور دیہاتیوں کے لئے ۹۵ مثقال چاندی مقرر کی۔ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ بہار اللہ نے مفقود الخبر شوہر کی بیوی کو نو مہینہ کے بعد شادی کر لینے کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک مرد بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا ہے۔ ڈاڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دی۔ سر منڈانے کی ممانعت کی۔ سود لینا اور دینا دونوں جائز کر دیئے۔ گانے بجانے کی بھی عام اجازت دی۔

محمد احمد مہدی سوڈانی

محمد احمد کی پیدائش ۱۸۴۸ء میں دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب موضع "حنگ" میں ہوئی۔ باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ بتایا جاتا ہے محمد احمد نے بارہ برس کی عمر میں کلام الٰہی حفظ کیا۔ اس کے بعد خرطوم اور بربر کے مدارس میں علوم دین کی تکمیل کی اور شیخ نور الدائم جو ایک مشہور پیر طریقت تھے مریدی اختیار کی۔ اس کے بعد خرطوم آکر شیخ محمد شریف نام ایک پیر کے حلقہ میں داخل ہو کر "طریقہ سمانیہ" کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ اس درمیان شیخ مذکور کے بچوں کی ختنہ ہوئی۔ اس مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے رقص و سرود سے دل بہلایا گیا۔ محمد احمد نے لوگوں کو اس خلاف شرع تفریح سے منع کیا اور کہا کہ شریعت حقہ ناجائز فعل کو جائز قرار نہیں دے سکتی۔ اور شیخ شریعت کے کسی ممنوع فعل کو جائز نہیں کر سکتا۔

محمد احمد کی حق گوئی اور جراءت و دلیری نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور اہل سوڈان کے دلوں میں اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ وہاں سے جزیرہ ابا کو مراجعت کی۔ اس عرصہ میں اس کے زہد و اتقاء کا غلغلہ اطراف و اکناف ملک میں بلند ہوا۔ ہزارہا لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ محمد احمد نے جہاد فی سبیل اللہ کا وعظ شروع کیا۔ اس کا قول تھا کہ موت ہمیں اس سے بھی کہیں زیادہ مرغوب ہے جس قدر کہ دولہا کو عروس نو محبوب ہوتی ہے محمد احمد کی دعوت میں کچھ ایسا برقی اثر تھا کہ سیکڑوں

آدمی روزانہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرکت جہاد پر آمادگی ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ اسلحہ جنگ کی فراہمی شروع ہوئی اور حرب و ضرب کی تیاریاں شروع ہونے لگیں۔

مئی ۱۸۸۱ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام اس مضمون کے مراسلات بھیجنے شروع کئے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطا ہوئی ہے تاکہ میں دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دوں اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کردوں جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب، ایک شریعت اور ایک ہی بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تعمیل نہ کرے اسے بحر عدم میں غرق کر دوں۔" محمد احمد نے ماہ رمضان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سوڈان اور مصر کے طول و عرض میں اس کی دعوت کا چرچا ہونے لگا۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو جو خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل تھا محمد احمد کے دعوائے مہدویت اور اس کے تبلیغی مراسلات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے معتمد خاص ابو السعود کو اس غرض سے محمد احمد کے پاس بھیجا کہ اسے خرطوم لاکر حاضر کریں۔ رؤف پاشا نے پچاس سپاہی اس کے سپرد کر دئے۔ وہ اس جمعیت کو لے کر آبا پہونچا۔ خود کشتی میں رہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جزیرہ میں داخل ہو کر خانہ ساز مہدی کو گرفتار کر لاؤ۔ سپاہی ساحل سے بڑھے اور محمد احمد پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جب محمد احمد کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مریدوں کا ایک غول بھیج دیا وہ یک بیک ان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً سب کو قعر عدم میں پہونچا دیا۔ اس واقعہ سے مہدی کا اثر اور بڑھ گیا۔ اور اس کے دعوائے مہدویت کو بڑی تقویت پہونچی۔

رؤف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت کے ٹالنے کی سوچے ۱۸۸۲ء کے آغاز میں عہدہ گورنری سے معزول کر دیا گیا اور عبد القادر پاشا سوڈان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس اثناء میں مہدویہ نے مسلسل حملے کر کے تمام سرزمین سنار پر عمل دخل کر لیا۔ اب شلالی پاشا نام ایک فوجی جرنیل نے مہدی کے خلاف ایک فوج مرتب کی جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مئی ۱۸۸۲ء میں یہ فوج فشودہ میں داخل ہوئی وہاں سے خشکی کی راہ سے آگے بڑھی۔ آخر آہستہ آہستہ کوچ کرتی ہوئی، جون کو دشمن کے قریب

پہونچ گئی۔ محمد احمد نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ کرکے اس فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا اور مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے۔ اس حملہ میں سرکاری فوج کے بہت کم آدمی بچ سکے۔ اس فتح عظیم نے مہدی کے اقتدار کو اور زیادہ چمکا دیا۔ اہلِ سوڈان یہ دیکھ کر مہدی کی مٹھی بھر فوج نے کثیر التعداد سپاہ پر فتح پائی۔ محمد احمد کی مہدویت پر اور زیادہ راسخ الاعتقاد ہو گئے۔ جب یہ خبر خرطوم پہونچی تو عبد القادر پاشا بیش از بیش تیاریوں میں مصروف ہوا۔ محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا عبد القادر پاشا نے اعلان کر دیا کہ جو شخص درویشوں کو قتل کرے گا حکومت کی جانب سے اسے معقول انعام دیا جائے گا یعنی فی درویش دو پونڈ اور فی افسر اٹھارہ پونڈ معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس مضمون کے اشتہار چھپوا کر محمد احمد کے لشکر میں پھینکوا دیئے کہ جو درویش محمد احمد کی رفاقت ترک کر کے حکومت کی وفاداری کا عہد کریں گے ان کو حکومت کی طرف سے بڑے سے بڑے انعام ملیں گے لیکن عبد القادر پاشا کو اس کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

محمد احمد کا لباس خوراک طرز معاشرت ہر چیز سادہ تھی۔ انتہا درجہ کی زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجراء کی دھن تھی۔ اس نے اپنی قلمرو میں وہ تمام حدّیں جاری کر دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے مواعظ کا خلاصہ ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ تھا۔ ذیل میں اس کے ایک منشور (فرمان) کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جو اس نے سنہ ۱۳۰۱ھ میں ابیض سے شائع کیا تھا۔ اس منشور سے اس کی پابندی مذہب اور زاہدانہ خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھتا ہے اے بندگانِ خدا! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ نعمت کیا ہے؟ میرا (بہ حیثیت مہدی) ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لئے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔ میرے دوستو! میرا مطمح نظر یہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔ خدا کے راستہ میں مہاجرۃ اختیار کرو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔ یہانتک کہ راحت و آسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لئے آراستہ

اور پینے کے کام میں لائے تا دیباً اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جس قدر تمباکو
اس کے پاس موجود ہو اس کو جلادیا جائے۔ تمباکو کو منھ میں رکھنے ناک میں چڑھانے
اور کسی دوسرے طریقہ پر استعمال کرنے کی بھی یہی سزا ہے۔ جو شخص صرف خرید و فروخت
کرتا ہوا پایا جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کرتا ہو یا استعمال کا موقع نہ ملا ہو اس
کو صرف ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ
کا استعمال ہی کیوں نہ کرتا ہو اسّی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خوار کا ہمسایہ
اس کو سزا دینے کی خود قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے ورنہ اس کو
اخفائے جرم میں اسّی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا دی جائے گی تاکہ عبرت
پذیر ہو۔ انسان کا اپنے نفس (سرکش) سے خدا کی خوشنودی و اطاعت کے لئے
جہاد کرنا جہاد بالسیف سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ نفس (سرکش) کافر سے زیادہ سخت
ہے کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے لیکن
نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کا مغلوب کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ جو شخص قصداً
نماز کو چھوڑے گا وہ خدا اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہوگا بعض ائمہ مجتہدین
نے فرمایا ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ تارک
نماز کا پڑوسی اگر اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو آگاہ کرے
اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو اسّی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا اخفائے جرم
کی پاداشں میں دی جائے گی۔ اگر کوئی لڑکی پانچ سال کی عمر کو پہونچ گئی اور اس
کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے وارثوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو عورت
کسی ایسے شخص کے ساتھ پائی جائے جس سے اس کی منگنی ہو چکی ہو لیکن عقد نہ ہوا ہو تو
اس مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال، مال غنیمت سمجھا جائے گا۔ میرے دوستو!
تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ اس کو زہد و ترکِ دنیا کی رغبت دلاؤ، اور آخرت کی
محبت اس کے قلب میں مستحکم کرکے اسے طلب عقبیٰ کا شائق و گرویدہ بنا دو۔ تمھارا یہ
بھی فرض ہے کہ تم خدا کے بندوں کو عداوت نفس سرکش کی اہمیت جتلا کر اس سے
محفوظ رہنے کے طریقے بتلاؤ۔ تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف
کرو۔ اور مشکلات پر صبر و استقامت کی تعلیم دو۔ وہ معاملات جو ۱۲ رجب ۱۳۰۰ھ
سے پہلے کے ہیں سوائے معاملات امانت، قرض اور مال یتیم کے سب اٹھا لئے گئے

اور اب ان کے متعلق کسی سے باز پرس نہ ہوگی۔ البتہ ۱۲ رجب ۱۳۰۰ھ کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعاوی کی سماعت ہوگی۔ قتل نفس کے مقدمات میں مقتول کے وارث کو قصاص اور دیت کا اختیار دیا جائے گا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے قضایا طے کئے جائیں گے پس میرے احکام کے مطابق ان کا فیصلہ کرو۔ اسی طرح مقدمات خلع میں مرد جو مال عورتوں سے دخول و تمتع کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ ان کو نہ دیا جائے کہ یہ جائز نہیں ہے بلکہ ان کے مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق کیا جائے۔ میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد و استقامت ضروری چیز ہے احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرو اوامر کی پابندی لابد ہے میرے احکام کو سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیل و تحریف کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالیٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔ عورتوں کے مہر بڑھا کر نہ باندھو دولتمند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط الحال اور غربا پانچ ریال مجیدی (قریباً ۱۲عہ ۸ر) سے زیادہ مہر نہ رکھیں بلکہ اس سے کم رکھیں جو شخص اس کے خلاف بڑے بڑے مہر باندھے اس کو تادیباً کوڑوں اور قید کی اتنی سزا دی جائے کہ وہ تائب ہو جائے یا قید میں مر جائے ایسا شخص ہمارے زمرہ سے خارج ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔"

محمد احمد نے اپنے بعض معتمد افسروں کو اطراف سوڈان میں تبلیغ و دعوت کے لئے روانہ کیا۔ عثمان دغنہ جو مہدی کا معتمد خاص تھا مشرقی سوڈان پہونچا اور وہاں مہدی کے معتقدین و متبعین کی ایک سپاہ تیار کر کے اطراف میں مہدی کے منشور شائع کئے اور وہاں کے قبائل کو اپنے اثر میں لانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان ایام میں مہدی کی روز افزوں ترقی اور مہموں کی ناکامی سے سرکاری حلقوں میں خلفشار پھیل رہا تھا یہاں تک کہ عبدالقادر پاشا گورنر جنرل سوڈان نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا جاتا ہے اور اگر فتنہ کی روک تھام کے لئے کوئی موثر کارروائی نہ کی گئی تو تمام ملک پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد مصر و انگلستان میں ہر طرف افسردگی چھا گئی اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ مصر اور انگلستان کو کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ جس سے ملک مہدویہ کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے؟ مدت تک یہ سوال زیر بحث رہا آخر یہ قرار پایا کہ مہدی کی گوشمالی کے لئے

ایک اور زبردست مہم بھیجی جائے۔ اس تجویز کے بموجب ایک زبردست لشکر ایک آزمودہ انگریز سپہ سالار جرنیل ھکس کے ماتحت روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جرنیل ھکس کے علاوہ نو دوسرے جنگ آزمودہ یورپی افسر بھی تیار ہوئے۔ اس وقت عبدالقادر پاشا کی جگہ علاء الدین پاشا خرطوم کا گورنر تھا۔ علاء الدین پاشا نے اس مہم کے لیے نیل ارزق کے مشرق سے اونٹ جمع کیے اور آخر اگست تک ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ۸ ستمبر کو جرنیل ھکس نے فوج کا جائزہ لیا اور ۹ ستمبر کو یہ سپاہ ام درمان کے مقام سے دویم کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سوڈانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج سلیم بک عونی، سید بک عبدالقادر، ابراہیم پاشا حیدر اور رجب بک صدیق چار افسروں کے ماتحت تھی۔ سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی جس میں سے سات ہزار مصری پیدل فوج تھی۔ ساڑھے پانچ ہزار اونٹ، پانچسو گھوڑے جرمن کارخانہ کرپ کی چار توپیں، دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔ ٹائمز ڈیلی نیوز اور لندن کے دوسرے ممتاز اخبارات کے نامہ نگار بھی اس مہم کے ساتھ تھے۔ ۲۰ ستمبر کو یہ سپاہ دویم کے مقام پر پہونچی اور علاء الدین پاشا کی اس فوج سے مل گئی جو پہلے سے وہاں موجود تھی لیکن علاء الدین پاشا کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔ جرنیل ھکس نے مصری حکومت کو اطلاع دی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ فوج کو دویم سے ابیض کی طرف بڑھایا جائے دویم سے ابیض کا فاصلہ ۱۲۶ میل ہے اس مسافت میں چند چوکیاں قائم کی جائیں گی جن پر فوج کی مناسب تعداد رکھی جائے گی تاکہ واپسی کے خطوط محفوظ رہیں اور معاملہ دگرگوں ہونے پر دشمن واپسی کے راستہ کو منقطع نہ کر سکے۔ بہر حال جرنیل ھکس آگے بڑھا۔ ابیض سے تیس میل کے فاصلہ پر مہدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ محمد احمد نے بہت بڑا لشکر فراہم کر رکھا تھا۔ اس کی فوج سرکاری سپاہ پر اس طرح ٹوٹ پڑی جس طرح شیر شکار پر گرتا ہے۔ سرکاری فوج میں ایسی بدحواسی چھا گئی کہ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی اور آپس ہی میں لڑنے کٹنے لگے انگریزی اور مصری افواج کی قواعد پریڈ اور اس کی توپیں کسی کام نہ آئیں مہدی کے پیرودوں نے تھوڑی دیر میں تمام فوج کا صفایا کر دیا۔ جرنیل ھکس اور اس کی ساری فوج، تمام یورپی افسر اور لندنی جرائد کے نمائندے سب میدان جانستان کی نذر ہوئے۔ البتہ تین سو آدمی جن میں سے اکثر ضعفا تھے جان بچانے میں کامیاب ہو گئے ان لوگوں

نے درختوں کے پیچھے یا لاشوں کے نیچے چھپ چھپ کر جانیں بچائی تھیں۔ انہی لوگوں میں جرنیل ہکس کا خانساماں محمد نور بارود ردی بھی تھا۔ اسی شخص کی زبانی ہزیمت و تباہی کے تمام واقعات مصر پہونچ سکے۔

جرنیل ہکس کی ہلاکت خیز شکست سے قاہرہ اور لندن میں سخت اداسی چھا گئی۔ ابھی اس تباہی کی مرثیہ خوانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوا یعنی علاقہ سواکن سے جو بحر قلزم پر واقع ہے مصری ہزیمت کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔ وہاں عثمان دغنہ ایک مہدوی سپہ سالار نے سنکات اور توکر کی مصری فوجوں کو پرتاخت کر کے شکست فاش دی اور انھیں چاروں طرف سے گھیر کر بالکل نیست و نابود کر دیا۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لئے سواکن سے ایک اور مہم تیار کر کے محمد پاشا طاہر کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ انگریزی سفیر یعنی ڈاک مانکرف بھی ساتھ تھا۔ لیکن سواکن سے روانہ ہونے کے ایک ہی گھنٹہ بعد ساڑھے پانچ سو آدمیوں کی اس مہم پر عثمان دغنہ نے صرف ایک سو پچاس آدمیوں سے حملہ کر دیا اور شکست فاش دی۔ مصری اکثر تو مارے گئے اور جو بچے انھوں نے بھاگ کر سواکن میں جا دم لیا۔ سواکن اور کردفان کی ہزیمتوں نے انگریزوں اور مصریوں کو اور زیادہ مشوش کر دیا آخر جنرل ویلنٹائن بیکر کے زیر قیادت ایک اور زبردست مہم بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ مصری فوجوں کے مسلمان افسر اور سپاہی جو جانے سے علانیہ انکار نہ کر سکتے تھے۔ یہ سن کر کہ انھیں مہدی کے مقابلے میں سوڈان جانا ہوگا زار زار روتے تھے۔ آخر مہم روانہ ہوئی اور ان میں سے جو لوگ محمد احمد کی مہدویت سے زیادہ شغف و عقیدت رکھتے تھے راہ ہی میں بھاگ کر مہدوی فوج میں جا شامل ہوئے۔ اس مہم میں پیدل اور سوار ہر قسم کی مصری اور انگریزی فوج تھی جن کے سر عسکر علاوہ جرنیل بیکر کے نو اور تجربہ کار انگریز فوجی افسر تھے جرنیل بیکر مع اپنی فوج کے سواکن کے جنوب میں جہازوں سے اتر کر ۴ ہر فروری ۱۸۸۴ء کو آگے روانہ ہوا۔ جس وقت فوج الطیب کے قریب پہونچی عثمان دغنہ نے صرف بارہ سو آدمیوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ بیکر نے یہ دیکھ کر رسالہ کو پیچھے ہٹا لیا اور پیدل فوج سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر انگریزی اور مصری سپاہی جن کے دلوں پر پہلے ہی سے مہدی کی ہیبت چھائی ہوئی تھی بالکل وارفتہ ہو گئے۔ فوج میں ابتری پھیل گئی اور پیر اکھڑ

گئے۔ چار کروپ توپیں، پانچ لاکھ کارتوس اور تین ہزار بندوقیں عثمان دغنہ کے ہاتھ لگیں۔ جرنیل ہیکس کے سوا تمام انگریز افسر مارے گئے۔ جرنیل بیکر تھوڑی سی پسماندہ فوج کو لئے ہوئے بہ حال تباہ سواکن لوٹ آیا۔

جرنیل بیکر کی شکست سے برطانیہ اور مصر میں اور بھی زیادہ تردد و انتشار پھیل گیا۔ اس وقت درویشوں نے سواکن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لئے بہت تھوڑی جمعیت رہ گئی تھی کردفان اور دارفور (دارفر) ہاتھ سے نکل چکے تھے اور مہدی کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف حبشہ تک سنار کا تمام علاقہ اس میں آگیا تھا۔ مغرب کی جانب علاقہ کردفان دارفر اور قریب قریب اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اور شمال مشرق کی طرف سواکن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔ تھوڑے دن مہدی کا اثر علاقہ الغشیر تک پہونچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہاں کا انگریز گورنر سلاٹن (جسے معرب کر کے سلاتین پاشا کہتے تھے) سخت بد حواس ہوا خصوصاً اس لئے کہ اس کے افسروں میں بھی باغیانہ خیالات سرایت کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے تو قطعاً مایوس ہو چکا تھا کہ جنگ کر کے مہدی سے عہدہ برا ہو سکے گا۔ اس لئے یہ سوچ کر کہ درویشوں میں اس کا رسوخ بڑھ جائے گا اور ملک کی بدنظمی بھی دور ہو جائیگی۔ اس نے منافقانہ طریق پر دین اسلام اختیار کر لیا۔ اور مہدی سے اظہار عقیدت کر کے اپنا علاقہ اس کے حوالے کرنے کی درخواست کی۔ اس سے قبل اس نے ایک چٹھی مسٹر اوگل کے ہاتھ جنرل ہکس کے نام طلب امداد کے لئے بھیجی تھی لیکن جرنیل ہکس کی ہزیمت اور ہلاکت نے سلاٹن کو ناامید کر دیا۔ اوگل نے وہاں سے واپس آکر سلاٹن کو صلاح دی کہ مہدی کی اطاعت کرے کیونکہ حالت اس درجہ یاس انگیز تھی کہ مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ غرض سلاٹن اور اوگل دونوں نے مہدی کی اطاعت کر لی۔ مہدی نے سلاٹن کا نام عبدالقادر رکھا اور حکم دیا کہ وہ العبید کو آجائے۔ جہاں اس وقت تک مہدی قابض ہو چکا تھا۔ سلاٹن حسب الحکم العبید پہونچا اور وہاں سے مہدی کے ساتھ خرطوم کی طرف آیا۔ مہدی کی رحلت کے بعد اس کے خلیفہ عبداللہ نے اسے اپنے باڈی گارڈ میں متعین کر کے امن و امان میں رکھا۔ سلاطین پاشا کچھ مدت کے بعد وہاں سے چھپ کر بھاگ نکلا لیکن پھر گرفتار ہو گیا

کے متوقع حملہ سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت تھی جنرل گارڈن نے یہ پُرخطر حالت دیکھ کر
یقین کر لیا کہ مہدی بہت جلد خرطوم پر حملہ آور ہو کر اس کا محاصرہ کرے گا۔ اس لئے
احتیاطاً اپنے محصور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں اس لئے اس بات کا یقین
تھا کہ اگر بر وقت کمک پہونچ گئی تو محاصرے سے نکل کر غنیم کا آسانی سے مقابلہ
کر سکیں گے۔ غرض گارڈن نے کئی مہینے کا سامان جمع کر کے شہر کے مورچوں کو مضبوط
کر لیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شہر خرطوم کی جائے وقوع طبعی طور پر کچھ
اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک نہایت مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔
اس کی دو طرفیں شمال اور مغرب دریائے نیل سے محیط ہیں۔ مشرق اور جنوب کی
طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت عمیق خندق
ہے قاہرہ کو جو برقی سلسلہ جاتا تھا مہدی نے ۱۸۸۴ء میں اسے کاٹ ڈالا۔ اس
لئے آئندہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حالات پردہ خفا میں پڑے رہے۔
چونکہ بہت دن تک جنرل گارڈن کی کوئی خبر قاہرہ نہ پہونچ سکی اس لئے انگریزی
اور مصری حلقوں میں دن بدن انتشار پھیلتا گیا۔

جب محاصرہ نے طول کھینچا اور خرطوم میں انگریزی فوج کی حالت زبونی
کے انتہائی درجہ کو پہونچ گئی تو اہل شہر نے جو مہدی کی حمایت کا دم بھرتے تھے
مہدی کو پیغام بھیجا کہ اب سپاہ انگریزی میں دم باقی نہیں اس لئے شہر پر بغیر
مزید توقف کے حملہ کر دینا مناسب ہے۔ اہل خرطوم جو انگریزی فوج کے ساتھ محاصرہ
میں تھے بر سر بازار انگریزوں کو گالیاں دیتے تھے۔ جنرل گارڈن سب کچھ کانوں
سے سنتا مگر اشتعال بغاوت کے خوف سے کسی پر سختی کرنے کی ہمت نہ تھی۔ غرض
مہدی نے خرطوم پر حملہ کر کے توپوں کے منہ کھول دیئے اور شہر آناً فاناً ایک کرہ نار
بن گیا۔ خرطوم کے ایک عیسائی سوداگر مارونی نام کا بیان ہے کہ جنرل گارڈن
کو اس بات کا یقین تھا کہ کمک جلد آنے والی ہے اس لئے سپاہیوں سے آخری
مرتبہ درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مگر افسوس کہ کمک آخر وقت تک
نہ پہونچی۔ جس شب کو مہدی نے خرطوم پر قبضہ کیا ہے اس شام کو میں نے جنرل گارڈن
سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔ جس کی مجھے اجازت مل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیوان خانہ
میں بیٹھا ہے جب میں اندر داخل ہوا تو مجھ سے کہنے لگا "اب میں زیادہ کچھ نہیں

کہہ سکتا کیونکہ سپاہی میرا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ میں نے انھیں بارہا یقین دلایا کہ مدد آنے والی ہے مگر افسوس نہ آئی اب وہ یہ سمجھ لیں گے کہ کمک کے تمام افسانے من گھڑت تھے۔ جاؤ اور جس قدر آدمی میسر ہوں انھیں ساتھ لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو اور مجھے چرٹ پینے دو۔" جنرل گارڈن کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سخت بدحواس ہے اس کا دل اس قدر بھر آیا تھا کہ منھ سے اچھی طرح بات نہ نکلتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے تمام بال یک بیک سفید ہو گئے تھے اور جنرل گارڈن کی بے بسی دیکھ کر میری بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ غرض جنرل گارڈن نے اپنی شکستہ دل فوج کو ساتھ لے کر آخر مرتبہ مدافعت کی کوشش کی لیکن شکست کھائی اور ۲۶ جنوری ۱۸۸۵ء کی رات کو مہدی کی فوج نے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ ۲۶ جنوری کی صبح کو جب کہ سر چارلس ولسن کے جہاز خرطوم کی طرف بڑھ رہے تھے خرطوم پر مہدوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مہدوی فوجیں رات ہی کو شہر میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ مہدی کے جھنڈے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر کی کوٹھی) کے ارد گرد بلند ہو رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا ہجوم ہے لیکن کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ کیونکہ انھیں خوف تھا کہ کہیں کوٹھی میں سرنگ نہ لگ رہی ہو تھوڑی دیر میں چار آدمی جو نہایت قوی ہیکل تھے کوٹھی میں گھس آئے اور بہت سے دوسرے آدمی بھی ان کے پیچھے داخل ہوئے جو اشخاص بعد میں داخل ہوئے وہ چھت پر چڑھ گئے اور پہرہ کے تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ چار آدمی جو پہلے داخل ہوئے تھے انھوں نے جنرل گارڈن کی طرف رخ کیا۔ قریب پہونچ کر ان میں سے ایک نے کہا ملعون الیوم یوملک (اے ملعون آج تیری ہلاکت کا وقت آپہونچا) یہ کہہ کر جنرل گارڈن کے نیزہ مارا۔ گارڈن نے داہنے ہاتھ سے روکنا چاہا اور پیٹھ پھیر لی۔ اس نے دوسرا وار کیا جس سے ایک مہلک زخم آیا اور جنرل مذکور زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔

امدادی مہم کا جو حصہ کورٹی سے براہ نیل خرطوم کو روانہ ہوا تھا اس سے کربیکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا جس میں جنرل ارل مارا گیا جس وقت لارڈ ولزلی نے تسخیر خرطوم اور جنرل گارڈن اور جنرل ارل کے مارے جانے کی خبریں سنیں تو بعض انگریزی فوجوں کو واپسی کا حکم بھیج دیا اور بربر پہونچنے کے تمام ارادے فسخ کر دئے اور حکومت

انگلستان سے اس کے آئندہ ارادوں کے متعلق خط و کتابت شروع کی۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مہدی کی مزید ترقی کو روکنے کے لیے بربر پر قبضہ کیا جائے۔ غرض اس مہم کیلئے تیرہ ہزار فوج جس میں چار ہندوستانی پلٹنیں، ایک ہندوستانی رسالہ اور آسٹریلیا کی ایک پلٹن بھی شامل تھی مع کثیر التعداد اونٹوں کے تیار کیے گئے۔ اور جنرل جیرلڈ گریہم کے زیر کمان یہ مہم روانہ ہوئی۔ ان میں سے ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔ ۱۲ر مارچ ۱۸۸۵ء کو جنرل گریہم نے سواکن پہونچ کر اس انگریزی فوج کی کمان لی جو وہاں پڑی تھی۔ اس فوج میں پانچ سو افسر دس ہزار سپاہی پونے سات ہزار گھوڑے، پونے تین ہزار اونٹ، آٹھ سو خچر اور پونے تین ہزار خدمتگار اور ٹھیکہ داروں کے آدمی تھے۔ جنرل گریہم کو ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے مقدم اور اہم کام عثمان وغنہ کا خاتمہ کرکے جنگل کو ریل کے لیے صاف اور بے خطر بنانا ہے۔ اس کے بعد نہایت مستعدی سے ریل کی لائن تیار کی جائے۔ ۲۰ر مارچ کو جنرل گریہم دس ہزار سپاہ کے ساتھ ہاشین کو روانہ ہوا جو سواکن کے قریب ہے یہاں مہدی کے لشکر سے ایک معرکہ ہوا۔ نتیجہ کے لحاظ سے یہ لڑائی بھی انگریزوں کے حق میں مضر ہوئی۔ اس محاربہ سے پیروان مہدی کی بہادری کا تازہ ثبوت ملتا تھا کیونکہ جس وقت ہندوستانی پلٹن بنگال لینسرز نے حملہ کیا مہدی کے پیدل آدمی بلالحاظ اس امر کے کہ اس کے مقابل سوار ہیں اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے معرکہ میں مہدی کے صرف ڈیڑھ سو آدمیوں نے انگریزوں کے پورے برگیڈ پر حملہ کرکے اس کو نہایت کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اب جنرل گریہم نے سر جان میک نیل کے ماتحت کچھ فوج سواکن اور تمائی کے مابین فوجی کیمپ تیار کرنے کے لیے بھیجی۔ کیمپ کی حفاظت کے لیے چاروں طرف لکڑیوں کا ایک احاطہ تیار کیا گیا۔ مگر ابھی احاطہ کا تھوڑا حصہ ہی تیار ہوا تھا کہ فوجی محافظوں نے یک بیک یہ خبر دی کہ مہدی کا لشکر آرہا ہے۔ یہ سُن کر انگریزی لشکر میں سخت ابتری اور سراسیمگی پھیل گئی۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا بلکہ جو آدمی میدان جنگ سے بھاگ کر سواکن پہونچے انھوں نے تو یہ مشہور کر دیا کہ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی ہے۔

۳ر اپریل کو جنرل گریہم اعلیٰ درجہ کی آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر تمائی کی

طرف تمام دنیا کا مادی سامان جمع تھا تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ اور جوش ایمانی کے ہتھیار تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر قائد ازل رہنمائی کرے اور خلوص نیت کارساز ہو تو مادیت روحانیت پر کبھی غالب نہیں آسکتی مہدی کی سلطنت چار سو میل تک بحر قلزم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور اندرون ملک میں بھی اس کا علاقہ ایک طرف تو سرحد حبشہ (ابی سینیا) تک پہونچ گیا تھا۔ اور مغرب کی جانب میدان صحرا حد فاصل تھا بس یوں سمجھنا چاہئے کہ وادئ نیل ایک ہزار میل سے زیادہ حکومت مصر سے آزاد ہو گئی اور انگلستان اور مصر کی متحدہ حربی جد و جہد بے نوا فقرا کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئی۔ جب سوڈان کے صدر مقام خرطوم پر عمل و دخل ہو جانے بعد سوڈان کی ساری مملکت محمد احمد کے زیر نگیں ہو گئی تو اس کی عظمت و سطوت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجنے لگا۔ اب محمد احمد وہ بوریہ نشین محمد احمد نہ تھا جو جزیرہ ابا میں شب و روز ذکر الٰہی میں مصروف رہتا تھا اور ہزارہا مخلوق اس کا وعظ سننے آیا کرتی تھی اور فقر و فاقہ میں گزر بسر کرتا تھا بلکہ اب فقر کے ساتھ بادشاہت بھی جمع ہو گئی تھی۔ اب مہدی پر وہ زمانہ نہ تھا کہ حکومت مصر یا گورنمنٹ برطانیہ اسے باغی کا خطاب دے سکتی بلکہ اب وہ برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کا ہمسر و رقیب خیال کیا جاتا تھا اور دول یورپ اسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔

جب خرطوم فتح ہو گیا اور انگریزی فوجیں سوڈان خالی کر کے مصر چلی آئیں تو ان لوگوں کو بھی محمد احمد کے مہدی موعود ہونے کا یقین ہو گیا جو اب تک مذبذب تھے کیونکہ محمد احمد کے مذہبی شغف کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اس نے کسی ایسے میدان جنگ میں شرکت نہیں کی جس میں وہ غالب نہ رہا ہو اور کسی ایسے شہر کا محاصرہ نہیں کیا جسے فتح نہ کیا ہو۔ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ جب وہ سوڈان کا بلا مزاحمت حکمران ہو گیا تو ڈینگیں مارنے لگا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وحی الٰہی حکم سے کرتا ہوں اور کہتا تھا کہ عنقریب مشرق و مغرب میں میری حکومت و سطوت پھیل جائے گی اور روئے زمین کے ملوک و سلاطین میرے سامنے اظہار عجز و نیازمندی کریں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ میں عنقریب مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کروں گا پھر کوفہ جاؤنگا۔

اس وقت میرا پیمانہ حیات لبریز ہو جائے گا اور کوفہ میرا مدفن بنے گا۔" لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ فتح خرطوم کے چند ہی ماہ بعد وہ بخار یا چیچک میں مبتلا ہوا اور ۲۱ جون ۱۸۸۵ء کو ملک عدم کی روانگی کے لئے اس کے پاس اجل کا حکم آپہونچا۔ اس وقت اس کی عمر کلھم ۳۷ سال کی تھی۔ وفات کے وقت اس کے تینوں خلفاء اور تمام اعیان دولت موجود تھے۔ جب محمد احمد کو یقین ہوا کہ اب دنیا سے کوچ ہے تو حاضرین کو پست آواز میں کہنے لگا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین ابو بکر صدیق رضؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور میں عبد اللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح میری اطاعت کی تھی اسی طرح تمام لوگ عبد اللہ کی اطاعت کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے جان شیریں جہاں آفرین کے سپرد کر دی اس واقعہ سے شہر میں کہرام مچ گیا اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔ عبد اللہ نے لوگوں کو نالہ و بکا سے منع کیا اور کہا شریعت مطہرہ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہے اور رونے کی درحقیقت کوئی بات بھی نہیں کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام تو اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مولا کی دید کے لئے دار دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہزار ہا آدمی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہو گئے۔ محمد احمد کے ایک قرابت دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر اس نے اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کی تھی۔ مہدی کا مقبرہ ام درمان کی بہترین سنگین عمارت ہے مگر انگریزی گولہ باری سے بہت کچھ شکستہ اور بدنما ہو گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبد اللہ کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔ پتھر خرطوم سے لاکر دریائے نیل کے کنارے جمع کئے گئے تھے اس موقع میں قریباً تیس ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی خلیفہ اس انبوہ کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا جہاں پتھروں کے ڈھیر لگے تھے پہلے خلیفہ ایک پتھر مونڈھے پر اٹھا کر قبر کے پاس لایا اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے ہر شخص تبرکاً ایک ایک پتھر اٹھا لانے کے لئے اٹھ دوڑا۔ اس افراتفری میں بہت لوگ زخمی ہوئے لیکن مجروحین نے اس تقریب میں صدمہ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مہدی نے اپنے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ جس طرح بن پڑے انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ چنانچہ خلیفہ اپنے مخدوم و مطاع کے حکم کے بموجب دو دفعہ

مصر پر حملہ آور ہوا لیکن دونوں مرتبہ ناکام واپس جانا پڑا۔ مہدی کی وفات کے چودہ سال بعد یعنی ۱۸۹۹ء تک انگریزی مصری افواج سے خلیفہ کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا نتیجہ خلیفہ کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہوا ان محاربات کی وجہ سے اس کی قوت دن بدن رو بزوال ہوتی گئی۔ یہانتک کہ انجام کار لارڈ کچنر نے سوڈان کو دوبارہ فتح کر کے وہاں انگریزی مصری پرچم بلند کر دیا۔

لارڈ کچنر فاتح سوڈان نے تسخیر ام درمان کے بعد مہدی کی قبر اور لاش سے اور مہدی کے مجروح پیروؤں سے نہایت وحشیانہ انتقام لیا۔ محمد احمد کا مقبرہ جو ایک نہایت قیمتی سنگین عمارت تھی اور تمام برِ اعظم افریقہ میں اعلیٰ درجہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی تھی توپوں سے اڑا یا گیا۔ اس کے مرتفع گنبد پر گولہ باری کی گئی۔ چاردیواری آتش باری کی نذر کی گئی۔ قبر کھدوا کر مہدی کی نعش سے جنرل گارڈن کے خون کا انتقام لیا گیا اور سر کاٹ کر جنرل گارڈن کے بھتیجے کو دیا گیا جو اس وقت انگریزی فوج میں افسر تھا۔ اور مہدی کی نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لارڈ کچنر کی جگہ دنیا کا کوئی اور بہادر اور بہادری کا قدر شناس سپہ سالار ہوتا تو وہ مہدی جیسے متہور و شجاع آدمی کی قبر پر جو خاک مذلت سے اٹھ کر آناً فاناً سارے ملک کا فرمانروا بن گیا تھا زر و جواہر نچھاور کرتا اور اس کے سامنے ادب و تعظیم سے جھک جاتا۔ لیکن برطانیہ کے سب سے ممتاز قائد نے اپنی شجاعت و جوانمردی کا یہ ثبوت پیش کیا کہ جس شخص کی زندگی میں اس پر کوئی بس نہ چلا تھا اس کی وفات کے بعد اس کی لاش سے انتقام لے کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جرم ناآشنا باشندگانِ ام درمان سے قرآن مقدس اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور متواتر تین دن تک شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ مہدی کا دفینہ جو دامن کوہ میں تھا اور اس میں قریباً بیس لاکھ روپیہ نقد جمع تھا نکال لیا گیا اور کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو غریب سوڈانیوں پر توڑا نہ گیا ہو۔ اسی طرح "کنٹمپوری ریویو" کے فوجی نامہ نگار مسٹر ای۔ این۔ بینیٹ کے بیان کے بموجب سیکڑوں ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے رہے اور مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی اور نہ صرف یہ بلکہ اکیسویں لینسر رجمنٹ کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا کہ تمام مہدوی زخمی جو رستہ

دستگاہ حاصل کر لی ہوتی تو ایک معقول ذریعۂ معاش ہاتھ آ جاتا اور آئندہ تقدس کی دکان کھول کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی ان ایام میں قادیان کے مغل خاندان کو حکومت کی طرف سے سات سو روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد اپنے عم زاد بھائی مرزا امام الدین کے ساتھ پنشن لینے کے لئے گورداسپور گیا۔ سات سو روپیہ وصول کرنے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ ذرا لاہور اور امرتسر کی سیر کر آئیں۔ دونوں بھائی لاہور اور امرتسر آ کر سیر و تفریح میں مصروف رہے۔ باوجودیکہ بڑا ارزانی کا زمانہ تھا سات سو روپیہ کی رقم خطیر چند روز میں اڑا دی۔ حالانکہ متعدد گھرانوں کی معیشت کا مدار اسی پنشن پر تھا۔ رقم تلف کرنے کے بعد غلام احمد نے سوچا کہ قادیان جا کر والدین کو کیا منہ دکھاؤں گا یہاں سے بھاگ کر سیالکوٹ کا رخ کیا۔

سیالکوٹ میں اس کا ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین جو بٹالہ میں ہم سبق رہ چکا تھا موجود تھا۔ مرزا کو لالہ بھیم سین کی سعی و سفارش سے سیالکوٹ کی ضلع کچہری میں دس روپیہ ماہانہ کی نوکری مل گئی۔ چند سال منشی گری کی ملازمت میں بسر کئے آخر ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے اس نے بھی مختاری کا امتحان دینے کا قصد کیا۔ چنانچہ اسی دن سے تیاری شروع کر دی۔ لیکن جب امتحان ہوا تو لالہ بھیم سین کامیاب اور مرزا غلام احمد ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد شاید خود بخود منشی گری کی نوکری چھوڑ کر قادیان کو مراجعت کی۔ چونکہ قانون کا مطالعہ کیا تھا باپ نے اہل پا کر اسے مقدمہ بازی میں لگا دیا۔ آٹھ سال تک مقدموں کی پیروی میں کچہریوں کی خاک چھانتا پھرا۔ بزرگوں کے دیہات خاندان کے قبضہ سے نکل چکے تھے اور مقدمہ بازی کے باوجود واپس نہ ملے تھے۔ اس لئے حزن و ملال، رنج و اضطراب ہر وقت مرزا غلام مرتضیٰ کے رفیق زندگی بنے ہوئے تھے ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد رات دن اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا ہے اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے وہ سیر ہو چکا تھا۔ مختاری کے ایوان میں باریابی نہ ہو سکی تھی فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی بوجہ قلت مشاہرہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تجارتی کاروبار

سے بھی قاصر تھا کیونکہ اس کوچہ سے نابلد ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہ تھا۔ اب لے دے کے تقدس کی دکان آرائی ہی ایک ایسا کاروبار رہ گیا تھا جسے غلام احمد زر طلبی کا وسیلہ بنا سکتا تھا اور یہی ایک ایسا شغلہ تھا جس کی زرپاشیاں حصول عز و جاہ کی کفیل ہو سکتی تھیں۔ اس دکان آرائی کا بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں میں قادیان کے گرد و نواح میں چند بزرگ ہستیوں کی طرف بڑا رجوع خلائق تھا۔ مثلاً قصبہ بٹالہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ پیر سید ظہور الحسن اور پیر سید ظہور الحسین صاحبان افادۂ خلق میں مصروف تھے۔ موضع رتڑ چھتڑ میں پیر سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مسند آرا تھے۔ اسی طرح موضع مسانیاں میں بھی ایک بڑی گدی تھی۔ ان حضرات کو مرجع انام دیکھ کر مرزا غلام احمد کے منہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی کہ جس طرح بن پڑے مشیخت اور پیری مریدی کا کاروبار جاری کرنا چاہیے۔

غلام احمد ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ اس کے بچپن کے رفیق و ہم مکتب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی جو دہلی میں مولانا نظیر حسین صاحب (معروف بہ میاں صاحب) سے حدیث پڑھ کر چند روز پیشتر لاہور اقامت گزین ہوئے تھے بٹالہ آئے ہیں۔ غلام احمد نے بٹالہ آ کر ان سے ملاقات کی اور کہا میری خواہش ہے کہ قادیان چھوڑ کر کسی شہر میں قسمت آزمائی کروں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ غرض لاہور آنے کا مصمم ارادہ ہو گیا۔ مرزا غلام احمد نے لاہور پہونچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقبل کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس وقت "اہل حدیث" کی مسجد چینیاں لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا نے لاہور آ کر انہی کے پاس مسجد چینیاں میں قیام کیا اور شب و روز تحفۃ الہند، تحفۃ الہنود، خلعت الہنود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے

مناظروں کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگا۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہوگئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلہ میں ہل من مبارز (کوئی مقابلہ کرے گا!) کا نعرہ لگایا۔ ان ایام میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا تھا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لئے جوڑ کی تلاش میں رہتا تھا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندۂ اسلام ظاہر کرتا تھا اور نہ تو ابھی تک کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ الحاد و زندقہ کے کوچہ میں قدم رکھا تھا اس لئے ہر خیال و عقیدہ کا مسلمان اس کا حامی و ناصر تھا چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیاں چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کئے۔ چونکہ بحث مباحثہ مقصود نہیں تھا۔ بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی اس لئے آریہ لوگوں کے شرائط کے مقابلہ میں بالکل چکنے گھڑے کا مصداق بنا ہوا تھا۔ ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بلطائف الحیل ٹال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعۂ اشتہارات موسومہ بہ "تبلیغ رسالت" کی جلد اول کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر جاؤ۔

اب مرزا نے ان جھگڑوں قضیوں کو چھوڑ کر الہام بازی کی دنیا میں قدم رکھا اور اپنے ملہم و مستجاب الدعوات ہونے کا پروپیگنڈا شروع کیا۔ شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی اہل حاجات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مرزا جس بالاخانہ میں بیٹھ کر یا لیٹ کر الہام سوچا کرتا تھا اس کو بیت الفکر (سوچنے کی جگہ) سے موسوم کیا تھا۔ ان دنوں الہامات کی آمد بہت تھی اور ان کا یاد رکھنا بہت دشوار تھا اس لئے اپنے الہام نوٹ کر لیتا تھا کچھ دنوں کے بعد ایک بڑے حجم کی کاپی بنالی اور ایک دوازدہ سالہ ہندو لڑکے شام لال کو الہام نویسی کے لئے

نوکر رکھ لیا۔ قادیانی اپنا الہام لکھوا کر اس پر شام لال کے دستخط کرا لیتا تھا تاکہ وہ بوقت ضرورت الہام نازل ہونے کا گواہ رہے۔ یہ لڑکا نہایت سادہ لوح تھا مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک سادہ لوح نابالغ ہندو لڑکے کو شاید اس لئے انتخاب کیا کہ موم کی ناک بن کر رہے اور اس سے ہر قسم کی شہادت دلائی جا سکے۔ ان دنوں میں لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل نام قادیان کے دو ہندو مرزا کے مشیر خاص اور رات دن کے حاشیہ نشین تھے۔ اب معتقدین کا بھی جمگھٹا ہونے لگا۔ خوشامدی، مفت خورے ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے امنڈ آئے لنگر جاری کر دیا گیا۔ تاکہ ہر شخص الہامی کے مطبخ سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت و نمود کا باعث ہو۔ چونکہ مستجاب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر لاہور کے مناظروں اور اشتہار بازیوں نے پہلے سے بام شہرت پر پہونچا رکھا تھا نذر و نیاز اور چڑھاووں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ رجوعات و فتوحات کا شجر آرزو بار آور ہوا اور تمناؤں کی کشتِ زار لہلہاتی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ قادیان کا الہامی ہر ایک کو یہی جواب دیتا تھا کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا اس وقت تک صبر کرو جب کہ اس بارہ میں حکم خداوندی آ پہونچے۔

مرزا کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے کتاب "براہین احمدیہ" ہے۔ یہ ۵۶۲ صفحات کی کتاب ہے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اس ضخامت اور اس موضوع کی کتاب چھ سات مہینہ میں بسہولت لکھی جا سکتی ہے لیکن مؤلف علام پہلے تو کئی سال تک اس کا مواد جمع کرنے میں مصروف رہا۔ اس کے بعد ۱۸۷۹ء سے لے کر کئی سال کی مزید مدت اس کی تالیف و تدوین کی نذر کر دی۔ ۱۸۸۰ء میں پہلے دو حصے شائع کیے ۱۸۸۲ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصہ۔ اس طرح کتاب کے چار حصوں پر جو ۵۶۲ صفحوں پر مشتمل ہیں چھ سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ حالانکہ ان صفحات پر جنھیں حصہ اول سے تعبیر کیا گیا کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار نہایت جلی حروف میں پھیلا کر لکھوا دیا اور اسی کو صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لئے پہلا حصہ قرار دے لیا اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی

تحقیق کو دخل ہے مرزا غلام احمد نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے ایک حرف بھی نہ لکھا بلکہ جو کچھ زیب رقم فرمایا وہ یا تو علمائے سلف کی کتابوں سے اخذ کیا یا علمائے معاصرین کے سامنے کاسۂ گدائی پھرا کر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لیں۔ اور قادیان کے "سلطان القلم" نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنا لیا۔ ابھی یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ مرزا نے اس کی طباعت میں امداد دیے جانے کے لئے بے پناہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ مرزا نے اپنے اشتہارات میں وعدہ کیا تھا کہ غیر مسلم اقوام میں سے جو کوئی اس کتاب کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اسلامی روایات میں جوئے کا یہ پہلا موقع تھا جو یورپ کی تقلید سے مذہب کے نام پر کھیلا گیا۔ البتہ اتنی ہوشیاری کی کہ شرطی جوئے کو انعام کے نام سے موسوم کر کے بے خبروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ دس ہزار روپیہ کا انعام وعدہ پڑھ کر مسلمانوں نے یقین کیا کہ واقعی اسلام کی تائید میں یہ کوئی بہت بڑا توپخانہ ہو گا جو اغیار کے مذہبی قلعوں کو پاش پاش کر دے گا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے روپیہ کی بارش شروع ہو گئی اور مرزا کا دل اپنی اسکیم کی کامیابی پر کنول کے پھول کی طرح کھل گیا۔ حریص تاجروں کا جذبۂ حرص و آز قلیل نفع سے تسکین نہیں پاتا لیکن ہمارا مرزا ایسا تاجر تھا جو کثیر نفع پر بھی مطمئن نہ ہوا۔ کتاب کی قیمت پہلے پانچ روپے رکھی تھی لیکن جب دھڑا دھڑ روپیہ آنا شروع ہوا تو قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی اور صرف یہی نہیں کہ لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کی گئی بلکہ والیان ریاست اور اغنیاء سے فی سبیل اللہ امداد کرنے کی بھی درخواستیں کیں چنانچہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال، نواب صاحب لوہارو، وزیر اعظم پٹیالہ، وزیر اعظم بہاولپور، وزیر ریاست نالہ گڑھ، نواب مکرم الدولہ رکن حیدر آباد دکن اور بہت سے روساء نے ہر طرح سے امداد کے وعدے فرمائے جب کتاب کے پہلے دو حصے چھپ چکے تو جذبۂ زر اندوزی میں اور زیادہ تشنگی پیدا ہوئی اور اب اس کی قیمت مرفہ الحال لوگوں کے لئے دس کے بجائے پچیس روپے سے لے کر سو روپیہ تک کر دی۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے دو ڈھنگ اختیار کئے۔ پہلے تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے بلکہ اندھا دھند اپنے اندوختۂ عمری کا بیشتر حصہ خیرات کے طور پر

قادیان بھیج دے۔ اگر کوئی شخص اس طرح قابو میں نہیں آتا تھا یا پچیس روپیہ سے بھی کم قیمت دینا چاہتا تھا تو ہوشیار دکاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم ایک پائی نہ دو بلکہ مفت ہی لے لو۔ کیونکہ ہم غریبوں کو مفت بھی دیتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ ایسا کون بے حیا مستطیع ہوگا جو غریب بن کر مفت مانگتا یا پچیس روپیہ سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرأت کرتا۔ ناچار یہ لوگ بڑی بڑی رقمیں بھیجتے رہے اس اثنار میں بعض حضرات نے یہ کہہ کر صاف گوئی کا حق ادا کیا کہ جس کتاب کے لئے اتنا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے اس کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔ مرزا نے اشتہاروں میں ان لوگوں کی خوب خبر لی اور فرمایا کہ یہ لوگ منافقانہ باتیں کر کے ہمارے کام میں خلل انداز ہوتے ہیں اور ناحق نیش زنی کرتے ہیں۔" یہاں یہ جتلا دینا ضروری ہے کہ مرزا نے جس کتاب کی قیمت پہلے پانچ پھر دس اور پھر مستطیع لوگوں کے لئے پچیس سے لے کر سو روپیہ تک مقرر کر کے پیشگی رقمیں وصول کیں اور اس کے متعلق وعدہ یہ کیا تھا کہ تین سو جزو یعنی چار ہزار آٹھ سو صفحات کی کتاب ہوگی لیکن کتاب کے ۵۶۲ صفحے شائع ہو چکے تو مرزا نے اعلان کر دیا کہ آئندہ کے لئے خود رب العالمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہو گیا ہے۔" اس تولیت و اہتمام خداوندی کا یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ ۴۲۳۸ صفحات کی طبع و اشاعت کا ذمہ دار نہیں ہوں چونکہ ہزارہا روپیہ پیشگی وصول ہو جانے کے بعد خریداروں سے کسی مزید رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لئے مرزا نے "براہین احمدیہ" کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً "سرمۂ چشم آریہ" اور رسالہ "سراج منیر" وغیرہ کی طرف عنان توجہ پھیر دی اور ستمبر ۱۸۸۶ء میں اپنی نئی کتاب "سرمۂ چشم آریہ" کے ٹائٹل پیج پر اعلان کر دیا کہ "الہامات الٰہیہ کی بنا پر کتاب براہین کے تین سو جزو کے وعدے پورے نہیں کئے جا سکتے۔" کتاب براہین کا لب و لہجہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی ہندو یا عیسائی پڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو جارحانہ الفاظ اور مبارزانہ انداز میں لکھی تھیں نرم لہجہ اور دلکش الفاظ میں بھی لکھی جا سکتی تھیں۔ اس کتاب نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و منافرت کی

مستقل تخم ریزی کر دی۔ پنڈت لیکھ رام نے "براہین احمدیہ" کا جواب "تکذیب براہین احمدیہ" کے نام سے شائع کیا لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام دہی اور بدگوئی کا شرمناک مرقع تھا۔ اور یقین ہے کہ جب سے بنی نوع انسان عالم وجود میں آیا کسی بد نہاد عدوئے حق نے خدا کے برگزیدہ انبیاء و رسل اور دوسرے مقربانِ بارگاہ احدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہوں گی جتنی کہ پنڈت لیکھ رام نے اس کتاب میں دیں۔ اس تمام دشنام گوئی کی ذمہ داری مرزا پر عائد ہوتی تھی۔ اسلام کے اس نادان دوست نے ہندوؤں اور ان کے بزرگوں پر بعض طعن کر کے انبیاء کرام کو گالیاں دلائیں۔ براہین احمدیہ میں مرزائی الہامات کی بھی بھر مار تھی اور یہی وہ الہامات تھے جو آئندہ دعووں کے لئے عموماً سنگ بنیاد کا حکم رکھتے تھے۔ گو براہین کی طباعت کے بعد بھی بعض علماء حسن ظن کے سنہری جال میں پھنسے رہے لیکن اکثر علماء ایسے تھے جن کی فراست ایمانی نے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا کہ یہ شخص کسی نہ کسی دن ضرور دعوائے نبوت کرے گا۔

حکیم محمد شریف کلانوری نے جو مرزا کا یار غار تھا امرتسر میں مطب کھول رکھا تھا۔ مرزا جب کبھی قادیان سے امرتسر آتا تو اسی کے پاس ٹھہرا کرتا۔ براہین کی اشاعت کے بعد حکیم مذکور نے مرزا کو مشورہ دیا کہ تم مجدّد ہونے کا دعویٰ کر دو کیونکہ اس زمانے کے لئے بھی کسی مجدّد کی ضرورت ہے چنانچہ مرزا نے اپنی مجددیت کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کیا۔ قادیاں پہونچ کر بیرونی لوگوں کے پتے منگوائے اور ان کے نام خطوط بھیجنے شروع کئے۔ دول یورپ، امریکہ و افریقہ کے تمام تاجداران اور ان کے وزراء عمال حکومت، دنیا کے مدبّروں، مصنفوں، نوابوں، راجاؤں اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہارات بھجوائے۔ اور ان اشتہاروں میں اپنے دعوائے مجددیت کے بعد مکتوب الیہم کو دعوت اسلام دی گئی تھی لیکن مرزائی تجدید کے جذب و اثر کا کمال دیکھو کہ بیس ہزار دعوتی اشتہارات کی ترسیل کے باوجود ایک غیر مسلم بھی حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ان ایام میں حکیم نورالدین بھیروی ریاست جموں و کشمیر میں ریاستی طبیبوں کے زمرہ میں ملازم تھا۔ یہ حکیم نورالدین ایک لامذہب شخص تھا اور اگر کسی مذہب سے کوئی لگاؤ تھا تو وہ نیچری مذہب تھا۔

(دیکھو سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۵۷) ان ایام میں سر سید احمد خاں سے حکیم نور الدین کی کچھ خط و کتابت ہوئی۔ جب مرزا غلام احمد کو اس خط و کتابت کا علم ہوا تو اسے یقین ہوا کہ اس شخص کی رفاقت ہر طرح سے بام مقصد تک پہونچا سکتی ہے چنانچہ جموں جاکر حکیم سے ملاقات کی اور یہ معلوم کر کے مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ حکیم بالکل اسی کا ہم مذاق واقع ہوا ہے۔ ان ایام میں حکیم نور الدین، شیخ فتح محمد رئیس جموں کا کرایہ دار تھا۔ یہاں دس بارہ روز تک مختلف مسائل پر گفتگو رہی آخر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد مرزا لدھیانہ گیا اور اپنی مہدویت کا اعلان کیا۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح آدمی حلقۂ مریدین میں داخل ہوگئے مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان نے جو تینوں حقیقی بھائی تھے اور علماء لدھیانہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے کہیں سے کتاب "براہین احمدیہ" حاصل کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ اس میں الحادو زندقہ کے طومار نظر آئے انھوں نے شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ ملحد و زندیق ہے۔ اس کے بعد علماء لدھیانہ نے مرزا کی تکفیر کا فتویٰ دیا اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔ تھوڑے دن کے بعد علمائے حرمین کی طرف سے بھی مرزا کے کفر کے فتوے ہندوستان پہونچ گئے ۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع کیا۔ انھی ایام میں مرزا نے دہلی جاکر نصرت بیگم نام ایک نوکتخدا لڑکی سے شادی کی۔ پہلی بیوی تو پہلے ہی سے اپنے میکے میں اجڑی بیٹھی تھی۔ دوسری بیوی کی آمد پر پہلی کے آباد ہونے کی رہی سہی امید بھی منقطع ہوگئی۔ جب مرزا نے دیکھا کہ علمائے حرمین کا فتویٰ تکفیر راہِ ترقی میں حائل ہو رہا ہے تو ۱۸۸۵ء کے اوائل میں اس مضمون کے آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزار ہا اردو اشتہارات طبع کرا کر تقسیم کرائے کہ جو شخص قادیاں آکر صبر و استقلال اور حسن نیت کے ساتھ ایک سال تک میری صحبت میں رہے گا اسے معجزے دکھائے جائیں گے۔" اعجاز نمائی کے دعدوں کے اشتہار یورپی پادریوں کو سب سے زیادہ بھیجے گئے تھے اور مرزا کو یقین تھا کہ کثیر التعداد پادری قادیاں آئیں گے اس لئے ان موہوم مہمانوں کے قیام کے لئے اپنے مکان سے ملحق بڑی عجلت سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا۔ لیکن افسوس کہ کسی یورپی پادری کو قادیان آنے اور اس

گوں کرے میں قیام کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ البتہ پنڈت لیکھ رام نے معجزہ دیکھنے کے اشتیاق میں قادیان کے یک سالہ قیام و انتظار پر آمادگی ظاہر کی مرزا نے اس کے متعلق خط و کتابت شروع کی لیکن پانچ چھ مہینہ کی خط و کتابت کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ انجام کار پنڈت بذات خود قادیان پہونچ کر مرزا کے گلے کا ہار ہو گیا۔ آخر مرزا نے بہزار مشکل اس "جن" سے پیچھا چھڑایا۔

مرزا غلام احمد نے کسی پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک حاصل نہ کیا تھا۔ ہاں ایک مرتبہ چلہ کشی کا ضرور قصد کیا۔ وہ بچارہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا کس درجہ خطرناک ہے؟ بہر حال اس غرض کے لئے تین مریدوں کو ساتھ لے کر ہوشیار پور کو روانہ ہوا اور شیخ مہر علی کے طویلہ میں قیام کیا۔ چونکہ مجدد وقت کا کوئی کام نام و نمود اور شہرت طلبی کے جذبات سے خالی نہ تھا اس لئے چلہ کشی کی نمائش بھی ضروری تھی۔ مرزا نے دستی اشتہارات چھپوا کر اپنے چلے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ چالیس دن تک کوئی شخص ملنے کو نہ آئے۔ چلہ گزر جانے کے بعد بیس دن تک ہوشیار پور میں قیام رہے گا اس وقت ہر شخص ملاقات کر سکے گا۔" صوفیۂ کرام چلوں میں سد رمق سے زیادہ غذا نہیں کھاتے دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ لیکن مجدد وقت اپنے نام نہاد چلے میں بھی بدستور کھاتا پیتا رہا معلوم نہیں اس چلہ کی غرض و غایت کیا تھی؟ بظاہر تو شیاطین کو مسخر اور تابع فرمان بنانا مقصود تھا۔ اگر واقعی یہی تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں مرزا کو ضرور کامیابی ہوئی کیونکہ کوئی نورانی ہستی آکر مرزا سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ مرزا نے ایک دفعہ عبداللہ سنوری سے جو مرزا کو بالاخانہ پر کھانا پہونچانے جایا کرتا تھا کہا کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات دیر دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اقبال مند بیٹے کے متعلق اسی چلہ میں الہامات ہوئے تھے۔ ان ایام میں نصرت بیگم صاحبہ حاملہ تھیں۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ پسر موعود کے الہام کرنے والا رب العالمین ہے قادیان پہونچتے ہی دھڑتے سے پسر موعود کی پیش گوئی کر دی مگر پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور مرزا کو بہت کچھ خفت اٹھانی پڑی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیر دیر تک باتیں کرنے والی کون ذات شریف

تھی، مرزا کو اس کے پسر موعود کا نام عمنوائیل بتایا گیا تھا۔ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کو عمنوائیل کی موعودہ آمد کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں اپنا یہ الہام درج کیا "تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا اس کا نام عمنوائیل اور بشیر بھی ہے۔ مبارک ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے وہ صاحب شکوہ اور صاحب عظمت و دولت ہوگا۔ وہ اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے لوگوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔" ایک پادری نے اس پیشین گوئی کا مذاق اڑایا تو مرزا نے ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ صرف پیشین گوئی ہی نہیں بلکہ عظیم الشان آسمانی نشان ہے جس کو خدائے کریم جل شانہٗ نے ہمارے رب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مُردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و افضل ہے خدا نے ایسی برکت روح کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ اس کے بعد ایک اشتہار میں لکھا کہ آج ۸ر اپریل ۱۸۸۶ء کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس عاجز پر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے ان ایام میں مرزا کے مرید بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ پسر موعود جلد پیدا ہو۔ غرض ہزار انتظار کے بعد وضع حمل کا وقت آیا لیکن پسر موعود کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مرزا کا خوب مذاق اڑایا اور اعتراضات کی آندھیاں افق قادیاں پر ہر طرف سے امنڈ آئیں۔ لڑکی کی پیدائش پر استہزاء اور سخریت کی جو گرم بازاری ہوئی اس نے قادیاں پر بہت کچھ افسردگی طاری کر دی اس لئے مرزا ہر وقت دست بدعا تھا کہ کسی طرح بیوی مکرر حاملہ ہو کر لڑکا جنے اور وہ لوگوں کو عمنوائیل کی پیدائش کا مژدہ سنا کر سرخرو ہو سکے۔ آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدف رحم میں منعقد ہوا اور نصرت بیگم صاحبہ نے نو مہینہ

کے بعد اپنی کوکھ سے عمنوائیل برآمد کر کے مرزا کی گود میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر مرزا کی باچھیں کھل گئیں اور زمین و آسمان مسرت کے گہوارے بن گئے۔ ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو عمنوائیل پیدا ہوا اور مرزا نے اسی دن "خوشخبری" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا "اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی وہ آج ۱۲ بجے رات کے پیدا ہو گیا فالحمد للہ علی ذلک۔ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیشین گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ عمنوائیل قریباً سوا سال تک زندہ رہا۔ اس کے بعد ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو طعمۂ اجل ہو گیا اس کے مرنے پر طعن وتمسخر کے طوفان ہر طرف سے اٹھے لیکن مرزا کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چونکہ اعتراضات کی آندھیاں برابر چلتی رہتی تھیں اس لئے قریباً سوا تین سال کے بعد یعنی جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک اشتہار زیر عنوان "مصنفین کے غور کے لائق" شائع کیا جس میں لکھا کہ میں نے غلطی سے اس لڑکے کو پسر موعود خیال کر لیا تھا اس میں الہام الٰہی کا کوئی قصور نہیں ہے۔" اس معذرت خواہی کے ساڑھے سات سال بعد یعنی ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو جب مرزا کے گھر میں ایک اور لڑکا "مبارک احمد" پیدا ہوا تو مرزا نے اسی کو عمنوائیل قرار دینے کی کوشش کی۔ (دیکھو مرزا کی کتاب "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۷۰) حالانکہ مبارک احمد نو سال کی مدت معہودہ کے سوا چار سال بعد پیدا ہوا تھا۔ مگر مرزا کی بدنصیبی سے یہ لڑکا بھی عالم طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گیا۔ اور اس طرح فرزند موعود کی اقبال مندیوں کے سارے افسانے طاق اہمال پر رکھے رہ گئے۔ آج کل مرزائی لوگ خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد کے سر پر عمنوائیلیت کا تاج رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان کی یہ کوشش بے سود ہے۔ کیونکہ خود مرزا نے میاں محمود احمد کو کبھی عمنوائیل موعود نہ بتایا۔ مرزا محمود احمد کی پیدائش ۱۸۸۹ء میں ہوئی تھی اس کے بعد مرزا غلام احمد نے از سر نو عمنوائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی ۱۸۹۱ء میں اس وقت کی جب میاں محمود احمد کی عمر دو سال کی تھی چنانچہ کتاب ازالۂ اوہام میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی

مرزا نے لکھا "خدا نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی نے میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہو گی۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء (معاذ اللہ)، ظاہر ہے کہ اگر میاں محمود احمد عمنوائیل موعود ہوتا تو اس پیشین گوئی کا اعادہ ایک لغو حرکت تھی غرض عمنوائیل کی پیشین گوئی پر مرزا کی بڑی کرکری ہوئی۔

مرزا نے اوائل میں بہت دن تک دعوائے مجددیت ہی پر اکتفا کیا تھا مگر چونکہ ہر راسخ العلم قامع بدعات عالم دین مجدد ہو سکتا ہے اس لئے بہ ظاہر اس منصب کو کچھ غیر وقیع سا سمجھ کر ترقی واقدام کی ہوس دامن گیر ہوئی اور کوئی عظیم القدر ٹھوس دعویٰ کر کے اپنی عظمت کو ثریا سے ہمدوش کرنے کا قصد کیا۔ آخر طبیعت نے فیصلہ کیا کہ مسیحیت کا تاج زیب سر کرنا چاہئے لیکن کمال ہوشیاری اور معاملہ فہمی سے کام لے کر یک بیک مسیح نہ بنا بلکہ تدریج کو ملحوظ رکھا۔ سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور آپ کی آمد ثانی سے انکار کیا۔ حالانکہ کتاب "براہین احمدیہ" صفحہ ۴۹۸) میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کر چکا تھا اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے (نزول المسیح مؤلفہ مرزا صفحہ ۱۸) اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ جب مرید اس دعوی کے متحمل ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ احادیث نبویہ میں جس مسیح کے آنے کی پیشین گوئی تھی وہ میں ہوں"۔ جب اس سے کہا گیا کہ حدیثوں میں تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی پیشین گوئی ہے اور تم غلام احمد بن غلام مرتضیٰ ہو تو جواب دیا کہ میں ہی عیسیٰ بن مریم بنا دیا گیا ہوں پوچھا گیا ایک شخص دوسری شخصیت میں کیونکر تبدیل ہو سکتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کی بعض روحانی صفات، طبع، عادت اور اخلاق وغیرہ خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں میری زندگی

مسیح بن مریمؑ کی زندگی سے اشد مشابہت ہے اس بنا پر میں مسیح ہوں۔ (ازالۂ اوہام طبع پنجم ص ۹۷) لیکن جب کہا گیا کہ جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض روحانی صفات، طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ تو خدائے برتر بہت سے اہل اللہ کی فطرت میں بھی ودیعت فرما دیتا ہے اور ان کی زندگی کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی زندگی سے اشد مناسبت ہوتی ہے تو پھر وہ سب حضرات بھی مسیح موعود ہونے چاہئیں اس میں تمہاری کون سی خصوصیت ہے؟ کوئی وجہ نہیں کہ تم تو کسی من گھڑت مناسبت کی بنا پر مسیحؑ بن مریمؑ بن جاؤ اور عارفین الٰہی حقیقی اشتراکِ صفات کے باوجود "مسیح موعود" نہ سمجھے جاسکیں۔" بات معقول تھی مرزا سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر گیارہ سال کی سخت دماغی کدوکاوش کے بعد کشتیٔ نوح میں جسے ۵ / اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع کیا تھا اپنے مسیح بن مریم بن جانے کا یہ ڈھکوسلہ پیش کیا۔" گو خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا۔ پھر دو برس تک صفت مریمیت میں مَیں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشو و نما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ "براہین احمدیہ" کے حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین کے صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا (کشتیٔ نوح صفحہ ۴۶ - ۴۷) جب مرزا ایک جنبش قلم ایک خیالی حمل کے ذریعہ سے مسیح علیہ السلام بن مریمؑ بن چکا تو ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اگر تم سچے مسیح ہو تو تم بھی حضرت روح اللہؑ کی طرح کوئی مسیحائی دکھاؤ زیادہ نہیں تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انہی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھاؤ جو قرآن پاک میں دو جگہ مذکور ہیں۔ یہ مطالبہ نہایت معقول تھا لیکن مرزا کے پاس سخن سازی کے سوا رکھا ہی کیا تھا؟ سوچنے لگا کہ اب کیا بات بناؤں؟ آخر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ ذاتی کسی چیز کی ذمے داری

سے بچنے کا یہ نہایت آسان علاج ہے کہ اس چیز کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے۔ مرزا نے معجزاتِ مسیح علیہ السلام کا صرف انکار ہی نہ کیا بلکہ اپنی بدنصیبی سے الشان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ معجزاتِ مسیح علیہ السلام کا مذاق نہیں تھا بلکہ فی الحقیقت کلام الٰہی کا مذاق اور انکار و استخفاف تھا۔

مرزائیت کا اسلام سے پہلا تصادم شاید وہ مناظرہ تھا جو لاہور میں ہوا۔ منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ لاہور، منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلعدار محکمہ نہر تینوں" اہلِ حدیث" جنٹلمین تھے جو کچھ دنوں سے مرزائی ہو گئے تھے یہ تینوں حضرات مرزائیت کا بپتسمہ لینے سے پہلے نہایت سرگرم قومی کارکن تھے اور لاہور کی اسلامی تحریکوں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے اس لئے مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کو ان کے مرزائی ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ گو چند سال کے بعد تینوں حضرات مرزائیت سے تائب ہو کر از سرِ نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے لیکن اوائل میں یہ سخت غالی مرزائی تھے۔ مولوی محمد حسین نے شروع میں ان کو بہتیرا سمجھایا لیکن یہ کسی طرح مرزائیت سے منقطع نہ ہوئے بلکہ ان تینوں کی یہ بڑی آرزو تھی کہ موقع ملے تو مولوی محمد حسین کو حکیم نور الدین سے جسے مرزائی لوگ امام فخر الدین رازیؒ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے (خدا نخواستہ) ذلیل کرائیں۔ چنانچہ اسی کوشش میں ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف ضلعدار اور منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ لاہور سے جموں گئے اور حکیم نور الدین کو مولوی محمد حسین سے مناظرہ کرنے کی تحریک کی لیکن حکیم نے انھیں بلطائف الحیل ٹال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حکیم نور الدین مہاراجہ جموں کے ساتھ لاہور آیا اور ان تینوں نے اسے مولوی محمد حسین سے بھڑا دیا۔ مناظرہ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر ہوا۔ مولوی صاحب نے حکیم نور الدین کو بری طرح رگید اجب مولوی صاحب نے دوران مباحثہ میں حکیم کے مفر کا راستہ بالکل مسدود کر دیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ آئندہ سوال پر چاروں شانے چت گرا کر چھاتی پر سوار ہو جائیں گے تو حکیم نور الدین کوئی حیلہ تراش کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان ایام میں

مرزا اپنے دہلوی خسر کے پاس لدھیانہ میں اقامت گزین تھا۔ حکیم نورالدین نے مرزا غلام احمد کے پاس لدھیانہ میں جا دم لیا۔ ۱۵ر اپریل ۱۸۹۱ء کو مولوی صاحب نے مرزا کو تار دیا کہ تمھارا حواری مناظرہ سے بھاگ گیا یا تو اس کو مقابلہ پر آمادہ کر دیا خود مناظرہ کے لئے آؤ۔" اس کے جواب میں خود مرزا نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی مگر یہ شرطیں پیش کیں کہ مناظرہ تحریری ہو۔ تم چار ورق کاغذ پر جو چاہو لکھوا کر پیش کرو۔ اس کے بعد میں چار ورقوں میں میں اس کا جواب لکھوں بس ان دو پرچوں پر مناظرہ ختم ہو جائے غرض مرزا نے مولوی صاحب کو مرزائی دلائل کا بطلان ثابت کرنے کے لئے جواب الجواب کی اجازت نہ دی۔ اس لئے مولوی صاحب نے ایسے مناظرہ کو بے سود سمجھ کر انکار کر دیا۔ ۳ر مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا نے علمائے لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کر لو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے ۱۳۰۱ھ میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام احمد مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس تمھیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہوگی۔ جب علمائے لدھیانہ کی طرف سے اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا تو مرزا کے ہوش اُڑ گئے کیونکہ اس کے لئے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے حکیم نورالدین کو لاہور سے مشورہ کے لئے طلب کیا۔ حکیم نورالدین نے لدھیانہ پہونچ کر وہ اشتہار پڑھا جو علمائے لدھیانہ نے شائع کیا تھا اور مرزا غلام احمد سے کہا کہ جب ثالث کی موجودگی میں آپ کے ایمان و کفر پر مباحثہ ہوگا اور مخالف لوگ علمائے حرمین کا فتوےٰ تکفیر پیش کریں گے تو ثالث لامحالہ ہماری جماعت پر کفر و ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے بعد ہم سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بھی کوئی شخص گفتگو نہ کرے گا۔ کیونکہ کسی بے ایمان شخص کا مسیح ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے البتہ ان مولویوں سے گفتگو کرنے میں

کوئی مضائقہ نہیں جو ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان سے بلا تکلف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کر سکتے ہیں اور بہترین صورت یہ ہے کہ آپ حنفی مولویوں کو چھوڑ کر مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں کیونکہ وہ آپ کے اسلام کا اقرار کر چکا ہے۔" مرزا نے علمائے لدھیانہ سے چھیڑ خانی کرتے وقت مناظرہ کا جو چیلنج دیا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم لوگ مناظرہ نہ کرنا چاہو تو اپنی طرف سے مولوی محمد حسین کو کھڑا کر لو۔ جب مولوی محمد حسین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ لدھیانہ پہونچ گئے اور مولوی محمد حسن لدھیانوی کو بھیج کر مناظرہ کی دعوت دی اور موضوع بحث یہ پیش کیا کہ وہ مسیح جس کے قدوم کی احادیث نبویہ میں بشارت دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ اس کے جواب میں مرزا نے کہا کہ میں اپنی مسیحیت پر گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں بلکہ صرف حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کروں گا کیونکہ میرا دعویٰ اسی بنا پر ہے جب بنا ٹوٹ جائے گی تو دعویٰ بھی باطل ٹھہرے گا۔" اس کے جواب میں مولوی محمد حسین نے لکھوا بھیجا کہ آپ کے اشتہار میں دونوں دعوے موجود ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی رحلت کا دعویٰ اور اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے لہذا پہلے تمھارے مسیح موعود ہونے پر گفتگو ہونی چاہیے اس کے بعد مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام زیر بحث آئے۔ اور بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعویٰ پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں تو پھر مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مرزا نے اس کا جو بودا جواب لکھ بھیجا اس سے ہر شخص نے یقین کر لیا کہ مرزا مباحثہ سے گریزاں ہے۔ جب مرزا کے پٹیالوی مریدوں کو اپنے مقتدا کی گریز و فرار کا علم ہوا۔ تو انھوں نے لدھیانہ آکر مرزا کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ آخر مباحثہ ہوا۔ مولوی محمد حسین نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمھارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا نے ٹال مٹول اور حیلے حوالے شروع کیے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں میں جواب کو ٹالتا رہا۔ کیونکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ

مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی ان پر ہر طرف سے مسلط ہوئی۔ جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو اس کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو مٹی میں ملا رہا ہے ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین کا یہی مقصد ہے کہ آپ کو ذلیل کرے اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کو جلد ختم کر دیجئے ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی؛" غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ مرزا نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑالی۔ لدھیانہ میں ناکامی و ہزیمت کا جو دھبہ مرزا کے دامن عزت پر لگا مرزا ہر وقت اس کے دھونے کی فکر میں تھا اس لئے خیال آیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں وہاں مولوی محمد حسین بٹالوی کے استاد مولانا سید نظیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے وہ اپنی بزرگی اور مرزا کی نااہلی کے پیش نظر اپنا مخاطب بنانا گوارا نہ کریں گے۔ اور مفت کی شہرت و ناموری حاصل ہو جائیگی چنانچہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں دہلی جا براجا۔ اور مولانا نظیر حسین صاحب کو مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا۔ اس چیلنج کا دلچسپ انجام مرزا کی شاندار ہزیمت و پسپائی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مولانا نظیر حسین کے مقابلے سے بھاگ کر مرزا نے ان کے نامور شاگرد مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر تحریری مناظرہ شروع کیا لیکن جب چھٹے دن جانبین کے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزا پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دستبردار ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے خسر صاحب علیل ہیں اس لئے میرا جلد مراجعت کرنا ضروری ہے۔

مرزا غلام احمد کے ایک چچا کا نام غلام محی الدین تھا۔ مرزا امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین اسی چچا کے بیٹے تھے۔ غلام محی الدین کی دختر

عمر النساء مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری سے بیاہی ہوئی تھی اور غلام احمد کی
حقیقی بہن کی شادی احمد بیگ ہوشیار پوری کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے
ہوئی تھی۔ ان قرابتوں کے علاوہ احمد بیگ کی حقیقی بہن مرزا غلام احمد کے
ایک چچازاد بھائی غلام حسین سے بیاہی ہوئی تھی جو قریباً پچیس سال سے
مفقود الخبر تھا مرزا احمد بیگ جو محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ زیادہ تر ہوشیار پور
سے باہر ملازمت ہی پر رہتا تھا اس لئے عمر النساء عموماً قادیان ہی میں رہتی
تھی۔ اس کا معمول تھا کہ جب کبھی مرزا احمد بیگ چھٹی لے کر ہوشیار پور آتا
تو یہ قادیان سے ہوشیار پور چلی جاتی اور جب وہ ہوشیار پور سے اپنی نوکری
پر چلا جاتا تو یہ اپنی بیٹی محمدی بیگم اور دوسری اولاد کو لے کر قادیان آجاتی۔
محمدی بیگم ایک نہایت خوش جمال لڑکی تھی۔ چونکہ اس کا نشوونما قادیان
ہی میں ہوا اس لئے یہ ہمیشہ کی دیکھی بھالی تھی۔ غلام حسین مذکور کی زمین
سرکاری کاغذات میں اس کی منکوحہ یعنی احمد بیگ کی ہمشیر کے نام درج
ہوگئی تھی اور چونکہ وہ اپنے شوہر غلام حسین کی مراجعت کی طرف سے بالکل
ناامید ہو چکی تھی اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ اپنے مفقود الخبر شوہر کی
زمین اپنے بھتیجے (مرزا احمد بیگ کے بیٹے) کے نام ہبہ کر دے چونکہ مرزا غلام احمد
بھی مفقود کا عم زاد بھائی تھا اس لئے جب ہبہ نامہ لکھا گیا تو احمد بیگ
اس ہبہ نامہ پر دستخط کرانے کے لئے مرزا غلام احمد کے پاس لے گیا کیونکہ
سرکاری قانون کے بموجب اس کی رضامندی کے بغیر ہبہ نامہ جائز نہیں
سمجھا جا سکتا تھا۔ ہر چند کہ حقوق قرابت، شرافتِ نفس شرف و مجد
انسانی اور احسان و ایثار اسلامی کا مقتضا یہ تھا کہ مرزا غلام احمد بلامعاوضہ
دستخط کر دیتا۔ لیکن اس نے احمد بیگ سے اس سلوک و مروت کا صلہ اس
کی لڑکی محمدی بیگم بیاہ دینے کی شکل میں طلب کیا۔ احمد بیگ نے اس مطالبہ کو
نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ مرزا غلام احمد نے ہزار جتن کئے لیکن وہ کسی طرح
رضامند نہ ہوا۔ آخر مرزا نے اسے اپنے من گھڑت الہاموں سے مرعوب کرنا
چاہا۔ اس سلسلہ میں ایک الہام شائع کیا "اس قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس
شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے

کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا (احمد بیگ) تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی مصیبت پڑے گی۔ خدا نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ احمد بیگ کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے" لیکن مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور جس سے محمدی بیگم منسوب تھی اور احمد بیگ کے گھر والے ان الہامی گیدڑ بھبکیوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔

مرزا غلام احمد نے سلطان محمد ساکن پٹی کی میعاد حیات یوم شادی سے ڈھائی سال تک بتائی تھی اس سے محمدی بیگم کی شادی ، ۷ اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری دن ، ۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء تھا لیکن قادیانی اعجاز کا کمال دیکھو کہ آج ۱۹ جون ۱۹۳۶ء تک وہ زندہ سلامت موجود ہے یعنی اپنی مدت حیات کے بعد بیالیس [42] سال سے زبردستی گلشن دنیا کی سیر کر رہا ہے۔ جب محمدی بیگم کو مرزا سلطان محمد کے گھر میں آباد ہوئے قریباً ڈھائی سال کی مدت گذر چکی تو مرزا نے زوجۂ سلطان محمد سے شادی کرنے کی از سر نو پیشین گوئی کر کے اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کرنا چاہا۔ چنانچہ ۶ دسمبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں اپنا ایک الہام لکھا کہ "حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ" ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی اور ان سے ٹھٹھا کیا سو خدا انھیں یہ نشان دکھلائے گا کہ احمد بیگ کی بڑی لڑکی ایک جگہ بیاہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف واپس لائے گا۔ یعنی آخر وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں درمیان سے اٹھا دے گا خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔ اس لڑکی کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی"۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ بھی موجود ہے کہ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ

اللہ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل
ہوتا ہے میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔ میں سب روکوں کو اٹھا دوں گا۔
خدا تعالیٰ کے غیر متبدل وعدے پورے ہو جائیں گے کیا کوئی زمین پر ہے
جو ان کو روک سکے؟ اے بدفطرتو! لعنتیں بھیج لو۔ لیکن عنقریب دیکھو
گے کہ کیا ہوتا ہے؟" مرزا نے اسی سال ۲۰ر اکتوبر کے ایک اشتہار میں لکھا۔
میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدائے قادر وعلیم! اگر احمد بیگ کی دختر کلاں
کا آخر اس عاجز کے نکاح میں یہ پیش گوئی تیری طرف سے ہے تو اس کو ظاہر
فرما کر کور باطن حاسدوں کا منہ بند کر دے اور اگر تیری طرف سے نہیں
تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔" اس دعائے غیر مستجاب کے
قریباً سوا دو سال بعد یعنی ۲۲ر جنوری ۱۸۹۷ء کو مرزا نے کتاب "انجام آتھم"
شائع کی اس میں لکھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح خدائے بزرگ کی تقدیر مبرم
ہے" اور عنقریب اس کے ظہور کا وقت آجائے گا اور میں اس کو اپنے صدق یا
کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا
نے مجھے اس کی خبر دی ہے۔" سنہ ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد کو الہام ہوا "یَرُدُّھَا
اِلَیْکَ" (خدا تعالیٰ محمدی بیگم کو تمھارے پاس واپس لائے گا) مرزا نے ۲۹ر ستمبر
سنہ ۱۹۰۰ء کو رسالہ اربعین میں اس الہام کی شرح کرتے ہوئے لکھا کہ یہ پیشین
گوئی اس نکاح کی نسبت ہے جس پر نادان مخالف جہالت اور تعصب
سے اعتراض کرتے ہیں۔" اس کے بعد مرزا غلام احمد نے اگست سنہ ۱۹۰۱ء میں
گورداسپور کی عدالت میں حلفاً بیان کیا کہ احمد بیگ کی دختر جس کی
نسبت پیش گوئی ہے مرزا امام الدین کی بھانجی ہے سچ ہے کہ وہ عورت
میرے ساتھ نہیں بیاہی گئی مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا" غرض
مرزا غلام احمد اسی طرح محمدی بیگم کی شادی کے بعد دس سال تک برابر
پنجے جھاڑ کر اس عفیفہ کے پیچھے پڑا رہا اور اس بیچاری کی فضیحت ورسوائی
کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

مرزا غلام احمد نے ۲۰ر فروری ۱۸۹۳ء کو پیشین گوئی کر دی کہ لیکھرام آریہ
چھ برس کے اندر اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں جو

اس شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ (ضمیمۂ کمالات) جب یہ پیشین گوئی شائع ہوئی تو لیکھرام نے کہا کہ یہ پیشین گوئی میرے قتل کرانے یا زہر دلانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے بعد پنڈت نے مرزا غلام احمد کو لکھا کہ میں قتل وغیرہ کی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا۔ اگر سچ مچ تمہارے اندر کوئی جوہر ہے تو اس قسم کا کوئی معجزہ دکھا کر مجھے قائل کرو مثلاً (۱) ایک ماہ تک اپنے الہامی غذا سے سنسکرت کی تعلیم حاصل کر کے تقریر اور وعظ کرنا سیکھو اور آریہ سماج کے مشہور پنڈتوں دیودت اور شام کرشن کے ساتھ شاستر ارتھ کر کے فتح حاصل کر دیا اس قسم کا کوئی اور معجزہ دکھا دو۔ اگر کوئی معجزہ دکھا سکو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ورنہ میں کسی حالت میں تمہاری چالوں میں نہیں آسکتا۔" اس کے جواب میں لیکھرام کو ایک سرخ چٹھی موصول ہوئی۔ جس میں لکھا تھا "بخدمت پیشوائے گمراہاں افتخار ہنوداں پنڈت لیکھرام بادام فی النار والسقر وغضب اللہ مثل کلب ناپاک بکدام اسلحہ شمارا خواہند کشت پس بہ نہایت مذلت ہنوداں شمارا بر چہار چوب بر داشتہ کہ اول درجہ علامت غضب الٰہی است در آتش دنیا خواہند سوخت۔ پنڈت تا اشنیدہ باشد کہ شخصے شیر علی نام گورنر جنرل صاحب بہادر را بے جرم کشتہ بود۔ پس شما چہ منصب ولیاقت دارید کہ بشما آنچنان پے در پے نخواہند کشت (آریہ مسافر لاہور) الغرض مرزائی پیشین گوئی کے چار سال بعد یعنی ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو پنڈت لیکھرام کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔" مرزا نے لیکھرام کے قتل کی مدت بڑی لمبی چوڑی رکھی تھی۔ اور قتل ہوتے ہوتے بھی اس نے چار سال لگا دئے۔ لیکن دھرم پال کی ہلاکت کے متعلق بیسیوں مسلمانوں نے مدت قلیل کی پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ مرزائی لوگ قتل لیکھرام کی مرزائی پیشین گوئی پر بہت اترایا کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اس پیشین گوئی میں کوئی جدت نہیں تھی۔ قرائن عالیہ کو دیکھ کر تو زید عمرو بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے اس سے قطع نظر آریوں نے بوثوق اعلان کیا تھا کہ مرزا غلام احمد ہی نے پنڈت لیکھرام کو قتل کرایا ہے اور وہ بھی اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ چنانچہ وہ برملا کہتے تھے کہ ہم مرزا سے اس کا انتقام لیں گے۔ اخبار آفتاب ہند کے ایک نامہ نگار نے لکھا مرزا قادیانی خبردار۔

مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے بکرے کی ماں کب تک خیر منا سکتی ہے"
جب اس قسم کے مضامین کی بنا پر مرزا کو اپنی جان کا خطرہ ہوا تو اس نے حکومت پنجاب کے نام ایک درخواست بھیج کر اس سے حفاظت جان کی درخواست کی (دیکھو تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۴)

مرزائیت کی تردید میں آج تک جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں ان میں شاید سب سے پہلی کتاب "شمس الہدایہ" تھی جو حضرت پیر علی مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے جو علم حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری مرحوم کے شاگرد ہیں آج سے قریباً چالیس سال پہلے زیب رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کہرام مچ گیا کچھ عرصہ کے بعد مرزا نے اپنے حواری خاص مولوی محمد احسن امروہی سے اس کا جواب بنام "شمس بازغہ" لکھوا کر شائع کیا۔ حضرت پیر صاحب نے "شمس بازغہ" کی تردید میں کتاب "سیف چشتیائی" لکھی۔ یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ لیکن گذشتہ ۳۰ سال کی طویل مدت میں امت مرزائیہ کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

مرزا غلام احمد کو عربی ادب و شعر گوئی کا پر نوچنے میں بڑا کمال تھا۔ بلکہ یہ کمال اعجازی درجہ تک پہونچا ہوا تھا۔ مرزا کی عربی زبان اس قدر لچر ہے کہ اس کے پڑھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء اس کی عربی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالتے رہے مگر نصف صدی کا طویل زمانہ گذر جانے کے باوجود یہ سلسلہ ہنوز منقطع نہیں ہوا اور اس پر طرہ یہ کہ مرزائیوں نے اپنے مسیح کو "سلطان القلم" کا لقب دے کر علم و ادب کا منہ چڑایا ہے۔ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی شاید سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے مرزا کی عربی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انھوں نے سب سے پہلے مرزا کی کتاب "دافع وساوس" کا مطالعہ کیا اور اس میں چھیاسٹھ غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ مرزا نے ان اغلاط کو صحیح ثابت کرنے کے بجائے حسب عادت گالیاں دے کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا۔ جو صاحب اس فہرست اغلاط کے دیکھنے کے شائق ہوں وہ رسالہ اشاعۃ السنہ (جلد ۱۵ ص ۳۱۶ - ۳۲۸)

کا مطالعہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسین تو ایک بڑے فاضل تھے وہ اس کی عربی تحریروں میں سیکڑوں ہزاروں غلطیاں نکال سکتے تھے مگر بعض غیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی سے قاصر نہ تھے۔ چنانچہ رسالہ "کرامات الصادقین" کے متعلق مرزا نے اعلان کیا کہ جو شخص اس میں سے کوئی غلطی نکالے گا اسے فی غلطی پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بابو احمد الدین کلرک محکمہ انکم ٹیکس سیالکوٹ جنھوں نے محض ایف اے یا بی اے کلاس کی عربی تعلیم حاصل کی تھی اس خدمت پر کمربستہ ہوئے۔ اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کو سرسری نظر سے دیکھ کر جھٹ گیارہ غلطیاں نکالیں اور بذریعہ چٹھی بھیج کر پچپن روپے انعام کا مطالبہ کیا۔ لیکن مرزا نے نہ صرف وعدۂ انعام کا ایفا نہ کیا بلکہ ایسی چپ سادھی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔ (اہلِ حدیث امرتسر ۲۵ر اگست ۱۹۱۶ء)

مرزا نے ۲۲ر فروری سنہ ۱۹۰۱ء کو رسالہ "اعجاز المسیح" جس میں سخت ملحدانہ انداز میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی شائع کیا۔ اور اسے قرآن پاک کی طرح معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا مرزائیوں نے اس کی اشاعت پر بڑا دھوم مچایا اور کہا کہ قرآن کے بعد اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی"۔ علمائے امت نے فرمایا کہ دعوائے اعجاز تو چھوٹا منھ بڑی بات ہے اس کی عبارت تک درست نہیں"۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے کتاب "سیف چشتیائی" میں نہ صرف "اعجاز المسیح" کی غلطیوں کے انبار لگا کر مرزائیوں کی حماقت ظاہر کی بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ "سلطان القلم" صاحب نے کس کس کتاب سے کیا کیا عبارتیں چرائی ہیں؟ جو صاحب ان اغلاط و مسروقات کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب "سیف چشتیائی (صفحات ۷۰۔ ۸۰) کی طرف رجوع فرمائیں۔ حضرت پیر صاحب کو اس تنقید کے "انعام" میں بارگاہ قادیاں سے یہ "اعزاز" بخشے گئے۔ نادان، چور، کذاب، نجاست خور وغیرہ (نزول المسیح مؤلفہ مرزا غلام احمد صہ ۷۰) جاہل، بے حیا، سرقہ کا الزام دینا تو گوہ کھانا ہے (نزول المسیح صہ ۶۳) اے جاہل بے حیا! اول عربی بلیغ فصیح میں کسی سورہ کی تفسیر شائع کر پھر حق حاصل ہو گا کہ میری کتاب کی غلطیاں نکالے یا مسروقہ قرار دے (نزول المسیح صہ ۶۳) غرض مرزا نے "نزول المسیح" کے بیس صفحے (۶۲ - ۸۱) صرف حضرت پیر صاحب کے خلاف دریدہ ذہنی کرنے کے لئے وقف کر دیئے

ہیں۔ یاد رہے کہ مولوی محمد حسن صاحب فیضی نے جو موضع بھین ضلع جہلم کے رہنے
والے تھے رسالہ "اعجاز المسیح" کے مقابلہ میں اس سے ہزار درجہ بہتر اور فصیح و بلیغ
کتاب تصنیف فرمائی تھی۔

۲۹۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو موضع مد ضلع امرتسر میں مرزائیوں سے اہل حق کا
ایک مناظرہ ہوا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزائیت کو ایسی
بری طرح پامال کیا کہ مرزائی لوگ اس کی تلخی آج تک محسوس کر رہے ہیں مرزائی
مناظر نے جس کا نام سرور شاہ تھا کتاب "اعجاز المسیح" کو مرزائی معجزہ کی حیثیت
سے پیش کیا لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ ثابت کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا کہ اس
میں بے شمار اغلاط و مسروقات ہیں تا بہ اعجاز چہ رسد۔ جب شکست خوردہ مرزائی
مناظر نے قادیاں پہونچ کر اپنی دردناک داستانِ ہزیمت مرزا کو سنائی تو وہ
آپے سے باہر ہو گیا اور بزعم خود مولوی ثناء اللہ کے دانت کھٹے کرنے کے لئے
ایک رسالہ بنام "اعجاز احمدی" جس میں کچھ اردو نثر اور کچھ عربی نظم تھی لکھا
اور مولوی ثناء اللہ کو چیلنج دیا کہ اگر اسی ضخامت کا ایک رسالہ پانچ دن میں
لکھ دکھاؤ تو تم کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔" اس رسالہ سے یہ ظاہر کرنا
مقصود تھا کہ جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا اسی
طرح رسالہ "اعجاز احمدی" میرا معجزہ ہے حالانکہ اگر اس میں کوئی اعجازی شان
پائی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جواب کے لئے وقت کی تحدید کی جاتی اور قرآن
کی طرح صلائے عام نہ دیا جاتا کہ قیامت تک جو شخص بھی چاہے اس کی مثل
پیش کرے۔ اس چیلنج کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک
اشتہار میں مرزا سے مطالبہ کیا کہ پہلے تم ایک مجلس منعقد کرو جس میں میں اس
قصیدے کی صرفی نحوی عروضی ادبی غلطیاں پیش کروں گا اگر تم ان غلطیوں کا
جواب دے سکے تو پھر میں زانو بہ زانو بیٹھ کر تم سے عربی نگاری کا مقابلہ کروں گا۔
یہ کیا مضحکہ خیز حرکت ہے کہ خود تو کسی بڑی مدت میں کوئی مضمون لکھو اور
اپنے مخاطب کو کسی محدود وقت کا پابند بناؤ۔ اگر تم مؤید من اللہ ہو تو کوئی وجہ
نہیں کہ میرے مقابلہ میں بر سر میدان طبع آزمائی نہ کرو۔" مگر مرزا نے اس
مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا اور ایسی چپ سادھی کہ گویا سانپ سونگھ گیا۔

مسیح قادیاں نے اپنی عمر کا ایک حصہ علوم نظری کی تو نذر کیا تھا چنانچہ لکھتا ہے کہ "میں" نے گل علی شاہ بٹالوی سے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم حاصل کئے (کتاب البریہ صفحہ ۱۵۰) لیکن دینی تعلیم کسی سے حاصل نہ کی (اربعین نمبر ۲ ص ۱۰-۱۱) اگر منطق اور حکمت کے ساتھ دینی علوم کی بھی تحصیل کی ہوتی تو بڑی امید تھی کہ الحاد و زندقہ کی وادیوں میں سرگرداں ہونے کے بجائے اسے فلاح و ہدایت کا راستہ مل جاتا ہے

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں　　　حکمتِ الیمانیاں راہم بخوان

دینی تعلیم سے بے بہرہ رہنے کا یہ اثر ہوا کہ جس غیر اسلامی مذہب کا جو عقیدہ بھی من کو بھایا اسی پر ریجھ گیا اور اس کی پروا نہ کی کہ غیر اسلامی عقائد کا شغف اسے دائرۂ اسلام سے خارج کر دے گا۔ اس کے قوائے ذہنی باطل قوتوں کے سامنے اسی طرح بے بس تھے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں بے بس ہوتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس نے مجسمہ سے بھی کہیں بیہودہ اور مضحکہ خیز عقیدہ اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے "قیوم العلمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بیشمار ہاتھ، بیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضا ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں نام عالم ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۵) اور انوار الاسلام (صفحہ ۳۳) توضیح مرام کے صفحہ ۳۰-۳۷) مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلاسفہ کی طرح ملائکہ کا بھی منکر تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جبریئلؑ کا تعلق آفتاب سے ہے۔ وہ بذات خود اور حقیقی معنی میں زمین پر نازل نہیں ہوتا بلکہ اس کے نزول سے جو شرع میں وارد ہے اس کی تاثیر کا نزول مراد ہے اور جبریئلؑ اور دوسرے ملائکہ کی جو شکل و صورت انبیاء علیہم السلام دیکھتے تھے وہ محض جبریئلؑ وغیرہ کی عکسی تصویر تھی ملک الموت بذات خود زمین پر آکر قبض ارواح نہیں کرتا بلکہ اس کی تاثیر سے روحیں قبض ہوتی ہیں۔ ملائکہ ستاروں کے ارواح ہیں وہ سیاروں کے لئے جان کا حکم رکھتے ہیں اس لئے نہ تو کبھی ان سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ذرہ بھر آگے پیچھے حرکت کر سکتے ہیں

دجّال	نہرو رپورٹ (الفضل ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۲۸ء)
"	عیسائی اقوام (تحریک احمدیت ص ۱۲۱)
دجّال کانا ہوگا	پادریوں میں دینی عقل نہیں (ازالہ ص ۲۰۸)
دجّال زنجیروں میں جکڑا ہے	عہد رسالت میں پادریوں کو موانع پیش تھے (ازالہ ص ۲۰۱)
دجّال کے ساتھ اس کی جنت و دوزخ ہوگی	عیسائی قوم نے تنعّم کے اسباب مہیا کرلئے ہیں (ازالہ ص ۲۹۶)
دجال مشرق کی طرف سے خروج کرے گا ..	پادری ملک ہند میں ظاہر ہوئے (ازالہ ص ۲۹)
عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام)	مرزا غلام احمد قادیانی (کشتی نوح ص ۴۷)
حضرت مریم بنت عمران (علیہا السلام) ..	مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ (ایضاً)
حضرت مسیح دجّال کو قتل کریں گے	مرزا کے زمانہ میں دجّالی بدعات دور ہوجائینگی (ایام الصلح ص ۶۱)
دجّال	ریل گاڑی (ازالہ ص ۶۴)
مسیح علیہ السلام دمشق کے سفید مشرقی مینار پر نازل ہونگے	مرزا کی سکونتی جگہ قادیاں کے مشرقی کنارہ پر ہے (ازالہ ص ۳۳)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دو زرد چادریں پہن رکھی ہونگی	مرزا کی صحت اچھی نہیں (ازالہ ۳۶)
"	مرزا دو بیماریوں میں مبتلا ہے (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۴)
حضرت مسیح علیہ السلام خنزیر کو نابود کردیں گے ..	مرزا نے بے حیا لوگوں پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلایا (ازالہ ص ۱۸۶)
مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے ..	مرزا کی سچائی کے اتنے دلائل جمع ہوئے کہ گویا وہ آسمان سے اترا (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۴)
عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے	مرزا کی بعثت پر صلیبی مذہب رو بزوال ہوا (ایام الصلح ۵.۲)
عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر ہونگے	مرزا کا ہاتھ دو باطنی مؤکلوں کے سہارے پر ہے (ازالہ ص ۴۸۲)
" "	مرزا کے ظہور کے ساتھ ملائک کے تصرفات شروع ہوگئے (ایام الصلح ۵۴)
" "	مرزا محمود احمد کے دو ساتھی (الفضل ۲۵ ر نومبر ۱۹۲۴ء)
عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ اپنے پیروؤں کو کوہ طور پر لیجائیں	مرزا کو حکم ہوا کہ مرزائیوں کو ساتھ لیکر پادریوں سے مقابلہ کرو (چشمہ معرفت ص ۱۸)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کا حکم منسوخ کردیں گے	دل سچائی کی طرف مائل ہوجائیں گے (توضیح مرام ص ۸)
حضرت مسیح علیہ السلام حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ میں دفن ہونگے	مرزا کو رسول اللہ کا روحانی قرب نصیب ہوا (حقیقۃ الوحی ص ۳۱۲)
حضرت مسیح علیہ السلام خنزیر کو نابود کردیں گے	لیکھرام مرزا کی بددعا سے ہلاک ہوا۔ (ایضاً)
لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہیں)	عیسیٰ اسرائیلیوں کا آخری نبی تھا (ملفوظات احمدیہ ص ۱۸۶)
یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (اے عیسیٰ میں آپ کو اٹھانے والا ہوں)	مرزا کے مخالف مرزا کے قتل پر قادر نہ ہوں گے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۴۵)
اے عیسیٰ میں آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا	اے مرزا میں واضح دلائل سے تیرا مقرب ہونا ثابت کرونگا (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۵)

میں آپ کے پیروؤں کو آپ کے منکروں پر قیامت تک غالب رکھونگا — مرزائی دوسرے لوگوں پر غالب رہیں گے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۵)

مسیح علیہ السلام کے دم سے کافر مریں گے — مخالف کسی بات میں مرزا کا مقابلہ نہیں کر سکتے (ازالہ ص ۲۸۴)

عیسیٰ علیہ السلام حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہونگے — مرزا نے لوگوں کی غلطیاں ظاہر کر دی ہیں (ازالہ ص ۲۸۵)

دمشق .. .. .. — قادیان (ازالہ ۳۰)

عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے .. .. — مرزا محدَّث (نبی والا) ہے

خدا نے مسیح علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا — ان کا درجہ بلند کر دیا

مسیح علیہ السلام کے نزول کے وقت تمہارے امام (حضرت مہدی علیہ السلام)، تم (امت محمدی) میں سے ہوں گے — مرزا امت محمدی میں پیدا ہوا (توضیح مرام ص ۷)

مرزائی کو مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴)

〃 〃

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ مہدی کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا — مرزا مثیل مصطفےٰ ہے (ازالہ ص ۶۵)

مہدی علیہ السلام روشن پیشانی ہوں گے — مرزا کی پیشانی میں نور صدق رکھا گیا (کتاب البریہ ص ۲۶۷)

مہدی علیہ السلام بلند بینی ہوں گے — مرزا اپنی کبریائی کے استغنار سے بلند مزاجی دکھائے گا (ایضاً)

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى (مقام ابراہیم کی جگہ نماز پڑھا کرو) — تمام فرقوں میں سے صرف مرزائی فرقہ نجات پائے گا (اربعین نمبر ۳ ص ۳۸)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (خدا نے تمہیں بدر کے میدان میں فتح دی) — مرزا کے زمانہ میں اسلام بدر کامل ہو گیا (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۴)

خدا نے مرزا کو ظاہر کر کے مومنوں کی مدد کی (اعجاز المسیح ص ۱۸۳)

〃 〃

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے) — مرزا نے اپنی پر ہیبت آواز لوگوں تک پہونچائی (چشمۂ معرفت ص ۸۰)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا (جب تم میں سے کسی نے ایک آدمی کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے کے سر لگانے لگے) — یہ طریق عمل الترب (یعنی مسمریزم) کا ایک شعبہ تھا (ازالہ ص ۳۰۵)

ابو لہب .. .. .. — جس میں اشتعال کا مادہ زیادہ ہو (تقاریر مسیح موعود ص ۵)

〃 .. .. .. — مولوی نظیر حسین دہلوی (مواہب الرحمٰن ص ۱۲۷)

〃 .. .. .. — مولوی محمد حسین بٹالوی (ضیاء الحق ص ۳۳)

〃

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیاں اٹھانے والی عورت) — سخن چین عورت (تقاریر مسیح موعود ص ۵)

قرب قیامت کو توبہ کا دروازہ بند ہو جائیگا۔	لوگ توبہ نہیں کریں گے۔ (ازالہ ص ۲۱۵)
قرب قیامت کو آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔	اہل یورپ و امریکہ کو اسلام سے حصہ ملے گا (ازالہ ص ۲۱۴)
" " "	مرزائی تبلیغ مرزائیت کے لئے یورپ گئے (الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۲۴ء)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ..	آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے (حقیقۃ الوحی ص ۹۷)
اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (اے نبی ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا)	مرزا کے زمانے میں دینی برکات کے چشمے پھوٹ نکلے (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۵)
یاجوج وماجوج	انگریز اور روس (ازالہ ۲۰۹)
" "	دجال (تحریک احمدیت ص ۱۱۹)
دابۃ الارض (زمین کا جانور) ..	علمائے اسلام (ازالہ ص ۲۰۹)
" " ..	طاعون کا کیڑا (نزول المسیح ص ۴۰)
" " ..	ریل گاڑی (شمس بازغہ ص ۲۱)
دخان (دھواں)	قحط عظیم (ازالہ ص ۲۱۳
قیامت کو قرآن آسمان پر اٹھا لیا جائیگا	مرزا کے زمانہ میں مسلمانوں کے دلوں پر قرآن خوانی کا کچھ اثر نہیں ہوتا (ازالہ)
حارث	مرزا غلام احمد (ازالہ ص ۳۰)
حارث آل محمدؐ کو تقویت دے گا۔ ..	مرزا اسلام کی عزت قائم کرنے کے لئے کھڑا ہوا (ازالہ ص ۴۴)
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (جب زمین کو زلزلہ کا سخت جھٹکا آئے گا)	مرزا کے وقت میں روحانی مردے زندہ ہونے لگے (ازالہ ص ۶۰)
" "	اہل ارض میں ایک تغیر عظیم آئے گا (شہادۃ القرآن ص ۱۹)
زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی	زمینی علوم اور زمینی مکر ظہور کرے گا (ایضاً)
مسجد اقصیٰ	قادیان کی مرزائی مسجد (تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۴۴)
پیغمبر علیہ السلام کو معراج ہوئی	آپ کو حضرت آدمؑ اور حضرت خلیلؑ کے کمالات حاصل ہوئے (ایضاً ص ۴۲)
آنحضرتؐ کو مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی ..	آپکی ذات میں تمام اسرائیلی انبیاء کے کمالات موجود تھے (ایضاً)
آنحضرتؐ کا قدم مسجد اقصیٰ تک گیا	آنحضرتؐ کی کشفی نظر مرزا کے زمانہ تک پہونچ گئی (ایضاً)

آنحضرت نے قاب قوسین کا مرتبہ پایا۔ ..	آپ صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں (تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۴۲)
دمشق کا مینار	مسیح کا نور ظاہر ہونے کی جگہ (ایضاً ص ۴۳)
قیامت کو صور پھونکا جائے گا ..	کوئی مصلح پیدا ہوگا (شہادۃ القرآن ص ۴۳)
لیلۃ القدر	تاریکی کا زمانہ (ایضاً ص ۱۸)
وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ (جب زمین کی وسعت بڑھ جائے گی اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل کر خالی ہو جائیگی	ایجادات و فنون زمین سے نکالے جائیں گے۔ (ایضاً ص ۲۳)
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (جب قریب الوضع گابھن اونٹنیوں کا کبھی کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا)	مرزا کے زمانہ میں ریل جاری ہوگئی (ایضاً ص ۲۲)
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (جب حساب کتاب کے لئے دفتر اعمال کھولے جائیں گے)	مرزا کے وقت میں مطابع اور ڈاک خانے جاری ہوئے (ایضاً)
وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ (جب تارے گدلے ہو جائیں گے)	جب علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا (ایضاً)
وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ (جب تارے جھڑ جائیں گے)	جب علمائے ربانی فوت ہو جائیں گے (ایضاً)
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (جب قیامت کو) ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے)	مرزا کے زمانہ میں بلاد بعیدہ کے بنی آدم کے دوستانہ تعلقات بڑھ گئے۔ (ایضاً)
وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (جب وحشی جانور گھبرا کر جمع ہو جائیں گے	وحشی قوموں نے تہذیب کی طرف رجوع کیا (ایضاً ص ۲۳)
وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (جب زمین شق ہونے کے بعد سب شیریں اور شور سمندر باہم مل کر ایک ہو جائیں گے)	نہریں جاری ہونے سے زراعت کی کثرت ہوئی (ایضاً)
وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (جب پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے	پہاڑوں میں آدمیوں اور ریل کے چلنے کے لئے سڑکیں بن گئی ہیں (ایضاً)
وَاِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (جب آفتاب بے نور ہو جائے گا)	دنیا پر جہالت اور معصیت کی ظلمت طاری ہوئی (ایضاً)

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان پھٹ جائے گا)	جب مرزا ظاہر ہوا (شہادۃ القرآن ص ۲۳)
وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ (جب تمام رسول جمع کئے جائیں گے)	جب مرزا بھیجا گیا (ایضاً ص ۲۴)
ہامان	مولوی نظیر حسین دہلوی (نزول المسیح ص ۱۵۲)
یَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا (فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنا)	مولوی نظیر حسین دہلوی نے مرزا کی تکفیر کا فتویٰ تیار کیا (ایضاً ص ۲۷)
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ (لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے)	مرزا کا صحابی اسّی برس کے غیر صحابی سے بہتر ہے (فتح اسلام ص ۲۷)
یہود	علمائے اسلام (ضیاء الحق ص ۳۳)
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ (ان لوگوں کا راستہ نہ دکھانا جن پر تیرا غضب نازل ہوا)	مسلمانوں میں سے یہودی کہلانے والوں نے مرزا کی تکذیب کی (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۴)
بیت اللہ	مرزا غلام احمد قادیانی (اربعین نمبر ۴ ص ۱۶)
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم تمام امتوں سے بہترین امت ہو جو آج تک لوگوں کے لئے ظاہر ہوئیں۔	اس امت کو دجال (پادریوں) سے مقابلہ پڑے گا (تحفہ گولڑویہ ص ۳۵)
ابراہیم علیہ السلام کے بلانے پر چار پرندوں کے اجزا جمع ہو کر ان کے پاس آ گئے	یہ عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک تجربہ تھا (ازالہ ص ۳۰۶)
اے نبی! آپ ازواج (طاہرات) کی خوشنودی خاطر کے لئے ایسی چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جو اللہ نے آپ پر حلال کر رکھی ہے؟	مرزا کو پہلے مریم کا رتبہ ملا۔ پھر عیسیٰ کی روح پھونکی گئی۔ تب مریم سے عیسیٰ نکل آیا (تعلیم المہدی ص ۲۰)
إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کروں گا)	مرزا کو روحانی نیابت عطا ہوئی (براہین احمدیہ ص ۴۹۲ - ۴۹۳)
حَتَّى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ (یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے تو وہ ہر بلندی کی طرف سے (مور و ملخ کی طرح) امنڈ آئیں گے۔	مرزا کو آدم سے لے کر آخر تک تمام انبیاء کے نام دیئے گئے تاکہ وعدۂ رجعت پورا ہو۔ (نزول المسیح ص ۵)

حق تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں مٹی کا ایک بشر بنانے والا ہوں۔ سو جب اسے پیدا کرکے اس میں روح پھونک دوں تو اس کی طرف سر بسجود ہو جانا۔	ملائکہ کو حکم ہے کہ جب کوئی انسان بقا باللہ کا درجہ حاصل کرے تو اس پر آسمانی انوار کے ساتھ اترا کرو اور اس پر صلوٰۃ بھیجا کرو (توضیح مرام ص ۲۴)
وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ (اور قیامت کے دن پر بھی یقین رکھتے ہیں)	اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری زمانہ میں مسیح موعود (مرزا) پر نازل ہوگی (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۳۸)
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ (جب ذوالقرنین آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے)	جب خلیفہ ثانی محمود احمد نے یورپ کا سفر کیا (الفضل ۱۶؍اگست ۱۹۲۴ء)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہیں احمد نام ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں (سورہ صف)	یہ پیشین گوئی مرزا غلام احمد کے حق میں ہے (ازالہ ۲۷۵)
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الٰہی ہمیں یہود و نصاریٰ کا راستہ نہ دکھا)	خدا نے مرزا کے مخالفوں کا نام عیسائی یہودی اور مشرک رکھ دیا ہے (نزول المسیح ص ۴)
وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ (اول و آخر میں خدا ہی کے لئے حمد ہے)	پہلی حمد سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری سے مرزا غلام احمد (اعجاز المسیح ص ۱۳۴)
یوم الدین (قیامت کا دن)	مرزا غلام احمد (اعجاز المسیح ص ۱۴۳)
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں)	خداوندا مجھے احمد بنا دے (اعجاز المسیح ص ۱۶۳)
شیطان رجیم	دجال لعین (اعجاز المسیح ص ۸۳)
رجل فارس	مرزا غلام احمد قادیانی
کرعہ	قادیان (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۸)
مسیح علیہ السلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے	یہ عمل مسمریزم اور شعبدہ بازی کی قسم سے تھا۔ (ازالہ ص ۱۲۸)
مسیح علیہ السلام کی مٹی کی چڑیاں	وہ امی و نادان لوگ جن کو حضرت عیسیٰؑ نے اپنا رفیق بنایا (ازالہ ص ۱۳۸)

مسیح علیہ السلام اندھوں اور جذامیوں اور برص کے مریضوں کو باذن اللہ اچھا کرتے تھے	یہ مریض تالاب میں غوطہ لگا کر اچھے ہوتے تھے۔ (ازالہ اوہام ص ۲۰۲)
جہاد فی سبیل اللہ	تریاقی ہوا کی زہریلی ہوا سے روحانی جنگ (ایام الصلح ص ۱۶)
ابراہیم علیہ السلام پر آگ سرد ہو گئی	جنگ اور عداوت کی آگ دھیمی ہو گئی (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۱۳۲)
وَیَھْبِطُ نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ الی الارض۔ (اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیرو کوہ طور سے زمین پر اتریں گے)	مرزا غلام احمد کا خلیفہ مرزا محمود احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لندن میں وارد ہوا (الفضل ۲۵ر نومبر ۱۹۲۴ء)
عیسیٰ علیہ السلام کے سر سے قطرے ٹپکتے ہوں گے	مرزا معارف قرآنی کا مالک ہو گا (شمس بازغہ مؤلفہ محمد احسن امروہی ص ۹۳)
عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک دنیا میں قیام فرما رہیں گے	مرزا غلام احمد نے چالیس سال کی عمر میں مجددیت کا دعویٰ کیا (ایضاً ص ۹۶)
مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔	جن لوگوں نے مرزا کی نماز جنازہ نہیں پڑھی وہ مسلمان نہیں رہے (ایضاً)
عیسیٰ علیہ السلام باب لُدّ کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔	باب لد بیت المقدس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے (ازالہ ۹۳)
" " "	لُد یعنی جھگڑالو مراد لاٹ پادری جسے مسیح موعود (مرزا) ہلاک کر رہا ہے (شمس بازغہ ص ۱۱۸)
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی (پھر فرشتہ آپ کے نزدیک آیا اس کے بعد اور قریب ہوا)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت اور محبت الٰہی میں سراپا محو ہوئے (براہین احمدیہ ص ۴۹۳)

ان اقتباسات سے آپ پر یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہو گئی کہ مرزائے قادیاں نے کلام الٰہی اور احادیث خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو علی حالہا رکھ کر کس طرح ان کے مفہوم کو اپنی نفسانی خواہشوں کا بازیچہ بنایا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی سرزمین کو باطنی فتنہ سے پاک کیا تھا لیکن تقریباً ہزار سال کے بعد ایک اور باطنی فتنہ نے قادیان سے آ سر نکالا۔ کاش وہ لوگ آنکھیں کھولتے جو مرزائیوں کو دائرہ اسلام میں داخل رکھنے پر مصر رہتے

ہیں اور غور کرتے کہ کیا یہود نصاریٰ، آریہ یا دوسرے اعدائے اسلام بھی کبھی دین حنیف کو اتنا نقصان پہونچا سکتے ہیں جس قدر کہ مرزا نے پہونچایا؟

مندرجہ ذیل اقتباسات سے آپ کو معلوم ہو گا کہ مرزا نے اپنے ذخیرۂ ایمان فروشی میں پیروانِ سید محمد جونپوری کے خرمن الحاد سے بھی بہت کچھ خوشہ چینی کی اور یہ کہ بہت سے امور میں آج کل کی مرزائیت مہدویت کا صحیح چربہ ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

مہدوی اقوال

مہدوی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین سے یہ مراد ہے کہ کوئی پیغمبر صاحب شریعت جدید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا نہ ہوگا اور اگر نبی متبع شریعت محمدیہ کا پیدا ہو تو منافی آیہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا نہیں ہے اور سید محمد جونپوری پیغمبر متبع ہیں (ہدیہ مہدویہ ۲۸)

پنج فضائل وغیرہ کتب مہدویہ میں مذکور ہے کہ سید محمد جونپوری کا نواسہ سید محمود ملقب بہ حسین ولایت شہید کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ کے برابر ہے یا بہتر ہے (ایضاً ص ۳۳)

شواہد الولایت میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ

مرزائی اقوال

خاتم النبیین سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی پیدا نہیں ہوگا اور کوئی غیر تشریعی نبی ظاہر ہو تو آیہ خاتم النبیین کے منافی نہیں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب غیر تشریعی نبی تھے۔ (ریویو آف ریلیجز جلد ۲۱ نمبر ۹)

مسیح قادیاں نے نزول المسیح (۹۹) میں لکھا کربلائے است سیر ہر آنم صد حسین است درگریبانم۔ اور نزول المسیح (۴۴) پر لکھا ہے:۔ بعض نادان شیعہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ شخص امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہو لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن اور احادیث اور تمام نبیوں کی شہادت سے مسیح موعود حسین سے افضل ہے۔

مرزائے قادیاں نے لکھا کہ مجھے علم غیب پر اس طرح قابو حاصل ہے جس طرح سوار کو گھوڑے پر ہوتا ہے (حمزۃ الامام ۱۳)

جیسے کوئی رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور
ہر طرف پھرا کر کما حقہٗ پہچانے (ایضاً ۲۹)

مہدویہ کا اعتقاد ہے کہ سید محمد جونپوری
وہی مہدی ہیں جن کے ظہور کی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے بشارت دی (ایضاً ۱۶)

ایک دن میاں خوندمیر (داماد و خلیفہ مہدی
جونپوری نے ایک سنگریزہ ہاتھ میں لیکر مہاجرین
خلفائے مہدی کے مجمع میں کہا دیکھو یہ کیا ہے
سب نے جواب دیا سنگریزہ ہے کہا اس کو مہدی
موعود علیہ السلام نے جواہر بے بہا کہا ہے۔ تمام
مہاجرین و خلفاء نے کہا آمنّا و صدّقنا ہمارے
دیکھنے کا کیا اعتبار ہے کہ جو کوئی فرمان مہدی
میں شک کرے یا تاویل کرے وہ آن مہدی
میں سے نہیں ہے (ایضاً ۱۸)

انصاف کرنا چاہیے کہ شیخ جونپوری
مدعی مہدویت نے کس قدر آیات قرآنیہ
کے معنی احادیث صحیحہ اور تفسیرات صحابہ اور
جمہور مفسرین کے خلاف کیے ہیں۔ چنانچہ سورۂ
جمعہ میں وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا
بِهِمْ کو خاص اپنے فرقہ مہدویہ پر محمول
کیا ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ۱۲۴)

مسیح قادیاں نے لکھا: اگر خدا کا پاک نبی اپنی
پیشگوئیوں کے ذریعہ سے میری گواہی دیتا ہے تو
اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو (ایام الصلح ۱۹)

مولوی نور الدین (خلیفۂ اول) فرمایا کرتے تھے
کہ یہ تو صرف نبوت کی بات ہے میرا تو ایمان ہے کہ اگر
حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب شریعت نبی ہونے
کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں
تو بھی مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہم نے آپ کو واقعی
صادق اور منجانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ
فرمائیں گے وہی حق ہوگا اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیۃ
خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے۔

سیرۃ المہدی جلد اول ۸۱ - ۸۲

قرآن میں یہ پیشگوئی بڑی وضاحت سے آنے
والے مسیح کی خبر دیتی ہے وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لما
یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم یعنی ایک گروہ
اور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا وہ بھی
اول تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم
اور حکمت اور یقین سے دور ہوں گے تب
خدا ان کو بھی صحابہ کے رنگ میں لائے گا یعنی
جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ ان کو بھی دکھایا جائیگا
یہاں تک کہ ان کا صدق اور یقین بھی صحابہ
کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور
یہ مسیح موعود کا گروہ ہے (ایام الصلح ص ۷۰-۷۱)

مہدی جونپوری لوگوں کو حج بیت اللہ

مرزا غلام احمد نے لکھا: ایک حج کے ارادہ

سے باوجود فرضیت اور استطاعت کے منع کیا کرتے تھے۔ اور اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حجرے کو بمنزلہ کعبہ کے ٹھہرایا تھا کہ اس کے تین طواف کعبۃ اللہ کے سات طواف بلکہ تمامی ارکان حج کے قائم مقام بے قرار دیتے تھے (ایضاً ص ۲۰۸)

سید محمد جونپوری اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دار دنیا میں حق تعالیٰ کو عیاناً سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں (ایضاً ص ۱۴۹)

حضرت سید محمد جونپوری کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مہدی موعود (سید محمد جونپوری) ایک ذات ہیں (ایضاً ۲۷۹)

مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ اول بارہ برس تک امر الٰہی ہوتا رہا اور مہدی جونپوری وسوسۂ نفس و شیطان سمجھ کر (حکم خدا) ٹالتے رہے۔ آخر خطاب باعتاب ہوا کہ ہم سے روبرو فرماتے ہیں تو اس کو غیر اللہ سے سمجھتا ہے۔ اس کے بعد بھی شیخ موصوف اپنی عدم لیاقت وغیرہ کا عذر پیش کرکے آٹھ برس اور ٹالتے رہے بیس برس کے بعد خطاب باعتاب ہوا کہ قضائے الٰہی جاری ہو چکی اگر قبول کریگا

کرنے والے کے لئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھے جس کا تیرہ سو برس سے انتظار ہے تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جاسکتا (تذکرۃ الشہادتین ۴۷) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام (حج) کے لئے مقرر کیا ہے (ملخص از برکات خلافت ص ۵)

مسیح قادیان نے امام الزماں ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے (ضرورۃ الامام)

مسیح قادیان نے لکھا جس شخص نے مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ فرق سمجھا نہ تو اس نے مجھے پہچانا اور نہ مجھے دیکھا میرا وجود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہو گیا (خطبہ الہامیہ ۱۷۱)

مرزا غلام احمد نے اعجاز احمدی (ص۶) میں لکھا کہ میں قریباً بارہ برس جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے بڑے شد و مد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور سیرۃ المہدی جلد اول ص۳۱ میں ہے کہ وہ الہام جس میں مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے صریح طور پر مامور کیا گیا مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا لیکن (باوجود امر الٰہی کے) اس وقت سلسلہ بیعت

ماجور ہوگا۔ ورنہ مہجور ہوگا۔
(ایضاً ۲۴)

جو احادیث رسول خدا کی تفاسیر قرآن اگرچہ کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں لیکن مہدی جونپوری کے بیان واحوال سے مطابق کرکے دیکھیں اگر مطابق ہوں تو صحیح ورنہ غلط جانیں (ہدیہ مہدویہ صـ۱۷)

سید محمد جونپوری سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، نوح آدم اور دوسرے تمام انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں (ایضاً)

مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ بندے کے پاس آدم علیہ السلام سے کر اس دم تک تمام انبیاء ورسل اولیائے عظام، اور تمام مومنین و مومنات کی روحوں کی تصحیح ہوتی ہے کسی نے پوچھا میراں جی۔ تصحیح کس کو کہتے ہیں۔ فرمایا جب ایک تاجدار کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوجاتا ہے اور اپنے تمام لشکروں کا معائنہ کرتا ہے اسے کیا کہتے ہو؟ کہا بعض داخلہ و موجودات

شروع نہیں فرمایا بلکہ مزید حکم تک توقف کیا حکم الٰہی کو ٹالتے رہے) چنانچہ جب فرمان الٰہی نازل ہوا تو آپ نے بیعت کے لیے ۱۸۸۹ء میں (یعنی پہلے حکم کے چھ سال بعد بیعت لینی شروع کی۔

مرزا نے لکھا کہ جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پاکر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پاکر رد کرے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۱۰) جو حدیث ہمارے الہام کے خلاف ہو اسے ہم ردی میں پھینک دیتے ہیں (اعجاز احمدی ص ۳۰)

نبی کریم کے شاگردوں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا درجہ بھی پایا ہے اور نہ صرف نبی بنا بلکہ اپنے مطاع کے کمالات کو ظلی طور پر حاصل کرکے بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا ہے (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۵۷)

مرزائے قادیاں نے کہا: ۔ خدا نے مجھے وہ بزرگی بخشی جو دنیا جہاں کے کسی اور شخص کو نہیں دی (حقیقۃ الوحی صـ۱۰۷) میرا قدم اس منارہ پر ہے جہاں تمام بلندیاں ختم ہوجاتی ہیں (خطبہ الہامیہ صـ۳۵) اور لکھا کہ خدا نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر تقسیم کئے جائیں تو ان کی ان سے نبوت ثابت ہوسکتی ہے (چشمہ معرفت ص ۱۷) اور لکھا کہ میں نور ہوں،

کہتے ہیں اور بعض عرض دور کردہ زیادہ بھی کہتے
ہیں فرمایا یہی تقسیم ہے آج تین دن ہوئے بالکل
فرصت نہیں ہر نماز سے فارغ ہوتے ہی حکم
ہوتا ہے کہ سید محمد خلوت میں جاؤ کہ بقیہ ارواح
کا بھی جائزہ لے لو۔ انبیاء و مرسلین اور اولیاء
و اتقیاء کی روحیں سب بندے کے حضور میں
عرض کی جاتی ہیں (ایضاً ۲۰، ۲۴۷)

مطلع الولایت میں ہے کہ جو شخص مہدی جونپوری
کے حضور میں مقبول ہوا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول
ہے اور جو یہاں مردود ہوا وہ عنداللہ بھی
مردود ہے۔ (ایضاً ص۲۰)

پنج فضائل میں ہے کہ ایک روز بعد نماز فجر
سب (دینی) بھائی صف بستہ بیٹھے تھے۔
شاہ دلاور خلیفۂ مہدی نے اپنی بیوی سے
سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں کہ رسول خدا نے
جن کی نسبت فرمایا ہے کہ ہم اخوتی بمنزلتی
یعنی وہ میرے بھائی ہیں جو میرے ہم رتبہ
ہیں اور ایک روز دکھا کر کہا کہ مرسلین کے
درجہ پر ہیں اور مرسل اسے کہتے ہیں کہ حضرت
جبرئیل اس پر وحی لائیں اور بارہ صحابی
تو اس سے بھی افضل تر ہیں (ایضاً ص۲۴)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمود نے اپنے
والد سید محمد جونپوری سے روایت کی کہ
میراں جی نے فرمایا کہ نہ میں کسی سے جنا گیا
اور نہ میں نے کسی کو جنا۔ اور ایک روز ان کے

مجدد و مامور ہوں عبد منصور ہوں۔ مہدی موعود
اور مسیح موعود ہوں مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت
کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ میں مغز
ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں اور روح ہوں جس
کے ساتھ جسم نہیں اور سورج ہوں جس کو دھواں
نہیں چھپا سکتا اور ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو
میری مانند ہو ہرگز نہیں پاؤ گے (اقتباس از خطبہ
الہامیہ)

مسیح قادیاں نے لکھا جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا
اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت
خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے
(حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

مسیح قادیاں نے لکھا:۔ جو میری جماعت
میں داخل ہوا درحقیقت میرے خیر المرسلین
کے صحابہ میں داخل ہوا (خطبہ الہامیہ ص۱۷۱)

مسیح قادیاں نے اپنا ایک کشف بدیں الفاظ
بیان کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بعینہٖ اللہ
ہوں اور میں نے یقین کر لیا کہ میں اللہ ہی ہوں
اسی حالت میں (جبکہ میں بعینہٖ خدا تھا) میں نے

خلیفہ دلاور کے سامنے یوسف نام ایک شخص نے بوقت وعظ سورۂ اخلاص پڑھی جب وہ لم یلد ولم یولد پر پہونچا تو دلاور نے کہا نہیں یلد و یولد یوسف نے کہا نہیں لم یلد ولم یولد دلاور نے کہا یلد و یولد عبدالملک نے یوسف سے کہا بھائی خاموش رہو۔ میاں جی ولایت کا شرف بیان کرتے ہیں۔ جو کہتے ہیں سو حق ہے۔ (ہدیہ ۲۴۹)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری کے خلیفہ میاں نعمت نے کہا گو میں بندہ کمینہ نعمت ہوں لیکن کبھی میں خدا بن جاتا ہوں اور کبھی حق تعالیٰ مجھ سے فرماتا ہے اُنتَ مِنّی وَاَنتَ مِنکَ تو مجھ سے پیدا ہوا اور میں تجھ سے پیدا ہوا (ہدیہ ص ۲۵۰)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری کے خلیفہ شاہ نظام نے اپنا ایک طویل کشف ظاہر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو سرفراز کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے دریافت کرتا ہے کہ اگر تو کہے تو یہ درجہ اس کو دوں ورنہ ہرگز نہ دوں پس میں سفارش کر کے اس (ولی) کو درجہ دلادیتا ہوں۔ (ہدیہ ص ۲۵۰)

مہدوی لوگ سید محمد جونپوری کو رسول

اپنے دل میں کہا کہ ہم دنیا کا کوئی نیا نظام قائم کریں یعنی نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں۔ پس میں نے پہلے زمین اور آسمان اجمالی شکل میں بنائے جن میں کوئی ترتیب اور تفریق نہیں تھی۔ پھر میں نے ان میں تفریق کردی اور جو ترتیب درست تھی اس کے موافق ان کو مرتب کردیا اس وقت میں اپنے تئیں ایسا پاتا تھا کہ گویا میں ایسا کرنے پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمانی دنیا کو پیدا کیا اور کہا اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنیَا بِمَصَابِیحَ پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی سے بناتے ہیں۔
(آئینہ کمالات ص ۵۶۴ - ۵۶۵)

مسیح قادیاں کو الہام ہوا اَنتَ مِنّی وَاَنَا مِنکَ (اے مرزا تو مجھ میں سے پیدا ہوا اور میں تجھ سے پیدا ہوا) (حقیقۃ الوحی ص ۷۴)

مسیح قادیاں نے لکھا: مجھے خدا کی طرف سے دنیا کو فنا کرنے اور پیدا کرنے کی طاقت دی گئی ہے میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہ ہوگا مگر وہی جو مجھ سے ہوگا۔ اور میرے عہد پر ہوگا۔
(کتاب خطبہ الہامیہ ص ۳۵)

مولوی ظہیر الدین مرزائی متوطن اروپ ضلع

صاحب شریعت جانے ہیں اور ان کے
بعض احکام کو شرع محمدی کے بعض احکام
کا ناسخ سمجھتے ہیں۔

(ہدیہ مہدویہ ۲۴)

شواہد کے تیرھویں باب میں لکھا ہے کہ
مہدویت اور نبوت میں نام کا فرق ہے
کام اور مقصود ایک ہے (ہدیہ ۲۴) امام العقائد
لکھا ہے کہ مہدی موعود فرماتے ہیں جو حکم
کہ میں بیان کرتا ہوں خدا کی طرف سے
بامر خدا بیان کرتا ہوں جو کوئی ان احکام
میں سے ایک حرف کا منکر ہوگا وہ عند اللہ
ماخوذ ہوگا۔ (ہدیہ ۲۵)

سید جونپوری کو ہندی، فارسی، عربی
اور گجراتی میں الہام ہوتے تھے۔ منجملہ ان کے
یہ اردو فقرہ بھی وحی ہوا "اے سید محمد دعوی
مہدویت کا کھلاتا ہوئے تو کھلا نہیں تو
ظالماں میں کروں گا۔ چنانچہ شواہد الولایت
کے باب ہفدہم میں لکھا ہے۔ وہ کیا فصیح و
بلیغ فقرہ اترا کہ تمام اہلِ ہند کو اس کی
فصاحت نے حیران کر دیا۔

(ہدیہ مہدویہ ۲۶)

شواہد الولایت کے چھبیسویں باب میں لکھا ہے
کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ
نے اس عاجز کے اوصاف پیغمبروں کے

گجرانوالہ مرزا صاحب کو صاحب شریعت رسول
بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کے الہاموں
میں لفظ رفق (فرمی) آیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے واسطے قرآن میں نہیں آیا (آئینہ
کمالات) بلکہ مرزا نے بھی بہت سے احکام اسلامی
کو منسوخ قرار دیا اور شرح اس کی آگے آئیگی۔

مرزا قادیاں نے لکھا لعنت ہے اس شخص پر
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ
ہو کر نبوت کا دعوی کرے۔ مگر یہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوت۔

(چشمہ معرفت ۲۵، ۳۲۴)

مرزا کو بھی کئی زبانوں میں الہام ہوتے تھے
چند الہام ملاحظہ ہوں۔ خاکسار پیپرمنٹ پیٹ
پھٹ گیا۔ جیسے جیسے جہنم میں چلا گیا۔ خدا قادیان
میں نازل ہوگا۔ ستی وستاں عشرت را در دس از
مائی ایمی۔ پریشن، لبست ویک روپیہ آنے والے
ہیں۔ قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں
ہیں۔ دیکھو کیا کہتی ہے تصویر تمہاری۔ میں اس
گھر سے جانے والی تھی مگر تیرے واسطے رہ گئی۔

(البشری و حقیقۃ الوحی)

مسیح قادیان نے لکھا۔ خدا نے مجھے آدم سے
لے کر یسوع مسیح تک مظہر جمیع انبیاء قرار دیا
یعنی الف سے حرف یا تک اور پھر تکمیل دائرہ کی

سامنے بیان فرمائے تھے اس لئے اکثر پیغمبروں کو تمنا تھی کہ اس عاجز کی صحبت میں بہرہ پائیں اور اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ اکثر انبیاء و مرسلین اولوالعزم دعا مانگتے تھے کہ بار خدایا ہم کو امت محمدی میں کرکے مہدی کے گروہ میں کرے۔ ان میں سے مہتر عیسیٰ کی دعا قبول ہوئی کہ اب وہ آکر بہرہ یاب ہوں گے۔ چنانچہ دیوان مہدی کا مؤلف سید جونپوری کی نعت میں لکھتا ہے ؎

بل چہ عالم کہ ز آدم و عیسیٰ — زیحییٰ و خلیل از موسیٰ
بودہ غایت بصحبتش ہوسے — ہر چہ ہست از ولایت است ظہور

ولہ

نقطۂ آن دائرۂ مفضلان — شد متمنائے ہمہ مرسلان
خواست ز حق ہر یکے از اولین — رب اجعلنی لمن الآخرین

(ہدیہ مہدویہ ۲۴۴)

غرض سے الف آدم سے لیکر الف احمد تک صفت مظہریت کا خاتم بنایا (نزول المسیح ص۲) اسی طرح لکھا ؎ آدمم نیز احمد مختار، در برم جامۂ ہمہ ابرار، آنچہ داد است ہر نبی را جام، داد آں جام را مرا بتمام، آں یقینے کہ بود عیسیٰ را، ہر کلامے کہ شد برو القا، واں یقین کلیم بر توراۃ، واں یقینہا ہائے سید السادات، کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین، ہر کہ گوید دروغ ہست لعین، زندہ شد ہر نبی بآمدنم، ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم (نزول المسیح ۹۹-۱۰۰) مرزا محمود احمد نے کہا کہ مسیح موعود کا ذہنی ارتقار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا اس زمانہ میں ذہنی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت پر حاصل ہے۔ نبی کریم صلعم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ قابلیت تھی (قادیانی ریویو جون ۱۹۲۹ء)

پنج فضائل میں ہے کہ مہدی جونپوری قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے۔ حاجی محمد فراہی نے پوچھا میراں جی خدام تو آئے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کب آئیں گے میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے آئیں گے فوراً حاجی محمد فراہی کو عیسیٰ روح اللہ کا مقام حاصل ہو گیا میراں (سید جونپوری) کی زندگی بھر تو خاموش رہا ان کی رحلت کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھہ کی طرف جا کر مسیحیت

مسیح قادیاں نے لکھا:۔ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔

(کشتی نوح ص۵۶)

اور لکھا کہ ؎

اینک منم بحسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم

کا دعویٰ کر دیا (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴۵)

شواہد الولایت (مہدویوں کی ایک کتاب) کے چوبیسویں باب میں لکھا ہے کہ میراں (سید محمد جونپوری) نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ارواح اولین و آخرین کو حاضر کر کے فرمایا کہ اے سید محمد! ان سب ارواح کا پیشوا بننا قبول کر۔ میں نے اپنی عاجزی کا خیال کر کے عذر کیا۔ پھر یہ دیکھ کر عنایت الٰہی میرے حال پر مبذول ہے قبول کر لیا۔ (ہدیہ مہدویہ ۲۴۵)

شواہد الولایت کے چھبیسویں باب میں لکھا ہے کہ دونوں محمدوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور فرق کرنے والے کو زیاں ہے یعنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سید جونپوری برابر ہیں اور مہدویہ کی ایک کتاب جو ہر نامہ میں لکھا ہے (دوہرہ)

نبی مہدی یک ذات جانو برابر اجتہاد عقلی ہوک
ظاہر باطن تابع متبوع حق مانو کل ادراک

مہدویوں کی ایک کتاب صراط مستقیم میں ہے کہ نبی و مہدی علیہما السلام یک ذات موصوف بجمیع صفات سرتاپا مسلمان ظاہر و باطن کلام اللہ سوں برابر فرق کون ہارے کافر مردود۔

(ہدیہ مہدویہ ۲۴۵-۲۴۶)

مرزا نے لکھا خدا عرش پر میری تعریف کرتا ہے انجام آتھم ۵۵، میرے آنے سے پہلوں کے سورج ڈوب گئے (خطبہ الہامیہ)، زندہ شد ہر نبی بآمدنم، ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم، (درثمین ۱۶۰) جس طرح پہلی رات کا چاند کمی روشنی کی وجہ سے ہلال اور چودھویں کا کمال روشنی کی وجہ سے بدر کہلاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدی اول میں ہلال اور میں چودھویں صدی میں بدر منیر ہوں (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱-۱۸۵ تک کا خلاصہ)

مرزا نے لکھا کہ جس شخص نے مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ فرق سمجھا نہ تو اس نے مجھے پہچانا اور نہ مجھے دیکھا (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱) میرا وجود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہو گیا۔ (ایضاً) میں خود محمد اور احمد بن چکا ہوں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنے دوسرے وجود میں اپنی نبوت سنبھال لی ہے اور محمد کی نبوت محمد ہی کے پاس رہی ہے غیر کے پاس نہیں گئی (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر خاتم النبیین کو مبعوث کرے گا پس مسیح موعود خود رسول اللہ تھے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے (کلمۃ الفصل ص ۱۰۵) محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں،

مہدویہ کا اعتقاد ہے کہ سید محمد جونپوری
ہی مہدی موعود تھے۔ اب ان کے سوا کوئی
مہدی وجود میں نہیں آئے گا جو شخص اس
عقیدے پر نہیں وہ کافر ہے۔ (ایضاً ۲۵۹)

مہدویہ کہتے ہیں کہ سید جونپوری وہی
مہدی ہے جس کی نسبت محمد بن سیرین نے
فرمایا کہ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے
بہتر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر
ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ
بعض انبیاء علیہم السلام پر بھی فضیلت رکھتا
ہے۔ (ہدیہ ۲۸۲)

مہدویہ کہتے ہیں کہ نبوت و رسالت کسبی
ہے کہ جب ریاضت و مشقت زیادہ کرتے
ہیں تو حاصل ہو جاتی ہے۔ غرض ان کے
نزدیک شرط استحقاق زیادہ مشقت ہے
لیکن یہ اہلِ ایمان کا یہ مذہب نہیں بلکہ
یہ فلاسفۂ یونان کا مشرب ہے۔ (۲۷۸)

سید محمد جونپوری کے پیروؤں نے اپنی
دعوت کی بنیاد امر معروف و نہی منکر
پر رکھی۔ ان کے طریقہ کی پہلی شرط یہ تھی
کہ ہر حالت میں احکام شریعت کی تبلیغ
کریں یہ لوگ جہاں کہیں شہر و بازار میں
کوئی نامشروع دیکھتے تو حق احتساب

اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں، محمد
دیکھنے ہوں جس نے اکمل، غلام احمد کو دیکھے
قادیاں میں (بدر جلد ۲ نمبر ۴۳)

وہ آخری مہدی جس کی بشارت آج سے
تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے دی تھی وہ میں ہی ہوں۔
(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۲)

مرزا غلام احمد نے لکھا "میں وہی مہدی
ہوں جس کی نسبت محمد ابن سیرین سے سوال
کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابوبکر کے درجہ پر
ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ابوبکر تو کیا
وہ تو بعض انبیاء سے بھی بہتر ہے۔
(معیار الاخبار ص۱۱)

میاں (محمود احمد) صاحب (خلیفہ ثانی)
نے زبانی گفتگو میں یہاں تک بھی فرمادیا کہ اگر
میں کوشش کروں تو نبی بن سکتا ہوں اور
اگر منشی فاضل جلال الدین (راوی) کوشش
کریں تو وہ بھی نبی بن سکتے ہیں۔
(النبوۃ فی الاسلام ص ۱۷۵)

مسٹر محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور زیر
عنوان "احمدیت اشاعت اسلام کی تحریک
ہے" لکھتے ہیں احمدیت کا صحیح مفہوم صرف
اسی قدر ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کی ایک زبردست
تحریک ہے اور جس قدر اس کی نمایاں خصوصیات
ہیں وہ صرف اسی عظیم الشان غرض کو حاصل

ادا کرتے شیخ علائی مہدوی خاص طور پہ امر معروف و نہی کے منکر تھے۔
(منتخب التواریخ ص ۱۰۷-۱۰۸)

انصاف نامہ کے باب دوم میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ میری مہدویت کا انکار کفر ہے اور ملا احمد خراسانی نے سید محمود فرزند مہدی جونپوری سے پوچھا کہ منکرین مہدی کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں کہا کافر کہتا ہوں ملا احمد نے کہا اگر بالفرض میں انکار کروں کہا کہ اگر سلطان العارفین بایزید بسطامی بھی مہدی کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے۔ (ہدیہ مہدویہ ۱۹۸)

انصاف نامہ کے باب سوم میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری نے فرمایا کہ ہمارے منکروں کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے اگر پڑھی ہوں تو اعادہ کرے۔
(ہدیہ مہدویہ ۱۹۸)

انصاف نامہ کے باب چہارم میں لکھا ہے کہ شہر ٹھٹھہ میں میراں اپنی مہدویت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ایک شخص اپنے لڑکے کے لئے ملتجی دعا ہوا مہدی جونپوری نے

کرنے کے ذرائع ہیں یہاں تک کہ وہ خود بانی تحریک کے دعاوی کو ماننا بھی بجائے خود ایک مقصد نہیں بلکہ تبلیغ اسلام کے اہم مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (تحریک احمدیت ۱۷۹)

مسیح قادیان کو الہام ہوا جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا وہ جو تیری بیعت میں داخل نہیں ہو گا اور جو تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے (اشتہار معیار الاخیار ۱۸۹۹ء) مرزا نے ڈاکٹر عبد الحکیم خاں مرحوم پٹیالوی کو لکھا تھا "خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہونچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے (جریدہ فاروق ۱۲ جنوری ۱۹۳۵ء) جو شخص میرے مخالف ہیں ان کا نام عیسائی یہودی اور مشرک رکھا گیا (تمۃ حقیقۃ الوحی ص ۱۱)

مرزا غلام احمد نے کہا کہ جو شخص ہمارا منکر ہے اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے اور فتاوی احمدیہ ص ۲۱ میں ہے کہ مسیح موعود نے فرمایا کہ جو شخص حج کو جائے وہ مکہ معظمہ اپنی جائے قیام پر ہی نماز پڑھ لے۔
(الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۸ء)

مرزا محمود احمد خلیفۂ ثانی نے اپنی تقریر میں کہا:۔ جو شخص احمدی نہیں وہ ہمارا دشمن ہے ہماری بھلائی کی صرف ایک صورت ہے کہ ہم تمام دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں تاکہ

جواب دیا کہ اگر حق تعالیٰ قوت دے
تو میں (دعا کی جگہ) تم لوگوں سے جزیہ
لوں اور خوند میر خلیفہ مہدی کہا کرتا تھا
کہ منکر لوگ حربی ہیں۔

(ہدیہ مہدویہ ۱۹۸)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ہر صدی
کے سر پر ایک مجدد ہوگا اور اس کے
شارحین اور نووی لکھتے ہیں کہ دسویں
صدی کے سر پر مہدی مجدد ہوں گے
اور سید جونپوری کی ذات بھی اسی تاریخ
پر ہوئی (۸۲)

سید جونپوری نے حکم دیا کہ کسی کے
پاس قلیل مال ہو یا کثیر اس کا دسواں
حصہ خیرات کرنا اس پر فرض ہے (ایضاً ص ۲۸)
کتب مہدویہ میں لکھا ہے کہ مہدی
جونپوری کی عادت تھی کہ جب دعویٰ
کرتے تھے تو الفاظ دعوی سے تاریخ
نکلا کرتی تھی چنانچہ یہاں قال من
اتبعنی فھو مومن (فرمایا جس نے میرا
اتباع کیا وہ مومن ہے) سے تاریخ
سنہ ۹۰۵ھ کی عیاں ہے۔

(ایضاً ۹۵)

مہدوی لوگ کلام الٰہی کی لفظی و معنوی
تحریف کرتے ہیں حالانکہ یہ اہل کتاب کا

ان پر غالب آنے کی کوشش کریں۔ شکاری
(مرزائی) کو کبھی غافل نہ ہونا چاہیے اور
اس امر کا برابر خیال رکھنا چاہیے کہ شکار
(مسلمان) بھاگ نہ جائے یا ہم پر ہی حملہ نہ
کرے (الفضل ۲۵ اپریل سنہ ۳۳) ہمارے
دشمن (مسلمان) جنگلوں کے سؤر ہیں اور ان کی
عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں (نجم الہدیٰ ص ۱۰)

مرزا نے لکھا کہ انبیاء گذشتہ کے کشوف
نے اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ وہ (مہدی)
چودھویں کے سر پر پیدا ہوگا اور نیز یہ کہ پنجاب
میں ہوگا۔ (اربعین نمبر ۲ ص ۲۳)

مرزا نے حکم دیا کہ اس قبرستان میں وہی
مدفون ہوگا جو اپنی جائداد کے دسویں حصہ یا
اس سے زیادہ کی وصیت کرے (الوصیۃ ص ۱۹)
مرزائے قادیان کی بھی عادت تھی کہ ایسے
الفاظ کے عدد نکالنے کے درپے رہتے تھے
جن سے وہ کسی طرح مسیح سمجھے جا سکیں ازالہ صفحہ
۱۵۸ میں لکھا کہ "غلام احمد قادیانی" کے
اعداد تیرہ سو ہیں اور صرف میرا ہی دعویٰ کرنا
اس امر کی دلیل ہے کہ میں ہی اس صدی
میں مسیح ہو کر آیا ورنہ تم آسمان سے مسیح کو
اتار لاؤ۔"

مرزا تحریف و تبدیل میں بالکل فرقہ باطنیہ
کا نقش ثانی تھا۔ چنانچہ لکھا کہ علماء کو روحانی

عموماً خصوصاً یہود کا شیوہ ہے اور ہر جگہ تحریف کرتے وقت کہتے ہیں کہ اس سے مراد الٰہی یہ ہے اور تفسیر بالرائے کفر ہے اور ظاہری مطلب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی معنی گھڑ لینا فرقہ باطنیہ کا طریقہ ہے جو نصوص و احکام کو ظاہری معنی پر محمول نہیں سمجھتے بلکہ جو جی میں آتا ہے قرآن و حدیث کے معنی بنا لیتے ہیں حالانکہ یہ فرقہ بالاتفاق گمراہ ہے اور لطف یہ ہے کہ فرقہ باطنیہ کو یہ لوگ بھی گمراہ سمجھتے ہیں لیکن تحریف اور تاویل کاری میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں (ایضاً ۱۷۹)

قرآن حکیم میں ہے" اے پیغمبرؐ آپ (جلد یاد کر لینے کی غرض سے وحی کے ساتھ ہی) اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے (کیونکہ آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوا دینا ہمارا کام ہے سو جب جبریل پڑھا کریں تو آپ اس کی متابعت کیجئے پھر (اس قرارۃ کے بعد) اس کا مطلب واضح کرنا بھی ہمارے ذمے ہے، جونپوری نے اس آیۃ کی تفسیر میں کہا کہ ثم تراخی کے لئے آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا واضح مطلب مہدی کی زبان سے ظاہر ہوگا۔" مہدی جونپوری کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ اے پیغمبر آپ بالفعل الفاظ قرآن کو تو جبریل سے

کوچہ میں دخل ہی نہیں۔ یہودیوں کے علمار کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے جاتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرا گروہ (باطنیہ اور مرزائیہ کا) بھی ہے جو آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ بہت تھوڑے ہیں۔

(ازالہ صفحہ ۱۱۰)

مسیح قادیان نے کہا "میں قرآن کی غلطیاں نکالنے آیا ہوں (ازالہ ۳۷۱)

کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے (جو شارع علیہ السلام اور صحابہؓ سے ارثاً پہونچی تھیں) مولوی لوگوں کو بہت خراب کیا ہے اور ان کے دلی اور دماغی قویٰ پر بہت برا اثر ان سے پڑا ہے (ازالہ ۳۷۹)

میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس میں میرا مقابلہ کر سکے (ضرورۃ الامام صفحہ ۲۶)

یہ عاجز اسی کام کے لئے مامور ہے تاکہ غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۷۷)

یکھ لیجئے، لیکن قرآن کا مطلب و مفہوم ہم
نو سو سال بعد سید محمد جونپوری کی زبان
سے ظاہر کریں گے اور تمام امت مرحومہ
تو صدیوں تک محروم البیان اور خطائے
معنوی میں مبتلا رہے گی۔

(ہدیہ مہدویہ ۱۲۰-۱۲۳)

سید جونپوری نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے
بندے (جونپوری) کے وصف پیغمبروں
سے بیان فرمائے اس لئے اکثر پیغمبروں
کی تمنا تھی کہ میری صحبت میں پہونچیں۔
(ایضاً ص ۲۴۴)

مرزا غلام احمد نے لکھا " اے عزیزو!
اس شخص (مرزا) مسیح موعود کو تم نے دیکھ
لیا جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں
نے خواہش کی۔ (اربعین نمبر ۴ ص ۱۴)

ہر چند کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے پیشرو مرزا علی محمد باب کے خوان الحاد سے بہت کچھ ریزہ چینی کی لیکن اس نے اپنی عادت مستمرہ کے بموجب احسان شناسی کے فرض سے ہمیشہ پہلو تہی کی۔ قادیانی تحریک کے متعلق علامہ سید محسن امین عاملی کا ایک مضمون مئی ۱۹۲۵ء میں ہندوستان کے بعض جرائد میں شائع ہوا تھا جس میں صاحب ممدوح نے لکھا تھا کہ جب مرزا غلام احمد کا اعجازی کلام دمشق میں پیش کیا گیا تو اہلِ دمشق نے صاف کہہ دیا کہ قادیاں کا سارا علمی سرمایہ اور استدلال بابیوں کا سرقہ ہے۔ اور یہ کہ اہلِ قادیاں بابیوں کی نامکمل نقل ہیں (کوکب ہند ۱۷ مئی ۱۹۲۵ء) اور ڈاکٹر ایچ ڈی گرسؔ وولڈ نے لکھا کہ جہاد سے دست بردار ہونا اور جس سلطنت کے زیر سایہ ہوں اس کے حق میں وفاداری اور خیر خواہی کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں ایران کے موجودہ بابی اور ہندوستان کے مرزائی حد درجہ کی مشابہت اور موافقت رکھتے ہیں بلکہ یہ مشابہت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ خواہ مخواہ یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا فرقہ پہلے کی نقل ہے ("مرزا غلام احمد قادیانی" مؤلفہ ڈاکٹر گرس وولڈ ص ۴۳) اب ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ مرزائیت اور بابیت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔

مرزا علی محمد باب

ملا محمد حسین بشرویہ نے کہا کہ مشرق اور مغرب کے تمام سلاطین ہمارے سامنے خاضع و سربسجود ہوں گے (نقطۃ الکاف ص ۱۶۲)

کتاب بیان میں پہلے سے وہ احکام و دستور العمل درج کر دیئے گئے ہیں جن پر مستقبل کی بابی سلطنت کا عمل درآمد ہوگا اور "بیان" میں صریحاً مذکور ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ سارا ایران بابی ہو جائیگا اور وہاں کا آئین و قانون کتاب "بیان" کا قانون ہوگا (مقدمہ نقطۃ الکاف ص کج)

حضرات بابیہ باطنی و روحانی سلطنت کے حکمران ہیں اور ضرور ہے کہ ظاہری سلطنت بھی ان کو پہونچے گی گو ہزار سال ہی کیوں نہ لگ جائے (ایضاً ۱۸۲-۱۸۳)

مرزا علی محمد باب نے کہا "محمد نقطہ فرقان ہیں اور میرزا علی محمد باب نقطہ بیان ہے اور پھر دونوں ایک ہو جاتے ہیں (دیباچہ نقطۃ الکاف)

تمام انبیاء کرام امی تھے اور مرزا علی محمد باب بھی امی تھا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۹)

مرزا علی محمد باب نے کہا "علماء علم عمل

مرزا غلام احمد

مرزا غلام احمد نے ایک الہام کے رو سے پیشین گوئی کی کہ بادشاہ میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے (حقیقۃ الوحی)

مسیح موعود نے کہا کہ ساری دنیا میں احمدیت ہی احمدیت پھیل جائے گی۔ (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۲۴ء) مرزا محمود احمد نے کہا مجھے تو ان غیر احمدی مولویوں پر رحم آیا کرتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ احمدیوں کو حکومت دے گا۔ احمدی بادشاہ تختوں پر بیٹھیں گے "الفضل" کے پرانے فائل نکال کر پیش ہوں گے۔ تو اس وقت ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا (الفضل ۱۵ اکتوبر سنہ ۲۴ء)

مسیح قادیاں نے لکھا خدا تعالیٰ نے ہر ایک بات میں وجود محمدی میں مجھے داخل کر دیا یہاں تک کہ یہ بھی نہ چاہا کہ کہا جائے کہ میرا کوئی الگ نام ہو یا کوئی الگ قبر ہو۔

(نزول المسیح ص ۴)

مسیح قادیاں نے لکھا آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن و حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا (ایام الصلح ص ۱۴۷)

مسیح قادیاں نے لکھا "یہ مولوی لوگ اس بات

میں مستور اور حب ریاست میں گرفتار ہیں
ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا اور
نظر انصاف سے نہ دیکھا بلکہ اس کے برعکس
رد و اعراض کی زبان کھول دی۔ ان
حرمان نصیبوں نے کہا جو کچھ کہا اور کیا
جو کچھ کیا۔ (نقطۃ الکاف ۱۰۸۔۱۰۹)

مؤلف نقطۃ الکاف نے سید یحییٰ سے
دریافت کیا کہ تمہارے والد محترم کا حضرت
حق (مرزا علی محمد باب) کے متعلق کیا
خیال ہے؟ سید یحییٰ نے جواب دیا کہ وہ اس
وقت تک اظہار توقف کر رہا ہے۔ اس کے بعد
کہا میں ذات اقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں
کہ اگر میرا والد باوجود اس جلالت قدر کے
اس ظہور باہر النور پر ایمان نہ لایا تو میں
سبیل محبوب میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن
اڑا دوں گا۔ (ایضاً ۱۲۲)

علماء سے میرزا علی محمد باب نے کہا کہ قرآن
کی ہر آیہ میرے دعووں کی تصدیق کرتی
ہے (نقطۃ الکاف ۱۳۴)

مرزا علی محمد باب نے اپنی کتاب "بیان"
میں لکھا تم لوگ یہود کی تقلید نہ کرو جنہوں
نے مسیح علیہ السلام کو دار پر چڑھایا اور نصاریٰ
کی بھی پیروی نہ کرو جنہوں نے محمد علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے انکار کیا اور اہل اسلام کی

کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں میں نہیں
جانتا کہ نفاق سے زندگی بسر کرنا انھوں نے کہاں
سے سیکھ لیا ہے کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے
انھیں بہت خراب کیا ہے (ازالہ ص ۲۷۹) یہ
لوگ سچائی کے پکے دشمن ہیں راہِ راست کے جانی
دشمن کی طرح مخالف ہیں (کشتی نوح ص ۷) اور
لکھا اے بدذات فرقہ مولویان اے یہودی خصلت
مولویو۔ (انجام آتھم ص ۱۹)

ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان
نہ سمجھیں (انوار خلافت ۹۰) اگر کسی احمدی
کے والدین غیر احمدی ہوں اور وہ مرجائیں
تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے (الفضل
۲ مارچ ۱۹۱۵ء) اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا
بچہ بھی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی
جائے (فتاویٰ احمدیہ ص ۳۱۳) مسیح قادیانی
کا ایک بیٹا فوت ہوگیا جو زبانی طور پر آپکی
تصدیق کرتا تھا لیکن مسیح موعود نے اس
کا جنازہ نہ پڑھا۔ فتاویٰ احمدیہ ص ۳۰۸)

مسیح قادیان نے لکھا: میں زور سے دعویٰ
کرتا ہوں کہ قرآن شریف میری سچائی کا گواہ ہے۔
(تذکرۃ الشہادتین ۴۲)

مرزا نے لکھا کہ تیرھویں صدی میں وہ لوگ
جابجا یہ وعظ کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں
امام مہدی یا مسیح موعود آئے گا اور کم سے کم
یہ کہ ایک بڑا مجدد پیدا ہوگا۔ لیکن جب چودھویں
صدی کے سر پر وہ مجدد پیدا ہوا اور خدا تعالیٰ

بھی پیروی نہ کرو جو ہزار سال سے مہدی
موعود کے انتظار میں سراپا شوق بنے بیٹھے
تھے لیکن جب ظاہر ہوا تو اس سے انکار
کر دیا۔ دیباچہ نقطۃ الکاف)

حضرت قائم علیہ السلام (میرزا علی محمد باب)
کا ظہور بھی جناب محمد رسول اللہ ہی کی
رجعت ہے (نقطۃ الکاف ۲۷۳)

عارف باللہ اور عبد منصف کے لئے تو
سارا قرآن حضرت قائم علیہ السلام (میرزا
علی محمد باب) کی عظمت شان کی باطنی تفسیر
ہے (ایضاً ۲۷۳)

اہلِ ظاہر کی ظاہری الفاظ پر نظر
ہوتی ہے اس لئے اس کے مصداق کو
نہیں پاتے حالانکہ وہاں اس کا باطن
مراد ہوتا ہے لیکن اس کے باطن تک پہونچنا
ہر بے سر و پا کا کام نہیں بلکہ یہ ایک جلیل القدر
منصب ہے جس کا مقام فرشتہ یا نبی یا مومن
ممتحن سے قریب ہے اور آج کل مومن ممتحن
ہی کہاں ملتا ہے اور یہ کس کی مجال ہے کہ
اتنا بڑا دعویٰ کرے پس ظہور مہدی علیہ السلام
کی جو علامتیں حدیثوں میں مذکور ہیں ان سے
ان کا باطن مراد ہے اور چونکہ اکثر اہلِ آخر الزمان
ظاہر بین واقع ہوئے ہیں اس لئے حدیثوں

کے الہام نے اس کا نام مسیح موعود رکھا تو
اس کی سخت تکذیب کی اور اگر خدا تعالیٰ کے
فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کی اس ملک ہند
میں سلطنت نہ ہوتی تو مدت سے اس کو ٹکڑے
ٹکڑے کر کے معدوم کر دیتے۔
(کتاب ایام الصلح صفحہ ۲۶)

مسیح قادیان نے لکھا: "میری طرف سے کوئی
نیا دعویٰ نبوت اور رسالت کا نہیں بلکہ میں
محمدی نبوت کی چادر کو ہی ظلی طور پر اپنے
اوپر لیا ہے (نزول المسیح صفحہ ۳)

مسیح قادیان نے لکھا۔ میں زور سے دعویٰ
کرتا ہوں کہ قرآن شریف میری سچائی کا گواہ
ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ۴۲)

مسیح قادیان نے لکھا: لیکن مشکل تو یہ ہے کہ
روحانی کوچہ میں ان (علماء) کو دخل ہی نہیں
یہودیوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی
قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک
دوسرا گروہ (مرزائیوں کا) بھی ہے جن کو
خدا تعالیٰ نے یہ بصیرت اور فراست عطا کی
ہے کہ وہ آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت
کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور
مجازات کے قائل ہیں لیکن افسوس کہ وہ لوگ
بہت تھوڑے ہیں (ازالہ ص ۱۱۰) ہر ایک
استعارہ کو حقیقت پر حمل کر کے اور ہر ایک
مجاز کو واقعیت کا پیرایہ پہنا کر ان حدیثوں کو

کا مطلب نہیں سمجھتے۔

(نقطۃ الکاف ص ١٨٢-١٨٣)

بابی لوگ مرزا علی محمد باب کی تالیفات کو خرق عادت یعنی معجزہ یقین کرتے تھے۔

(مقالۂ سیاح ص ٥)

مرزا علی باب نے کہا میں تفسیر آیات و احادیث ائمہ اطہار کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں میرے کلمات فصاحت ظاہری و باطنی کو متضمن ہیں پانچ ساعت میں بدوں تفکر و سکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں۔ میرے سوا کسی کو یہ قدرت نہیں دی گئی۔ اگر کسی کو دعویٰ ہو کہ میری طرح وہ بھی الہٰی ہے تو وہ میرے جیسا کلام پیش کرے۔

(نقطۃ الکاف ص ١٠٧)

ملا محمد علی محمد نے بیان کیا کہ مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ان کا جو امام غائب ہو گیا تھا وہ ظاہر ہو گا کیونکہ مسلمین برابر منتظر تھے۔ اب ہم لوگ (بابی) کہتے ہیں کہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور میرزا علی محمد باب ہے لیکن یہ نادان ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث ہی کو جو باب علیہ السلام کے حق میں وارد ہوئی ہیں محک حق و باطل بنالو مگر کچھ التفات نہیں کرتے ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اچھا بابی حضرات کے علم و عمل

ایسے دشوار گذار راہ کی طرح بنایا گیا جس پر کسی محقق معقول پسند کا قدم نہ ٹھہر سکے۔

(ایام الصلح ٤٩)

مسیح قادیان نے لکھا:۔ میری کلام نے وہ معجزہ دکھایا کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔

(نزول المسیح ص ٢٣٢)

مرزا غلام احمد نے لکھا کہ خدا تعالے کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ میں فصیح بلیغ عربی میں تفسیر لکھ سکتا ہوں۔ اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مولوی ہو یا گدی نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکے گا۔

(نزول المسیح ص ٥٣)

مسیح قادیان نے لکھا:۔ دیکھو آسمان نے خسوف کسوف کے ساتھ گواہی دی اور تم نے پرواہ نہیں کی اور زمین نے غلبہ صلیب اور نجاست خوردن کے نمونہ سے گواہی دی اور تم نے پرواہ نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے پاک اور بزرگ نبی کی عظیم الشان پیشین گوئیاں گواہوں کی طرح کھڑی ہو گئیں اور تم نے ذرہ التفات نہیں کی (ایام الصلح ص ٩١) بڑا افسوس ہے کہ خدا کی طاقت کھلے طور پر میری تائید میں آسمان سے نازل ہو رہی ہے مگر یہ لوگ شناخت نہیں کرتے۔ امت

تقویٰ طہارت تدین توجہ الی اللہ زہد و
ایثار تبتل و انقطاع کو غیر بابیوں کے
علم و عمل سے مقابلہ کر لو وہ کچھ جواب
نہیں دیتے ہم نے بارہا مباہلہ کی دعوت
دی کہتے ہیں ہمارے ہاں مباہلہ جائز
نہیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۳۰)

صنیعہ کی ضرورت پر نظر نہیں ڈالتے۔
صلیبی غلبہ کا مشاہدہ نہیں کرتے اور ہر روز
ارتداد کا گرم بازار دیکھ کر ان کے دل نہیں
کانپتے اور جب ان کو کہا جائے کہ عین
ضرورت کے وقت میں عین صدی کے سر پر
غلبہ صلیب کے ایام میں یہ مجدد آیا تو کہتے ہیں
کہ حدیثوں میں ہے کہ اس امت میں تیس
دجال آئیں گے۔ (نزول المسیح ص ۳۳)

مرزا علی محمد باب کا دعویٰ تھا کہ میں
رسول اللہ کی رجعت اور مہدی موعود
ہوں۔ ائمہ دین نے میرے حق میں بہت
سی پیشین گوئیاں کی ہیں۔ (الفا ص ۱۵۲)

مسیح قادیان نے لکھا:۔ ہاں میں وہی ہوں
جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا
اور پھر خدا نے ان کی معرفت بڑھانے کے
لیے منہاج نبوت پر اس قدر نشانات ظاہر
کیے کہ لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں۔
(فتاویٰ احمدیہ جلد اول ص ۵۱)

امام جامع اصفہان نے مرزا علی محمد باب
سے سوال کیا کہ تمہاری حقیقت کی کیا
دلیل ہے؟ کہنے لگا میری آیت صدق
یہ ہے کہ میں ہر موضوع پر چھ ساعت
میں ہزار بیت قلم برداشتہ بلا غور و
فکر لکھ دیتا ہوں۔ امام نے کہا اچھا سورۃ
کوثر کی تفسیر ہمارے سامنے لکھو۔ پانچ
چھ ساعت میں ہزار بیت لکھ دیئے امام جامع
اصفہان کو یقین ہو گیا کہ یہ قوت منجانب
اللہ ہے۔
(نقطۃ الکاف ص ۱۱۶)

مرزا نے لکھا کہ میں خاص طور پر خدا تعالیٰ
کی اعجاز نمائی کو انشا پردازی کے وقت
بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب
میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا
ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر
سے مجھے تعلیم دے رہا ہے (نزول المسیح ص ۵۶)
جس قدر متفرق کتابوں میں اسرار اور نکات
دینی خدا تعالیٰ نے میری زبان پر باوجود
نہ ہونے کسی استاد کے جاری کیے ہیں اور
جس قدر میں نے باوجود نہ پڑھنے علم و
ادب کے بلاغت اور فصاحت کا نمونہ دکھایا
ہے اس کی کوئی نظیر نہیں (ایام الصلح)

باب نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا اس وقت اسے کمال نصیب نہ ہوا تھا۔ البتہ محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر اسے کمال نصیب ہوا اسی طرح قرآن کا درخت تو رسول اللہ کے زمانہ میں لگا لیکن اس کا کمال سنہ ۱۲۷۰ء میں ہوا۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن صفحہ۔ الاولیٰ)

مسیح قادیان نے لکھا:۔ جس طرح پہلی رات کا چاند کمی روشنی کی وجہ سے ہلال اور چودھویں کا کمال روشنی کی وجہ سے بدر کہلاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدی اول میں ہلال اور میں چودھویں صدی میں بدر منیر ہوں۔

(خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷۔ ۱۸۵ کا خلاصہ)

باب کے احکام توحید و تفرید الٰہی کی حیثیت رکھتے ہیں تمام مال حضرت باب کے مال ہیں۔ دنیا کے تمام مرد باب کے غلام اور تمام عورتیں آپ کی لونڈیاں ہیں جتنا مال چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممن تشآء۔

(نقطۃ الکاف ص ۱۵۰)

مرزا غلام احمد نے لکھا کہ ریل گاڑی بوجہ ملکیت اور قبضہ اور تصرف تام اور ایجاد دجال کا گدھا کہلاتا ہے اس کے علاوہ جبکہ مسیح موعود قاتل دجال ہے یعنی روحانی طور پر تو بموجب حدیث مَنْ قَتَلَ قَتِیْلاً کے کچھ دجال (انگریز اور دوسری یورپی اقوام) کا ہے وہ سب مسیح کا ہے۔

(ازالہ اوہام جلد دوم خاتمہ)

مرزا علی محمد باب نے کہا میں جو کچھ کہتا ہوں منجانب اللہ کہتا ہوں میں حرام و حلال کے متعلق جو حکم کروں اسے حکم الٰہی یقین کرو۔ اور اس سے اعراض و انکار نہ کرو

(ایضاً ۱۰۹)

حضرت مسیح موعود دنیا کو دین واحد پر جمع کرنے کے لئے آئے تھے آپ کے مقصد اتحاد میں لاشرقیۃ ولا مغربیۃ کی شان ہے وہاں مشرق مغرب بلکہ کل دنیا کو ایک دین پر جمع کرنا ہے۔ (الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۲۴ء

جب مرزا علی محمد باب کے حواری ملا محمد علی کو گرفتار کر کے شہر بارہ فروش میں لے گئے تو وہ غضبناک شہریوں میں سے جس کسی کے پاس سے گزرتا اسے ایک دو

ایک مرزائی نامہ نگار لکھتا ہے کہ ہم (مرزا صاحب کے ساتھ) گنتی کے چند آدمی تھے۔ جدھر کو نکلتے لوگ اشارے کرتے اور گالیاں دیتے۔ ہمارے منہ پر ہوائیاں

طمانچے یا گھونسے رسید کر دیتا۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلبہ آ آ کر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ (ایضاً ۱۹۸)

اڑ رہی تھیں۔ دل بیٹھے جاتے تھے نمازوں میں چیخیں نکل نکل جاتی تھیں زمین درندوں کی طرح کھانے کو آتی تھی (الفضل ۲۶ مئی ۳۱ء)

ایک بابی کا بیان ہے کہ راستہ میں آنجناب (مرزا علی محمد باب) سے بہت سے خوارق عادات (معجزات) ظہور میں آئے اور خدا کی قسم ہم نے تو خوارق عادات کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔

(ایضاً ۱۱۳)

مسیح قادیان نے لکھا:۔ پنجاب کے لوگوں نے بڑی سنگدلی ظاہر کی خدا کے کھلے کھلے نشان دیکھے اور انکار کیا وہ نشان (معجزات) جو ملک میں ظاہر ہوئے جن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان گواہ ہیں جو ڈیڑھ سو سے بھی کچھ زیادہ ہیں لیکن اس ملک کے لوگ ابھی تک کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔

(نزول المسیح ص ۲۶)

مرزا علی محمد باب نے لوگوں کو اپنی بیعت قبول کرنے کی دعوت دی اپنے قاصد اسلامی بلاد کو روانہ کئے اور سلاطین عالم اور علماء ملل کے نام مراسلے ارسال کئے اور اطراف عالم میں نوشتے بھیجے۔

(نقطۃ الکاف ص ۲۰۹، ۲۱۲)

مسیح قادیان نے لکھا:۔ بارہ ہزار کے قریب اشتہارات دعوت اسلام رجسٹری کرا کر تمام قوموں کے پیشواؤں، امیروں اور والیان ملک کے نام روانہ کئے شاہزادہ ولیعہد اور وزیر اعظم انگلستان گلیڈسٹون اور جرمن وزیر اعظم پرنس بسمارک کے نام بھی روانہ کئے۔

(ازالہ ۱۲۱)

ڈاکٹر گرس وولڈ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی احمدی جماعت کا کئی حیثیتوں سے بابی جماعت سے مقابلہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ مرزا علی محمد باب کی دعوت کلہم چھ سال یعنی ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۰ء تک رہی اور یہ چھ برس بھی زیادہ تر قید خانہ ہی میں گذرے اور آخرکار قتل کیا گیا۔ اور حکومت ایران نے اس کے پیرووں پر بڑی سختیاں کیں تاہم بابی جماعت اس قدر بڑھی کہ صرف ایران ہی کے اندر بابیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے دس لاکھ تک ہے۔ اور لارڈ کرزن کے نزدیک ان کی تعداد دس لاکھ ہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی ص ۴۲)

جس طرح مرزا نے مہدویوں اور بابیوں کے چبائے ہوئے نوالوں کو اپنے
خوانِ الحاد کی زینت بنا لیا تھا اسی طرح وہ بہائی سفرۂ زندقہ کے پس اندازے سے
بھی خوب شکم سیر ہوا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے لکھا ہے کہ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ
ہی مسیح موعود ہے جو اپنے وعدے کے موافق دوسری دفعہ آیا ہے۔ اور چونکہ
ان کے نزدیک رجعت ثانی ظہور اول سے زیادہ کامل ہوتی ہے اس لیے بہاء اللہ
مسیح سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بہاء اللہ نے ۱۸۹۲ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا
عبد البہار جو آج کل بہائی جماعت کا سرگروہ ہے اس کا جانشین ہوا۔ عبد البہار
اس بات کا مدعی ہے کہ میری ہستی وہی ہے جو میرے باپ کی تھی اس لیے اس
کے تمام القاب اور کمالات مجھ میں ودیعت ہیں۔ چنانچہ وہ عبد البہار اور بہاء اللہ
دونوں سے مرزا غلام احمد نے بھی اس کی دیکھا دیکھی دوگونہ دعوے کئے۔ اور
اس حیثیت سے عبد البہار اور مرزا غلام احمد کے دعووں میں بال بھر کا فرق
نہیں۔ وہ احمد کا خادم (غلام احمد) بھی ہے اور ساتھ احمد موعود بھی بنتا
ہے۔ ایران میں مرزا علی محمد باب نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور
بہاء اللہ مسیح موعود ہونے کا دعویدار بنا۔ لیکن مرزا غلام احمد نے باب اور
بہاء دونوں کے عہدے لے کر مہدویت اور مسیحیت کا مشترکہ تاج اپنے سر پر رکھ
لیا۔ (مرزا غلام احمد ص ۴۳-۴۴) بہرحال مرزا غلام احمد قادیانی نے بہاء اللہ
کے بیانات و دعاوی سے جو اکتساب کیا وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

بہاء اللہ

اگر کوئی شخص خدا پر افترا باندھے
کسی اپنے کلام کو اس کی طرف منسوب
کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو جلد پکڑتا
اور ہلاک کر دیتا ہے اور مہلت نہیں دیتا
اور اس کے کلام کو زائل کر دیتا ہے چنانچہ
سورۂ مبارکہ حاقہ میں فرماتا ہے وَلَوْ
تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا
مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ

مرزا غلام احمد

میرے دعوائے الہام پر تئیس سال
گذر گئے اور مفتری کو اس قدر مہلت
نہیں دی جاتی چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَ
خَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ
الْوَتِينَ پھر کیا یہی خدا تعالیٰ کی عادت
ہے کہ ایسے کذاب بیباک مفتری کو جلد نہ
پکڑے یہاں تک کہ اس افترا پر تئیس سال

(اور اگر یہ پیغمبر ہماری طرف جھوٹی باتیں
منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے
پھر ان کی رگِ جان کاٹ ڈالتے)

حضرت بہاء اللہ نے علمائے آخر الزمان
کے متعلق فرمایا شَرُّ تحتَ اَدِیمِ السَّمَاءِ
مِنْھُمْ خَرَجَتِ الْفِتْنَۃُ وَ اِلَیْھِمْ تَعُودُ
(علماء آسمان کے نیچے سب برے لوگ ہیں انہی
سے فتنے اٹھے اور انہی کی طرف عود کریں
گے (مقالہ سیاح ص ۱۳۳-۱۷۱)

(۳) خدا کے مظہر برابر آتے رہیں گے
کیونکہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا
اور نہ رہے گا (مقدمہ نقطۃ الکاف)
قرآن پاک کی آیۃ یَا بَنِیْ آدَمَ اِمَّا
یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِنْکُمْ یَقُصُّوْنَ
عَلَیْکُمْ اٰیَاتِیْ میں صراحۃً مستقبل کی
خبر دی ہے کیونکہ لفظ یَاْتِیَنَّکُمْ کو نون
تاکید سے موکد کیا ہے اور فرمایا کہ تمھارے
پاس ضرور رسول آتے رہیں گے۔
(کتاب الفرائد ص ۳۱۴)

(۴) وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ یعنی
اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخر
زمانہ میں نازل ہوگی (بحر العرفان ص ۱۴۱)

(۵) صحیح بخاری کی حدیث میں ہے
وَیَضَعُ الْحَرْبَ ہے یعنی مسیح آکر جہاد کو

سے زیادہ عرصہ گذر جائے توریت اور قرآن
دونوں گواہی دے رہے ہیں کہ خدا پر افترار
کرنے والا جلد تباہ ہو جاتا ہے۔ (اربعین
نمبر ۴۰ اور انجام آتھم وغیرہ)

مرزا صاحب نے لکھا کہ حدیث میں ہے
کہ اس زمانہ کے مولوی اور محدث اور فقیہ
ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں جو روئے زمین
پر رہتے ہوں گے (تبلیغ رسالت ۲/۱۳۱) اے
بد ذات فرقہ مولویان (ضمیمہ انجام آتھم)

سورہ اعراف میں فرمایا ہے یَا بَنِیْ آدَمَ
اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِنْکُمْ یَقُصُّوْنَ
عَلَیْکُمْ اٰیَاتِیْ اے بنی آدم تمھارے
پاس ضرور رسول آتے رہیں گے۔ یہ آیۃ
آنحضرت پر نازل ہوئی۔ اس میں تمام انسانوں
کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نہیں لکھا کہ
ہم نے گذشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا اب جگہ آنحضرت
اور آپ کے بعد کے زمانہ کے لوگ مخاطب
ہیں غرض یاتینکم کا لفظ استمرار پر دلالت کرتا
ہے۔

وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اس وحی پر
بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری زمانہ میں مسیح
موعود (مرزا) پر نازل ہوگی سیرۃ المہدی
جلد ۲ ص ۱۸۲)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

برطرف کرے گا۔ (عمدۃ التنقیح ص۵۸) بہاء اللہ کے مرید جہاد کے قائل نہیں اور نہ کسی غازی مہدی پر ایمان رکھتے ہیں (الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء ص۵) بہاء اللہ نے قتل کو حرام لکھا ہے (حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات ص۲۲) بہاء اللہ نے لکھا ہے اے اہل توحید کمر ہمت مضبوط باندھ کر کوشش کرو کہ مذہبی لڑائی (جہاد) دنیا سے محو ہو جائے حباً للہ اور بندگان خدا پر رحم کر کے اس امر خطیر پر قیام کرو اور اس نار عالم سوز سے خلق خدا کو نجات دو۔ (مقالہ سیاح ص۹۴)

اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے، دین کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے، اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے، اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے، کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو، جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو، کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر، کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۳۹) میں کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے کا منتظر نہیں (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۹۹)

(۶) لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا والی حدیث صاف طور پر حضرت بہاء اللہ کے متعلق ہے کیونکہ وہ ایران کے دار السلطنت طہران کے قریب ایک موضع میں جس کا نام نور ہے پیدا ہوئے موضع نور میں ایران کے کیانی بادشاہوں کی نسل میں ایک خاندان آباد تھا بہاء اللہ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں (کوکب ہند)

میرا ایک الہام ہے خُذُوا التَّوْحِیْدَ یَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ دوسرا الہام یہ ہے لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ اگر ایمان ثریا سے بھی معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے (مرزا) اس کو وہیں جا کر لے لیتا (کتاب البریہ صفحہ ۱۳۵ حاشیہ)

جس طرح مرزا غلام احمد مہدویت اور بابیت کی نالیوں سے سیراب ہوتا رہا تھا اسی طرح اس نے نیچریت کے گھاٹ سے بھی دہریت کی پیاس بجھائی تھی۔ نیچری مذہب کے بانی سر سید احمد خاں نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اسلامی تعلیمات کو موڑ توڑ کر یہ کوشش کی تھی کہ اسلام کے ہر عقیدہ و اصول کو الحاد و دہریت کی قامت پر راست لایا جائے۔ سید احمد خاں نے نبوت اور وحی کو ایک ملکہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ لوہار بھی اپنے

فن کا پیغمبر ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فنِ طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے اور جس شخص میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضا اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ کے جس کو زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں، اور کوئی ایلچی پیغام پہونچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے خود اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے (تفسیر احمدی جلد اول صفحہ ۲۴) جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور اُن قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے (ایضاً ص ۲۴) نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے (ایضاً جلد ۳ ص ۴۹) مرزا غلام احمد بھی سرسید احمد خاں سے استفادہ کرتا رہتا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کے باہم خط و کتابت بھی جاری تھی۔ میاں بشیر احمد ایم اے ابن مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ مراد بیگ جالندھری نے مرزا صاحب سے بیان کیا کہ سرسید احمد خاں نے توراۃ و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں۔ آپ پادریوں سے مباحثہ کرنا بہت پسند کرتے ہیں اس معاملہ میں آپ کو ان سے بہت مدد ملے گی۔" چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۱۳۸)

جہاں تک سرسید کے مذہبی خیالات کا سوال ہے اور جن کو تحقیر کے رنگ میں نیچریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ان دونوں تحریکوں میں ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ سرسید نے بھی اسلام کے مسائل کو معقولی (یعنی عقلی) رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی اور حضرت مرزا صاحب نے بھی ان مسائل کا معقولی رنگ ہی پیش کیا ہے مگر سرسید کی مذہبی تحریک نے یورپین خیالات کی غلامی

کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور حضرت مرزا صاحب کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت لانے کے لیے تھی (تحریک احمدیت صفحہ ۲۱۱) مگر مرزا کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت کہاں تک لے آئی؟ اس کی تائید ان پچاس الماریوں سے ہو سکتی ہے جو مرزا نے اپنے یورپی حکام کی خوشامد میں تالیف کیں۔ میر عباس علی لدھیانوی نے جو مرزائیت کے سب سے پہلے غاشیہ بردار تھے مرزائیت اور نیچریت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا۔ "اس وقت جو فیصلہ میری طبیعت نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب صاف اور قطعی طور پر نیچری ہیں۔ معجزات انبیاء و کرامات اولیا سے مطلق انکار رکھتے ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسمریزم، قیافہ قواعدِ طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو سب اہل اسلام خصوصاً اہلِ تصوف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سید احمد خاں اور مرزا غلام احمد صاحب کی نیچریت میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جاکٹ و پتلون ہیں اور یہ بلباسِ جُبّہ و دستار (اشاعۃ السنہ) چونکہ سر سید نے اپنے الحاد و زندقہ کی دکان کو خوب آراستہ کر رکھا تھا اس لئے نہ صرف خود مرزا کا بلکہ اس کے پیرووں کا بھی یہ معمول تھا کہ ان ملحدانہ عقائد کی تشریحات کو جو مرزا نے سر سید سے لئے تھے سر سید کی کتابوں سے نقل کر کے اپنا لیا کرتے تھے اور اس خوف سے کہ لوگ نیچریت سے مطعون نہ کریں ان مضامین کو سر سید کی طرف منسوب کرنے کی جراءت نہیں کرتے تھے چنانچہ لاہور کے ماہوار مسیحی رسالہ "تجلی" نے لکھا تھا کہ اس وقت دو قادیانی رسالے ہمارے سامنے ہیں "تشحیذ الاذہان" ماہ دسمبر ۱۹۰۶ء اور "ریویو آف ریلجنز" ماہ فروری ۱۹۰۶ء جن میں بلا اعتراف و بلا حوالہ وہ ساری بحث سرقہ کر لی گئی جو معجزات مسیح پر سر سید نے اپنی تفسیر میں کی تھی۔ وہی دلائل ہیں، وہی اقتباسات، وہی آیات، وہی تاویلات، وہی نتائج ہیں۔ ہاں بدتمیزی و بے شعوری جو اس طائفہ کا خاصہ ہے مزید براں ہے۔" سر سید کی آزاد خیالیوں نے مرزا کے لئے اس کا مجوزہ راستہ بہت آسان کر دیا تھا۔ سر سید نے واقعہ صلیب کا جو نقشہ اپنی تفسیر (جلد دوم ص ۳۸) میں پیش کیا مرزا نے اسی پر وحی الٰہی کا رنگ چڑھا کر اس پر بڑی بڑی خیالی

عمارتیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ جب تک مرزا نے یہ تحریریں نہیں پڑھی تھیں براہین کے حصہ چہارم تک برابر حیات مسیح علیہ السلام کا قائل رہا۔ لیکن جب نیچریت کا رنگ چڑھنا شروع ہوا یا یوں کہو کہ نیچریت کا یہ مسئلہ مفید مطلب نظر آیا تو نہ صرف اپنے سابقہ الہامات کے گلے پر چھری چلانی شروع کر دی بلکہ عقیدۂ حیات مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) شرک بتانے لگا جس کے یہ معنی تھے کہ وہ پچاس سال کی عمر تک باوجود صاحب وحی ہونے کے مشرک ہی چلا آتا تھا۔ جن مسئلوں میں مرزا غلام احمد اور اس کے پیرو نیچریت کے زیر بار احسان ہیں ان میں سے چند مسائل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

سرسید احمد خاں

حضرت عیسٰی بیماروں پر دم ڈالتے اور برکت دیتے تھے لوگ ان کے ہاتھوں کو برکت لینے کے لیے چومتے تھے یہ خیال غلط ہے۔ کہ اس طرح کرنے سے اندھے آنکھوں والے اور کوڑھی اچھے ہو جاتے تھے خدا نے انسان میں ایک ایسی قوت رکھی ہے۔ جو دوسرے انسان میں اور دوسرے انسان کے خیال میں اثر کرتی ہے اس سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جو نہایت عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی قوت پر اس زمانہ میں ان علوم کی بنیاد قائم ہوئی ہے جو مسمریزم اور اسپریچوایلزم کے نام سے مشہور ہے۔ مگر جبکہ وہ ایک قوت ہے قوائے انسانی میں سے اور ہر ایک انسان میں بالقوہ موجود ہے تو اس کا کسی انسان سے ظاہر ہونا معجزہ

مرزا اور مرزائی

مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی وہ ایک فطری طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں چنانچہ اس بات کا تجربہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے حضرت مسیح کے مسمریزم سے وہ مُردے جو زندہ ہوتے یعنی وہ قریب المرگ آدمی جو گویا نئے سرے سے زندہ ہوتے تھے وہ بلا توقف چند منٹ میں مر جاتے تھے کیونکہ بذریعہ عمل الترتیب (مسمریزم) روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی عمل الترتیب یعنی مسمریزم میں مسیح بھی کسی درجے تک مشق رکھتے تھے سلب امراض کرنا اپنی روح کی گرمی جماد میں ڈالنا اور حقیقت یہ سب عمل مسمریزم کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک زمانے میں ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اس روحانی عمل

ہیں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو فطرت
انسانی میں سے انسان کی ایک فطرت ہے
حضرت عیسیٰ نے تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں
یا اندھے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے
کی منادی کی تھی یہی ان کا کوڑھیوں اور
اندھوں کو اچھا کرنا تھا۔

(تفسیر احمدی جلد ۲ ص ۱۶۲-۱۶۳)

کے ذریعہ سے سلب امراض کرتے رہتے تھے۔
اور مفلوج و نیز برص و مدقوق وغیرہ ان
کی توجہ سے اچھے ہوتے رہتے تھے۔

(ازالہ طبع پنجم ص ۱۲۸-۱۳۵)

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ کے پھونکنے
کے بعد درحقیقت وہ پرندوں کی مورتیں
جو مٹی سے بناتے تھے جاندار ہو جاتی
تھیں اور اڑنے بھی لگتی تھیں۔ یہ کوئی
امر وقوع نہ تھا بلکہ صرف حضرت مسیح کا
خیال زمانہ طفولیت میں بچوں کے ساتھ
کھیلنے میں تھا۔ مورتیں بنا کر پوچھنے والے
سے کہتے تھے کہ میرے پھونکنے سے وہ پرند
ہو جائیں گے پس حضرت عیسیٰ کا یہ کہنا ایسا
ہی تھا جیسے کہ بچے اپنے کھیلنے میں بمقتضائے
عمر اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔

(ایضاً ص ۱۵۲-۱۵۶)

یہ کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت
مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی
ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی
پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو
جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں
تو پیروں سے چلتا ہو کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم
اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی
مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں
یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز عمل الترب
سے بطور لہو و لعب ظہور میں آسکیں جس کو
زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔

(ازالہ ۱۲۷-۱۲۸)

وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ پہلے ما نافیہ
سے قتل کا سلب مراد ہے اور دوسرے
سے کمال کا۔ کیونکہ صلیب پر چڑھانے
کی تکمیل اسی وقت تھی جب صلیب کے
سبب موت واقع ہوتی حالانکہ صلیب
پر موت واقع نہیں ہوئی۔

(ایضاً ص ۴۵)

قرآن کریم کا منشار ما صلبوہ سے ہرگز
نہیں کہ مسیح صلیب پر نہیں چڑھایا گیا
بلکہ منشار یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے
کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا اس سے
خدا نے مسیح کو محفوظ رکھا۔

(ازالہ طبع پنجم ص ۱۵۷)

رفع کے لفظ سے حضرت عیسٰی کے جسم کا
آسمان پر اٹھا لینا مراد نہیں بلکہ ان کی قدر و
منزلت مراد ہے حضرت عیسٰی اپنی موت سے
مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور مرتبہ
کو مرتفع کیا۔ (ایضاً ص ۴۴۴)

جس دن حضرت عیسٰی صلیب پر چڑھائے گئے
وہ جمعہ کا دن اور یہودیوں کی عید فسح کا
تہوار تھا دوپہر کا وقت تھا جب ان کو صلیب
پر چڑھایا گیا ان کی ہتھیلیوں میں کیلیں ٹھونکی
گئیں۔ عید فسح کے دن کے ختم ہونے پر یہودیوں
کا سبت شروع ہونے والا تھا اور یہودی
مذہب کی رو سے ضرور تھا کہ مقتول یا مصلوب
کی لاش قبل ختم ہونے دن کے یعنی قبل شروع
ہونے سبت کے دفن کر دی جائے مگر صلیب پر
انسان اس قدر جلدی نہیں مر سکتا تھا اس
لئے یہودیوں نے درخواست کی کہ حضرت مسیح
کی ٹانگیں توڑ دی جاویں تاکہ وہ فی الفور
مر جاویں مگر حضرت عیسٰی کی ٹانگیں توڑی نہیں
گئیں اور لوگوں نے جانا کہ وہ اتنی ہی دیر
میں مر گئے۔ جب لوگوں نے غلطی سے جانا کہ حضرت
درحقیقت مر گئے ہیں تو یوسف نے حاکم سے
ان دفن کر دینے کی درخواست کی۔ وہ نہایت
متعجب ہوا کہ ایسے جلد مر گئے۔ یوسف کو دفن
کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور حضرت عیسٰی صرف
تین چار گھنٹہ صلیب پر رہے۔ یوسف نے
ان کو ایک لحد میں رکھا اور اس پر ایک پتھر

۔ (رفعہ اِلَیَّ) کے یہ معنی ہیں کہ جب حضرت
عیسٰی فوت ہو چکے تو ان کی روح آسمان کی
طرف اٹھائی گئی۔ (ازالہ طبع پنجم ص ۱۱۲) رافعک
اِلَیَّ کے یہ معنی ہیں کہ عزت کے ساتھ اپنی طرف
اٹھانے والا ہوں (ازالہ ص ۲۴۶)

حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے
گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیلوں کی تکلیف اٹھا کر
بیہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک
دفعہ سخت آندھی اٹھی (نزول المسیح ص ۱۸)

مسیح یہودیوں کے حوالے کیا گیا اور اس کو
تازیانے لگائے اور جس قدر گالیاں سننا اور
طمانچہ کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے اڑائے جانا
اس کے حق میں مقدر تھا سب دیکھا۔ آخر صلیب
دینے کے لئے تیار ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور
عصر کا وقت اور اتفاقاً یہ یہودیوں کی عید فسح
کا دن تھا۔ اور ایک شرعی تاکید تھی کہ سبت میں
کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہ رہے۔ تب یہودیوں نے
جلدی سے مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا تا شام سے
پہلے ہی لاش اتاری جائے مگر اتفاق سے اسی وقت
آندھی آ گئی جس سے سخت اندھیرا ہو گیا یہودیوں
کو یہ فکر پڑی کہ کہیں شام نہ ہو جائے۔ اس
لئے لاش کو صلیب پر سے اتار لیا۔ عید فسح کی
کم فرصتی، عصر کا تھوڑا سا وقت اور آگے
سبت کا خوف اور پھر آندھی کا آ جانا ایسے
اسباب پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے چند منٹ
میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا گیا۔ جب

ڈھانک دیا۔ حضرت عیسیٰ صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ ان پر ایسی حالت طاری ہو گئی تھی کہ لوگوں نے ان کو مردہ سمجھا تھا۔ رات کو وہ لحد میں سے نکال لے گئے اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے حواریوں نے ان کو دیکھا اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے۔ بلا شبہ ان کو یہودیوں کی عداوت کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہو گا۔ جو اب تک نامعلوم ہے۔

(ایضاً ص ۳۸-۴۱)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا اور نہیں کوئی اہلِ کتاب میں سے مگر یہ یقین کرے ساتھ اس کے (یعنی حضرت عیسیٰ کے صلیب پر مارے جانے کے) قبل اپنے مرنے کے وہ جان لے گا کہ صلیب پر حضرت عیسیٰ کا مرنا غلط تھا اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے یعنی اہلِ کتاب کو اپنی زندگی میں جو عقیدہ تھا اس کے برخلاف گواہی دیں گے۔

(ایضاً ص ۱۰۷)

جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا

مسیح کی ہڈیاں توڑنے لگے تو ایک سپاہی نے یوں ہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو مر چکا ہے ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں اس طور سے مسیح زندہ بچ گیا (ازالہ ص ۱۵۵) اس کے کچھ عرصہ بعد مسیح کشمیر چلا آیا اور یہیں انتقال کیا چنانچہ سری نگر میں شہزادہ یوز آسف کے نام کی جو مشہور قبر ہے وہ اسی کی ہے۔

(تحفہ گولڑویہ ص ۱۴۰)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا فرمایا کہ کوئی اہلِ کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لاوے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا یعنی ہم جو پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کوئی اہلِ کتاب اس بات پر دلی یقین نہیں رکھتا کہ درحقیقت مسیح مصلوب ہو گیا۔

(ازالہ ص ۱۵۴-۱۵۵)

دو محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتے ہیں ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام روح القدس ہے یہ کیفیت دونوں کیفیتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو روح امین بولتے ہیں اس کا نام

ابلیس بھی ہے (ایضاً جلد اول ص ۴۲)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا۔ بنی اسرائیل میں
ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم
نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے
دل میں یہ بات ڈالی کہ سب لوگ جو موجود ہیں
اور انہی میں قاتل بھی ہے مقتول کے اعضاء
سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل
نہیں ہیں وہ بہ سبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا
کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے مگر اصلی قاتل
بہ سبب خوف اپنے جرم کے جواز روئے فطرت
انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت
کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے
ایسا نہیں کرنے کا۔ اور اسی وقت معلوم
ہو جاوے گا اور وہی نشانیاں جو خدا نے
انسان کی فطرت میں رکھی ہیں لوگوں کو دکھاوے گا
اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بھی بہت
سے چور معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ بہ سبب
خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ
بلا خوف بہ تقویت اپنی بے جرمی کے کرتے ہیں
نہیں کر سکتے پس یہ ایک تدبیر قاتل کے
معلوم کرنے کی تھی اس سے زیادہ اور
کچھ نہ تھا۔ (ایضاً ص ۱۰۱)

ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ وہ سچ مچ بندر ہو گئے
تھے مگر یہ باتیں لغو و خرافات ہیں۔ ان کی

شدید القویٰ اور ذو الافق الاعلیٰ بھی ہے۔
(توضیح مرام ص ۱۱-۱۳)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا وَاللّٰهُ
مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ایسے قصوں میں
قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ
فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا اور
واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی۔
یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کر کے چھپا دیا
تھا۔ اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتے تھے سو
خدا تعالیٰ نے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو
ذبح کر کے اس کی بوٹیاں لاش پر مارو اور
وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان بوٹیوں کو نوبت
بہ نوبت اس لاش پر ماریں تب اصل خونی کے
ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش سے
ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے
اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا
ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف
ایک دھمکی تھی کہ تا چور بیدل ہو کر اپنے تئیں
ظاہر کرے۔ اصل یہ ہے کہ یہ طریق عمل علم الترب
یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض
خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ
حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بہ حرکت حیوانات
پیدا ہو کر مشتبہ و مجہول امور کا پتہ لگ سکتا
ہے (ازالہ ص ۳۰۵)

اللہ تعالیٰ نے نافرمان یہودیوں کے قصہ میں
فرمایا کہ وہ بندر بن گئے اور سور بن گئے

حالت بندروں کی سی ہوگئی تھی۔ جس
طرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار ہیں
اسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور
ذلیل وخوار ہو (ایضاً ص ۹۹-۱۰۰)

سو یہ بات تو نہیں تھی کہ وہ حقیقت میں تناسخ
کے طور پر بندر بن گئے تھے بلکہ اصل حقیقت
یہی تھی کہ بندروں اور سوروں کی طرح
نفسانی جذبات ان میں پیدا ہوگئے تھے۔
(ست بچن ص ۸۲)

معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہٖ
بیت المقدس تک جانا اور وہاں سے بجسدہٖ
آسمانوں پر تشریف لے جانا خلاف قانون
فطرت ہے اس لئے ممتنعات عقلی میں داخل
ہے اگر ہم احادیث معراج کے راویوں کو ثقہ
اور معتبر تصور کرلیں تو بھی یہ قرار پائے گا کہ
ان کو اصل مطلب کے سمجھنے اور بیان کرنے
میں غلطی ہوئی مگر اس واقعہ کی صحت تسلیم
نہیں ہو سکنے کی اس لئے کہ ایسا ہونا ممتنعات
عقلی میں سے ہے اور یہ کہہ دینا کہ خدا میں
سب قدرت ہے اس نے ایسا ہی کر دیا ہوگا
جہال اور ناسمجھ بلکہ مرفوع القلم لوگوں کا
کام ہے یا ایک واقعہ ہے جو سوتے میں آنحضرت
نے دیکھا تھا (ایضاً جلد ۶ ص ۱۲۲)

نیا اور پرانا فلسفہ اس بات کو محال ثابت کرتا
ہے کہ کوئی انسان اس خاکی جسم کے ساتھ
کرۂ زمہریر تک بھی پہونچ سکے بلکہ علم طبعی
کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں
کہ بعض بلند پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہونچ کر
اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی
ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں پس اس
جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا
کس قدر لغو خیال ہے؟ اس جگہ اگر کوئی
اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا
محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرت کا معراج
اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا تو اس
کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج (معاذ اللہ)
جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت
اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ (ازالہ طبع پنجم ص ۲۲)

یہ واقعہ ایسے وقت میں واقع ہوا تھا جب
حضرت نبی ہوچکے تھے اس وقت حضرت
عیسیٰ کی بارہ برس کی عمر تھی جب انھوں
نے بیت المقدس میں یہودی عالموں سے
گفتگو کی۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ
کی تلقین سے جو خلاف عقائد یہود تھی علماء

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ (حضرت مریم
انھیں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں)
معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت مریم
کی گود میں نہیں تھے بلکہ سوار ہو کر یروشلم
میں داخل ہوئے تھے (بیان القرآن مؤلفہ
میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور جلد ۲

ناراض ہو کر حضرت مریمؑ کے پاس آئے جس سے ان کی غرض یہ ہو گی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو ان باتوں سے باز رکھیں۔" الغرض یہ ایسا معاملہ ہے جو فطرت انسانی کے موافق واقع ہوا۔ شوخ و شریر لڑکے کی ماں سے اس کی شکایت کی جاتی ہے غرض اس سے حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدا ہونے پر کسی طرح استدلال نہیں ہو سکتا۔

(ایضاً جلد ۲ ص ۳۳)

ص ۱۲۱۱) حضرت عیسیٰ تیس سال کے نوجوان تھے۔ پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے اس لیے انھوں نے کہا کہ جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے ہم اس سے کیا خطاب کریں اس کے سوا مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا کے کچھ معنی نہیں بنتے۔ یہ زمانۂ نبوت کا کلام ہے نہ پیدائش کے فوراً بعد کا۔ (ایضاً ص ۱۲۱۳)

حضرت یونسؑ کے قصہ میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی ان کو نگل گئی تھی اِبْتَلَعَ کا لفظ قرآن میں نہیں ہے اِلْتَقَمَ کا لفظ ہے جس سے صرف منہ میں پکڑ لینا مراد ہے لَبِثَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ کی نفی دو طرح پر ہو سکتی ہے اول اس طرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہیں دوسرے اس طرح کہ نگلا ہو مگر اس کے پیٹ میں نہ ٹھہرے ہوں (تحریر فی اصول التفسیر یعنی مقدمہ تفسیر سر سید احمد خاں مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۷)

قرآن مجید میں کسی جگہ مذکور نہیں کہ مچھلی درحقیقت یونس علیہ السلام کو نگل گئی تھی۔ کیونکہ لفظ اِلْتَقَمَ کا مفہوم نگل جانا نہیں بلکہ صرف منہ میں پکڑنا ہے۔ لین صاحب نے اپنے لغات میں اِلْتَقَمَ فَاھَا فِی التَّقْبِیْلِ (اس نے بوسہ کے وقت اس کے ہونٹ منہ میں پکڑ لئے) کی نظیر پیش کی ہے۔ بائبل میں مچھلی کا یونس کو نگل جانا اور پیٹ میں داخل ہونا مذکور ہے لیکن قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔ (ترجمہ قرآن بزبان انگریزی مؤلفہ میاں محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور صفحہ ۸۷۶ نوٹ ۲۱۲۳)

قادیان کے برساتی نبی

جب امتِ مرزائیہ نے دیکھا کہ ان کے پیر و مرشد نے نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کی سدِ اسکندری میں رخنہ ڈال دیا ہے تو ہر حوصلہ مند مرزائی کو طمع ہوئی کہ موقع ملنے پر اپنی اولوالعزمی کے جوہر دکھائے اور کچھ بن کر "مسیح موعود"

صاحب کی طرح نفع عاجل و اصل کرے۔ چنانچہ قضا و قدر کے ہاتھوں "قادیانی نبوت عظمیٰ کی بساط کے الٹ جانے کی دیر تھی کہ بہت سے مرزائی یاجوج ماجوج کی طرح دعوائے نبوت کے ساتھ ہر طرف سے امنڈ آئے۔ اور اپنے اپنے تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کر دی جس طرح برکھارت میں بارش کا پہلا چھینٹا پڑنے کے ساتھ ہی ہر طرف برساتی کیڑے مکوڑے رینگتے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح ان خود ساختہ انبیاء کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان پر برساتی انبیاء کا اطلاق بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے بہر حال ان برساتی نبیوں کے کچھ مختصر سے حالات ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔

چراغ الدین متوطن جموں

چراغ الدین نام جموں کا ایک نہایت بے باک مرزائی تھا۔ اس کی شوخ چشمی کا کمال دیکھو کہ اپنی دکان آرائی کے لئے اپنے مقتدا کی موت کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ نہایت بے صبری کے ساتھ مرزا غلام احمد کی زندگی ہی میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ چونکہ اس دعویٰ سے خود حضرت "مسیح موعود" کے کاروبار پر اثر پڑنے کا احتمال تھا اس لئے یہ جرم کچھ ایسا خفیف نہیں تھا کہ قابل عفو و درگذر سمجھا جاتا۔ مرزا نے اس کو جماعت سے خارج کر دیا۔ میں اس اقدام میں مرزا کو برسر حق سمجھتا ہوں کیونکہ مرید کو اس درجہ شوریدہ سری کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ پیر کے مقابلہ میں کاروبار شروع کر دے اور رقیبانہ چشمک کے سامان پیدا کرے۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے اس باغی مرید کے متعلق اپنی کتاب "دافع البلا" میں جو ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی لکھا کہ چراغ الدین کا جو مضمون رات کو پڑھا گیا وہ بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لئے مضر ہے اور سر سے پیر تک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ میں رسول ہوں اور رسول بھی اولوالعزم اور اپنا کام یہ لکھا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں صلح کرا دے اور قرآن اور انجیل کا تفرقہ باہمی دور کر دے اور ابن مریم کا ایک حواری بن کر یہ خدمت کرے اور رسول کہلا دے۔ یہ کیسی ناپاک رسالت ہے جس کا چراغ الدین نے دعویٰ کیا ہے جائے غیرت ہے کہ

ایک شخص میرا مرید کہلا کر یہ ناپاک کلمات منھ پر لاوے لعنۃ اللہ علی الکافرین پھر باوجود ناتمام عقل اور ناتمام فہم اور ناتمام پاکیزگی کے یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ہوں یہ کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی ہتک عزت ہے گویا رسالت اور نبوت بازیچۂ اطفال ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ نفس امارہ کی غلطی نے اس کو خودستائی پر آمادہ کیا ہے پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع ہے جب تک کہ مفصل طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے دعوی سے ہمیشہ کے لئے مستعفی نہ ہو جائے افسوس کہ اس نے بے وجہ اپنی تعلی سے ہمارے سچے انصار کی ہتک کی۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ ایسے انسان سے قطعاً پرہیز کرے۔

منشی ظہیر الدین اروپی

یہ شخص موضع اروپ ضلع گجرانوالہ کا رہنے والا ہے اس کے نزدیک مرزا ایک صاحب شریعت نبی تھا اس کا خیال ہے کہ قادیاں مسجد ہی بیت اللہ شریف ہے اور وہی خدا کے نبی کی جائے ولادت ہے اس لئے اس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ لاہوری پارٹی کے جریدہ پیغام صلح کا مدیر بھی رہ چکا ہے اس نے قادیانی جماعت کے بعض سربرآوردہ افراد کی ہلاکت کی پیش گوئی کی تھی لیکن پوری نہ ہوئی۔ یوسف ہونے کا مدعی تھا لیکن اس دعوی پر ثابت قدم نہ رہا اور لاہوری مرزائیوں کے رسالہ المہدی نمبر ا میں لکھا کہ گو مجھے الہام ہوا تھا اور خدا نے مجھے یوسف قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی تمنی کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے شیطان ورغلاتا ہے اور جو الہامات مجھے ہوئے ان پر عمل درآمد بھی مشکل ہے اس لئے جس قدر طاقت تھی میں نے کام کر دیا۔ اب طاقت نہیں رہی اس لئے اپنے دعوی پر زور نہیں دے سکتا۔ یہ سخت ناکام نبی ہے اور غالباً اب تک زندہ ہے۔ اس نے اپنے ایک مضمون میں جو لاہوری مرزائیوں کے رسالہ "المہدی" میں شائع ہوا تھا کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بہت تضاد و تخالف ہے۔

محمد بخش قادیانی

اس شخص کو مدت العمر قادیان میں الہام ہوتے رہے مگر مرزائیت قبول نہ کی لیکن جب قوی زیادہ

مضمحل ہو گئے اور قوت فکر جواب دے بیٹھی تو مرزائیت کا بپتسمہ لے لیا جس طرح حضرت مسیح موعود کا ایک دلچسپ الہام غثم غثم غثم ہے اسی نمونہ کا ایک مضحکہ خیز الہام محمد بخش کا بھی ہے یعنی آئی ایم وٹ وٹ دیں وٹ وٹ ہو)

مسٹر یار محمد پلیڈر

مسٹر یار محمد وکیل ہوشیار پور کا بیان ہے کہ محمدی بیگم جس کے ساتھ "مسیح موعود" کا آسمان پر نکاح ہوا تھا وہ درحقیقت میں ہوں اور نکاح سے یہ مراد ہے کہ میں ان کی بیعت میں داخل ہوں گا۔ اس نے مرزا صاحب کا ایک کشف بیان کیا تھا کہ گویا رب العالمین (معاذ اللہ) ایک مرد کی طرح مرزا صاحب سے فعل مخصوص کر رہا ہے۔ یہ مرزا کے حقیقی جانشین اور خلیفہ برحق ہونے کا مدعی تھا۔ اور اعلان کیا تھا کہ مرزا صاحب کی گدی کا اصل استحقاق مجھے حاصل ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جو الوصیۃ میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا" اس کا صحیح مصداق میں ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی کہا تھا کہ قدرت ثانیہ کا وہ مظہر ہوگا جو میری خو بو پر ہوگا۔ سو یہ علامت میری ذات میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے مسٹر یار محمد نے بہت کوشش کی کہ مرزا محمود احمد ان کے لئے مسند خلافت خالی کر دیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ سنا جاتا ہے کہ یار محمد میاں محمود احمد کے خلاف چالیس پچاس رسالے شائع کر چکا ہے۔

عبداللہ تیماپوری

یہ شخص تیماپور واقع قلمرو حیدرآباد دکن کا رہنے والا ہے پہلے روح القدس کے نزول کا مدعی بنا پھر مظہر قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا کہتے ہیں کہ اسے داہنے بازو کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اس شخص نے "انجیل قدسی" نام ایک کتاب لکھی ہے جس میں مرزا غلام احمد کے ان خطوط کو جو محترمہ محمدی بیگم سے عقد کرنے کے سلسلہ مساعی میں لکھے تھے پسندیدہ خیال نہیں کیا اور لکھا ہے کہ

ان خطوط کے پڑھنے سے دل میں نفرت وکراہت پیدا ہوتی ہے۔ اس بے دین نے "انجیل قدسی" کے بعض مندرجات میں سخت جاہلانہ گندہ ذہنی کا ثبوت دیا ہے مثلاً ایک جگہ یَسۡفِکُ الدِّمَاءَ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے خلاف (معاذ اللہ) اپنی زوجہ محترمہ حوا سے خلاف وضع فطرت انسانی فعل کا ارتکاب کیا"۔ اس شخص نے پیشین گوئی کی تھی کہ مرزا محمود احمد بہت جلد میری بیعت میں داخل ہو جائے گا لیکن پیش گوئی پوری نہ ہو سکی۔ اس کو سب سے پہلے یہ وحی ہوئی تھی یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُمۡ تیماپور میں رہیو۔ کتاب "محاکمہ آسمانی میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کو صرف مقام شہودی حاصل تھا۔ اور وہ مقام وجودی سے بالکل عاری تھے لیکن مجھے یہ دونوں مقام حاصل ہیں اس لئے میں ظل محمد بھی ہوں اور ظل احمد بھی۔ درجہ رسالت میں میں اور مرزا صاحب دونوں بھائی ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں جو فرق کرے وہ کافر ہے۔ ماموریمن اللہ کو تیس یا چالیس مردوں کی قوت رجولیت حاصل ہوتی ہے اور بلا اجازت فراغت نہیں ہوتی آسی صاحب کادیہ میں لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب قدسی فیصلہ میں اعلان کیا کہ میں نے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی آج کل مسلمان مفلس ہو رہے ہیں اس لئے سود خواری کی ممانعت دور فرمائی جائے۔ جواب ملا کہ ساڑھے بارہ روپے سیکڑہ سود کی اجازت دیتا ہوں اسی طرح حکم ملا کہ رمضان کے تین روزے کافی ہیں۔ عورتیں بے حجاب رہ سکتی ہیں۔ چونکہ میں بروز محمد ہوں اس لئے مجھے شریعت محمدی میں نسخ و تبدیل کا اختیار ہے سنا جاتا ہے کہ پشاور اور کیمبل پور کے بہت سے مرزائی اس کے مرید ہیں۔

سید عابد علی

سید عابد علی نام ایک پرانا مرزائی ملہم قصبہ بدوملی ضلع سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ اسے ایک مرتبہ ایسا دلچسپ الہام ہوا تھا جس سے مرزا غلام احمد کا قصر نبوت بالکل پیوند خاک ہو جاتا تھا لیکن توفیق ایزدی رہنما نہ ہوئی اس لئے باطل سے منہ موڑ کر اسلام کے سواد اعظم کی پیروی نہ کر سکا۔ قادیانی صاحب کی خانہ زاد شریعت میں کسی مرزائی کے لئے جائز نہیں کہ مسلمان کو لڑکی دے لیکن سید عابد علی نے اپنے ایک الہام کے بموجب اس حکم پر خط تنسیخ کھینچ دیا اور مرزائی قیود سے آزاد ہو کر اپنی

لڑکی ایک مسلمان کے حبالۂ نکاح میں دے دی تھی۔

عبداللطیف گناچوری

یہ بھی ایک مشہور مرزائی ہے مدعی نبوت تھا۔ اس نے اپنے دعوی کی تائید میں ایک ضخیم کتاب "چشمۂ نبوت" شائع کی اس میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کا نام زمین پر غلام احمد اور آسمان پر مسیح ابن مریم تھا۔ اس طرح خدا نے زمین پر میرا نام عبداللطیف اور آسمانوں میں محمد بن عبداللہ موعود رکھا ہے جس طرح مرزا صاحب روحانی اولاد بن کر سید ہاشمی بن گئے تھے اسی طرح میں بھی آل رسول میں داخل ہوں۔ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کا مصداق میں ہوں۔ احادیث میں جو مہدی کے آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں دانیال نبی نے میرا ہی زمانہ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۰ھ تک بتایا ہے ہم کسی مسلمان کو محض اس بنا پر کافر نہیں کہتے کہ اس نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی کیونکہ اس قسم کی باتیں فروعات میں داخل ہیں۔ احمدیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسیح اور مہدی دونوں کی ایک ہی شخصیت ہے کیونکہ مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی مہدی آ چکے ہیں اور بعد میں بھی آئیں گے۔ ان کے زمانے میں کوئی مہدی نہ تھا۔ اس لئے میں مہدی آخرالزمان ہوں۔ مرزا صاحب کو اٹھارہ سال تک اپنی رسالت کا یقین نہ تھا۔ آخر جب زور سے وحی آنے لگی تو یقین ہوا۔ میرے نوے معجزے ہیں میری پیشین گوئیاں مرزا صاحب سے بھی بڑھ کر سچی نکلی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں وبائیں زلزلے اور سیاسی انقلابات میری پیشین گوئیوں کے مطابق آئے لیکن مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں درست نہ نکلیں۔ اس نے اپنا لقب قمرالانبیاء رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر محمد صدیق بہاری

مولوی محمد عالم صاحب آسی (امرتسر) نے اپنی کتاب "الکاویہ" کے چودہ پندرہ صفحے اسی شخص کے حالات کی نذر کر دئے ہیں۔ اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ شخص صوبہ بہار کے علاقہ گدگ کا رہنے والا مرزائیوں کی لاہوری پارٹی سے متعلق ہے اس نے اپنی کتاب "ظہور بشویسور" میں لکھا ہے کہ مسیح قادیانی وشنو اوتار تھا۔ خلیفہ محمود ابن غلام احمد دیر بسنت ہے اور میں "یحن بشویسور" ہوں

میرے ظہور کے بعد سات سال کے اندر مرزا محمود مر جائے گا" لیکن یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی۔ مولوی محمد عالم صاحب لکھتے ہیں کہ شاید اس سے اخلاقی موت مراد ہو۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ بہار کے ہنود کی مذہبی کتابوں میں دو موعود مذکور ہیں اور ہندو لوگ اس کا سخت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ کتب ہنود کے علامات مجھ پر صادق آتے ہیں۔ میں برہمچاری بن کر علاقہ کرناٹک کو گیا اور آٹھ سال کی غیبوبیت کے بعد ظاہر ہوا۔ پیٹھ پر سانپ کے منہ کا نشان بھی موجود ہے ہاتھ میں سنکھ بیل چکر وغیرہ نشانات بھی مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف مجھے صدیق کا درجہ ملا ہے اور صدیق کا درجہ مہدی اور مسیح سے بھی فائق ہے ۸ راپریل ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے جس پسر موعود کی پیشین گوئی کی تھی وہ میں ہی یوسف موعود ہوں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اہل قادیان کی اصلاح کروں۔ قادیان سے آواز اٹھ رہی ہے کہ حضرت خاتم النبیین کے بعد بھی نبوت جاری ہے اسلام میں سرور دوجہاں کی ذات گرامی پر اس سے بڑھ کر اور کوئی حملہ نہیں کہ حضور کے بعد کوئی اور نبی کھڑا کیا جائے اور بیس کروڑ مسلمانوں کو مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام تصور کیا جائے میں اسی توہین آمیز عقیدہ کے مٹانے کی غرض سے مبعوث ہوا ہوں۔ محمودیوں اور پیغامیوں (قادیانی مرزائیوں اور لاہوری مرزائیوں) میں جھگڑا تھا اس لئے میں حکم بن کر آیا ہوں۔ میرے نشانات کئی ہزار ہیں صرف اخلاقی نشان چون ہیں یہ نعمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے اور قادیان کا خلاف کرنے سے ملی۔ غیرت الٰہی نے میرے لئے مرزا صاحب کے نشانات سے بڑھ کر نشانات ظاہر کئے میری بعثت کے بغیر قادیان کی اصلاح ناممکن تھی۔ میں نے تلاش حق میں مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی لیکن عقاید پسند نہ آنے پر بیعت فسخ کر دی اور قادیان سے نکالا گیا۔ اب میں مسلسل بارہ سال سے محمودی عقاید کی تردید کر رہا ہوں۔

احمد سعید سمبھڑیالی

سنبھڑیال ضلع سیالکوٹ کے احمد سعید مرزائی سابق اسسٹنٹ انسپکٹر مدراس نے بھی قدرت

ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب "یوسف موعود" رکھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے الہام "پیراہن یوسفی" نام ایک کتاب میں جمع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نہایت غمزدہ رو رہا تھا اس اثنا میں حضرت مریم علیہا السلام تشریف لائیں اور میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا بچہ مت روؤ۔ ایک مرتبہ احمد سعید نے اپنا یہ الہام چوک فرید امرتسر میں بیان کیا تو مسلمانوں نے چاروں طرف سے خشت باری شروع کر دی بے اوسان بھاگا بچوں نے "بچہ رونہ۔ بچہ رونہ" کہہ کر اسے چھیڑنا اور ستانا شروع کیا۔ یہ بدبخت حسب بیان آسی صاحب اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ رشتہ داریاں سب ناجائز ہیں اور (معاذ اللہ) ولدالزنا ہیں آئندہ کے لئے میں حکم دیتا ہوں کہ غیر قوموں سے رشتے ناطے کریں اگر معاذ اللہ تمام مسلمان ایسے ہیں تو معلوم نہیں کہ یہ ناہنجار ولدالحلال کیسے ہو گیا؟ اس کے گلے میں ایک گلٹی ہے جسے وہ مہر نبوت سے تعبیر کرتا ہے۔

احمد نور کابلی

قادیاں کا سرمہ فروش احمد نور کابلی مرزا غلام احمد کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس کی ناک پر پھوڑا تھا۔ جب کسی طرح اچھا نہ ہوا تو عمل جراحی کرایا۔ جب ناک کاٹی گئی تو درجۂ نبوت پر فائز ہو گیا۔ اس نے ایک ٹریکٹ زیر عنوان لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ شائع کیا ہے جس میں لکھتا ہے۔ اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں دین اسلام میری ہی متابعت میں دائر و سائر ہے۔ مجھے نہ ماننا دین سے خارج ہونا ہے۔ میں روحانی سورج ہوں میں رحمۃ للعالمین ہوں میرا نام محمد رسول اللہ ہے میں سفید مینار سے نازل ہوا۔ جملہ انبیاء کا مظہر ہوں۔ قرآن کو ستاروں سے لایا ہوں خدا نے مجھے الہام کیا تھا عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا اس الہام میں خدا نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے خلیفہ محمود کے عہد خلافت میں قادیاں میں مبعوث کیا جائے گا خدا نے آیہ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا میں فرمایا ہے کہ خدا نے افغانوں میں ایک رسول بھیجا ہے میں شرعی

رسول ہوں۔ اب خدا نے قرآن مجھ پر نازل کیا ہے مجھے کلمہ طیبہ لاالہٰ الا اللہ احمد نور رسول اللہ دیا گیا ہے۔ خدا نے میرے ساتھ بکثرت کلام کیا ہے۔ میری وحی کی تعداد دس ہزار تک پہونچتی ہے جو شخص میرا انکار کرے گا وہ لعنت کی موت مرے گا۔ وغیرہ ذالک من الخرافات

نبی بخش مرزائی

یہ شخص موضع معراجکے تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا ایک پرانا مرزائی تھا اس نے ۱۹۱۷ء میں ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا " اے ہر مذہب و ملت کے دوستو! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز پر ستائیس سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کا سلسلہ جاری ہے اس عرصہ میں اس عاجز کی بیشمار پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ مجھے ایک روشن نور اپنی طرف کھینچ کھینچ کر مقام محمود کی طرف لے جارہا ہے۔ مجھے سلطان العارفین کا درجہ دیا گیا ہے مجھے چار سال سے تبلیغ کا حکم ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کیا الٰہی میں اُمی ہوں حکم ہوا۔ جس طرح محمد رسول اللہ تبلیغ کرتے تھے تو بھی تبلیغ کر اس کے بعد یہ عاجز ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا یا ایُّھَا الصِدِّیق یُوسف انی معلک اسی طرح بار بار حکم ہوتا رہا۔ یہ عاجز فکر مند تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن مجھے سمجھایا گیا کہ نبوت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ تم دنیا کے طعنوں سے نہ ڈرو۔ نبوت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ وقت قریب آرہا ہے کہ تجھ سے حکماً تعمیل کرائیں گے۔ نبوت کا تاج تیرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ دعوائے نبوت کے واسطے تیار ہو جا مدعی نبوت کا فرض ہے میدان میں نکل پڑے۔ میں تیری مدد کے لئے فرشتوں کی فوج تیار رکھوں گا۔ ہر وقت تجھے مدد دیتا رہوں گا موسیٰ مرسل کی طرح میدان میں ہوشیار رہنا۔ بڑے بڑے فرعون تیرے سامنے آئیں گے مگر سب منہ کی کھائیں گے۔ تیرے خاندان کے لوگ اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ مگر کسی کی پروا نہ کرنا۔ آنے والی نسلیں افسوس کریں گی کہ لوگ تجھ پر ایمان نہ لائے حالات سن سن کر رویا کریں گے۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ تو ابراہیمی نسل ہے تو خاندانِ نبوت سے ہے۔

عبداللہ پٹواری

چیچاوطنی ضلع منٹگمری میں عبداللہ نام ایک مرزائی پٹواری رہتا تھا۔ قادیاں کے چشمۂ الحاد سے دجالی کا فیض پانے کے بعد کفریات وشطحیات بکنے میں اپنے پیرومرشد کا ہمسر تھا۔ اس نے اپنا لقب رجل مُسیٰ احمد رسول رکھا تھا اپنے اعلان میں لکھتا ہے۔ میں رسول اللہ بھیجا گیا طرف تمہارے رب تمہارے سے۔ بندے بنو اسلام کے پیروں مرشدوں مولویوں کی خودساختہ شریعت کے پیچھے نہ جاؤ۔ وہ سب احکام بلاوحی ہیں جن کا ثبوت نہ کتاب سے دیتے ہیں۔ یعنی کلمہ درود سنت نفل نعت غزل مولود نماز عیدین نماز جنازہ اور عرس مُردہ اولیاء پر کھانا کھلانا وغیرہ۔ لاالٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہنا شرک ہے۔ کتاب "ہدایۃ للعالمین میں لکھتا ہے کہ الرّسول یدعوکم اور اطیعوالرسول میں میری طرف اشارہ ہے اور لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں اپنی والدہ مرحومہ کو دیکھا اور کہا کہ خدا نے مجھے مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سن کر والدہ حیران رہ گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ بیٹا کہ کل تو تو یہ کہتا تھا کہ مسیح آئے گا اور آج خود مسیح بن بیٹھا ہے جب بیدار ہوا تو یقین ہو گیا کہ کسی بدروح نے مجھ سے مسیح ہونے کا دعویٰ کرایا تھا اسی خبیث روح نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مسیحیت کا دعویٰ کرایا تھا حالانکہ وہ اس سے پیشتر خود لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیحؑ آسمان سے نازل ہوں گے مجھے الہام ہوا کہ مرزا صاحب ابن مریم نہیں ہیں اور ان کی آمد کا کوئی حکم نہیں ہے۔ مرزا صاحب جیسے فرضی مریم بنے اسی طرح ابن مریم بھی بنے۔ جو ماں ہے وہ بیٹا نہیں ہو سکتی اور جو بیٹا ہے وہ ماں نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ" ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے"۔ اور مرزا محمود لکھتا ہے کہ مرزا صاحب ہی احمد رسول ہیں یہ دونوں باتیں لغو ہیں۔

فضل احمد جنگا بنگیالی

فضل احمد مرزائی موضع جنگا بنگیال ضلع راولپنڈی کا ایک مشہور مرزائی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ میں مرزا صاحب کا ظہور ہوں۔ کہتا ہے کہ مرزا صاحب کی عمر اسی سال کی تھی لیکن جب وہ اپنی عمر کے ساٹھ سال گزار چکے تو باقی

ماندہ بست سالہ عمر مجھے تفویض فرما کر وادی آخرت کو چل دیئے۔ اب میں ہی حقیقی مرزا صاحب ہوں۔ اس شخص کا ایک مضحکہ خیز مضمون جو سراسر تعلّیوں لن ترانیوں اور ملحدانہ خیالات سے مملوّ تھا۔ ۱۹۳۷ء کے اواخر میں جریدہ "زمیندار" میں شائع ہوا تھا۔

غلام محمد مصلح موعود و قدرت ثانی

یہ وہی شخص ہے جس نے ڈیڑھ دو سال پیشتر لاہوری مرزائیوں کے خلاف ادھم مچا رکھا تھا اور مسٹر محمد علی امیر جماعت لاہور کے اسرار و خفایا کو الم نشرح کر کے لاہوری مرزائیوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قادیانی مرزائیوں کا ایجنٹ ہے جو مسٹر محمد علی کی تخریب کے درپے رہتا ہے۔ اس نے اپنے مصلح موعود اور قدرت ثانی ہونے کے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں یہ شخص شروع میں مسلم ہائی سکول لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے لاہوری مرزائیوں کے اخبار "پیغام صلح" کی ملازمت میں منسلک ہو گیا تھا مگر اس کے بعد مرزائی ہوا کا رُخ پہچان کر اسے ارتقار منازل کی سوجھی چنانچہ معاً الہامی تالاب میں غوطے کھانے لگا۔

یحییٰ "عین اللہ" بہاری

یہ شخص موضع بھدا سی ضلع گیا صوبہ بہار کا رہنے والا ہے۔ خدا کا اوتار اور مسیح منتظر اور مہدی موعود ہونے کا مدعی ہے اپنے تئیں یحییٰ فرمانروا "عین اللہ" لکھا کرتا ہے خدا جانے یہ کہاں کا فرمانروا ہے؟ شاید عالم خیال کا فرمانروا ہو گا اپنی خانہ ساز الوہیت اور مسیحیت وغیرہ کے متعلق رسالہ "انا الحق" میں لکھتا ہے ؎

میں جو ہوں اب تک کنوارا مجھ کو جوڑا کب ملا؟ — روح میری اور ہے ظاہر میں ہوں شکل بشر
تیرے گھر شادی مری ہو؟ تو بہ تو بہ لے چھپا — تو ہی کیا اچھا ہے؟ جو لاڑو ملے گی خوب تر
میں نے حق مارا نہیں ہرگز کسی کا آج تک — میں انا الحق ہوں نہ تم سا ہے انا الباطل کا ڈر
نور سے ظلمات ہی سے نور ہے — وقت پر جو کام لے، ہے وہ بہادر سول جر

ایسے ہی ہم سے خدا ہے اور ہم ہیں از خدا
عطر اپنا کھینچ کر دیکھا تو پایا روح گر

نشاۃ عالم سے کرتا ہے ایندم کوئی شخص
یہ نہیں دکھلا سکا دیکھو وہ ہے پرمیشور

جب کوئی پرمیشور کو ڈھونڈ کر تھک جائیگا
بے شک و شبہ کمر باندھے گا وہ انکار پر

میں جو ہوں انسان یہ انسانیت ہے اور کچھ
فوقیت رکھتی ہے جیسے نجم میں شمس و قمر

سب انا الباطل کے پیرو ہو جبھی بطلان ہے
میں انا الحق کا ہوں پیرو اس لئے ہے حق ادھر

من نمی گویم انا الحق یار مے گوید بگو
گشتہ ایں تکمیل حکمش تو چہ دانی اے پسر

یاد باشد! ہے یہی یحیٰ بنائے کائنات
ہے یہی یحیٰ امام الکائنات و تاج سر

اب خدائی کا زمانہ آگیا ہشیار باش
صورت یحیٰ میں گویا ہے وہی اسٹیج پر

اس کی مرضی ہے کہ بندہ ہی تو ہو نا ہو گناہ
کر ترقی کہ خدا بن بے گناہ ہی ہے ادھر

آسماں سے اب ندا آئے گی بعد از قتل عام
ہے یہی یحیٰ کہ جس کی شکل ہے افلاک پر

ہے یہی یحیٰ کہ جس کے منتظر مدت سے ہو
مہدی الموعود و عیسےٰ یا مسیح منتظر

اور رسالہ ”دھرم لوری“ میں لکھتا ہے ؎

یا انا تو یہوا ہے تو ہی خدا ہے خود آہے
یہ بندہ کب یحیٰ ہے تو ہی مجھ میں گویا ہے

جیسی کرنی ویسی بھرنی
نیک بنو اور ایک بنو

یہوا ہی بس یحیٰ ہے یحیٰ ہی بس یہوا ہے
دونوں یحیٰ یحیٰ ہے یحیٰ کا یہ بھاکھا ہے

جیسی کرنی ویسی بھرنی
نیک بنو اور ایک بنو

رسائل مذکورہ کے علاوہ اس نے ”فرمان“ کے نام سے ۸۲۴ صفحوں کی ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جسے وہ اپنا قرآن بتاتا ہے اس کے شروع میں اس نے ان الفاظ میں اپنا تعارف کرایا ہے۔ ”اعلیٰ حضرت احدیت مآب فرمانروا سید محمد یحیٰ خاں دوران نائب اللہ علی العالمین دی لینڈ لارڈ آف موضع یحیٰ پرگنہ اردلی ضلع گیا صوبہ بہار اس کتاب میں اپنے دعویٰ کے متعلق یہ لکھ کر اپنی شرافت اور خوش کلامی کی داد دیتا ہے“ ایسے حرام زادوں پر پھٹکار ہے جو فرمانروا کی پیروی نہیں کرتے۔ اے نمک حرام سوئر کے بچو! تمہیں اب بھی یقین نہ ہوگا حالانکہ تمہارے لئے مالک نے انسانی لباس اختیار کیا ہے۔ کنواری لڑکی سے خود کو پیدا کر دکھلایا۔ مردہ زندہ کیا تیہ میں پھرا۔ اُمی بن کر اہل فصاحت کو چیلنج کرایا۔ قبل از وقت پیدا ہو کر ۴۵ روز بغیر دودھ کے رہا۔ بچپن میں

چنے اور چائے پر گذارہ کیا اور مہینوں لگاتار فاقہ کشی کی۔ خواب میں خدائی لباس میں بہتیروں کو دیدار دیا۔ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ غیب سے آ کر کسی نے کہا کہ یہ خدا کا فوٹو ہے۔ فوٹوگرافر نے ہمارے فوٹو لینے میں ایک درجن شیشے استعمال کئے مگر فوٹو نہ آیا۔ غیب سے میری تصدیق کے لئے آواز آئی کہ درست ہے فضائے آسمانی سے یہ آواز آئی کہ حضرت مولانا سید محمد یحییٰ التحیات علیکم خیرٌ لک من الاُولیٰ۔ ۲۸ روز بڑودہ میں فاقہ کش رہ کر لکچر دیا۔ لوگ مارنے آئے تو ہم نے تلوار دکھائی اور سب لوگ بھاگ گئے مکہ میں لکچر دیا۔ مدینہ پہونچا تو روضۂ اقدس کا نیا اور یا ہو کی آواز آئی۔ زنجبار اور بمبئی میں انتقال کیا اور چار گھنٹہ بعد پھر جی اٹھا۔ تم نے کئی بار سکھیا دیا مگر کچھ نہ ہوا۔ بمقام لندن انڈیا آفس میں خوبصورت تصویر نے جھک کر سلام کیا۔ ایک ہی وقت میں کئی جگہ تم کو نظر آیا (" فرمان" ص ۴۰۵/۱۱۳) انبیائے سلف میں سے کوئی صفی اللہ، کوئی نجی اللہ، کوئی خلیل اللہ، کوئی ذبیح اللہ، کوئی روح اللہ اور کوئی حبیب اللہ تھے علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی دیکھا دیکھی یحییٰ نے بھی اپنا ایک کلمہ تجویز کر رکھا ہے اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یحییٰ عَینُ اللّٰہِ ہے۔

پنجاب مارشل لا کے عہد آشوب کے بعد خاکسار راقم الحروف نے بمبئی سے ایک روزانہ اخبار بنام "نصرت" جاری کیا تھا انہی ایام میں یحییٰ نے ایک دادرا بغرض اشاعت روانہ کیا اور یہ رقعہ بھی لکھا۔ مہربان من تسلیم! میں زمانے کے مطابق ایک عرفانی دادرا لکھ کر بھیجتا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ اپنے روزنامچہ بنام "نصرت" میں شائع فرما کر مجھ کو اور سب کو ممنون فرمائیں گے خاص کر رضاکاروں کے لئے جو چرخے کے گیت گاتے پھرتے ہیں زیادہ مفید ہوگا (آپ کا خادم فرمانروا سید محمد یحییٰ عین اللہ) لیکن دادرا شائع نہ کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۰ر جنوری ۱۹۲۲ء کو یحییٰ نے "انا الحق" اور "دھرم لوری" نام کے دو رسالے بغرض ریویو روانہ کئے اور لکھ بھیجا:۔

بجناب برادر نامہربان بعجز و انکسار تعظیم و تکریم کے ساتھ آداب و تسلیم قبول ہو ہمیں یقین ہے کہ آپ ہمیں جانتے ہیں۔ ہم نے چند بار آپ کے پاس آرٹیکل بھیجے مگر نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ ایک بھی شائع نہ فرمائی۔ حالانکہ

ہم مفید خلائق اور حق بات لکھا کرتے ہیں لیکن آپ کی نگاہ مبارک میں جب لغو دکھائی دیتا ہے تو خیر جزاک اللہ۔ یہ کتاب ریویو کے لئے بھیجی جاتی ہے اب جیسی آپ کی مرضی۔ اس کے بارے میں لکھئے یا نہ لکھئے۔ سپردم بتو مایہ خویش را، (آپ کا خادم سید محمد یحییٰ) دادرا کا کچھ حصہ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے ؎

چھم چھم گھنٗ گھنٗ گھنٗ بولے
ذراسنو نگر کے لوگ

دورہ ہے ہندستاں کا ہندی ہے اوتار | چمکا چمکا نور چمکا، دیکھو دیکھو یار

چھم چھم گھنٗ گھنٗ گھنٗ بولے ذراسنو نگر کے لوگ

جگ میں چمکا جگمگ تارہ جاگو جگ کے لوگ | میں ہی جوگی جگمو ہن ہوں دیکھو میرا جوگ

چھم چھم گھنٗ گھنٗ گھنٗ بولے ذراسنو نگر کے لوگ

ماتھے پر ہے جگ مگ تارہ ماتھا ہے مکھیات | ارے یہی محمد یحییٰ ہے میٹھی یا اے حضرات

چھم چھم گھنٗ گھنٗ گھنٗ بولے ذراسنو نگر کے لوگ

یحییٰ ہی جگ مانس ہے یحییٰ ہی ہے جگدیو | جیسے مٹی بھیت دو آرا مٹی ہی پھر نیو

چھم چھم گھنٗ گھنٗ گھنٗ بولے ذراسنو نگر کے لوگ

آؤ آؤ! دورِ نیا ہے ست جگ ہے درات | یحییٰ "ہی وہ ہادی" ہے لو نور کی سوغات

چھم چھم گھنٗ گھنٗ گھنٗ بولے ذراسنو نگر کے لوگ

ذیل میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے یحییٰ کی ایک دلچسپ نظم درج کی جاتی ہے ؎

رامؔا ہم ہیں مریم ہم ہیں رستم ہم ہیں ہم ہی جم | گویا کہ بس ہم ہی ہم ہیں ہم ہی ہم ہیں ہم ہی ہم

یاد ہے ہم سب کو اتنا جبتک ہے اس دم میں دم | بولیں گے ہم بیشک حق حق لاکھ کرو تم ذم پر ذم

یا اُمّی یا اُمّی اُمّی اُمّی اُمّی اُمّی امّیّم | مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی ام

ہم ہی عیسیٰ مہدی ہیں گہوارہ میں جو بولے تھے | احمد ہم ہیں موسیٰ ہم ہیں عیسیٰ ہم ہیں یحییٰ ہم

پہلے جو کچھ لائے تھے ہم دیدا کے تم سب کو گئے | تم نے اس کو ایک نہ مانا سیدھے بن کے ہوگئے خم

اب ہم جو کچھ لائے ہیں سو لیلو بھلے منالی سے | چھوڑو اپنا دھوم دھڑکا چھوڑو اپنا سارا بم

دیکھو کیا ہے شان ہماری سارے احمد حامد ہیں | قال رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ السلام

ایلی ایلی ایلی ولما سبقتنی | اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا پھر کیا ہے ہم کو اس کا غم

سُبحٰنکَ لَا عِلمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا | اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ میں ہوں تیرا خالی نم

قدرت تیری رنگ برنگی تو قدرت کا مالی ہے — میں ہی تیرا فوٹو ہوں بس مجھ سے ہے عالم البم
اَبْجَدْ هَوَّزْ حُطِّیْ کَلِمَنْ سَعْفَصْ قَرَشَتْ ثَخَذْ ضَظَغْ — سائے اسی میں بکھرے ہیں ظا، ظہور العالم کم
دیکھو بھاگو بچتے جاؤ چلتی ہے تلوار مری — چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم
خون بہے گا دنیا میں پڑ جائیں گے کہرام بڑے — سوکھی ساکھی دھرتی سب ہو جائیگی ایکدم سے یم
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ — نینی تل کے مانس کی ہے دیکھو دونو نینا نم
سُبْحَانَ اللّٰهِ تَعَالٰی مَنْ یَّخْشَ اللّٰهَ یَتَّقِهٖ — جَعَلَ لِکُلِّ شَیْءٍ سببًا وَہ وَہ وَہ وَہ وَہ وَہ ہم
هُوَ الْهُدٰی هُوَ الْهَادِیْ لَیْسَ الْهَادِیْ اِلَّا هُوْ — نازل ہوگا کس جا پر؟ امریکہ میں جو ہے اک تھم
خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ — لَیْسَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَاشِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْعَم
ہادی مہدی۔ نرنرائن دولہا دولہن ایک ہیں — سب کے سب کنگالی ہیں اور اتم جو کھم خالی ہم

مندرجہ ذیل نظم میں اس نے مرزا غلام احمد کی طرح خود ستائی کے آسمان میں پیوند لگایا ہے۔

خود فنا اور خود بقا ہوں میں — خود نبی اور خود بنا (نبوت) ہوں میں
اختر و مہر و ماہ و برج و فلک — جنت و دوزخ و خلا ہوں میں
بحر و بر سبزہ و مکین و مکاں — روح و ارواح و بازپا ہوں میں
اور ناممکن القیاس جو ہو — وہ بھی میں ہوں لب (و زبان ۱۲) خدا ہوں میں
بس خدا ہی کا نام یحییٰ ہے — میں نہ کچھ یاد جاویا ہوں میں
واہ کیا خوب دلربا ہوں میں — اپنے ہی آپ پر فدا ہوں میں
ابر و باد و سحاب و قوس و قزح — بارش و برق و طور و طار ہوں میں
الغرض جملہ کائن و ما کان — میں ہی میں ہوں بتاؤ کیا ہوں میں
خود سے چھپتا ہوں شرم کے مارے — حیّ و یحییٰ و باحیا ہوں میں

میں نے کلکتہ میں سنا تھا کہ یہ شخص نہ صرف اردو، فارسی، عربی، ترکی مشرقی زبانوں میں اچھی دستگاہ رکھتا ہے بلکہ انگریزی جرمن فرانسی وغیرہ مغربی زبانیں بھی بخوبی جانتا ہے۔ زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے ایسا نفیس اور بیش قیمت لباس پہنتا ہے کہ اس سے زیادہ قیمتی پوشش کسی والئی ریاست کو بھی میسر نہیں آسکتی۔ یہ شخص ۱۹۳۰ء کے اواخر میں لاہور بھی آیا تھا لیکن میں نے اس کے دیکھنے کا قصد نہ کیا۔ نومبر میں اس کا ایک مراسلہ لاہور کے ہندو اخبار ملاپ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں اس نے اپنے "عین اللہ" ہونے کی جو "دلیل و برہان"

بیش کی وہ جریدۂ انقلاب مورخہ ۲؍ دسمبر ۱۹۳۰ء سے نقل کی جاتی ہے۔ یحییٰ نے ملایا میں لکھا تھا کہ " جیسے پرندوں کے پروں کے نلی کے اندر جینیا گھاس کی طرح ایک سہ پہلو ریشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ریڑھ کے اندر ایک سہ پہلو چیز ہوتی ہے جو سانپ سے مشابہ ہوتی ہے جس پر انسان کا ڈھانچہ قائم ہے جو جسم کے بیچ میں ستون کا حکم رکھتا ہے جسے انگریزی میں ورٹیبرم کالم کہتے ہیں اور سنسکرت میں یہوا اور عربی میں یوا یحییٰ اور عمود الفقری کہتے ہیں جس میں نور پیدا ہونے سے وجدانی وجذباتی کیفیت ہو جاتی ہے جس کے پیدا ہوتے ہی جو بات بصیرت و بصارت سے نہیں معلوم ہو سکتی تھی اس کیفیت سے معلوم ہو جاتی ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎ بگفتا حالِ ما برقِ جہان است دمے پیدا و دیگر دم نہان است یعنی کہنے والے نے کہا کہ حال اس کا برق جندہ کی طرح ہے کہ جس دم وہ چمک کر سانپ کی طرح رواں دواں ہوئی تو اس کی روشنی میں ازل سے ابد تک معلوم ہو جاتا ہے اور اگر نہ چمکی تو کچھ نہیں تو وہ ہمیشہ نہیں چمکتی۔ جس وقت چمک جائے یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے یا وجدانی کیفیت پر چنانچہ اگر وہ عمود الفقری جس کا ذکر اوپر پیش آیا۔ ریڑھ کے اندر سے خارج کر دیا جائے تو فی الفور جسم کا ڈھانچہ بیٹھ جائے گا گویا اس قدر عمود الفقری کی ہستی کی اہمیت ہے کہ وہی بنائے جسم یا بنائے زندگی ہے ایک تو یہ معنی یحییٰ کے ہیں دوسرے یحییٰ کے معنے خدا کے ہیں جو سنسکرت اور عبرانی زبان کے لفظ یہوا سے بنا ہے "۔ غرض یہ کہ یحییٰ کے معنے (معاذ اللہ) خدا کے ہیں اور یحییٰ کے معنے عمود الفقری کے بھی ہیں لہذا "یحییٰ عین اللہ" کے معنی یہ ہوئے کہ خدا عمود الفقری ہے اور عمود الفقری خدا کی آنکھ ہے گویا خود یحییٰ عمود الفقری بھی ہے اور ریڑھ کی ہڈی بھی ہے خدا بھی ہے خدا کی آنکھ بھی ہے۔

جس طرح مرزا غلام احمد اپنے من گھڑت معجزات کا پروپیگنڈا کرتا رہتا تھا اسی طرح یحییٰ نے بھی اپنا ایک آسمانی نشان بنا رکھا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ ۲۳؍ دسمبر ۱۹۲۰ء کے دن بوقت پانچ بجے شام جو ستارہ ٹوٹ کر سانپ کی شکل پر ہو گیا تھا اس کی نشست میں یحییٰ کا املاء پڑھا جاتا تھا اور اس کی روشنی کے سامنے آفتاب ماند پڑ گیا تھا چنانچہ لکھتا ہے ؎ کیا بخط اژدہا تھا آسمان کی لوح پر؟

صاف تھا املائے یحییٰ پڑھ چکے اہلِ نظر

یحییٰ نے اپنی من گھڑت شریعت کے جو مضحکہ خیز احکام کتاب "فرمان" میں لکھے ہیں ان کا لب ولہجہ ایسا تحکمانہ ہے کہ گویا کسی والیٔ ملک کے حدود و تعزیرات ہیں۔ بہر حال اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے "زانی کو کتے سے کٹوا کر ہلاک کر دو۔ پسند کئے بغیر شادی نہ کرو اگر کوئی مزاحم ہو تو اس پر کھولتا ہوا پانی ڈالو کوئی کسی کا منھ چڑائے تو اس کے ہونٹ کاٹ ڈالو۔ ابرو سے اشارہ کرے تو موچنہ سے بال نوچ دو۔ بہتان باندھنے والے کو چونہ کی بھٹی میں بٹھا کر پانی ڈال دو۔ قاتل کو کرسی پر بٹھا کر اس پر برقی رو ڈالو اور ہلاک کر دو۔ جو باغ میں پیشاب کرے اس کے منھ پر پیشاب کرو۔ نطفہ ضائع کرنے والے کا آلۂ تناسل قطع کر دو۔ جو عورت گاجر وغیرہ سے فرزجہ کرے نمک نوشادر اور مرچ سے اس کو فرزجہ کرو۔ جانور سے جماع کرنے والے کا عضو تناسل کاٹ دو جو کوئی زنا بالجبر کرے اس کی جورو یا بیٹی سے بر سر بازار زنا کراؤ اور کتے سے اس کی سفرہ کوبی کراؤ۔ پھر تہ خانے میں برف کے نیچے دبا دو۔ زانی کو الٹا لٹکا دو کہ سوکھ سوکھ کر ہلاک ہو جائے یا درندے نوچ کھائیں اور مفعول کو سولی دو۔ زانیہ کو حمل ہو جائے تو اس کو حراست میں رکھو کہ حمل نہ ساقط کر سکے۔ اگر حمل گرائے تو قتل عمد کی سزا دو۔ جو کسی کو عقیم ہونے کی دوا دے یا مخنث بنائے اسے لاکھ کی دیوار میں چپکا دو۔ آگ لگانے والے کو توپ سے اڑاؤ۔ باغی کو بچھوؤں کی خندق میں ڈالو اور زبان کاٹ دو۔ جو شخص برا افسانہ لکھے یا غیبت اور غمازی کرے یا جھوٹی گواہی دے یا جھوٹی مخبری کرے اس کی آنکھ میں چونہ بھر دو۔ انگلی سے بکرہ نہ توڑو۔ زفاف کا خون نہ دکھاؤ۔ سب اردو بولو۔ یہی ذریعۂ تعلیم ہو۔ فرمانروائے کل (یحییٰ) کو قبول کرو۔ جس کے ماتحت فرمانروائے جز ہوں خمس (مال کا پانچواں حصہ) تحصیل کر کے (یحییٰ کے) بیت المال میں جمع کراؤ۔ یہ بیت المال فرمانروائے کل (یحییٰ) کے زیر تصرف رہے گا۔ جو اتحاد میں مزاحم ہو اسے تیزاب میں ڈالو۔ شفایاب ہو جائے تو پھر تیزاب میں ڈالتے رہو۔ بلا استحقاق مال کھانے والے پر وہی مال پگھلا کر ڈالو۔ سرکشی کی سزا چار میخہ ہے جس پر اس کی

کھال کھینچی جائے" فرمان" کے خلاف چلنے والے کو سنگسار کرو۔ جس عضو سے جو برائی ہو وہی کاٹ ڈالو۔ یحییٰ مسیح کا یہی لکچر ہے جو گرجاؤں میں دہرایا جائے۔ گرجا کو صاف رکھو۔ اتوار کو منبر کے پاس بخور جلاؤ داہنے بائیں مسیح ثانی (یحییٰ) کی دو تصویریں ہوں لوگ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکائیں۔ حکام کے بیٹھنے کے لیے اوپر برآمدہ ہو۔ منبر کے پاس اسٹیج پر خوش آواز باجہ ہو۔ جب" فرمان" پڑھتے پڑھتے کوئی سرور افزا مقام آجائے تو خوش گلو لوگ باجے کے ساتھ گانے لگیں۔ بیت المقدس کو سید المعابد بناؤ۔" فرمان" کی تلاوت ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہ ہو۔ بیچ میں نٹفن کی چھٹی بھی ہو جلسہ برخاست ہونے کے وقت خطیب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔ اختتام دعا کے بعد لاالٰہ الا اللہ یحییٰ عین اللہ کہہ کر سب لوگ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا دیں۔ میت کے غم میں چالیس دن تک ماتمی نشان بازو پر رکھو۔ مردہ کو گاڑی پر لے جاکر مشین کے ذریعہ سے آگ میں پھونک دو بے اجازت گاڑی کے پیچھے بیٹھنے والے کو خوب پیٹو اگرچہ مر جائے۔ اضلاع کی رپورٹیں وائسرائے کے پاس جایا کریں اور وہ فرمانروائے کل (یحییٰ) کے پاس بھیجے۔ مشہور خادم خلق اللہ کا مجسمہ کسی بڑے شہر میں بلند مینار پر نصب کرو لڑکی اپنی تصویریں بھیجے اور لڑکوں کی تصویریں منگوائے پھر قرعہ ڈال کر انتخاب کرے پھر دونوں گرجا میں جاکر شادی کریں ٹیلیفون اور تار کے کھمبوں پر صلیب اور چاند تارہ کی شکل ہو کوئی نن مرلی، جوگی اور سنیاسی نہ بنے۔ کوئی عورت چہرے پر نقاب نہ ڈالے اور پاجامہ نہ پہنے بلکہ گون اور بوٹ اور ساڑی پہنے۔ کوئی عورت مہندی نہ لگائے سلام کرنے میں ٹوپی اتارو اور سینے پر ہاتھ رکھو۔ مونچھ سے خوبصورتی ہوتی ہے سرمہ نہ لگاؤ پاجی کی خوب خبر لو ورنہ تم سا کوئی ولد الحرام نہیں۔ فرستادہ خدا (یحییٰ) کے سامنے دلائل پیش نہ کرو کسی کا پس خوردہ پانی نہ پیو۔ گلاس بائیں ہاتھ سے پکڑو۔

کتاب" فرمان" کے جو اقتباسات اوپر درج ہوئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص نہ صرف مغربیت کا بہت دلدادہ بلکہ انتہا درجہ کا مطلق العنان بھی ہے اگر یہیں تک محدود رہتا تو چنداں افسوسناک نہ تھا کیونکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں

ملحد و زندیق موجود ہیں لیکن اس کی سرشاریٔ ضلالت کا ایک نہایت دلفگار پہلو یہ ہے کہ اس نے بے حیائی کا لبادہ اوڑھ کر اصول اسلام کا مضحکہ اڑایا ہے اور اہلِ ایمان کو ایسی ایسی گالیاں دی ہیں کہ لیکھرام یا کسی بد لگام پادری کو بھی ان کی جرأت نہ ہوئی ہوگی۔ گو ان خرافات کا نقل کرنا جن کو پڑھ کر ایک غیور مسلمان کا خون کھولنے لگتا ہے مجھ پر سخت شاق ہے لیکن یہ دکھانے کے لئے کہ ان شیاطین اخرس کو جو تقدس کے دعووں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اسلام اور اہلِ ایمان سے کس درجہ عناد ہوتا ہے اس کی فحاشی کے چند نمونے پیش کرتا ہوں۔
"اسلام کے معنے عافیت و سلامتی کے ہیں اور السلام علیکم کے یہ معنی ہیں کہ تم سلامت اور مفلح و کامگار رہو۔ لیکن یہ لعین لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے السلام علیکم کہہ کر یہ بتایا تھا کہ باباتم کو سلام ہے گویا یہ لفظ لعنۃ اللہ علیکم کا مرادف ہے" اور لکھتا ہے کہ اسلام اور مسلم کا لفظ بھی آج نجس معنی میں استعمال ہو رہا ہے"۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی معزز و محترم لفظ ہی نہیں کیونکہ اسلام کے معنی تسلیم کرنا اور مسلم کے معنی اطاعت شعار کے ہیں۔ اور لکھتا ہے کہ شریعت قدیم ختم ہو گئی اب شرع جدید پر عمل کرو اس کے خلاف کرنا جرم ہے ورنہ تم واجب التعزیر ہو گے اور تمہارا مال و متاع چھین لیا جائے گا اور تمہاری جورو بیٹی خواص (لونڈی) بنالی جائے گی پھر تہ تیغ کیا جائے گا رومی، ایرانی، حیدرآبادی اور انگریزی ٹوپی پہنو۔ پگڑی شملہ ابلیس کا لباس ہے اور لکھتا ہے وہ قوم (معاذاللہ) بڑی حرامزادی مردود ہے جس نے کتابوں (قرآن) کا حرف حرف نقطہ نقطہ اعراب وغیرہ شمار کیا ہے موسیقی بہترین چیز ہے مگر وہ سؤر کے بچے حرامزادے ہیں جو اس نعمت الٰہی کا کفران کرتے ہیں۔ ختنہ نہ کرو۔ حاملہ بیہودہ قیام و قعود اور حرکتِ بیجا (نماز) کو عبادت نہ سمجھے مثلاً بار بار زمین پر ناک رگڑنا (سجدہ کرنا) اور دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑ دھوپ کرنا، جھوم کھیل کھیل کے روسیاہ پتھر کو چومنا شیاطین کا ایک مجمع تصور کر کے اینٹ پھینکنا سخت بیہودہ حرکتیں ہیں۔ وہ حرامزادے ہیں جو عورتوں کو حبس بیجا کرتے (پردے میں رکھتے) ہیں۔ بہت سے مردود لوگ تصویر رکھنا حرام سمجھتے ہیں۔ وہ حرام کے بچے یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی چیز تصویر سے خالی نہیں لہٰذا ایسی مادر بخطا مردود حرامزادی قوم

جھوٹ کی باتیں نہ سنو" یہ ہیں ایسے شخص کے "اخلاق عالیہ" جسے خدا کا نائب یا (معاذ اللہ) ناسوتی پیکر میں لاہوت ہونے کا دعویٰ ہے اور میرا خیال ہے کہ آج تک جس قدر لفنگے میدان مذہب میں عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرے ان میں یحییٰ جیسا کوئی بدمعاش نہ ہوگا۔ جس نے اہلِ حق کو اس طرح سوقیانہ گالیاں دے کر اپنی فرومائگی کا عملی ثبوت پیش کیا فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

مرزا غلام احمد نے انگریز کی تعریف میں بقول خود پچاس الماریاں کتابیں لکھی تھیں۔ یحییٰ بہاری پچاس الماریاں لکھنے کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا لیکن پھر بھی وہ اپنے فرض سے قاصر نہیں رہا۔ چنانچہ اس کا رسالہ "انا الحق" اس حقیقت کا شاہد ہے کہ اس نے "مقولۂ عوام" کے زیر عنوان انگریزوں کی طرف سے ان اعتراضوں کے جواب دے کر پوری طرح حق وفا ادا کر دیا ہے۔

"مقولۂ عوام" کے تحت میں لکھتا ہے ؎

میں نے مانا تو بہت اچھا ہے لیکن یہ تو کہہ ... اہلِ امریکہ نے تجھ کو کیوں کیا گھر سے بدر؟

کیوں تجھے جھوٹا دغا کہتے ہیں سب دنیا کے لوگ ... کچھ نہ کچھ تو دال میں کالا ہے یا سب ہے لچر؟

یہ بھی کہہ مجھ کو کہ آئرلینڈ کیوں تجھ سے ہے تنگ ... ہے ترا ہمسایہ بلکہ جزو عضو و دست و بر

کیوں تجارت کے بہانے لوٹتا ہے ملک کو؟ ... کورٹ فیس اتنی بڑھائی ہے کہ گویا الحذر!

ہے کہیں محصول بیجا ہے کہیں حد سے فزوں ... ہے یہ کیوں حشرات برپا؟ کچھ تو اس مالک سے ڈر

ایک چٹکی بھی نمک کوئی بنا سکتا نہیں ... اس قدر ظلم و تعدی ساری خلق اللہ پر

صنعتِ ہندوستاں کی تو نے کی مٹی پلید ... اور انگوٹھے ان کے کاٹے جو تھے اچھے کاریگر

تو نے اپنے ملک میں ہندوستانی چھینٹ کو ... پاپ ٹھہرایا پہننا واقعہ کو یاد کر

کیوں خوشی معدوم ہے؟ میلا جھمیلا کیوں نہیں؟ ... کیوں کنوارے اس قدر ہیں؟ کیوں بھکاری اس قدر؟

حالتِ افلاس میں شادی کبھی جائز نہیں ... بانیٔ افلاس کہتے ہیں تجھی کو سب بشر

وقت پیری سب کو حاجت ہے کہ وہ عینک لگائے ... اس قدر غربت بڑھی کہ لے نہیں سکتا مگر

ہیسٹنگ اور واقعاتِ لارڈ بچز یاد ہیں ... اور ڈگبی کا رپٹ ہے دل میں نقشِ کالحجر

محسن ملیا میٹ ہے جو نسل ہے برباد ہے ... بھوک سے سب مر رہے ہیں وہ تو کھائے بٹر

اے تو قہر اللہ جلدی آ د ظالم کو نکال ... ورنہ اے ظالم یہ کہتا ہوں کہ جلدی سے سدھر

بٹر: مکھن ۱۲

کیوں نہ تعلیمات جبراً دی کہ بنتے عقیل؟ — کیوں نہ کوشش کی کہ ہوتے متحد بایک دگر؟
فرض شاہی کیوں نہیں اچھی طرح پورا کیا؟ — فائدہ اپنا ہی رکھا ہر جگہ مدِ نظر
گیارہ آنے خود لئے تو ایک آنہ دے دیا — یہ کوئی انصاف ہے؟ انسانیت سے غور کر
کوئی ہو انساں کی صورت میں اسے بھائی سمجھ — ورنہ اے ساگر! تو بڑھ انگلینڈ کو غرقاب کر
یہ نہیں کہ مار ڈالے اونگھنے والے کو تو — یا ٹربنوں میں تو بیٹھے آدمی کے پیٹ پر
جونک بن کر چوس ڈالے سب بنی آدم کا خون — اور یہ ظلم و تعدی ہوں عمل میں مستمر
اور ہر انساں کو سمجھے بدتر از عبد رہی — ان سے جو بر تاؤ ہو بد تر ہو از کلب و بقر
کیس جب اس کا چلے تو نرم کر دے کیس کو — کالے گورے کی لگائے بیخ یہ ہے اک ظلم و شر
ایسی حالت میں مجھے بے اعتنائی فرض ہے — اس پہ جو عامل نہ ہو گویا ہے مٹی یا حجر
اے تم ایسے لوگ! جب دیکھو کہ وہ ایسا کرے — رخ وہیں اپنا بدل دو، یہ عمل ہی ہے سپر
جب ہوئے معزول اپنے فعل سے سب بادشاہ — یہ نہ کیوں معزول ہو کیا اس میں ہیں عنقا کا پر؟

اس کے بعد یحییٰ نے انگریز کی طرف سے ان اعتراضوں کے بڑے لمبے چوڑے جواب دئے ہیں چند اشعار نمونتہً ملاحظہ ہوں۔ کہتا ہے ؎

کیا یہ کہنا ان کا سچ ہے یا فقط ہے اتہام؟ — اس کو جلدی صاف کر یہ کیس ہے بس پُر خطر
ورنہ تم سے بڑھ کے لچا کوئی عالم میں نہیں — جس قدر ہو ظلم تم پر، عدل ہے بلکہ ہنر
ملک لیں شمشیر سے ہم پھیر دیں تقریر سے؟ — دشمنوں نے کس طرح ہم سے لیا تھا بیشتر
ملک لے کر کب دیا تم کو بنی سفیان نے — گرچہ ان پر لعنتیں برسائیں سب نے عمر بھر
باپ تک تو جیتے جی دیتا نہیں بیٹے کو ملک — کس طرح سے غیر دیدے؟ ہے کہاں اے بے خبر
یہ تدبر ہے کہ بچے سے کہیں ہم لے عزیز — کل فجر کو چاند لا دیں گے تو سو رہ ہٹ نہ کر
اب خدا سے رنج ہو جا، کیوں مجھے اُس نے دیا — میرے کرتب کا یہ پھل ہے خُذ صَفَا دَعْ مَا كَدَرْ
اک محلہ جو کہ آئرلینڈ ہے انگلینڈ کا — اس لئے اک گھر میں دو سوراج آفت کا ہے گھر
قوم امریکہ نے کب پایا؟ کہ جب لائق بنا — ہاں مگر افسوس ہے کچھ ہو گیا تھا شور و شر
ہر جگہ ایسے بھرے ہیں جاہلوں کو دیکھ لو — اب فرنگی ہو کہ زنگی ہو کہیں کا ہو بشر
بس کسی انگریز جاہل نے اگر کی ہے خطا — مت نکالو ایک جاہل کے لئے سب سے کسر
ساری دنیا میں سمجھ لینا کہ میں ہی ہوں بھرا — کیا یہی انصاف ہے اور شیوۂ انصاف ور
پہلے ہی سے ہے جہاں میں جنگ و غربت کا وجود — شاہد اس کے ہیں کتاب و آمدِ پیغام بر

پہلے زر کم تھا تو ارزانی بھی تھی چاروں طرف　　اب زیادہ زر ہے اس نسبت سے ہے سودا ورزر
میں نے تجھ کو کب کہا؟ حرفت نہ کر حیوان بن　　تو تو خود اس کو برا کہتا ہے خود انصاف کر
کیا نہ چوہوں کا کہیں معبد میں ہے بول و براز　　اس سے بھی بدتر ہیں "انگریزان" اے بیہودہ سر؟
گر یہی انصاف ہے تو پھر ہمیں کیا چاہئے　　غالباً یہ چاہئے ہم تجھ کو سمجھیں گاؤ خر
ٹھیک ایسا ہی ہے اپنا داخلہ اس ملک میں　　جس طرح سے ہند میں آیا کوئی ہندو کے گھر
تم تو خود دجال ہو دجال کے ساتھی بنے　　ہم پہ الٹا دوش رکھتے ہو کہ ہیں دجال فر
صید کو صیاد جو دیتے ہیں دھوکا وقت صید　　ہے وہ دھوکا یا کہ حکمت؟ کہ تو اس کو اے بقر
میں نے مانا میں فریبی ہوں بڑا مکار ہوں　　تم نے کیوں مانا مجھے ہر دم فریبی جان کر
میں لڑاتا ہوں تو کیوں لڑتے ہو؟ کچھ ہمت ہو لڑو　　خود تو لڑتے ہو مگر الزام ہے شیطان پر
اس لئے نا اہل ہو، نادان ہو مردود ہو　　ہوش میں اب تک نہ آیا کوئی بھی بکر و عمر
ملک کو نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر دیا　　اس کی مزدوری جو لی پبلک ہوئی ناراض تر
جب دوا چھوڑی کنوئیں میں تاکہ پانی صاف ہو　　لوگ بولے زہر میں نے دے دیا ہے جان کر
جب کبھی چاہا کہ اچھی بات کی تعلیم دوں　　بول اٹھے بیدین کرنا چاہتا ہے یہ سوَر
ایک منسپلٹی جو دی تھی اس کی حالت دیکھئے　　جس طرف رہتے ہیں ہم رکھتے ہیں اس کو صاف تر
اور جہاں رہتے ہیں خود ہی اس کو رکھتے ہیں کثیف　　جب چلے ہم دیکھنے کو کر دیا آبِ گہر
اب کوئی عادل اسے فیصل کرے میں کیا کروں؟　　تنگ آ کر میں نے چھوڑا اُن کو اُن کی رائے پر
کیسی ہی سچی خبر دوں یہ نہ مانیں گے کبھی　　ہاں اگر میرے مخالف ہے تو ہے سچی خبر
ہیکلِ رانی[1] کو بے حرمت کیا اکثر جگہ　　اور اس کے واسطے پیدا کئے والنٹیر
دشمنوں سے چونکہ دہشت تھی ہمیں ہر سمت سے　　اس لئے حفظانِ ذاتی میں تھے ہم مصروف تر
اس میں تھی حاجت زرِ وافر کی ہر اک طور سے　　اس لئے کچھ زر کشی زائد ہوئی ہے عفو کر
اس کا آگے بندوبست ہوگا کہ ہو آرام جاں　　مہربانی کر کے کچھ خاموش رہ جلدی نہ کر
بم سے جب مارا تھا دہلی میں وزیرِ ہند کو　　قتل دہلی پر ہوا کب مستعد؟ انگلش پسر
کیسے اک مجرم کی خاطر بیگناہوں کا ہو خوں　　منہ خدا کو کیا دکھائیں گے کریں ایسا اگر
ہم اگر چاہیں تو سارے لیڈروں کو خفیۃً　　ایکدم غائب کرا دیں خوف ہے رب سے مگر
رحم کھاتے ہیں کہ یہ بچے ہیں سب نادان ہیں　　روتے روتے خود ہی چپ ہو جائیں گے سب گھر گھر
ہم تو زر سے کارخانے کھولتے ہیں ہر جگہ　　اور یہ سب زر کو رکھتے ہیں زمیں میں گاڑ کر

[1] ملکہ وکٹوریہ ۱۲

عہد بنو عباس کے برساتی نبی

خلافت بنو امیہ جب تک قائم رہی اسلام میں رخنہ اندازی کے واقعات شاذ و نادر واقع ہوئے تھے۔ لیکن خلفاء بنو عباس نے اپنے رویے سے دین و مذہب میں بے راہ روی کے مواقع پیدا کئے، اسلامی معاشرہ میں غیر عرب عناصر کا غلبہ پیدا کیا۔

ان حالات میں مخالف اسلام قوتوں نے بھی سر ابھارا اور اسلامی فکر و نظر میں کجی پیدا کرنے کے اسباب پیدا کئے۔ پوری اسلامی تاریخ میں اتنے کذاب نہیں پیدا ہوئے جتنے خلافت عباسیہ کے دور میں پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے مشہور مشہور واقعات درج کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو اس دور کا بھی اندازہ ہو سکے:۔

مامون رشید کے سامنے ایک بار دس مدعیانِ نبوت ایک ساتھ پکڑ کے لائے گئے۔ قصر خلافت میں آتے وقت جب وہ راستہ میں وقار و تمکنت کی شان سے گذر رہے تھے۔ کیونکہ سب تعلیم یافتہ اور شائستہ صورت کے لوگ تھے تو ایک طفیلی کو جو دعوتوں میں بے بلائے جا کے پیٹ بھرنے کا عادی تھا دھوکا ہوا کہ یہ لوگ کہیں دعوت میں جا رہے ہیں اور ان کے غول میں مل گیا۔ مامون کے سامنے جب یہ لوگ پہونچے تو سب لوگ متحیر تھے کہ یہ دس کے گیارہ کیونکر ہو گئے۔ جب تصدیق کے بعد ان کے قتل کا حکم ہوا تو وہ طفیلی گھبرایا اور بولا میں تو یہ سمجھ کے ان کے ساتھ ہو لیا تھا کہ یہ کسی امیر کے ہاں دعوت میں جا رہے ہیں ورنہ مجھے دعوائے نبوت سے کیا علاقہ؟ یہ سن کے تمام حاضرین ہنس پڑے اور مامون بھی مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ آخر تمام مدعیان نبوت موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعیان نبوت میں سے بعض خلیفہ کے سامنے کوئی لطیفہ یا مذاق کا فقرہ کہہ کر چھوٹ جاتے تھے جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہو گا:۔ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا۔ جب اسے پکڑ کے دربار خلافت میں لائے تو مہدی نے

پوچھا "تم نبی ہو؟" بولا "جی ہاں" پوچھا اور کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو؟" بولا تم نے کسی کے پاس ایک گھڑی بھر کے لئے بھی تو جانے نہیں دیا۔ میں نام لوں تو کس کا لوں؟ ادھر میں نے دعویٰ کیا اور اُدھر تم نے مجھے پکڑ کے قید خانہ میں بند کر دیا۔ یہ جواب سن کر مہدی ہنسا اور اسے چھوڑ دیا۔

ایک شخص نے ایک بار بصرہ میں پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ لوگ اُسے پکڑ کے حاکم بصرہ سلیمان بن علی کے پاس لائے۔ سلیمان نے صورت دیکھتے ہی کہا۔ "تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو؟ بولا جی اس وقت تو قیدی ہوں پوچھا "کمبخت تجھے کس نے نبی بنایا ہے۔ بولا بھلا پیغمبروں کے ساتھ ایسی ہی تہذیب سے گفتگو کی جاتی ہے؟ اے بے عقیدہ شخص اگر میں گرفتار نہ ہوتا تو جبریل کو حکم دیتا کہ تم سب کو ہلاک کر ڈالیں مگر کیا کروں قید میں ہوں"۔ سلیمان نے پوچھا تو کیا قیدی کی دعا نہیں قبول ہوتی؟ بولا جی اور کیا۔ خصوصاً انبیاء کا تو معمول ہے کہ جب تک قید رہتے ہیں ان کی دعا آسمان پر نہیں جاتی۔ سلیمان کو اس پر ہنسی آ گئی اور کہا اچھا میں تمھیں چھوڑے دیتا ہوں آزادی پانے کے بعد تم جبریل امین ؑ کو حکم دو اور اگر انھوں نے تمھارے کہنے پر عمل کیا تو ہم سب تم پر ایمان لائیں گے۔ یہ سن کے بولا خدا سچ فرماتا ہے فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ (یہ لوگ جب تک عذاب کو دیکھ نہ لیں گے ایمان نہ لائیں گے) یہ جواب سن کر سلیمان بہت ہنسا پھر اس سے کہا جاؤ پھر کبھی نبی نہ بننا اور اسے چھوڑ دیا۔

مامون کے عہد میں ایک اور شخص نے دعوائے نبوت کیا اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ میں ہی ابراہیم خلیل اللہ ہوں جب وہ مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت ثمامہ بن اشرس مامون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مامون نے اس مدعی نبوت کی کیفیت سن کے کہا میں نے ایسا جری شخص نہیں دیکھا کہ خدا پر بھی تہمت لگائے ثمامہ نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اس سے گفتگو کروں۔ اس نے اجازت دی اور ثمامہ نے کہا اے شخص حضرت ابراہیم ؑ کے پاس تو نبوت کی دلیلیں بھی تھیں تمھارے پاس کون سی دلیل ہے؟ پوچھا ابراہیم ؑ کے پاس کون سی دلیلیں تھیں؟ ثمامہ نے کہا آگ جلائی گئی اور وہ اس میں

ڈال دیئے گئے مگر آگ ان کے لیئے ٹھنڈی اور آرام دہ ہو گئی تو ہم تمھارے
لیئے آگ جلواتے ہیں اور تمھیں اسی میں ڈال دیں گے اگر تمھارے لیئے بھی
آگ ویسی ہو گئی تو تم پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ سن کر وہ بولا "یہ زیادہ مشکل
ہے اس سے کوئی آسان صورت بتاؤ"۔ ثمامہ نے کہا تو حضرت موسیٰؑ کے ایسے
دلائل نبوت پیش کرو۔ اس نے پوچھا اُن کے دلائل کیا تھے؟" کہا ان کے پاس
عصا تھا جب اسے زمین پر ڈال دیتے اژدہا بن جاتا انھوں نے اسی عصا
سے مار کر سمندر کو ٹھہرا دیا تھا۔ بولا اس سے بھی آسان صورت نکالیئے۔ کہا
تو حضرت عیسیٰ کے دلائل سہی"۔ پوچھا وہ کیا تھے؟ کہا مُردوں کو زندہ اور
اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ بولا" یہ تو سب پر قیامت ہے
ثمامہ نے کہا" پھر کوئی دلیل نبوت تو ضرور ہونی چاہیئے اس نے جواب
دیا میرے پاس اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے میں نے جبریل سے پہلے ہی
کہہ دیا تھا کہ مجھے شیطانوں کے پاس بھیجتے ہو تو کوئی دلیل دو تا کہ میں اسے
پیش کردوں اس پر جبریل بگڑے خفا ہوئے اور کہا تم نے خود ہی برائی سے اپنے
کام کی ابتدا کی جا کے دیکھو تو کہ لوگ کیا کہتے ہیں یہ باتیں سن کے ثمامہ نے مامون
سے کہا امیر المؤمنین اس کا دماغ خراب ہے مامون نے کہا ہاں میں بھی ایسا ہی
خیال کرتا ہوں اور یہ کہہ کے اسے نکلوا دیا۔

اسی طرح ایک اور شخص ادعاء نبوت کا مجرم بن کر خلیفہ مہدی کے سامنے پکڑا
آیا۔ مہدی نے اس کی صورت دیکھ کے پوچھا تم کب مبعوث ہوئے؟ بولا آپ کو
تاریخ سے کیا تعلق؟ مہدی نے پوچھا تمھیں کہاں نبوت ملی؟" بولا" خدا کی
قسم یہاں تو ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں جن کو نبوت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اگر
آپ میری نبوت مانتے ہوں تو میں جو کچھ کہوں اسے مانئے اور میری
پیروی کیجیئے اور اگر آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہوں تو اپنے گھر خوش رہیئے اور مجھے
چھوڑ دیئے کہ میں اپنا راستہ لوں۔ مہدی نے کہا چھوڑ کیوں کر دوں؟ تمھاری
وجہ سے دین میں فساد پڑے گا۔ یہ سن کر بولا بڑے تعجب کی بات ہے جب
اپنے دین میں خرابی پڑنے کے اندیشہ سے آپ برہم ہوئے جاتے ہیں تو پھر
مجھے کیوں نہ غصہ آئے کیونکہ میری تو نبوت ہی کا سارا کاروبار بگڑا جاتا ہے

آپ کی ساری شان و شوکت اور یہ سارا جبروت معنؔ بن زائدہ اور حسن بن محطبہ کے ایسے سپہ سالاروں کے برتے پر ہے۔" اتفاقاً اس وقت قاضی شریکؔ سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ مہدی نے کہا قاضی صاحب آپ اس پیغمبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" قبل اس کے کہ قاضی شریک لب ہلائیں اس شخص نے کہا آپ نے میرے معاملہ میں ان سے کیوں مشورہ لیا؟ مہدی نے کہا تم ہی بتاؤ کہ اس بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔ بولا میں اپنا فیصلہ ان انبیاء پر چھوڑتا ہوں جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں بس جو ان کا فیصلہ ہوا اسی پر عمل کیجیے" مہدی نے کہا مجھے منظور ہے۔" اب اس نے پوچھا" اچھا بتائیے میں آپ کے نزدیک کافر ہوں یا مومن؟ مہدی نے کہا تم کافر ہو؟ بولا تو بس قرآن میں موجود ہے کہ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ آپ کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجیے اور ان کے تکلیف دینے کو چھوڑ دیجیے" اس لئے آپ نہ میری پیروی کیجیے اور نہ مجھے ستائیے بلکہ مجھے چھوڑ دیجیے کہ غریبوں اور مسکینوں کے پاس جاؤں جو کہ پیغمبروں کے پیرو ہوتے آئے ہیں اور بادشاہوں اور جباروں کو میں بھی چھوڑ دوں گا جو کہ جہنم کے کندے ہیں یہ سن کے مہدی ہنسا اور اسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔

ایک دن عبداللہ بن حازم دجلہ کے پل کے پاس اپنی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں لوگ ایک شخص کو پکڑے ہوئے لائے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا انھوں نے اس سے کہا" تم پیغمبر ہو؟" بولا" جی ہاں" پوچھا کس قوم پر مبعوث ہوئے ہو؟" بولا کسی پر ہوا ہوں تمھیں کیا؟ میں شیطان پر مبعوث ہوا ہوں" یہ جواب سن کے عبداللہ ہنسے اور کہا اسے چھوڑ دو کہ یہ شیطان ملعون کے پاس جلائے ثمامہ بن اشرس کہتے ہیں میں قید تھا کہ کیا دیکھتا ہوں ایک مہذب اور شائستہ اور باوقار شخص قید خانہ میں آیا اس وقت میرے ہاتھ میں شربت کا جام تھا اسے دیکھ کے میں اس قدر متحیر ہوا کہ جام کو منھ سے لگانا بھول گیا اور اس سے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ لوگوں نے کس گناہ پر آپ کو قید کیا ہے؟ بولا یہ بدمعاش مجھے پکڑ لائے ہیں اور محض اس بنا پر کہ میں نے امر حق کو ظاہر کیا۔ میں

نبی مرسل ہوں یہ سن کے میں متعجب ہوا اور اس سے کہا کہ کوئی معجزہ بھی آپ کے پاس ہے بولا جی ہاں میرے پاس تو سب سے بڑا معجزہ موجود ہے پوچھا وہ کیا؟ کسی حسین عورت کو لاؤ دیکھو ابھی حاملہ کرا دوں گا پھر اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا۔ ثمامہ نے یہ سن کر مشکل سے ہنسی روکی۔

محمد بن عتاب نام ایک صاحب کا بیان ہے کہ "میں نے ہارون رشید کے زمانہ میں ایک روز شہر رقہ میں دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو گھیرے کھڑے ہیں۔ اس کی صورت دیکھی تو بہت مہذب و باوقار شخص نظر آیا۔ پوچھا اسے کیوں گھیرے ہوئے ہو؟ لوگوں نے کہا صاحب یہ پیغمبری کا دعوی کرتا ہے میں نے کہا تم غلط کہتے ہو ایسے شخص سے ایسا فعل نہیں سرزد ہو سکتا اس پر اور سب لوگ تو خاموش رہے۔ مگر خود اس نے بگڑ کے مجھ سے کہا "تمھیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ مجھے جھوٹ لگاتے ہیں؟ میں نے کہا تو کیا تم نبی ہو؟" بولا "بیشک" میں نے کہا "اس کی دلیل" بولا "دلیل یہ ہے کہ تم ولدالزنا ہو" میں نے ضبط کر کے کہا "بھلا پاک دامن عورتوں کو زنا سے متہم کرنا پیغمبروں کا کام ہے؟ بولا میں تو خاص اسی غرض کے لئے مبعوث ہوا ہوں"۔ میں نے کہا تو مجھے تمھاری نبوت سے انکار ہے بولا "انکار ہے تو اپنے گھر خوش رہو" اتنے میں کسی نے اسے چند سنگریزے کھینچ مارے جن سے وہ زخمی ہو گیا اور بولا "یہ فعل خاص ابن زانیہ کا ہے" اور آسمان کی طرف سر اٹھا کے کہنے لگا "تم نے میرے ساتھ یہ بھلائی نہیں کی جو ان جاہلوں کے ہاتھ میں مبتلا کر دیا ہے!" بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مجنون تھا۔

مامون کے زمانے میں ایک اور شخص نے دعوائے نبوت کیا تھا مامون نے قاضی یحیی ابن اکثم کو ساتھ لیا اور کہا چلو ہم اس شخص سے چھپ کے ملیں اور دیکھیں کہ یہ کیسا شخص ہے اور کیا کہتا ہے۔ چنانچہ دونوں بھیس بدل کے اور ایک خادم کو ہمراہ لے کے اس کی صحبت میں گئے۔ اس نے ان کی کیفیت پوچھی تو کہا ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر ایمان

لائیں" اس نے کہا تو آؤ بیٹھو۔" اجازت پا کے مامون اس کے داہنے جانب اور قاضی صاحب بائیں طرف بیٹھ گئے۔ اب مامون نے پوچھا "آپ کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں؟" بولا ساری خلقت اور کل بندگانِ خدا پر مبعوث ہوا ہوں۔" پوچھا تو کیا آپ پر وحی نازل ہوتی ہے؛ یا آپ خواب دیکھتے ہیں؟ یا دل میں القا ہو جاتا ہے؟ یا آپ سے فرشتہ آ کے گفتگو کرتا ہے۔ بولا فرشتہ گفتگو کرتا ہے پوچھا کون فرشتہ آتا ہے؟" کہا جبریل" پوچھا اس سے پہلے کب آئے تھے؟ کہا ابھی تمہارے آنے سے پہلے وہ موجود تھے۔" پوچھا تو تم پر اُس وقت کیا وحی آئی ہے؟" بولا" یہ کہ عنقریب میرے پاس دو شخص آئیں گے۔ ایک میرے داہنے ہاتھ بیٹھے گا اور دوسرا بائیں پر اور جو بائیں ہاتھ پر بیٹھے گا وہ دنیا میں سب سے بڑا لوطی ہوگا۔ مامون اس کی یہ وحی سنتے ہی مارے ہنسی کے لوٹ گیا اور بولا اشہد انک رسول اللہ (میں تمھاری رسالت پر ایمان لاتا ہوں) خالد قسری کے زمانے میں بھی ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا لوگ اسے خالد کے سامنے پکڑ لائے پوچھا تم کس بات کے مدعی ہو؟" بولا میں نے قرآن کا جواب دیا ہے۔ قرآن میں ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔" اور میں کہتا ہوں اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الجماہر، فَصَلِّ لِرَبِّکَ وجاہر۔ ولا تطع کل ساحر وکافر۔ خالد نے برہم ہو کے حکم دیا کہ اسے سولی دی جائے چنانچہ وہ صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ اتفاق سے خلف بن خلیفہ شاعر کا اُدھر سے گزر ہوا اس نے اسے لٹکتے ہوئے دیکھ کے کہا انا اعطیناک العمود فصل لربک علی عود۔ وانا ضامن ان لا تعود۔ کوفہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ایک دوست آئے اور کہا تم نے کچھ اور بھی سنا؟ یہاں ایک پیغمبر صاحب پیدا ہوئے ہیں، چلو ذرا اُن سے مل کے دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔" میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ہم دونوں اس "نبی" کے مکان پر پہونچے۔ وہ دروازے پر ملا اور بہت کچھ عہد و پیمان لے کر ہمیں اندر لے گیا۔ یہ ایک نہایت ہی کریہہ صورت خراسانی بڈھا تھا اور بھنگا تھا حسن اتفاق سے میرے دوست کانے تھے۔ انھوں نے کہا تم چپکے رہو اور مجھے

گفتگو کرنے دو میں نے کہا بہتر۔ اب ان دوست نے پوچھا "جناب آپ کا کیا دعویٰ ہے؟" بولا میں نبی ہوں پوچھا دلیل؟ کہا دلیل یہ کہ تم کانے ہو اپنی دوسری آنکھ بھی نکال کے اندھے ہو جاؤ اسی وقت میں دعا کر کے تمھیں اچھا کر دوں گا میں نے ہنسی روک کے اپنے دوست سے کہا پیغمبر صاحب نے بات تو معقول کہی ہے انھوں نے جھنجلا کے کہا تو تم اپنی ہی دونوں آنکھیں پھوڑ کے ان کا امتحان لے لو۔ اس کے بعد ہم دونوں ہنستے ہوئے اپنے گھر آئے۔

ایک بار مامون کے سامنے ایک اور مدعی نبوت پیش کیا گیا۔ پوچھا تمھارے پاس کوئی معجزہ بھی ہے؟" کہا "جی ہاں جو آپ کے دل میں ہو بتا دوں گا۔" مامون نے کہا اچھا بتاؤ میرے دل میں کیا ہے؟" بولا آپ کے دل میں ہے کہ یہ شخص بڑا جھوٹا ہے"۔ مامون نے کہا "ہاں یہ تو تم نے سچ بتایا" اور اسے قید خانہ میں بھیج دیا۔ چند روز بعد پھر سامنے بلوایا اور کہا "تم پر کچھ وحی اتری؟" بولا "نہیں" پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ قید خانہ میں فرشتے نہیں آتے" اس پر مامون ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

ایک بار مامون کے پاس آذربائجان سے ایک مدعی نبوت گرفتار کر کے لایا گیا۔ جب وہ سامنے آیا تو مامون نے اپنے داروغہ محل ثمامہ کو حکم دیا کہ اس کا اظہار لے۔ اس نے عرض کیا "امیر المؤمنین کیا عرض کروں کہ آپ کے زمانہ میں انبیاء کی کس قدر کثرت ہو گئی ہے" پھر اس مدعی نبوت سے کہا تمھاری نبوت کی دلیل کیا ہے؟ کہا "ثمامہ تم اپنی جورو کو میرے پاس بھیج دو اور میں تمھارے سامنے اس سے مقاربت کروں اس سے ایک بچہ پیدا ہو گا جو گہوارے ہی میں میری پیغمبری کی تصدیق کر دے گا ثمامہ نے کہا اشہد انک رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ تم خدا کے رسول ہو) مامون نے کہا تم تو جھوٹے ہی ایمان لے آئے عرض کیا امیر المؤمنین کا کیا بگڑے گا آبرو تو میری جورو کی جائے گی۔ جسے اپنی بی بی سے دست بردار ہونا ہو وہ ان کی نبوت میں شک کرے۔ اس پر مامون بے اختیار ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

ایک بار ہارون رشید کے سامنے ایک مدعی نبوت پیش کیا گیا۔ رشید نے

اس سے دریافت کیا تو بولا ہاں جی میں نبی کریم ہوں"۔ پوچھا دلیل؟ کہا" آپ جو فرمائیں۔ رشید نے کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ جتنے امرد غلام کھڑے ہوئے ہیں ان کے اسی وقت ڈاڑھیاں نکل آئیں"۔ سوچ کے بولا" بھلا اس میں کون سی خوبی ہے کہ ان کے پیارے پیارے موہنوں پر ڈاڑھیاں نکل آئیں۔ اور ان دلفریب صورتوں کو میں بگاڑ دوں گا۔ ہاں یہ معجزہ دکھا سکتا ہوں کہ جتنے ڈاڑھیو والے کھڑے ہیں ان کی ڈاڑھیاں غائب کر دوں۔ یہ سن کے رشید بہت ہنسا اور اس کو نکلوا دیا۔

ایک اور مدعی نبوت کو مامون کے سامنے لائے اور معجزہ طلب کیا۔ اس نے کہا میں سنگریزے پانی میں ڈالتا ہوں اگر گھل جائیں تو جانئے میں سچا نبی ہوں۔ مامون نے کہا" منظور" اس نے ایک کٹورے میں پانی بھر کے سب کے سامنے سنگریزے ڈالے جو دم بھر میں گھل گئے لوگوں نے کہا یہ جعلی سنگریزے تھے۔ ہم جو سنگریزے دیں انھیں گھلاؤ تو سند ہے بولا" نہ تم فرعون سے بڑے ہو اور نہ میں موسیٰ سے بڑا ہوں۔ فرعون نے موسیٰ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمھارے عصا کی سند نہیں۔ ہم اپنا عصا دیتے ہیں اسے اژدہا بناؤ تو جانیں۔ مامون اس لطیفہ پر بہت ہنسا اور اس مدعی نبوت کو چھوڑ دیا۔

ایک مدعی نبوت کو لوگ پکڑ کے معتصم باللہ کے سامنے لائے معتصم نے پوچھا تم نبی ہو؟ کہا" جی ہاں۔ پوچھا کس کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو؟ کہا آپ کی ہدایت کے لیے، معتصم بولا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم رزیل اور احمق ہو"۔ بولا جی ہاں یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ جیسے لوگ ہوتے ہیں ویسے ہی پیغمبر بھی ان پر بھیجے جاتے ہیں اس جواب پر معتصم شرمندگی سے ہنسا اور اسے رخصت کر دیا۔

ایک اور جعلی پیغمبر مامون کے سامنے لایا گیا۔ مامون نے کہا" اچھا اسی وقت ایک خربوزہ لاکے پیش کرو۔ اس نے کہا تین دن کی مہلت دیجئے۔ مامون نے کہا مہلت نہ دی جائے گی اسی وقت لاکے حاضر کرو"۔ بولا" بھلا یہ کون سا انصاف ہے؟ وہ خدائے عز وجل جس نے سارے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنایا وہ تو خربوزے کو کم از کم چھ مہینہ میں پیدا کرتا ہے اور میں اسی وقت

پیدا کر دوں"۔ اس جواب پر مامون ہنسا اور اسے چھوڑ دیا۔

ایک مدعی نبوت متوکل علی اللہ عباسی کے سامنے پیش کیا گیا پوچھا "تم نبی ہو؟" بولا "جی ہاں" کہا "دلیل"؟ بولا خود قرآن میری نبوت کی تصدیق کر رہا ہے میرا نام ہے نصر اللہ اور قرآن میں موجود ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کہا اچھا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ کہا" کسی بانجھ عورت کو میرے پاس لاؤ میں اسی وقت بچہ پیدا کر دوں گا۔ جو پیدا ہوتے ہی میری نبوت کی تصدیق کرے گا۔ اتفاقاً وزیر حسن بن عیسیٰ کی بی بی بانجھ تھی متوکل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا" تو کیا مضائقہ ہے؟ اس کے معجزے کو ضرور آزمانا چاہئے تم اپنی بی بی کو لے آؤ"۔ حسن نے کہا "حضور اپنی بی بی کو تو وہ لائے جسے ان کی نبوت سے انکار ہو۔ میں تو ان کا یہ معجزہ سنتے ہی ایمان لا چکا اور اقرار کرتا ہوں کہ اشھد انہ نبی اللہ۔ متوکل اس پر ہنسا اور اسے آزادی دے دی۔

اسی متوکل کے عہد میں ایک عورت بھی گرفتار کر کے لائی گئی جو پیغمبری کا دعویٰ کرتی تھی متوکل نے پوچھا" تو نبیہ ہے"؟ بولی "جی ہاں" پوچھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبی مانتی ہے یا نہیں؟ بولی کیوں نہیں؟ بیشک مانتی ہوں۔ کہا تو انھوں نے فرمایا ہے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا) بولی بیشک فرمایا ہے مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ لَا نَبِیَّۃَ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبیہ نہ ہو گی اس پر متوکل ہنسا اور اسے چھوڑ دیا۔

(تحفۃ الاولی الالباب مطبوعہ مصر ص ۳۰۔۳۸)

تحسین "ائمہ تلبیس" تمام شد

والحمد للہ رب العلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ ملک یوم الدین ۝ ایاک نعبد وایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝

مطبوعات ایوان

سیرت، تاریخ، سوانح

کتاب		مصنف	مترجم
سیرت پاک ص	از	محمد بشیر شارق دہلوی	
ہمہ قرآن در شان محمد ص	"	غلام مصطفیٰ خاں	
محمد رسول اللہ ص	"	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	
سیرت عائشہ رض	"	عباس محمود العقاد	مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی
ابو بکر صدیق اکبر رض	"	عمر ابو النصر	" " "
عمر رض بن خطاب	"	" "	" " "
عثمان رض بن عفان	"	" "	" " "
علی رض ابن ابی طالب	"	" "	" " "
معاویہ رض بن ابی سفیان رض	"	" "	" " "
الحسین رض	"	" "	" " "

کتاب	مصنف	مترجم
عمر فاروق اعظم رض	محمد حسین ہیکل	مترجم حبیب اشعر دہلوی

کتاب	مصنف	کتاب	مصنف
تاریخ اسلام	ڈاکٹر حمید الدین	دیوان غالب	ایوان ایڈیشن
تاریخ ادب عربی	ڈاکٹر طفیل احمد مدنی	فیضان اقبال	شورش کاشمیری
ان دیکھی حقیقتیں	مولانا کوثر نیازی	آداب زندگی	محمد اقبال سلمان
الاسلام	حسن واصف عثمانی	مسلمان عورت کے حقوق و فرائض	امین احسن اصلاحی
اسلامیات	مرتبہ شعبہ تصنیف و تالیف	پاک دسترخوان	حفیظ عنایت اللہ

خط و کتابت کا پتہ: ایوان کمپنی۔ 65 نخاس کہنہ۔ الہ آباد 211003

تعقیب اوّل

"قادیانی، پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت"

رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ

میں

پروفیسر عبدالغفور کا بیان

شائع کردہ

ایوان کمپنی ناشر / تاجر کتب ۶۰ نخاس کہنہ، الہ آباد

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی پارلیمنٹ نے اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کیا ہے جو قادیانیوں کے تمام گروہوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیتی ہے۔ دور رس اثرات کی حامل اس تاریخی قرارداد کا دنیائے اسلام میں تحسین کے ساتھ استقبال کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے مسلمان ہر جگہ بظاہر بڑے مشتاق ہیں۔ پاکستانی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کی حیثیت سے اس قرارداد کے پس منظر اور اس کی اہمیت کو مختصراً بیان کرنے کا رابطہ عالم اسلامی نے مجھے جو موقع عطا کیا ہے میں اس عنایت کے لئے اس کا بحد ممنون ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس قرارداد کا تفصیلی بیان آپ کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

مسلمان ہمیشہ سے متفق الرائے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔ لہذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب اور جہاں کوئی کاذب اور مکار مدعی پیغمبر ہوا مسلمانوں سے اسے قطعی نہیں برداشت کیا اور ایسے تمام کاذبوں اور مکاروں کو فوراً ابدی نیند سلا دیا گیا۔ ان جھوٹے پیغمبروں کے متبعین کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا جس کی وجہ سے ان کا مکمل صفایا ہو گیا اور ان کا ایک بھی متبع آج دنیا میں نہیں ملتا۔

لیکن یہ بڑی ذلت آمیز اور حیرت ناک بات ہے کہ ایک کاذب مرزا غلام احمد قادیانی جو ۱۸۳۹ء میں ہندوستان کے ایک گاؤں قادیان میں پیدا ہوا تھا مذکورہ سلوک سے مستثنیٰ رہا۔ اس نے اپنی نبوت کا ۱۸۸۲ء سے بتدریج دعویٰ کرنا شروع کیا۔ پہلے اس نے یہ کہا کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے اور خدا نے اس کو ایک خاص کام سپرد کیا ہے پھر وہ مدعی ہوا کہ جبرئیل وحی لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔ آگے چل کر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ خدا اُسے محمد اور رسول کے ناموں سے خطاب کرتا ہے۔ آخر کار سنہ ۱۹۰۱ء میں اس نے اپنی نبوت کا پوری صراحت سے اعلان کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ برصغیر ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں نے جو اسلام پر اپنے مضبوط عقیدہ اور پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ محبت کے لئے مشہور و معروف ہیں اس کاذب اور مکار کو کیسے

برداشت کیا؟ اس کا جواب بہت صاف اور واضح ہے۔ پہلی مرتبہ جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مسلمان بہت ناخوش اور ناراض ہوئے اور اس کی بڑی شدید مذمت کی۔ یہ اسلام مخالف تحریک جیسے ہی شروع ہوئی انھوں نے اسے بیخ و بن سے ختم کر دینے کی حتی الوسع جدوجہد بھی کی۔ لیکن یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ اس وقت ہندوستان ایک اجنبی قوت برطانیہ کے زیر نگیں تھا۔ اصل میں مرزا غلام احمد قادیانی غیر ملکی حاکموں کا ساختہ و پرداختہ تھا۔ یہ حکمران اس کی پوری حفاظت اور نگہداشت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ برطانوی اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے اسے بطور آلہ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان حاکموں نے اسے پیغمبری کا مدعی ہونے اور جہاد کو منسوخ کرنے کی تلقین کی تاکہ مسلمان منقسم ہو جائیں اور وہ برطانوی تسلط اور غلبہ کو اپنے مذہب کے ایک رکن کی حیثیت سے تسلیم کر لیں۔ مرزا کی حفاظت کے واسطے برطانوی سپاہی ہمہ وقت تعینات رہتے تھے۔ بڑی بڑی خطیر رقمیں مرزا کو دی گئیں کہ وہ جس طرح چاہے انھیں خرچ کرے۔ اجنبی حکومت نے اس جھوٹے دعویٰ کی نشر و اشاعت کے لئے اسے ساری سہولتیں بہم پہنچائیں۔ دنیا کے مختلف خطوں خصوصاً برطانوی مقبوضات میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کو اپنے دعوتی مراکز قائم کرنے کے لئے پوری آسانیاں دی گئیں۔ مشہور و معروف خاندانوں کے با اثر اور بارسوخ مسلمانوں کو قادیانی مذہب قبول کر لینے کے لئے بالواسطہ اور بلاواسطہ مجبور اور راغب کیا گیا۔ برطانوی حاکموں نے ان تمام افراد کو جو دنیاوی لذت اور منفعت سے متمتع حاصل کرنے کے لئے ان کی ترغیب، تحریص اور دباؤ کے آگے جھک گئے انھیں بلند مرتبت خطابوں، اعزازوں اور رقموں سے نوازا۔ فی الجملہ انگریزی حکومت نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر دیا۔

دنیا کے مختلف حصوں میں رہنے والے مسلمانوں کو یہ تصور کرنا حقیقت میں بڑا دشوار کام ہے کہ کس طرح اور کن حالات میں قادیانی پاکستان میں پھلتے پھولتے رہے ہیں جو اسلام اور اسلام کی خاطر دنیا کے نقشہ

پرابھرا تھا۔ چنانچہ میں ان مخصوص عوامل کی تشریح کروں گا جن کے سبب سے قادیانیوں کے لئے ممکن ہوسکا کہ وہ پاکستان کے اندر اور باہر قادیانیت کے فروغ کے لئے اسلامی مملکت پاکستان کو اپنے مرکز کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان عالم وجود میں آیا اس وقت وہ وسائل سے محروم ایک ملک تھا۔ ہندوستان سے رخصت کے وقت انگریزوں نے اس نوزائیدہ ملک کو نقصان پہونچانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بڑے اور طاقتور ممالک جو پاکستان کے وجود کو نہیں پسند کرتے تھے انھوں نے اس کی راہ میں ہر قسم کی دشواریاں پیدا کرنے کی تابمقدور کوشش کی تاکہ یہ اسلامی ملک جانبر نہ ہوسکے اور وہ فوراً منہدم ہوجائے۔ لاینحل مشکلات اور مسائل میں محصور پاکستان کو ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کی نوآبادکاری میں درکار ذرائع کی جستجو وتلاش کرنے پر بھی مجبور کیا گیا۔ قادیانیوں اور ان کے برطانوی آقاؤں نے اس صورتِ حال سے پورا فائدہ اٹھایا۔ حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جائے پیدائش قادیان ہندوستان کے علاقہ میں واقع ہے اس کے باوجود قادیانیوں نے اپنا دعوتی صدر مقام پاکستان میں منتقل کردیا۔ علاوہ بریں ایک کٹر قادیانی سر ظفراللہ کو قائد اعظم نے وزیر خارجہ مقرر کردیا تھا۔ مرکزی کابینہ میں سر ظفراللہ خاں کی شمولیت پر پاکستان کے مسلمانوں نے احتجاج بھی کیا لیکن اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں برآمد ہوا۔ پاکستان کے سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم نے اس قادیانی وزیر خارجہ سے چھٹکارا حاصل کرنے میں اپنی بے بسی اور معذوری کا اظہار کیا کیونکہ مرحوم وزیر اعظم کے قول کے بموجب اس صورت میں پاکستان کو درکار تمام غیر ملکی غذائی امداد اور اعانت سے محروم ہونا پڑتا جو اس وقت اس کے وجود کی بقا کے لئے انتہائی ضروری تھی۔ ان حالات میں پاکستان پر ایک بار پھر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ قادیانیوں کے ساتھ خصوصی رعایت کرے اور انھیں ایسی سہولیات مہیا کرے جو اس کے اپنے مسلمان شہریوں کو میسر نہیں تھیں۔ قادیانیوں نے ان حالات سے فیضیاب ہوکر بڑے سائنسی انداز پر طویل المدت اور قلیل المدت

پروگرام بنائے اور انھیں کامیابی سے عملی جامہ پہنایا تاکہ وہ پاکستان میں پہلے اپنے آپ کو مستحکم کریں اور اس کے بعد قادیانیت کو دنیا کو دوسرے حصوں میں فروغ کے لئے اُسے اپنے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ کی شکل میں استعمال میں لائیں۔ مجھے اس حقیقت کا پورا اعتراف ہے کہ انھوں نے اپنے منصوبوں کو بڑی خوبصورتی سے عملی صورت بخشی۔ گو قادیانی پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے ایک قلیل التعداد اقلیت ہیں۔ تاہم وہ زندگی کے ہر شعبہ میں دخیل ہو کر بڑے با اثر ہو گئے ہیں۔ پاکستان میں ان کی قوت کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے کسی قدر واضح ہو جاتا ہے:۔

۱۔ ربوہ: قادیانیوں کا ایک حصار بند شہر ہے۔ قادیانی اس شہر کے بلاشرکت غیرے مالک ہیں اور وہ قادیانیوں ہی کے لئے مخصوص ہے۔ پاکستان میں اپنی آمد کے بعد فوراً قادیانیوں نے ربوہ کی ساری آراضی کو برائے نام قیمت پر کسی طرح خرید لینے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس شہر کی اپنی نجی پولس، انتظامیہ اور عدالت گاہیں ہیں۔ کسی غیر قادیانی کو اس شہر میں زمین خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کی اجازت کے بغیر مسلمان کرائے پر بھی کوئی مکان نہیں لے سکتے۔ تمام سرکاری اور غیر سرکاری آسامیاں قادیانیوں کے قبضہ میں ہیں۔ ان کے اپنے اسکول، کالج اور اسپتال ہیں۔ ربوہ نے قریباً حکومت در حکومت کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ قادیانیوں نے ربوہ میں جدید ساز و سامان سے آراستہ ایک بہت بڑا اسکریٹریٹ قائم کر لیا ہے جو پاکستان کے اندر اور باہر قادیانیت کے فروغ کے واسطے بطور مرکز استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۔ قادیانیوں کا سرکاری آسامیوں پر تسلط و قبضہ:

سر ظفر اللہ خاں نے اپنی طویل المدت وزارت خارجہ کے دوران اپنے عہدۂ جلیلہ کا غلط استعمال کر کے تمام اعلیٰ اور برتر فوجی اور غیر فوجی جگہوں پر قادیانیوں کو براجمان کرا دیا تھا۔ غیر ملکوں میں قائم پاکستانی سفارت خانوں میں قادیانیوں کو بھر دینا وزیر خارجہ کی حیثیت سے ان کے لئے

نہایت آسان کام تھا۔

۳۔ اسکول، کالج اور اسپتال:

قادیانیوں نے وسائل حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کے تعلیمی ادارے اور جدید ترین آلات سے مزین اسپتال قائم کر لئے ہیں۔ تعلیم اور علاج کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی غیر قادیانیوں کو بھی اجازت ہے تاکہ وہ باسانی ان کے جال میں پھنس کر قادیانی مذہب کو اختیار کر لیں۔

۴۔ مالی امداد و اعانت:

نادار و غریب طلبا کو وظائف دیئے جاتے ہیں، بیکار و بیروزگار اشخاص کو ملازمت حاصل کرنے میں مدد کی جاتی ہے اور محتاج و مفلس لوگوں کی مالی اعانت کی جاتی ہے۔ لیکن یہ سب آسانیاں قادیانی مذہب قبول کر لینے کی شرط سے مشروط ہیں۔

۵۔ سرکاری حیثیت کا غلط استعمال:

سرکاری محکموں میں جہاں جہاں قادیانی افسران ہیں وہاں وہ اپنے ماتحت عملہ کی راہ میں طرح طرح کی دشواریاں اور مشکلیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انجام کار ان کی ترقی تبدیل مذہب سے منسلک ہو کر رہ جاتی ہے۔

۶۔ صنعتی، تجارتی اور زراعتی اداروں کے قادیانی مالکان:

صنعت، تجارت اور زراعت کے شعبوں میں تیز گام اور غیر معمولی ترقی کے زینے طے کرنے کے لئے قادیانیوں کو ہمہ جہتی امداد و حمایت کی گئی ہے۔ ان کلیدی اہمیت کے حامل اداروں میں صرف قادیانیوں کو ملازم رکھا جاتا ہے یا پھر ان افراد کو کام دیا جاتا ہے جو نہایت آسانی سے ان کے شکار ہو سکتے ہوں۔

۷۔ **لٹریچر:** مسلمانوں کے ذہنوں کو منتشر، ان کے عقیدے کو متزلزل اور انھیں جادۂ راستی سے منحرف اور دور لیجانے کی خاطر قادیانی منظم اور بڑے پیمانے پر اپنے لٹریچر کی مستقل نشر و اشاعت کرتے ہیں۔

پاکستان کے مسلمان اس صورت حال سے ہمیشہ بیحد پریشان اور

متفکر رہے ہیں۔ انھوں نے قادیانیوں کا ہر محاذ پر کامیابی سے مقابلہ کیا ہے۔
پاکستان کے مسلمانوں نے متحد اور ایک آواز ہو کر مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیدیا جائے اور انھیں ملک کا استحصال کرنے سے روکا جائے لیکن بڑی حد تک مذکورہ حالات کی وجہ سے پاکستان کی سابق حکومتوں میں صحیح فیصلہ کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ قدرتاً عوام دن بدن بے چین ہوتے گئے۔ قادیانیوں کے علی الرغم انھوں نے حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے ملک گیر پیمانے پر احتجاج بھی کیا۔ ۱۹۵۳ء شدید احتجاجوں کے عروج کا سال تھا۔ لیکن بدقسمتی سے حکومت نے وحشیانہ قوت سے اس قومی تحریک کو کچل دیا۔ صوبۂ پنجاب میں جہاں 'ربوہ' واقع ہے مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تقریباً دس ہزار مسلمانوں نے اپنی عزیز و گراں بہا جانوں کی قربانی پیش کی۔ ہزارہا مسلمانوں کو قید خانوں کی سلاخوں کے پیچھے ٹھونس دیا گیا۔

حکومت کے اس رویے نے قادیانیوں کو مزید طاقتور بنا دیا۔ فطرتاً وہ اپنی فتنہ انگیز سرگرمیوں میں پہلے سے زیادہ باہمت اور جری ہو گئے۔ لیکن ہزاروں مسلمانوں کے قتل، خون اور ان پر ڈھائے گئے مظالم قادیانیوں کو سرکاری طور پر دائرہ اسلام سے خارج کرا دینے کی جدوجہد سے مسلمانوں کو نہیں روک سکی۔

۱۹۷۰ء میں پاکستان کے عام انتخابات میں قادیانیوں نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کی عام حمایت کی۔ قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ پیپلز پارٹی انہی کی مدد سے عام انتخاب میں کامیاب ہوئی اور قادیانیوں کو حکومت کی بہت زیادہ قربت حاصل ہو گئی۔ انھوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کی۔ قادیانیوں نے اپنے اہم افراد کو ذمہ دارانہ سرکاری عہدوں پر فائز کرا دیا۔ تجارت اور صنعت پر ان کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ وہ موجودہ حکومت کو ایک ایسی کٹھ پتلی حکومت میں بدل دینے کا منصوبہ بنانے لگے جو صرف انہی کے ہاتھوں کی جنبش پر ناچے۔ بیرونِ پاکستان انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ پاکستان ایک قادیانی ملک ہے، اس کے

باشندے قادیانی ہیں اور زمام حکومت بھی قادیانیوں ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ حکومت پر ان کی جو گرفت تھی اس پر ان کا اعتماد بڑھتا گیا۔ یہ اعتماد اس وقت انتہائی عروج پر پہونچ گیا جب قادیانی نوجوانوں نے چند مسلم علمار کو محض اس لئے زدوکوب کیا کہ انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے قطعی اور آخری ہونے کے موضوع پر عوامی جلسوں میں تقریریں کی تھیں۔ پاکستان کے مسلمان بظاہر اس صورت حال سے ناخوش تھے۔

قادیانیوں نے اپنی طاقت کا اتنا زیادہ اندازہ لگا رکھا تھا کہ جب ایک میڈیکل کالج کے مسلمان طلبار ٹرین سے سفر کرتے ہوئے ربوہ ریلوے اسٹیشن سے گذرے تو قادیانیوں نے ان کو مارا پیٹا کیونکہ طلبار نے اس سے قبل اسی مقام پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کا نعرہ بلند کیا تھا۔ یہ واقعہ اونٹ کی پشت کا آخری سرکنڈہ ثابت ہوا۔ پاکستان کے سارے مسلمان ایک چٹان کی مانند اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے ملک کے طول و عرض میں احتجاج شروع کر دیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان افراد کے خلاف جو اس واقعہ کے ذمہ دار ہیں سخت اقدامات کئے جائیں۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ قادیانیوں کو غیر مسلم نہیں قرار دیدیا جاتا۔

مئی ۱۹۷۴ء میں جب یہ واقعہ رونما ہوا تھا اس وقت پاکستان کی قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ حسب اختلاف کے تمام ممبران کا مطالبہ تھا کہ اسمبلی کی عام کارروائیوں کو ملتوی کر کے واقعۂ ربوہ پر بلا تاخیر بحث کی جائے۔ ہاؤس کے رہنما مسٹر بھٹو نے یقین دلایا کہ بجٹ کی منظوری کے بعد اسمبلی قادیانی مسئلہ پر فوراً بحث کرے گی۔

بہر کیف پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانی مسئلہ پر ۳۰ر جون ۱۹۷۴ء سے غور و خوض کرنا شروع کیا۔ پہلے ہی روز اکتیس ممبران نے درج ذیل قرارداد پیش کیا: چونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کا دعویٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم رسالت کے بعد کیا ہے؛ اور چونکہ اس نے اپنی نبوت کا اعلان کر کے اور قرآن مقدس کی مختلف

آیات کو مسخ اور جہاد کو منسوخ کر کے اسلامی احکامات کی صریح خلاف ورزی کی ہے؛ اور چونکہ وہ برطانوی استعمار کی تخلیق ہے جس کا واحد مقصد اسلام کو برباد اور اتحاد بین المسلمین کو پارہ پارہ کرنا تھا؛ اور چونکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ پر مکمل اتحاد و اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین، خواہ وہ اس کی نبوت کے قائل ہوں، خواہ وہ اُسے اپنا مصلح یا مذہبی رہنما گمان کرتے ہوں، خارج از اسلام ہیں؛ اور چونکہ قادیانی، چاہے وہ کسی بھی نام سے پکارے جاتے ہوں، مکارانہ طور پر قادیانیت کو ایک مسلم فرقہ بتا کر اور مسلمانوں کے ساتھ ربط و ضبط قائم کر کے اسلام کے بنیادی عقائد کو متزلزل اور مسمار کر دینے والی سرگرمیوں میں ملک کے اندر اور باہر مصروف عمل ہیں؛ اور چونکہ مکہ معظمہ میں ۶ر اور ۱۰ر اپریل ۱۹۷۴ء کو منعقدہ مسلم تنظیموں کی عالمی کانفرنس نے جس میں ایک سو چالیس مسلم تنظیموں اور اداروں کے مندوبین شریک تھے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قادیانیت اسلام اور دنیائے اسلام کے حق میں ایک تباہ کن تحریک ہے؛ چنانچہ اس اسمبلی کو چاہیے کہ وہ فوراً اعلان کرے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین، خواہ وہ کسی بھی نام سے پکارے جاتے ہوں، غیر مسلم ہیں اور اس اعلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دستور پاکستان میں مناسب ترمیم کرنے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایک غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے قادیانیوں کے جائز حقوق اور مفادات کے تحفظ کے واسطے ضروری قانونی دفعات وضع کرنے کی غرض سے ایک سرکاری بل اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ حکمران جماعت نے بھی جو اس وقت اسمبلی کے مباحث کا موضوع تھی ایک قرارداد پیش کیا کہ اسمبلی کو چاہیے کہ وہ ان افراد و اشخاص کی حیثیت کے بارے میں، جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر اعتقاد نہیں ہے۔ فوراً بحث کا آغاز کرے۔ یہ دونوں قراردادیں خفیہ بحث و تمحیص کے واسطے اسمبلی کو سپرد کر دی گئیں۔

ان قراردادوں کو اسمبلی کے سپرد کر دیئے جانے کے معاً بعد قادیانی بیحد

فعال اور سرگرم ہو گئے۔ معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انھوں نے ممبران کو رشوت دینے کے لئے لاکھوں روپئے صرف کئے۔ انھوں نے سارے ملک میں عموماً اور ممبران اسمبلی میں خصوصاً سرگوشی کی ایک مہم چلائی کہ اگر آج قادیانیوں کو کافر قرار دیدیا جاتا ہے تو کل شیعوں کا یہی حشر ہوگا۔ پھر وہابیوں اور سنیوں کی باری آئے گی۔ اس طرح ایک روز دنیا میں مسلمان کہیں نہ رہ جائیں گے۔ انھوں نے پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سطح پر ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ جارحانہ پروپگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ الزام یہ لگایا گیا کہ پاکستان میں کٹر مذہبی لوگ ہزاروں قادیانیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ ان کی لاکھوں ڈالر کی مالیت کی املاک کو لوٹا جا رہا ہے، برباد کیا جا رہا ہے، نذرِ آتش کیا جا رہا ہے۔ یہ پروپگنڈا قطعی بے بنیاد تھا اور پاکستان پر بیرونی دباؤ ڈالنے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ یہ بات بھی منکشف ہوئی کہ چند بڑے اور طاقتور ملکوں نے حکومت پاکستان سے گذارش کی ہے کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو قادیانیوں کو ناخوش و ناراض کرنے والا ہو۔ ان حالات میں اسمبلی نے اپنی کارروائی شروع کی۔

پاکستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین دو جماعتوں میں منقسم ہیں۔ ایک قادیانی جماعت کے نام سے مشہور ہے جس کا صدر مقام ربوہ میں ہے۔ اس کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا ناصر ہیں۔ ان کی دوسری جماعت لاہوری کہلاتی ہے۔ اس کا مرکز لاہور میں واقع ہے اور مسٹر صدرالدین اس کے رہنما ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کی طرف سے پاکستان قومی اسمبلی کے اسپیکر کو دو مختلف خطوط علیحدہ علیحدہ موصول ہوئے جن میں گذارش کی گئی تھی کہ ان کو اپنے مقدمہ کی تصریح کرنے کے لئے اسمبلی میں حاضر ہونے کا موقع دیا جائے اور انھیں اپنے نظریوں کو تحریری صورت میں بھی اسمبلی کے روبرو پیش کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ ممبران اسمبلی کو ان کے مقدمہ پر غور و خوض کرنے میں سہولت ہو۔ اسمبلی نے ان دونوں گذارشات کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا۔ دونوں جماعتوں کو تحریری طور پر اسمبلی کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لئے مناسب اور معقول وقت دیا گیا۔ ربوہ کی

قادیانی جماعت نے جو دستاویز پیش کی وہ دو سو صفحات پر مشتمل تھی۔ اور لاہوری جماعت نے سو صفحوں کی ایک علیحدہ دستاویز جمع کی۔ تقریباً ایک درجن سے زائد مطبوعہ کتابچے بھی بطور ضمیمہ ان دونوں دستاویزوں کے ساتھ منسلک تھے۔ ان دونوں دستاویزوں اور ان کے ضمیموں کا مکمل سٹ ممبران اسمبلی میں مطالعہ کے لئے تقسیم کر دیا گیا۔

اس کے بعد مسٹر صدرالدین لاہوری کو ان کی خواہش کے مطابق اسمبلی سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ ان کی درخواست پر انھیں اس بات کی بھی اجازت دیدی گئی کہ وہ اسمبلی میں اپنی مدد کے لئے کچھ ماہرین بھی ساتھ لا سکتے ہیں۔ وہ اسمبلی کے روبرو حاضر ہوئے اور اپنے مددگاروں کے تعاون سے اپنے نقطۂ نگاہ کو اسمبلی کے سامنے پیش کیا۔ اسی طرح بعد میں ربوہ کے مرزا ناصر نے اپنے ماہرین کی مدد سے اپنا مقدمہ اسمبلی کے سامنے پیش کیا۔

ممبران اسمبلی کو قادیانیوں کے فراہم کردہ مواد کا بغور مطالعہ کے لئے دس دن سے زیادہ کا وقت دیا گیا۔ ان سے یہ درخواست بھی کر دی گئی تھی کہ اگر وہ ان دونوں جماعتوں سے کسی نکتہ کی مزید وضاحت حاصل کرنا چاہیں تو وہ اپنے متعلقہ سوالات کو قلمبند کر لیں۔ چنانچہ مزید وضاحت کے حصول کی غرض سے ممبران کی جانب سے بیشمار سوالات موصول ہوئے۔

سب سے پہلے ربوہ کے مرزا ناصر کو ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے جو ممبران ان سے کرنا چاہتے تھے اپنے معاونوں کے ہمراہ اسمبلی میں دوبارہ شرکت کرنے کی دعوت دی گئی۔ جوابات دینے کے لئے ان کو تمام سہولتیں مہیا کی گئیں۔ جب کبھی انھوں نے کسی سوال کا جواب دینے میں مہلت دیئے جانے کی درخواست کی اسے بلا تامل منظور کر لیا گیا۔ ان کو تحریری جوابات بھی دینے کی اجازت دے دی گئی۔ جوابات دینے کے لئے وقت کی کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی۔ انھوں نے جتنا وقت طلب کیا انھیں دے دیا گیا۔ آخر میں انھیں پھر ایک بار موقع دیا گیا کہ اگر وہ مزید کوئی مواد اسمبلی کے سامنے پیش کرنا چاہیں تو وہ اسے بخوشی پیش

کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اسی طرح مسٹر صدر الدین لاہوری کو اپنے ماہرین کے ساتھ سوالوں کے جوابات دینے کے لئے اسمبلی میں شریک ہونے کے لئے مدعو کیا گیا۔ انھیں بھی وہ سب آسانیاں فراہم کی گئیں جو اس سے قبل مرزا ناصر کو مہیا کی گئی تھیں۔

اس غور و خوض سے قبل اسمبلی کے بیشتر ممبران قادیانیت سے قریب قریب بالکل ناواقف تھے۔ اکثر ممبران قادیانی پروپیگنڈے سے متاثر بھی تھے۔ لیکن مرزا ناصر اور مسٹر صدر الدین نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ اسمبلی اس نتیجے پر پہونچی کہ قادیانیوں کے ان دونوں جماعتوں کے مابین تقریباً کوئی فرق نہیں ہے۔ مرزا ناصر نے اسمبلی کے سامنے اس بات کی تصدیق کی کہ نام نہاد مسلمان جو پیغمبر اسلام کے معتقد ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ ان کی جماعت کی رو سے کافر ہیں۔ مسٹر صدر الدین نے بتایا کہ ان کی جماعت کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود تھے اور جو لوگ ان کی حیثیت مسیح، کا اقرار کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ مرزا ناصر اور مسٹر صدر الدین دونوں نے اسمبلی کے روبرو تسلیم کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کو منسوخ کر دیا ہے۔ مرزا ناصر نے اس امر کی بھی تصدیق کی کہ قادیانیوں کے دعوتی مراکز اسرائیل میں قائم ہیں انھوں نے یہ بھی بتایا کہ جب کبھی وہ غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں تو اسرائیلی سفراء ان سے ملاقات کے لئے مشتاق رہتے ہیں۔ اس طرح قادیانی جماعتوں کے ان دونوں قائدین سے اسمبلی کو یہ معلوم ہوا کہ وہ تمام دوسرے مسلمانوں کو کافر گردانتے ہیں۔

تقریباً ستر دن شب و روز کام کرنے کے بعد قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اتفاق رائے سے اپنی تاریخ ساز قرارداد منظور کر دی۔ اس قرارداد کے مقتضیات کے بموجب اسمبلی نے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے دستور میں دو اہم ترمیمات کرنے کے لئے اسی دن ایک بل منظور کیا:

اولاً مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام متبعین خواہ وہ قادیانی جماعت کے کے تابع ہوں، خواہ وہ لاہوری جماعت سے متوصل ہوں پاکستان میں دستوری حیثیت سے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیدیئے گئے ہیں۔ ثانیاً دستور میں ایک جدید شق کا اضافہ کر دیا گیا۔ جس کا منشا یہ ہے کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم المرسلین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط اعتقاد نہیں رکھتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ دستور کی دفعہ ۲۶۰ میں اس جدید شق (۳) کا متن حسب ذیل ہے:

"جو شخص خاتم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر قطعی اور غیر مشروط اعتقاد نہیں رکھتا ہے یا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم و مطلب میں پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا وہ کسی ایسے مدعی کو پیغمبر یا مذہبی مصلح تسلیم کرتا ہے تو وہ دستور یا قانون کے مقصد و منشار کے بموجب مسلمان نہیں ہے"

اسمبلی نے تعزیرات پاکستان میں مناسب ترمیم کرنے کے لئے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اگر کوئی مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمہ نبوت کے تصور کے خلاف تبلیغ یا تلقین کرتا ہوا پایا گیا تو وہ مستوجب سزا ہوگا۔

اسمبلی نے مزید یہ فیصلہ کیا کہ انتخابی فہرستوں اور سفری دستاویزوں مثلاً پاسپورٹوں اور شناختی کارڈوں وغیرہ میں قادیانیوں کا اندراج غیر مسلم کی حیثیت سے کیا جائے گا۔

مذکورہ قرارداد میں ایک بار پھر اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ پاکستان کے تمام شہری، خواہ وہ کسی بھی فرقہ یا جماعت کے پیرو ہوں، کی زندگی، آزادی، املاک، عزت اور بنیادی حقوق کی بلا کسی فرق و امتیاز کے مکمل حفاظت اور کامل تحفظ کیا جائے گا۔

براہ راست منتخب شدہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے غیر جانبداری کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بوجہ احسن غور و خوض کر لینے اور قادیانیوں کو بحسن و خوبی اپنا مقدمہ اس کے روبرو پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کر دینے کے بعد مذکورہ بالا فیصلہ کیا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے پاکستان نے جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے اس پر کسی بھی ملک و ملت کا کوئی

معقول شخص اعتراض نہیں کرسکتا۔ قادیانیوں کو بھی مطمئن ہوجانا چاہیے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی ناانصافی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے برعکس ان کی تمام اسلام مخالف اور ملک دشمن سرگرمیوں کے باوجود دستور میں ان کی زندگی، آزادی، عزت، املاک اور بنیادی حقوق کی مکمل ضمانت اور حفاظت کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔

پاکستان کے مسلمانوں نے پارلیمنٹ کے فیصلوں پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے وسیع القلبی کے ساتھ قادیانیوں کا کامل تحفظ کیا جس سے قادیانی ایک غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اس تاریخ سے آج تک پاکستان کے کسی مقام پر کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں رونما ہوا۔ لیکن مرزا ناصر نے اس قرارداد پر جس شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے مسلمانوں کو اس پر بڑی حیرت ہوئی ہے۔ انھوں نے ربوہ میں نماز جمعہ سے بیشتر خطبہ کے دوران صاف طور پر اعلان کیا کہ قادیانی، پاکستانی پارلیمنٹ کے ان فیصلوں کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ سابقہ دستوروں کی مانند موجودہ دستور بھی کالعدم کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے قادیانیوں کو حوصلہ دلایا کہ آئندہ جنوری اور فروری کے مہینوں میں ان کو کسی قدر عمدہ اور اچھی خبر موصول ہوگی جس سے وہ یقیناً خوش ہوں گے۔

ملک کے باہر قادیانیوں نے پاکستان کے خلاف جارحانہ پروپیگنڈے کی مہم شروع کر دی۔ یہ خبر بھی دستیاب ہوئی کہ اس مقصد کے لئے خاصہ بڑا سرمایہ اکٹھا کیا گیا ہے جس میں خود قادیانی اور ان کے یہودی رفیقوں نے بڑی خطیر رقمیں بطور چندہ جمع کر دی ہیں اس بارہ خاص میں انھوں نے امریکہ اور دیگر ممالک میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹائمز خرید لیا ہے اور پاکستان اور اس کے حلیف مسلم ملکوں خصوصیت کے ساتھ سعودی عربیہ کا مذاق اور مضحکہ اڑانے کے لئے نمائشی اشتہارات بھی بعض اخبارات میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ قادیانیت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی

دشمن ہے۔ ایک اعتبار سے قادیانی حد درجہ خطرناک ہیں کیونکہ ان کی اور مسلمانوں کی شکل و شباہت اور رہن سہن میں ایک گونہ مماثلت کی وجہ سے ان کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے۔ پاکستان میں جب سے ان کو غیر مسلم قرار دیدیا گیا ہے ان کے اندر اور بھی زیادہ انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ دنیا کے مسلمانوں کو اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد اور متفق ہو جانا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی جو پہلے ہی سے اس سلسلے میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دے رہی ہے مزید ضروری رہنمائی کر سکتی ہے۔ اس موقعہ پر میں رابطہ عالم اسلامی کے غور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر رہا ہوں:

۱۔ پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کے متعلق دستور میں جو ترمیمیں کی ہیں دنیائے اسلام میں وسیع تر نشر و اشاعت کے لئے ان کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور دنیا کے تمام مسلم ملکوں سے گذارش کی جائے کہ وہ بھی اپنے یہاں اسی قسم کے اقدامات عمل میں لائیں۔

۲۔ قادیانی لٹریچر کے اثر و نفوذ کو روکنے کے لئے قادیانیوں کی کتابوں، مطبوعہ موادوں اور رسالوں کی ایک فہرست مرتب کر کے ہر جگہ شائع کیا جائے۔ ان کی اہم کتابوں اور تصنیفوں کی عکسی نقلیں اور اقتباسات بھی مسلم تنظیموں اور اداروں کو فراہم کئے جائیں تاکہ وہ ان کے مآخذ سے واقف ہوں اور ان کی اشاعت کو اپنے اپنے علاقوں میں موثر طریقہ پر روک سکیں۔

۳۔ قادیانی مذہب کے ماہرین کی ایک جماعت قائم کی جائے جو قادیانیت کے موضوع پر لیکچر دینے کے لئے امریکہ، یورپ اور افریقہ کے مختلف ممالک کا دورہ کریں۔ ماہرین کی یہ جماعت قادیانی علماء سے مناظرے کا بھی انتظام کرے تاکہ عوام کے روبرو ان کا پردہ فاش ہو سکے۔ مسلمانوں نے علم و اطلاع کے لئے ہر ایک ملک میں قائم قادیانیوں کے دعوتی مرکزوں، مسجدوں، اسپتالوں اور اسکولوں کی ایک ایک جامع فہرست مرتب کی جائے۔

۵۔ سربرآوردہ قادیانیوں کی ایک فہرست ترتیب دی جائے تاکہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا بہانہ کرکے کسی مسلم ملک میں گھس کر کسی کلیدی جگہ پر قبضہ نہ کرسکیں۔

۶۔ خالصتاً قادیانیت کے موضوع پر اہم زبانوں میں رسالوں کا اجراء کیا جائے۔ کثرت سے قادیانی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ دوسرے مائل بہ اسلام اشخاص کی ہمت افزائی کے لئے ان کے کوائف اور بیانات ان رسالوں میں شائع کئے جائیں تاکہ وہ بلا تامل اسلام قبول کریں۔

۷۔ ان مقامات میں جہاں قادیانی مصروف کار ہیں مسلم دعوتی مرکزوں کو خصوصیت کے ساتھ تقویت پہونچائی جائے۔

۸۔ مسلم عوام کی واقفیت کے لئے دنیا کے مختلف مقامات میں قادیانی سرگرمیوں کی اطلاعات یکجا کرکے شائع کی جائے۔

۹۔ رابطۂ عالم اسلامی ایک خصوصی کمیٹی قائم کرے جو قادیانی چالوں اور منصوبوں کا مستقل مطالعہ کرے اور ان کا موثر توڑ کرنے کے لئے رابطہ کو بروقت تجاویز پیش کرے۔ اس سلسلہ میں جو مقامی مسائل پیدا ہوں انھیں بھی ماہرانہ صلاح کے حصول کے لئے اس کمیٹی سے رجوع کیا جائے۔

میں آخر میں ایک بار پھر رابطۂ عالم اسلامی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خدائے قادر و توانا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری رہنمائی سمت راست میں کرے۔

مِلّتِ واحدہ

احمدی

اہل القرآن

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
ہائے اِن مالیوں نے باغ اُجاڑا تیرا

اہل الرائے

اہل بدعت

اہل تشیع

معتزلہ

تخریبِ ملت

ایک اللہ کو ماننے والی "اُمّتِ واحدہ" ایک کعبہ مقصود رکھنے والی "اُمّۃ وسطیٰ" ایک "رسولؐ" کا کلمہ پڑھنے والے "مومن" "ایک کتاب" پر ایمان لانے والے "مُسلم" مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ جُوں جُوں وقت گذرا اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔ گروہ بندیوں نے شیرازۂ ملّی مُنتشر کر دیا "وحدتِ ملّی" پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

ربّ الارباب کا اعلان تو آج بھی موجود ہے۔ "باہمی نزاع سے بچو۔ ورنہ سست پڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی" (انفال۔ رکوع ۶)

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ؏